اُردو شاعری میں حمد و مناجات کی روایت

تحقیقی و تنقیدی جائزہ

مقالہ برائے پی ایچ۔ ڈی (اُردو)

سیشن (۲۰۰۹ء۔ ۲۰۱۲ء)

مقالہ نگار

سعدیہ حسن

اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ اُردو

گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج برائے خواتین

وحدت کالونی لاہور

نگران

ڈاکٹر نفیس اقبال

سابق صدر شعبہ اُردو

لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی

لاہور

شعبہ اُردو، لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی ۔ لاہور

اُردو شاعری میں حمد و مناجات

مقالہ برائے پی ایچ۔ ڈی (اُردو)

اس مقالے کی منظوری، ایڈوانسڈ سٹڈیز اینڈ ریسرچ بورڈ کے اجلاس منعقدہ ۸ دسمبر ۲۰۱۱ء کو دی گئی

مقالہ نگار

سعدیہ حسن

رجسٹریشن نمبر 09-Ph.d/LCWU-15759

شعبۂ اُردو

لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی۔ لاہور

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَٰنِ الرَّحِيمِ

اقرار نامہ

میں سعدیہ حسن پی ایچ۔ ڈی ریسرچ سکالر، رجسٹریشن نمبر 09-Ph.d/LCWU-15759 اقرار کرتی ہوں کہ مقالے میں پیش کیا جانے والا مواد بعنوان ''اُردو شاعری میں حمد و مناجات'' میری ذاتی کاوش ہے اور یہ کام پاکستان یا پاکستان سے باہر کسی بھی تحقیقی یا تعلیمی ادارے کی طرف سے شائع ،طبع یا پیش نہیں کیا گیا۔

دستخط مقالہ نگار

سعدیہ حسن

تاریخ

تصدیق نامہ

میں تصدیق کرتی ہوں کہ محترمہ سعدیہ حسن رجسٹریشن نمبر 09-Ph.d/LCWU-15759 نے پی ایچ۔ڈی (اردو) کی ڈگری کے لیے ''اردو شاعری میں حمد و مناجات کی روایت'' کے زیرعنوان اپنا تحقیقی مقالہ میری نگرانی میں مکمل کیا ہے مزید یہ کہ:

۱۔ اس مقالے میں پیش کردہ حقائق و نتائج براہِ راست میری نگرانی میں اخذ کیے گئے ہیں اور انفرادیت و امتیاز کے حامل ہیں۔

۲۔ اس مقالے میں بیان کیے گئے نکات تحقیقی صحت و معیار کے لحاظ سے قابلِ اعتبار ہیں۔

۳۔ اس مقالے میں بروئے کار آنے والا تحقیقی مواد اور اُس کے مصادر و منابع بہت اہم ہیں اور کسی ادارے میں ان کے حوالے سے براہِ راست اور مماثل انداز میں کسی بھی ڈگری کے لیے تحقیقی کام نہیں ہو رہا ہے۔

۴۔ اِس مقالے میں حقائق کی جمع آوری کے ساتھ ساتھ تحلیل و تجزیہ کا کام بھی عمدگی سے کیا گیا ہے۔ مقالہ نگار کا اُسلوبِ تحریر منجھا ہوا ہے اور اِس میں کوئی قابلِ اعتراض مواد بھی نہیں ہے۔

۵۔ امیدوار نے یہ مقالہ میری نگرانی میں لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی۔ لاہور کے وضع کردہ طریقِ کار کے مطابق تحریر کیا ہے۔

لہٰذا یہ مقالہ ہر اعتبار سے اِس قابل ہے کہ اسے لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی۔ لاہور میں مروج طریقِ کار کے مطابق پی ایچ۔ڈی کی ڈگری کے حوالے سے جانچنے کے لیے پیش کیا جا سکے۔

دستخط نگران مقالہ: ______________________

نام: ڈاکٹر نفیس اقبال

عہدہ: سابق پروفیسر و صدر شعبۂ اردو

لاہور کالج برائے خواتین یونیورسٹی۔ لاہور

اللہ

کے نام

منت منه که خدمت سِلطان همی کنی

منت شناس ازو که بخدمت بلانشست

سعدیؔ شیرازی

سرمتن

هٰذَا تَاْوِیْلُ رُءْیَایَ مِنْ قَبْلُ (یوسف:۱۰۰)

ترجمہ: یہ میرے پہلے خواب کی تعبیر ہے۔

تمام تر حمد و ثنا کی سزاوار وہ ذاتِ احد ہے جو اپنی رحمانیت و رحیمیت میں بے مثل و بے نظیر ہے جس کی بے کراں و بے عدیل محبت کی ایک جھلک میرے ''ابوین''، ہیں جنھوں نے میرے کمزور و ناتواں ہاتھ کو قلم کی طاقت سے روشناس کرایا۔ انھی کی محبت کا ثمر اور ان کے خوابوں کی تعبیر حمد و مناجات پر تحقیق کی صورت میں پیشِ خدمت ہے۔ **فجزاہ اللہ احسن الجزا۔**

مقالہ ''اردو و شاعری میں حمد و مناجات کی روایت'' آٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اوّل میں موضوع کے تمہیدی مباحث پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ سب سے پہلے حمد و مناجات کے لغوی مفاہیم اور مطالب کا ذکر ہے۔ بعد ازاں مختلف مذاہب اور اقوام میں تصور خدا اور حمد و مزامیر سے بحث کی گئی ہے۔ عربی اور فارسی شاعری میں حمد کی روایت کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔ نیز حمد و مناجات کے فن ،شعری لوازم) اور اس کے مقتضیات بھی زیرِ بحث آئے ہیں۔

باب دوم میں برعظیم پاک و ہند میں اردوئے قدیم کے ابتدائی نمونوں بالخصوص صوفیائے کرام کی جکریوں، دوہروں اور شعری تصانیف میں حمدیہ مناجاتیہ عناصر کی نشاندہی کی گئی ہے۔ بہمنی، قطب شاہی اور عادل شاہی دورِ اقتدار میں شعرا کی حمد و مناجات کی ذیل میں دلکش کاوشیں منظرِ عام پر آئیں۔ جن کا بابِ دوم میں مفصل جائزہ لیا گیا۔

باب سوم شمالی ہند میں دبستان دلی اور دبستان لکھنو کے شعرا کی حمد و مناجات کے جائزے پر مشتمل ہے۔ اہلِ دلی و لکھنو کے کے جداگانہ اسلوب نے حمد و مناجات کو بھی متنوع رنگوں سے جس طرح مزین کیا ہے باب سوم میں انھیں زیرِ بحث لایا گیا ہے۔

جنگِ آزادی (۱۸۵۷ء) سے آزادی (۱۹۴۷ء) تک کا دور جس کش مکش پیہم کو اپنے جلو میں لیے ہوا تھا اس نے اردو حمد میں فریاد، استمداد اور مناجات کو فروغ دیا۔ باب چہارم میں اس دور کی حمدیہ شاعری میں

اقبالؔ، ظفرؔعلی خان، مولانا محمد علی جوہرؔ اور دیگر شعرائے تحریک آزادی کے ہاں توکلت علی اللہ، رضا بررضائے الٰہی اور ایمانِ کامل کے پُراثر نمونوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔

باب پنجم قیامِ پاکستان سے تاحال اردو شاعری میں حمد و مناجات کی اصناف میں شعرائے کرام کی کاوشوں اور ان کے فروغ کے لیے کی جانے والی کوششوں کے تذکرے پر مشتمل ہے۔

بابِ ششم میں نعت گو شعرا کی حمد نگاری کا جائزہ لیا گیا ہے اور انھوں نے اردو حمد و مناجات پر جو اثرات مرتب کیے اس کی نشاندہی کی گئی ہے۔ بابِ ہفتم اردو حمد کے باب میں اب تک کی جانے والی کوششوں اور اردو کے اولین حمدیہ مجموعے کی تحقیق و دریافت سے لے کر ۲۰۱۳ء تک کے حمدیہ مجموعوں کے مفصل جائزے پر مشتمل ہے۔

بابِ ہشتم میں حمد گو شاعرات اور غیر مسلم شعرا کی حمد و مناجات پر بحث کی گئی ہے۔

مقالے کی کتابیات میں قرآن و حدیث، لغات، کتبِ تاریخ، کلیات و دواوین، مثنویات، نعتیہ مجموعہ جات، جرائد کے خصوصی شمارے، عام اشاعتیں، غیر مطبوعہ مقالہ جات ، انسائیلو پیڈیاز اور انگریزی کتب کے حوالے دیئے گئے ہیں۔

۲۰۱۰ء میں جب اس مقالے کا خاکہ تیار کیا گیا ، حمد کے موضوع پر بہت کم مواد دستیاب تھا۔ حمد کے باب میں بھارت سے تعلق رکھنے والے ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط کی تحقیقی کتاب ''اردو میں حمد و مناجات'' کراچی سے ۲۰۰۰ء میں شائع ہوئی جبکہ پاکستان سے کی جانے والی پہلی تحقیق ڈاکٹر عاصی کرنالی کی ''اردو حمد ونعت پر فارسی شعری روایت کا اثر'' ۲۰۰۱ء میں منظرِ عام پر آئی۔ مذکورہ کتب کے علاوہ حمد پر رسائل (مفیض،نعت رنگ، نعت، کاروان ادب اور جہان حمد) کے حمد نمبروں نے مواد کی فراہمی کے ساتھ ساتھ ''فکر و خیال'' کے نئے نئے گوشے سجھائے۔

مگر اردو حمد و مناجات کی شعری روایات از آغاز تا حال کے موضوع پر اب تک جامعات کی سطح پر کوئی تحقیقی کام منظر عام پر نہ آیا تھا۔ راقمہ کا تحریر کردہ یہ مقالہ اس باب میں حرفِ اوّل کی حیثیت رکھتا ہے۔ جو کسی بھی طور حمد کے فکر وفن اور اردو حمد گو شعرا کی مساعی جمیلہ کا پوری طرح احاطہ نہیں کرتا۔ درِ تحقیق وا ہے اور مستقبل کے پر جوش محققین کا کشادہ دلی سے استقبال کرتا ہے۔

من لم یشکر الناس لم یشکر اللّٰہ(سنن ترمذی، **البرو الصلة، باب ماجاء فی الشکر لمن احسن الیک۔** رقم ۱۹۵۵ء) کے مصداق، مقالہ نگاری کے طویل اور کٹھن مرحلوں میں جن مشفقوں نے میری راہنمائی فرمائی ان کا شکریہ مجھ پر واجب ہے۔ استادِ محترم ڈاکٹر نفیس اقبال نے جس محبت سے خاکے سے مقالے کی تکمیل تک شفقت و معاونت فرمائی ہے اس کے لیے میں ان کی از حد ممنون ہوں۔ اپنے مرحوم والد پروفیسر جعفر بلوچ کے بے حد عزیز دوست بلکہ بھائی اور اپنے استاد محترم ڈاکٹر تحسین فراقی کے لیے تہہ دل سے دعائیں، جن کے مفید مشوروں اور ہمہ وقت اور ہمہ پہلو توجہ کے بغیر اس پھیلے ہوئے اور وسیع کام کو سمیٹنا مشکل ہی نہیں ناممکن تھا۔

فراہمیٔ کتب کے لیے جہاں میں پنجاب پبلک لائبریری لاہور، گورنمنٹ پوسٹ گریجوایٹ کالج برائے خواتین وحدت کالونی لاہور لائبریری، اردو سیمینار لائبریری لاہور کالج، اورینٹل کالج لائبریری لاہور، میوزیم لائبریری لاہور، پنجاب یونیورسٹی مرکزی لائبریری، منصورہ لائبریری لاہور کی از حد منون ہوں وہیں بہت سے ایسے اصحاب کی بھی احسان مند ہوں جن کے ذاتی کتب خانے میرے لیے توشۂ نعمت ثابت ہوئے۔ ان میں سرفہرست جناب طاہر سلطانی ہیں جو اردو حمد کے فروغ کے لیے ہمہ وقت سعی پیہم میں مصروف ہیں۔علاوہ ازیں ڈاکٹر عبدالغنی فاروق صاحب، جناب منصور ملتانی، جناب عباس نجمی اور ڈاکٹر ریاض قدیر صاحب نے بھی فراہمی کتب کے لیے بے حد تعاون کیا۔جس کے لیے میں ان کی شکر گزار ہوں۔ اپنے اہل خانہ کے تعاون کا شکریہ ادا کرنا میرے لیے ایک خوشگوار فریضہ ہے۔ میں اپنی ماما پروفیسر رباب بانو، بھائی مظفر حسن بلوچ، ہمسر گرامی پروفیسر غلام صابر اور بچگان (شاہ بانو، یحییٰ اور عیسیٰ) بالخصوص ننھے عیسیٰ کی شکر گزار ہوں جس کی معصومانہ ادائیں اور مسکراہٹیں مقالے کے تھکا دینے والے مراحل میں میرے لیے فرحت و تازگی کا سامان بنیں۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ سب احباب کو زندگی اور آخرت کی حقیقی نعمتوں سے نوازے (آمین) **فالحمد للّٰہ رب العلمین۔**

سعدیہ حسن

۱۴۔ مارچ ۲۰۱۳ء

بمطابق یکم جمادی الاوّل ۱۴۳۴ھ

فہرست ابواب

باب اول: حمد ومناجات۔ تمہیدی مباحث

باب دوم: جنوبی ہند میں حمد ومناجات نگاری

باب سوم: شمالی ہند میں حمد ومناجات کی روایت

باب چہارم: حمد ومناجات۔ جنگ آزادی (۱۸۵۷ء) سے آزادی (۱۹۴۷ء) تک

باب پنجم: تقسیم ہند سے عصر حاضر تک۔ حمد ومناجات نگاری

باب ششم: عصرِ حاضر کے ممتاز نعت گویانِ اُردو کی حمد نگاری

باب ہفتم: اُردو کے حمدیہ مجموعے۔ تحقیقی وتنقیدی جائزہ

باب ہشتم: حمد ومناجات کے متفرق پہلو

(i): بارگاہِ الٰہی میں اردو شاعرات کی حمد ومناجات

(ii): غیر مسلم شعرا کی حمدیہ ومناجاتیہ شاعری

نتائج:

خلاصہ/Abstract

مقالہ ہٰذا بعنوان ''اُردو شاعری میں حمد و مناجات کی روایت'' کو آٹھ ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ باب اول میں حمد و مناجات کے لغوی مفاہیم، مختلف مذاہب میں خدا کے تصورات، حمد کی روایت اور قرآن و حدیث میں حمد و مناجات کی تاکید، فضیلت اور عربی، فارسی شاعری میں حمد کی روایت کا تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے۔

باب دوم میں جنوبی ہند میں اُردو کے ابتدائی کے شعرا کے یہاں حمد و مناجات کے ابتدائی نمونوں کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔ نیز صوفیائے کرام کے جکریوں، گیتوں اور دیگر اصناف میں حمد کے عناصر کا سراغ لگایا گیا ہے۔

باب سوم میں شمالی ہند میں اور بلخصوص دہلی اور لکھنؤ کے ممتاز شعرا کے یہاں حمد و مناجات کے جو نوع بہ نوع نمونے دستیاب ہوتے ہیں اُن سے اُردو حمد کے موضوعات اور فن میں جو ترقی ہوئی اُس کا مفصل جائزہ لیا گیا ہے۔

باب چہارم ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک کے طویل اور سیاسی و معاشرتی اعتبار سے مشکل ترین دور میں حمد و مناجات نگاری سے بحث کرتا ہے۔ اس دور میں شعرائے کرام نے اُردو حمد کے موضوعات میں رضائے الٰہی اور ہستی باری تعالیٰ پر توکل اور یقین کے موضوعات کا جو اضافہ کیا ہے، وہ ناقابلِ تردید ہے۔

باب پنجم پاکستان میں اُردو حمد و مناجات کے دور پر مشتمل ہے۔ اس دور میں بھی معروف و غیر معروف شعرا نژادِ نو کی اصلاح و تبلیغ کے لیے بھی حمد و مناجات کی اصناف سے کام لیتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ نیز اُن کی حمدیہ شاعری پر قرآن کے اثرات بھی واضح طور پر دیکھے جا سکتے ہیں۔

اُردو کے نعت گو شعرا نے اُردو حمد و مناجات کے دامن کو نایاب اور قیمتی موتیوں سے بھر دیا ہے۔ اُن کی نعتیہ شاعری تو قابلِ تعریف ہے ہی مگر اُن کی حمدیہ شاعری کے مفصل تزکرے کے بغیر اُردو حمد کی روایت نامکمل ہے۔ باب ششم میں اِن شعرا کی کاوشوں کا جائزہ لیا گیا ہے۔

باب ہفتم میں اُردو میں دستیاب حمدیہ مجموعے جو راقمہ کی تحقیق سے قبل ۴۰ کے لگ بھگ تھے اُن کی تعداد میں تحقیق کے بعد ۱۳ مزید مجموعوں کی دریافت کی گئی ہے۔ نیز اُردو کے اولین حمدیہ مجموعے ''دیوانِ مناجاتِ ہندی'' کی بازیافت اور تنقیدی جائزہ بھی پیش کیا گیا ہے۔

باب ہشتم میں اُردو شاعرات اور غیر مسلم شعرا کی حمدیہ شاعری کو زیرِ بحث لایا گیا ہے۔ اِس طرح اُردو حمد و مناجات کی روایت کا ایک جامع نقشہ سامنے آ جاتا ہے۔

باب اوّل

حمد ومناجات۔ تمہیدی مباحث

فصل اوّل: حمد و مناجات کے لغوی و اصطلاحی مفاہیم

فصل دوم: محرکات وم آخذ

(i) مذاہبِ عالم میں تصورِ خدا

(ii) مذاہبِ قدیم میں حمدِ الٰہی

(iii) توحید وتحمید و دعا۔ قرآن وسنت کی روشنی میں

(iv) اثباتِ الٰہی کے دلائل۔ قرآن کی روشنی میں

فصل سوم: موضوعات ومضامین

(i) دینی و مذہبی موضوعات

(ii) صوفیانہ مضامین وموضوعات

(iii) فلسفیانہ موضوعات

(iv) حمد کی فنی تقسیم/ ہیئتیں

(v) حمدیہ شاعری۔ نقد و معیار

فصل چہارم: عربی و فارسی شاعری میں حمد کی روایت کا سراغ اور ارتقائی مطالعہ

(i) عربی شاعری میں حمد کی روایت اور ارتقا

(ii) فارسی شاعری میں حمد و مناجات

فصل اوّل:

حمد و مناجات کے لغوی و اصطلاحی مفاہیم

حمد کے مندرجہ ذیل مفاہیم اردو لغات میں دیے گئے ہیں:

۱۔ حمد......خدا کی تعریف ۱۔ ۲۔ ۳۔ ۴۔

۲۔ حمد۔ ع (مونث) خدا کی تعریف (کرنا، ہونا کے ساتھ) حمد و ثنا (مونث) خدا کی تعریف۔ حمد صرف خدا کے لیے مخصوص ہے اور ثنا انسان کی بھی ہو سکتی ہے۔۵۔

۳۔ حمد۔تعریف،توصیف، ثنا، ستائش، تمجید، تحمید، مدح، نیایش، منقبت، استُت، جے جے کار ۶۔

۴۔ حمد۔ ع بالفتح،مونث۔ خدا کی تعریف، خدا کی بزرگی اور عظمت بیان کرنا، حمد خدا کے لیے مخصوص ہے اور ثنا کا استعمال انسان کے لیے بھی ہو سکتا ہے۔ع ثنائے محمد بود دل پذیر ۷۔

۵۔ **حَمِدَہٗ(س) حَمْداً و محمداً و محمدۃً و محمِدَۃ۔ فضیلت کی بنا پر تعریف کرنا** ۸۔

۶۔ تعریف، تعریف کرنا اور اصطلاحِ خاص میں بیان جلال و عظمت حق تعالیٰ کا ۹۔

۷۔ حمد (فت ح سک م) امث

(i) خدا کی تعریف ، ستائش۔ دایم روزہ دار سو خدا ہے حمد اوس کی صفت یگانہ ہور بے پروا ہے (۱۶۰۳ شرح تمہیدات ہمدانی ص ۱۵۴)

رہِ حمد میں تیری اے عزوجل
تجھے سجدہ کرتا چلوں سر کے بل

(سحرالبیان ۱۷۸۴ء)

نہیں کوئی شریک اوسکا اوسی کے لیے سلطنت ہے اور اوسی کے لیے حمد ہے۔

(۱۸۷۳ء مطلع العجائب، ۹۴)

کیا حمد ہو خدا کی
حد ہی نہیں ثنا کی (۱۹۷۱ء،صد رنگ، ۱۶)

(ii) کلام (نثر یا نظم) کا وہ حصہ یا جزو جس میں خدا کی تعریف و سپاس ہو جس کلام میں خداوند تعالیٰ کی بڑائی اور قدرت وخدائی اور اس کے کمال و جلال کا بیان ہو اس کو حمد و ثنا کہتے ہیں۔۱۰؎

۸۔ حمد۔(ح م د) الحمد اللہ تعالیٰ کے معنی اللہ تعالیٰ کی فضیلت کے ساتھ اس کی ثنا بیان کرنے کے ہیں۔ یہ مدح سے خاص اور شکر سے عام ہے کیونکہ مدح ان افعال پر بھی ہوتی ہے جو انسان سے اختیاری طور پر سرزد ہوتے ہیں اور ان اوصاف پر بھی جو پیدائشی طور پر اس میں پائے جاتے ہیں چنانچہ جس طرح مال کے خرچ کرنے اور علم وسخا پر انسان کی مدح ہوتی ہے اسی طرح اس کی درازئ قدو قامت اور چہرہ کی خوبصورتی پر بھی تعریف کی جاتی ہے لیکن حمد صرف افعالِ اختیار یہ پر ہوتی ہے نہ کہ اوصافِ اضطرار یہ پر اور شکر تو صرف کسی کے احسان کی وجہ سے اس کی تعریف کو کہتے ہیں لہٰذا ہر شکر حمد ہے مگر ہر حمد شکر نہیں ہے اور ہر حمد مدح ہے مگر ہر مدح حمد نہیں ہے۔۱۱؎

۹۔ تعریف، ستائش (اپنی تمام جنس اور نوع میں) اللہ کے لیے ہے۔ اس لیے کہ تمام ستودہ صفات کا منبع اور مرجع اسی کی ذات ہے۔ حمد، ذم کی ضد ہے اس سے مراد کسی ایسی چیز کی تعریف ہے جو ستودہ شخص کے ارادے پر موقوف ہو اور اس لحاظ سے وہ مدح سے مختلف ہے جو اس طرح مقیّد نہیں ہے، اسی طرح وہ شکر سے بھی مختلف ہے اگرچہ اس سے شکر کا (جس کا عکس کفران ہے) اظہار ہوسکتا ہے۔ لفظ ثنا جس کا ترجمہ اکثر مدح کیا جاتا ہے لیکن جو زیادہ صحیح طور پر لحاظ کرنے یا رعایت رکھنے کے معنی میں ہے، مدح اور ذم دونوں کے لیے استعمال ہوسکتا ہے۔۱۲؎

۱۰۔ ستائش، تعریف، قرآن مجید کی پہلی سورۃ کا نام بھی ہے اور اس لیے کہ اس کے آغاز میں لفظ حمد آیا ہے اور وہ یہ ہے۔ الحمد اللہ رب العلمین ہر طرح کی توحید خدا ہی کو سزاوار ہے۔ خدا کی تعریف تین طرح سے ہوسکتی ہے، زبان سے اسے حمدِ قولی کہتے ہیں۔ اعضا سے جیسے نماز، روزہ اور حج اسے حمدِ فعلی کہتے ہیں اور دل سے، اسے حمدِ حالی کہتے ہیں۔۱۳؎

۱۱۔ سپاس و ثنا و شکر ۱۴؎

۱۲۔ ستائش و شکر کردن۔ بہ اصطلاح خاص بیان کبریا و جلال و عظمت حق سبحانہ و تعالیٰ را گویند و بعضی از محققین چنان نوشتہ اند کہ حمد در لغت ثنا کردن است بزبان برخوبی اختیاری کسی برای تعظیم وی، چنانچہ گوئی

زید خوش نویس است و کتاب خوب می خواند و در اصطلاح فعلیکہ آ گاہی دہد از تعظیم منعم خواہ بزبان باشد خواہ بہ دل خواہ بدست و مدح آنست کہ ثنا بزبان باشد، برخوبی کسی کہ آن خوبی بہ اختیار اونباشد چنانچہ گوئی زید کمال حسین است و نہایت ذہین و نزد بعضی حمد و مدح مترادف اند اختیاری و غیر اختیاری شرط نیست۔ ۱۵۔

اب ہم مناجات کے معنی دیکھتے ہیں:

۱۳۔ مناجات: ع۔ سرگوشی کرنا۔ کانمیں بات کہنا۔مجازاً دعا کرنی خدا کی جناب میں اسطور پر کہ اس کو حاضر جان کر جس طرح باتیں کرتے ہیں۔۱۶۔

۱۴۔ مناجات (ع۔ا۔مث) (ا) سرگوشی، کانا پھوسی (۲) دعا،عرض، التجا (۳) وہ نظم جس میں خدا کی تعریف اور اپنی عاجزی کا اظہار کر کے دُعا مانگی جائے۔۱۷۔ ۱۸۔

۱۵۔ اَلنَجویٰ۔ بھید، رازدار، راز ۱۹۔

۱۶۔ مناجات۔ التجا، دعا کانا پھوسی، سرگوشی ۲۰۔

۱۷۔ (ا) سرگوشی، کانا پھوسی (۲) دعا، بھجن (۳) التجا، عرض (۴) وہ نظم جس میں خدا کی تعریف اور اپنی عاجزی کا اظہار کر کے دعا اور التجا کی جائے۔ نجو۔ نجّا (کسی سے علیحدہ بات کرنا) مناجاتی (مذکر) مناجات کرنے والا۔ ۲۱۔

۱۸۔ (ا) حمد (۲) التجا، عرض، استدعا، التماس، درخواست ۲۲۔

۱۹۔ وہ نظم جس میں خدا کی تعریف اور اپنی عاجزی بیان کر کے دعا کی جائے۔ ۲۳۔

۲۰۔ النجویٰ۔ اسم ہے مناجات کا۔ بھید سرگوشی کرنے والے اور یہ وصف بالمصدر ہے اس میں واحد جمع برابر ہیں کہا جاتا ہے ہم نجویٰ۔ ۲۴۔

۲۱۔ ع۔ اسم مونث (ا) سرگوشی، کانا پھوسی۔ کسی سے اپنا بھید کہنا مجازاً طلبِ نجات کے واسطے خدا کی درگاہ میں اسے حاضر جان کر اس طرح دعا کرنا جس طرح سامنے بیٹھ کر باتیں کیا کرتے ہیں، یا یوں کہو چونکہ دعا میں خدا ہے آدمی اپنے دل کے راز بیان کر کے ان کے حسب منشا ہونے کے واسطے درخواست کرے اس لئے مجازاً دعا کے معنی ہو گئے۔ دعا۔ التجا۔ بھجن (۲) وہ نظم جس میں خدا تعالیٰ کی تعریف اپنی

بیکسی اور عاجزی کا بیان نجات طلبی کے ساتھ ہو۔۲۵؎

۲۲۔ والنجویٰ اَصْلُہ المصدر، قال: "انما النجوی من الشیطان" (المجادلۃ/۱۰)

وَقَالَ اَلَمْ تَرَی اِلَی الَّذِیْنَ نُھُوا عَنِ النَّجْوَی (المجادلۃ/۸) وقد یوسف بالنجوی، فیقال: "ھُو نجوی وھم نجوی: قال تعالیٰ: "وِاذْھُمْ نجویٰ" (الاسرا/۴۸)

مناجات کے ساتھ دعا، کے مفاہیم کا اجمال ذکر یہاں بے جا نہ ہوگا۔

۲۳۔ دعا۔ (ع۔ا۔مث) (۱) خدا سے مانگنا، التجا، التماس، استدعا (۲) دعا کی عبارت (۳) مناجات، مغفرت کی طلب، کسی کی بہتری کی خواہش، مراد ۲۷؎۔۲۸؎

۲۴۔ دعا۔ مانگنا، خواہش کرنا ۲۹؎

۲۵۔ اللہ تعالیٰ سے خواہش۔ جمع اَدْعِیَہ مانگنا ۳۰؎

۲۶۔ (۱) حاجت، درخواست، التجا، استدعا، التماس، عرض، چھوٹے کا بڑے سے مانگنا (۲) منتر، افسون، وظیفہ (۳) مناجات، مغفرت کی طلب (۴) نیکی، بھلائی، بہتری، اسیس، آشیر باد ۳۱؎

۲۷۔ دُعَاءٌ و دَعْوٰی۔ الدُّعا کالنَّدائِ ۳۲؎

۲۸۔ (ع، جمع=ادعیہ) دَعَا یَدْ عُو دُعاءً و دَعْوٰی۔ لغوی معنی بلانا، پکارنا منسوب کرنا، نام رکھنا...... دعا کا اصطلاحی معنی اللہ تعالیٰ سے استمداد و استغاثہ ہے- اپنے یا کسی کے حق میں یا کسی کے خلاف اللہ تعالیٰ سے دعا تین طرح سے ہوتی ہے: (۱) اس کی توحید بیان کرنا اور اس کی حمد و ثنا کرنا (۲) اللہ تعالیٰ سے عفوورحمت ایسی چیزیں طلب کرنا جن سے اس کا قرب حاصل ہو۔ (۳) دنیا کی بھلائی کی درخواست کرنا۔ تہلیل وتحمید کو بھی دعا کہا جاتا ہے کیونکہ یہ بھی اللہ تعالیٰ سے جزا حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔" ۳۳؎

ان الفاظ کے لغوی معانی و مفاہیم سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ حمد صرف اللہ کی تعریف وتوصیف کے لیے مخصوص ہے۔ اس کے دائرہ مفہوم میں کوئی اور ذات یا ہستی داخل نہیں ہوسکتی۔ یہ خدا کے لیے مخصوص ہے، غیر خدا کے لیے نہیں۔

حمد اور مناجات لازم وملزوم ہیں۔ ایاک نعبدو وایاک نستعین۔ اس کی بہترین مثال سورۃ فاتحہ ہے جس کی تفصیل آگے اپنے مقام پر آئے گی۔ مختصراً حمد اور مناجات و دعا تینوں ایک دوسرے کی استعانت کر تے

ہیں۔ کیونکہ ایک حماد جب دعا کرتا ہے تو وہ مختلف کیفیات سے گزرتا ہے جس میں شکر بھی ہے، صفات الٰہی کی تمجید بھی ہے، مدد طلبی بھی ہے، راز و نیاز بھی ہیں، عفو و بخشش کی درخواست بھی ہے، اپنی خطاؤں پر استغفار بھی ہے۔ اس طرح حمد کے ساتھ مناجات و دعا بھی چلتی رہتی ہے اور ان کی اصل دلکشی بھی ان کی یکجائی میں ہے۔

فصل دوم:

محرکات و ماخذ

(i) مذاہب عالم میں تصور خدا:

علی اکبر دہخدا (مرحوم) جو ایران کے بہترین فاضل محقق تسلیم کیے جاتے ہیں، لغت پر گہرا عبور رکھتے تھے۔ ان کی شاہکار تصنیف ''لغت نامہ'' ہے۔ ذیل میں اسی لغت نامہ سے ''خدا'' لفظ کی تحقیق کا نچوڑ پیش کیا جاتا ہے، جس کا ترجمہ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے کیا ہے:

خدا: (خ پر پیش) الہ اور اللہ کی مانند ذات باری تعالیٰ کا نام ہے۔ برہان قاطع کے حاشیے میں اس لفظ کی وجہ اشتقاق یوں بیان ہوئی ہے: متاخر پہلوی زبان (میں اس کی شکل) XVATAY (خوتای) ہے، پہلوی اشکانی میں Xvatadh پازند میں Xvadai۔ بعض نے اس لفظ کو اوستائی لفظ Xvadhaya (hudhya) سے مشتق جانا ہے۔ جب کہ نولدکہ نے اس وجہ اشتقاق میں بجا طور پر شک کا اظہار کیا ہے، کیونکہ فارسی کا ''خدای'' اور پہلوی خواتائی لفظ xwalaya یا xwaladha سے زیادہ قریب ہے اور اس کا بھی سنسکرت کے Salas+aya (از خود زندہ) یا سنسکرت ہی کے لفظ Svalas+adi (از خود آغاز کردہ) سے تعلق ہے۔

چونکہ لفظ ''خدا'' مطلق ہے، اس لیے ذات باری تعالیٰ کے علاوہ اور کسی پر اس کا اطلاق نہیں ہوتا، البتہ اس صورت میں ایسا ممکن ہے جب یہ مضاف کی صورت میں ہو، جیسے کدخدا اور دہخدا کہا جاتا ہے، کیونکہ خدا بمعنی خود آیندہ ''(خود آنے والا) کے ہے اس لیے کہ یہ مرکب ہے ''خود'' اور ''آ'' کے لفظوں سے، لفظ ''آ'' آمدن مصدر کا صیغۂ امر ہے اور ظاہر ہے کہ امر اسم معنی کی ترکیب سے اسم فاعل کے معنی پیدا کر لیتا ہے اور چونکہ حق تعالیٰ اپنے ظہور میں کسی دوسرے کا محتاج نہیں ہے لہٰذا اس صفت سے اسے پکارا گیا۔ پارسی (اہل ایران) صرف خداوند تعالیٰ پر اس لفظ کا اطلاق کرتے ہیں۔'' ۳۴؎

غالب کے یہاں خدا اور خداوند دونوں کا دلکش استعمال ملاحظہ ہو۔

تم ہو بت تمھیں پندارِ خدائی کیوں ہے

تم خداوند ہی کہلاؤ خدا اور سہی

لغات میں خداوند، خداو خدائی اور خدائگاں کے یہ معنی دیے گئے ہیں:

۱۔ خداوند: صاحب، مالک، آقا۳۶۔

۲۔ خداوخدائی۔ بضم اول نام ذات باری تعالیٰ است۔ ہمچو الہ واللہ مخفف ''خود آ''ہم ہست یعنی شخصے کہ خود آمدہ است و صاحب و مالک رانیز گویند و باذال نقطہ دار ہم خواندہ اند۳۷۔

۳۔ خدواند۔ بفتح واو وسکونِ نون و دال صاحب و بزرگ خانہ راگویند۳۸۔

۴۔ خدایگان۔ پادشاہ بزرگ و خداوندگار اعظم باشد۳۹۔

۵۔ خداوند۔ صاحب و مالک و آقا ولی نعمت۴۰۔

۶۔ خدائگاں بمعنی کسیکہ او لائق خدا باشد یعنی سزاوارتقرب وعنایت خدائے تعالیٰ باشد۴۰۔

لفظ''اللہ'' کے لغوی معنوں کے بارے میں علما کے مختلف اقوال ہیں۔ اللہ کے نام کی اصل بعضوں کے نزدیک''لاہ'' ہے پھر جب اس پر''ال'' داخل کیا گیا تو اسے اسم علم کا قائم مقام تصور کر لیا گیا۔ یہ اللہ کی ذات کا اسم علم ہے اور اسی سے خاص ہے۔ دنیا کی کسی زبان میں ایسا کوئی لفظ نہیں ملے گا جو معناً اللہ کے مترادف ہو۔اصل میں تو یہ صفاتی نام تھا مگر جب اللہ کی ذات سے اس قدر مختص ہو گیا کہ اس کی ذات کے سوا اور کسی کے لیے استعمال نہیں ہوتا تو اسے اسم علم کی حیثیت حاصل ہو گئی۔۴۱۔

ا۔قبل از اسلام عرب تہذیب میں تصور خدا:

عرب قبل از اسلام ایک سے زیادہ خداؤں کو ماننے والے تھے۔عرب میں ہر قبیلے کا ایک دیوتا ہوتا تھا۔ دوقبیلوں میں جنگ، دیوتاؤں کی باہمی جنگ کے مترادف سمجھی جاتی تھی۔ دوقبیلے جب باہمی دوستی کا عہد کر لیتے تو بھی وہ ایک دوسرے کے معبودوں کی پرستش شروع کر دیتے۔ قریش کے قبیلے نے تقریباً تمام ملک کے تمام دیوتاؤں کو اپنا لیا تھا۔جس کی وجہ سے ان کی تعداد تین سو ساٹھ تک جا پہنچتی تھی۔ ظاہر ہے اتنے بتوں کی بیک وقت عبادت ممکن نہیں اس لیے اس کا یہ حل تلاش کیا گیا کہ سال کے ہر دن ایک ایک بت کی پرستش کی جائے۔ اس طرح تین سو ساٹھ بتوں میں سے ہر ایک پورے قمری سال میں ایک ہی بار پوجا جاتا تھا۔ یہ بت خانہ کعبہ میں رکھے ہوئے تھے۔ رشید احمد نے اپنی کتاب''تاریخ مذاہب'' میں ان دیوتاؤں کی تقسیم اس طرح بتائی ہے۔

۱۔ وہ دیوتا جن کا تعلق مظاہر فطرت سے ہے۔

۲۔ وہ دیوتا جو غیر شخصی اور غیر مرئی تھے۔

۳۔ وہ معبود جن کے نام جانوروں کے نام پر رکھے گئے تھے۔

۴۔ ایسا مقامی دیوتا جو کہ اسی جگہ یا مقام کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔

۵۔ ایسے دیوتا جن کے نام عضوِ انسانی پر رکھے گئے۔

۶۔ قبائلی دیوتا۔

۷۔ متفرق قسم کے دیوتا۔۴۲؎

قرآن پاک میں عربوں کے معبود شعریٰ کا ذکر اس طرح آیا ہے۔

انہ، اغنی واقنی وانہ، ھو رب الشعریٰ (۵۱/۵۳)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ نے کسی کو غنی اور کسی کو فقیر بنایا ہے اور وہی شعریٰ ستارے کا پروردگار ہے۔

اسی طرح سورۃ نوح میں سواع، یعوق اور نسر کا ذکر آیا ہے۔

ولا تذرن وذا ولا سواعاً ولا یعوق ولا نسرا (۷۱/۲۳)

ترجمہ: وہ کہتے ہیں کہ اپنے معبودوں کو نہ چھوڑو نہ ودکو اور نہ سواع کو اور نہ یغوث و یعوق کو اور نہ نسر کو۔‘‘

ان آیات سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ یہ دیوتا بت پرانے تھے یہاں تک کہ حضرت نوح کے زمانے میں پوجے جاتے تھے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ دیوی دیوتاؤں کی پرستش کے باوجود عربوں میں اللہ کا تصور موجود تھا۔ ڈاکٹر سعد اللہ کلیم لکھتے ہیں:

> ’’عربوں کے تصور الٰہ پر کوئی رائے قائم رکنے سے پہلے یہ ضرور پیش نظر رکھنا چاہیے کہ ان کے ہاں خدائے اعلیٰ و برتر کا ایک تصور بھی موجود رہا ہے جس کے لیے ان کے پاس اللہ کا لفظ موجود تھا۔‘‘۴۳؎

’’الشعر دیوان العرب‘‘ عرب کی جاہلی شاعری کی تاریخ ہے، کے مصداق جاہلی شعرا کے کلام سے بھی ان کے مذہبی عقائد کا سراغ لگایا جا سکتا ہے۔ مثلاً زہیر بن ابی سلمیٰ کہتے ہیں:

فلاتکتمن اللہ ما فی نفوسکم

لیخفی و مہما یکتم اللہ یعلم

ترجمہ: جو کچھ تمہارے دلوں میں ہے اسے ہرگز نہ چھپاؤ کیونکہ خواہ کتنا ہی چھپایا جائے اللہ اسے ضرور جان لے گا۔ ۴۴؎

قرآن کریم سے بھی واضح ہوتا ہے کہ الٰہ کا لفظ اسلام سے پہلے عربوں میں مطلقاً معبود کے لیے مستعمل تھا۔ یہ معبود خواہ باطل ہو یا حق۔ چنانچہ قرآن کریم میں الٰہ کا لفظ ذات باری کے لیے بھی استعمال ہوا ہے۔

اِنَّمَا اِلٰھُکُمْ اِلٰہٌ وَّاحِدٌ (الکھف:۱۱۰)

ترجمہ: تمہارا معبود تو صرف ''الٰہ واحد'' ہی ہے۔

حضرت یعقوبؑ نے اپنی وفات کے وقت اپنے بیٹوں سے جب دریافت کیا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے تو سب نے جواب دیا تھا۔

نَعْبُدُ اِلٰھَکَ وَ اِلٰہَ اٰبَآئِکَ (البقرہ:۱۳۳)

ترجمہ: ہم تیرے اور تیرے آبا کے الٰہ کی عبادت کریں گے۔

اللہ کا لفظ زمانۂ جاہلیت کے عرب بھی صرف معبود برحق یا ذات باری تعالیٰ کے لیے استعمال کرتے تھے چنانچہ جب ان سے دریافت کیا جاتا کہ الارض ومن فیہا کس کے قبضے میں ہے؟ تو وہ ایک ہی جواب دیتے اللہ کے:

قُلْ لِّمَنِ الْاَرْضُ وَمَنْ فِیْھَآ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ○ سَیَقُوْلُوْنَ لِلّٰہِ (المومنون ۸۴۔۸۵)

ترجمہ: ان سے کہیے کہ اگر تمہارے پاس علم ہے تو بتاؤ کہ الارض ومن فیہا کس کا ہے تو وہ یہی کہیں گے اللہ کا۔

سورۃ العنکبوت میں ہے۔

وَ لَئِنْ سَاَلْتَھُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ وَ سَخَّرَ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ لَیَقُوْلُنَّ اللّٰہُ فَاَنّٰی یُؤْفَکُوْنَ (العنکبوت:۶۱)

ترجمہ: اور اگر ان کافروں سے آپ پوچھیں کہ آسمان اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور چاند اور سورج کو کس نے تابع فرمان بنا رکھا ہے تو بول اٹھیں گے اللہ۔ پھر یہ کدھر بہے جا رہے ہیں؟

ب۔ ہندو مذہب اور تصور خدا:

ان حنیف اپنی کتب ''سات دریاؤں کی سرزمین'' میں رقم طراز ہیں:

''ابتدا میں ذہن انسان مذہب یا کسی معبود، دیوی دیوتا کا واضح تو کیا دھندلا سا تصور بھی قائم کرنے سے قاصر رہا پھر رفتہ رفتہ انسان کا مشاہدہ گہرا ہوتا گیا...... شکار اور مسلسل آوارہ خرامی کے دور سے نکل کر جب انسان زراعت کاری کے سبب دھرتی سے خوب چمٹ کر رہ گیا تو اس نے اپنا خالق اور اپنی ضروریات پوری کرنے کا سب سے اہم اور بنیادی وسیلہ دھرتی کی دیوتی کو جانا......یوں انسان، نے دھرتی کو اپنا محسن سمجھا اور اس کے لیے اس کے دل و ذہن میں پہلے تو شکر گزاری اور پھر رفتہ رفتہ عبودیت بھرے جذبات و تصورات ابھرتے چلے گئے۔''

۴۵۔

کیرن آرم سٹرانگ اپنی کتاب A History of God میں لکھتی ہیں کہ ابتداً ''انسان نے خدا کو Spirit یا Jinn سمجھا۔

In the South Sea islands they call this mysterious force 'mana'.... It was believed to reside in tribal chief in plants, rocks or animals the Latins experienced 'numina' (spirits) in sacred groves; Arabs felt that the landscape was populated by the Jinn. Naturally people wanted to get in touch with this reality and make it work for them, but they also simply wanted to admire it. When they personalise the unseen forces and made them gods, associated with the wind, sun, sea and stars but possessing human characteristics, they were expressing their sense of affinity with the unseen and with the world around them (۴۶).

الغرض جانے کتنے ہزاروں برس کی مظاہر پرستی کے بعد انسانی ذہن اصنام پرستی کی طرف مائل ہوا۔

اسلام کی آمد سے قبل ہندوستان میں آریائی تہذیب و افکار کے خدوخال نمایاں ہیں۔ آریہ عقائد اور افکاروتہذیب کے اہم ترین ماخذ وید، برہمن، اپنشد، رامائن اور مہا بھارت ہیں۔ ویدوں میں رگ وید، سام وید، یجر وید اور اتھر وید شامل ہیں جس طرح جملہ دیگر مآخذ میں اہم ترین اور قدیم ترین ویدوں کو سمجھا جاتا ہے اس طرح ویدوں میں قدیم اور اہم رگ وید ہے۔۴۷؎ ان میں بھجن اور مذہبی گیت شامل ہیں۔ ان ویدوں میں کوئی منظم فکر تلاش کرنا بے سود ہے۔ ہندوؤں میں وحدت اللہ کا کوئی تصور نہ تھا بلکہ متعدد دیوتاؤں کی صورت میں ہندو مت کا ویدک دور بھی کثرت کی طرف میلان رکھتا ہے۔ دیوتاؤں کے رگ وید میں بہت سے نام ملتے ہیں۔ مثلاً سوریا، اشاس، وارن، برہما، توشتار، یاما، اشون، پوشن، اگنی، سوم، اندر، ردرا، دیاؤں، دایو، پرجاتیہ، پرجاپتی، واسو، وشنو وغیرہ جن کو آریا اپنی دستوری و روحانی ضرورتوں اور احتیاج کے مطابق اپنے تصور سے ہم آہنگ تخلیق کرتے رہے۔۴۸؎

ج۔ یہودی مذہب اور تصور خدا:

قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ سے پہلے عبرانی نسل مظاہر قدرت کی پرستش کرتی تھی جس نے بعد میں بت پرستی کی شکل اختیار کرلی۔ خاندانی دیوتاؤں کی باقاعدہ مورتیاں بنائی جاتی تھیں۔ فلسفۂ توحید کے آنے سے قبل دو معبودوں کے نام ملتے ہیں ایک بعل BAAL اور دوسرا مولک Molech جو آگ کا دیوتا تھا۔ یہ آگے چل کر یہواہ کے نام سے معروف ہوا۔ رشید احمد لکھتے ہیں:

> یہودیوں کے ذہن میں دو چیزیں نمایاں حیثیت رکھتی تھیں ایک تو یہ ہے کہ ان میں اور ان کے خدا میں دوستانہ تعلقات قائم ہیں اور ان کا خدا ان سے بہت قریب ہے اور دوسرے یہ کہ پوری یہودی قوم خدا کی ساختہ اور پرداختہ ہے۔ لیکن اس قربت اور لگاؤ کے ساتھ ہی یہودی عبد اور معبود میں فرق مراتب کرتے تھے ایک طرف وہ خدا کی ذات کو اعلیٰ وارفع سمجھتے تھے تو دوسری طرف خود کو نہایت ناچیز وفرومایہ کہتے تھے۔ جب یہواہ نے تمام ارتقائی مراحل طے کر لیے اور خدائے واحد کے مرتبہ پر فائز ہو گیا اس کے متعلق یہودیوں کا یہ عقیدہ ہو گیا کہ دنیا میں جو کچھ ہوتا ہے وہ خدا ہی کرتا ہے ۔ خدا ہی تمام امیدوں کا مرجع، رحم کا پتلا اور ان داتا

ہے اس سے دعائیں اس انداز میں کی جانے لگیں جس طرح شخصی خداؤں سے کی جاتی ہیں اور وہ اپنی دعاؤں میں ''میرے خدا''، ''میرے آقا'' اور ''میرے مالک'' کے الفاظ استعمال کرنے لگے جن سے عبدو معبود کے مابین گہرے تعلقات کا پتہ چلتا ہے۔''۴۹

د۔ عیسائیت اور تصور خدا:

عیسائیت خدا، مسیح اور روح القدس ہرسہ کی الوہیت کی قائل ہے۔ یعنی کلام اللہ نے مسیح کی شکل میں ظہور کیا اور روح اللہ نے اس میں حلول پایا عیسائیوں کا خیال ہے کہ حضرت مسیح خدا کا مظہر اور اس کے کلمے اور اس کی روح کا جسدی ظہور ہیں اس لیے وہ خدا کے اکلوتے بیٹے ہیں۔

عیسائیوں کی مقدس کتابیں اناجیل کہلاتی ہیں۔ یہ درحقیقت حضرت عیسیٰؑ کی سوانح حیات ہیں۔ تاریخ سے اس بات کا کوئی ثبوت نہیں ملتا کہ حضرت عیسیٰ کوئی آسمانی کتاب دے گئے تھے۔ یہ انجیلیں آپ کے انتقال کے ایک عرصے کے بعد ان کے حواریوں یا ایسے لوگوں نے جمع کیں جنھوں نے ان حواریوں سے براہ راست یہ روایات سنیں۔

اناجیل کی مختلف آیات سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ جاتی ہے کہ حضرت عیسیٰؑ موحد تھے اور انھوں نے بار بار وحدت پرستی کی تلقین کی مثلاً یوحنا میں ہے۔

''پھر کسی سردار نے اس سے سوال کیا کہ اے نیک استاد میں کیا کروں تاکہ ہمیشہ کی زندگی کا وارث بنوں تو یسوع نے اس سے کہا''تو مجھے کیوں نیک کہتا ہے؟ کوئی نیک نہیں مگر یعنی ایک خدا''(یوحنا۱۸۔۱۹/۱۸)۵۰

ر۔ بدھ مت اور تصور خدا:

بدھ مت فی الحقیقت ماوراء الطبیعاتی اور اخلاقی رجحانات کا مجموعہ ہے ایک تو اس میں اپنشد کے بتلائے ہوئے اصولوں کو منطقی طور پر بروئے کار لانے کی کوشش کی گئی ہے تو دوسری طرف ہندو دھرم کی کثرت پرستی کے باعث پیدا ہونے والی اخلاقی الجھنوں کے خلاف ایک کامیاب ردعمل ہے۔ اس کثرت پرستی کی مخالفت بدھ مت نے اس شدت کے ساتھ کی کہ اس نے خدا کے لیے کوئی گنجائش ہی باقی نہ رہنے دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس

مذہب میں ارواح، فرشتے، آسمانی کتابیں وغیرہ بے معنی الفاظ سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ ان کے خیال میں اگر خدا ہے بھی تو وہ ان ہی قوانین میں جکڑا ہوا ہے جن میں کہ دوسرے انسان جکڑے ہوئے ہیں خدا بھی عام انسانوں کی طرح مجبور ومقہور ہے۔ پھر اس مذہب کو تخلیق انسان سے بھی دور کا واسطہ نہیں۔ کیونکہ اس مذہب کی رو سے علیحدہ وجود کا تصور ہی ایک وہم سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا اور تمام شخصی وجود غیر حقیقی ہیں۔

س۔ زرتشتی مذہب اور تصور خدا:

زرتشتی مذہب ثنویت کا اعتقاد رکھتا ہے۔ انگرامینو(اہرمن) خدائے شر۔ اہورامزدا(یزداں) خدائے خیر۔ یہ دونوں متضاد قوتیں ہی موجودات عالم کا مبدا ہیں اور انھی کے ملاپ سے کائنات کا وجود تخلیق ہوا ہے۔ ان دو عظیم طاقتوں کے باوجود زرتشت نے اپنی تعلیم کو توحید اور وحدانیت کی تعلیم قرار دیا ہے۔ اوستا کی ایک دعاومناجات ملاحظہ ہو:

خداوندا

کرم در پیش، با افراشتہ دستاں

ترامی ستایم، نماز آورم

زتو خواہم کہ ای دانا

مرا یاری کنی باکار نیک وراست

کہ از پاکی و دانایی و از روی خرد انجام می گیرد

جہان آباد و مردم شاد ماں سازم ۵۱؎

مذاہب عالم کے اس تجزیے سے ہم ان نتائج پر پہنچتے ہیں کہ

۱۔ بیشتر مذاہب عالم میں مظاہر پرستی اور اصنام پرستی رائج تھی۔

۲۔ ایک سے زیادہ خداؤں کا تصور موجود تھا۔ مثلاً عیسائیت

۳۔ بعض مذاہب خدا کا کوئی واضح تصور نہیں رکھتے مثلاً بدھ مت

۴۔ بعض مذاہب خدا کو ایک ماننے کے باوجود، مظاہر خدا اور دیوتاؤں کی پرستش کرتے تھے۔

۵۔ سوائے ''قرآن پاک'' کے دیگر مذاہب کی دینی کتب اپنی اصل شکل میں اب نہیں ملتیں۔ بلکہ تحریف شدہ

حالت میں موجود ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ خدا کی تلاش کا کام غیر اسلامی اقوام میں ابھی تک جاری ہے اور اس کا مقصد انسان کی وہی فطری خواہش ہے کہ وہ اپنے لیے کوئی وجود، پرستش کو مانگتا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹینیکا کے الفاظ میں:

"The metaphysical problem of God's existance is more of and issue today than the problem of universals. There are still thinkers who hope to restate the old proofs in more convincing ways........The most real of all things is no longer at the centre of their attention, they seek to investigate God as a suitable object for worship." (52)

(ii) مذاہبِ قدیم میں حمد الٰہی

ادبیاتِ عالم کی تاریخ کے مطالعے سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچتی ہے کہ کسی بھی زبان میں نثر سے پہلے شاعری کا وجود منظر عام پر آتا ہے۔ مختلف اقوام کے مذہبی گیت، بھجن، مزامیر، دعائیں اور مناجاتیں خدا سے ان کے گہرے لگاؤ کا ایک اظہار ہیں۔

یہی وجہ ہے کہ شاعری اور مذہب اور شاعری اور دعا ہمیشہ سے لازم و ملزوم رہے ہیں اور انہی کی یکجائی سے شاعری کا حسن ہے۔ Mircea Eliade کے بقول:

"Poetry and Prayer and therefore poetry and religion, have mutally supported each other through the ages. Great poets-Isaiah, Aeschylus Dante, John of the cross, Hopkins, tagore have been so inspired by their experience of the transcendent god that they have been moved to Utter words of incomparable beauty. And the best of this religious poetry can in turn so touch th reader as to lead him beyond poetry into prayer, beyond the experience of beauty to an experience of the ultimate Author of beauty.")۵۳(

مجنوں گورکھ پوری اپنی کتاب ''ادب اور زندگی'' میں رقمطراز ہیں:

''شاعری کا تعلق ابتدا ہی سے حیات انسانی کے اغراض و مقاصد اور اسکی فلاح و ترقی سے ہے اس کا آغاز تمدن کے اس زمانے میں ہوا جس کو خرافیات (Mythology) کا اولین دور کہتے ہیں۔ شاعری جادوٹونے کے ساتھ وجود میں آئی۔ شعر کے قدیم ترین نمونے منتر یعنی جادو کے وہ بول ہیں جو قدرت کے بے درد فوق البشر عناصر اور نا قابل تسخیر قوتوں کو راضی رکھنے یا ان پر فتح پانے کے لیے بنائے گئے تھے۔ قدیم انسان عناصر قدرت کو ارواح سمجھتا تھا اور نیک روحوں کو رام کرنے کے لیے ان کی شان میں بھجن کہتا تھا یا پھر خبیث روحوں کو زیر کرنے کے لیے افسوں یا منتر بناتا تھا۔ یہ عناصر پرستی اور صنمیات کا دور تھا جو آگے ترقی کر کے مذہبی دور ہو گیا۔''۵۴؎

مجنوں گورکھ پوری کے نزدیک شاعری کی قدیم ترین مثالیں بھجن اور اورادوظائف ہیں اور ان کے سب سے پہلے مہذب نمونے وہ مقدس کتابیں ہیں جو صحف آسمانی کہلاتی ہیں اور جن کو ہمیشہ غیب کی آواز سے منسوب کیا گیا ہے۔ اوستا، وید، توریت، زبور اور انجیل وغیرہ انسانی تمدن کے عہد ہائے پارینہ کے بہترین اکتسابات شاعری ہیں۔ کتبِ مقدسہ کی سورتیں اور آیتیں لحن کے ساتھ پڑھنے کے لیے ہوتی تھیں۔ کہا جا سکتا ہے کہ ابتداً جب ذہن انسانی شرک کی بھول بھلیوں میں گم تھا اور ضلالت و گمراہی میں مبتلا تھا، اس دور میں وہ خدائے واحد کے بجائے باطل قوتوں کے آگے سجدہ ریز ہوتا رہا۔ وہ جن اشیا سے خوف زدہ ہوا یا تو ان کی حمد کرتا رہا، یا جن سے اسے اپنے مفادات محسوس ہوئے۔ اسی لیے دھرتی کی پوجا ہمیں ان ادوار میں نظر آتی ہے۔ بقول ابن حنیف:

''چونکہ قدیم انسان کے نزدیک زیست کا سرچشمہ زمین تھی اس لیے وہ ''مادر کل'' قرار پائی اور احسان مندانہ جذبات و تصورات سے مغلوب ہو کر انسان نے زمین کی پوجا ایک دیوی یعنی دھرتی کی دیوی کی صورت میں شروع کر دی۔''۵۵؎

انسان مظاہر قدرت کو بھی پوجتا رہا۔ بعد ازاں اس نے دیوی دیوتا، اوتار اور اصنام تک بنا لیے جو اس کے اپنے دست تراشیدہ تھے۔ وہ ان جھوٹے خداؤں کی طاقت سے متاثر ہو کر یا ان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے ان کے آگے سجدہ ریز تھا۔ وہ ان کو یا تو خدا سمجھتا تھا یا خدا تک رسائی کا وسیلہ گردانتا تھا۔ اس کے ذہن میں توحید خالص کا کوئی تصور واضح یا غیر واضح کسی بھی شکل میں نہ تھا اور وہ ان کی حمد کہنے میں عقیدت کے ساتھ

مشغول ومصروف تھا۔

سومیری قوم(۳۵۰۰......۲۰۰۰ ق م) جو ساڑھے پانچ ہزار برس قبل سے لے کر چار ہزار برس تک سومیر (جنوبی عراق) میں سیاسی لحاظ سے مضبوط ومنظم قوم تھی، اپنے وقت کی ممتاز قوم تھی۔ ان کی اساطیر کو ماہرین نے ادبی نوعیت کا حامل قرار دیا ہے۔ ابن حنیف کے مطابق سومیریوں کے یہاں مروج حمدیں مختلف اقسام اور زمروں میں آتی ہیں۔ سومیری حمد کو سر کہتے تھے۔ اقسام یہ تھیں:

سرہا مون۔ خوش ترتیب یا خوش آہنگ حمدیں

سرنم نر۔ ساز میں ڈھلی حمدیں

سرنم گالا۔ پروہتوں کی تخلیق

سرنم ارسگا۔ رجزیہ حمدیں

سرنم شی پدانتا۔ گلہ بانوں کی حمدیں

سومیر کے مختلف قدیم شہروں کے کھنڈروں سے کھدائیوں کے دوران الواح وغیرہ پر لکھی ہوئی بیسیوں ایسی حمدیں دستیاب ہوئی ہیں جنھیں علما نے پڑھ لیا ہے اور ایسی معلوم حمدیں بھی ہیں جو کسی وجہ سے اب تک نہ پڑھی جا سکی ہیں۔

ابن حنیف کے مطابق:

''یہ الواح ۱۷۵۰ء قبل مسیح سے لے کر ۲۰۰۰ء قبل مسیح تک کی ہیں گویا انھیں اب سے پونے چار اور چار ہزار سال پہلے لکھا گیا تھا۔ ان پر سومیری داستانیں، اساطیری کہانیاں، مناجاتیں، التجائیں، دعائیں، نوحے، کہاوتیں، اقوال حکیمانہ، ضرب الامثال، مضامین، رومانی نظمیں اور دوسری تخلیقات رقم ہیں۔''۵۶؎

ان حمدوں کی طوالت پچاس مصرعوں سے لے کر تقریباً چار سو مصرعوں تک ہے۔

مضمون ومندرجات کے پیش نظر سومیری حمدوں کی درج ذیل اقسام ہیں:

۱۔ دیوی دیوتاؤں کی حمدیں

۲۔ دعائیہ حمدیں

۳۔ مندروں کی عظمتوں کی عکاس حمدیں

۴۔ بادشاہوں کی حمدیں

بعض حمدوں کے مختصر نمونے درج ذیل ہیں:

اَن لِل کی حمد:

ان لل جس کا حکم، ہمہ گیر ہے اس کا حکم سر بلند اور مقدس ہے۔جس کا حکم تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔

جو مستقبل میں دور دور تک مقدروں کا تعین کرتا ہے۔

جس کی اٹھی ہوئی آنکھیں ملک میں جھانک لیتی ہیں۔

جس کی اٹھی ہوئی روشنی تمام ملک کا دل ٹٹول لیتی ہے۔

جب ننم نر بادشاہت اور سلطان کو اکمل ترین بنا دیتا ہے۔

(تو) دھرتی کے دیوتا رضا ورغبت سے اس کے سامنے جھک جاتے ہیں۔۵۷؎

سومیری ادبیات میں انا دیوی کی حمدیں بہت اہمیت رکھتی ہیں۔ ابن حنیف لکھتے ہیں:

''انا کے معنی ہیں آسمان کی ملکہ...... بعد کے اکادی، بابلی اور اشوری وغیرہ ادوار میں یہی انادیوی ''عشتار'' کہلائی اور اس کی ہمہ گیری، اقتدار اور مقبولیت میں خیرہ کن اضافہ ہو گیا۔ انّا زرخیزی و شادابی، بالیدگی و روئیدگی، عشق و محبت ، افزائش نسل (تولید) جنگ، غیظ وغضب اور قہر کی دیوی تھی۔ رومانی و جنسی نظموں اور کہانیوں سمیت سومیری ادبیات میں جتنی تحریریں اور تخلیقات انا سے متعلق ہیں اتنی اور کسی دیوی دیوتا سے نہیں ہیں اور اگر میں یہ کہوں کہ سومیری لٹریچر میں جتنا ذکر اس محبوب دیوی انا کا آتا ہے اتنا کسی اور دیوی دیوتا کا نہیں ملتا تو شاید غلط بھی نہیں ہے۔'' ۵۸؎

انّا کی حمد:

سارے 'مِی' کی ملکہ، درخشاں نور

حیات بخش خاتون! اَن (اور) اُراش کی پیاری

ان کی مقدس دیوداسی! جواہرات سے لدی پھندی

تو جو کوہسار سے سیلاب لاتی ہے۔

عظیم ترین جو آسمان اور زمین کی اننا ہے۔
جو زمین پر شعلے کی طرح لپکتی آگ برساتی ہے۔
عظیم ملکہ !(میں نے) کافی......تیرے لیے کافی سے زیادہ نئی باتیں کی ہیں۔ میں نے گہری رات میں تیرے لئے جو کچھ گایا ہے۔
گالا مغنی (سومیری پروہت مغنّی) دوپہر کو وہی گائے گا۔۵۹؎

نِن اُرتا (جنگ کے دیوتا کی حمد)

حیات آفریں منی، حیات آفریں تخم
بادشاہ جس کے نام کا اعلان ان لل نے کیا

میرے بادشاہ میں تیرا نام بار بار پکاروں گا
نن اُرتا میں تیرا بندہ ہوں تیرا بندہ
میں تیرا نام بار بار پکاروں گا

میرے بادشاہ ! بھیڑ نے حلوان جنا ہے
بھیڑ نے حلوان جنا ہے، بھیڑ نے اچھی بھیڑ جنی ہے۔
میں تیرا نام بار بار پکاروں گا۔

میرے بادشاہ! بکری نے میمنہ جنا ہے
بکری نے میمنہ جنا ہے، بکری نے اچھی بکری جنی ہے
میں تیرا نام بار بار پکاروں گا

بادشاہ

جب تک وہ بادشاہ تھا

دریا میں شیریں پانی کی روانی تھی

کھیت میں اناج فراوانی سے پیدا ہوتا تھا

سیراب باغ شہد اور شراب سے معمور تھے

محل میں زندگانی طویل تھی

یہ بل بلے (حمدیہ) گیت ہے ۶۰؎

قدیم مصری ادب کی حمدیں:

قدیم مصر میں سومیر کی طرح وہی مظاہر پرستی، اصنام پرستی اور کثرت پرستی کا دور دورہ تھا۔ خدا کا وہی شرک آمیز تصور پایا جاتا تھا۔ تحریری صورت میں سب سے قدیم حمدیں وہ ہیں جو ہرمی ادب کا حصہ ہیں۔ ان ذخائرِ حمد میں تین حمدیں سب سے ممتاز ہیں آمن رادیوتا کے لیے طویل حمد، دریائے نیل کی مدح میں طویل حمد اور فرعون اختانون کی طویل حمد جو اس نے آتن کی شان میں کہی ہے۔ یہاں فرعون اختانون کی طویل حمد سے اقتباس ملاحظہ ہو:

آسمان کے افق پر تیرا طلوع دل فریب ہے

اے زندہ آتن زندگی کے خالق

جب تو مغربی افق میں غروب ہوتا ہے

دھرتی پر تاریکی یوں چھا جاتی ہے جیسے موت

تو عورتوں میں مردانہ جوہر کی افزائش کرتا ہے

مردوں میں نطفہ پیدا کرتا ہے

بیٹے کو اس کی ماں کے بدن سے خوراک دیتا ہے

جب انڈے کے خول میں چوزہ بولتا ہے

تو اس کے اندر اسے زندہ رکھنے کے لیے سانس دیتا ہے

جب تو اکیلا تھا

تو نے اپنے دل کے مطابق دنیا تخلیق کی

تو میرے دل میں ہے

اور کوئی دوسرا ایسا نہیں جو تجھے جانتا ہو

سوائے تیرے بیٹے نفرخیروران را کے (فرعون کا سرکاری نام) ۶۱؎

ہندوستان کا ویدی ادب اور حمد نگاری:

ویدی ادب بقول جناب ابن حنیف تین حصوں میں منقسم ہے۔

۱۔ پہلا حصہ چار منظوم مجموعوں یعنی رگ وید، سام وید، یجروید اور اتھروید پر مشتمل ہے۔

۲۔ دوسرا حصہ تین قسم کی تصانیف پر مشتمل ہے یعنی براہمنڑ آرن یک اور اُپنشد۔ یہ کتابیں رگ وید کے بعد کی تصنیف ہیں اور ویدوں کی تعلیمات اور مذہبی رسوم کی تشریح وتوضیح کرتی ہیں۔

۳۔ ویدی ادب کا تیسرا حصہ ''سوتروں'' پر مشتمل ہے ان کتابوں میں زیادہ تر قواعد زبان، تلفظ، عروض، لغت اور نجوم وغیرہ کے مسائل زیر بحث آئے ہیں۔

رگ وید:

ویدی لٹریچر کا پہلا حصہ چار منظوم مجموعوں رگ وید، سام وید، یجروید اور اتھروید پر مشتمل ہے اور رگ ویدان میں سے اہم اور پورے ویدی ادب کی جان ہے۔ اس کتاب کا پورا نام ''رگ وید سمھتیہ'' ہے۔ رگ (رِک) کے معنی ہیں راگ (گیت) 'وید' کے معنی ہیں علم اور سمھتیہ کا مطلب ہے ''مجموعہ یا کلیات'' رگ وید میں حمدیہ عناصر کی نشاندہی کرتے ہوئے جناب ابن حنیف لکھتے ہیں۔

> ''رگ وید میں دس منڈل (کتابیں) ہیں۔ منڈل کے معنی دور کے ہیں چنانچہ منڈل کے معنی کتاب کے لیے گئے ہیں۔ ان دس منڈلوں یعنی کتابوں میں ایک ہزار سترہ (۱۰۱۷) سُوکت یعنی بھجن (حمد، مناجات) ہیں تاہم آٹھویں کتاب (منڈل) کے گیارہ بھجن یا گیت ایسے ہیں جن کے بارے میں محققین کا خیال ہے کہ وہ بعد میں شامل کئے گئے تھے۔ اگر انھیں بھی شمار

کرلیا جائے۔ تو بھجنوں یا حمدوں کی کل تعداد ایک ہزار اٹھائیں (۱۰۲۸) بنتی ہے۔'' ۶۲؎

رگ وید بہت سے شاعروں کی مشترک تخلیق ہے ۶۳؎ اور ان میں سے اکثر شاعر اس علاقے سے تعلق رکھتے ہیں جو آج پاکستان ہے ۶۴؎ رگ وید کی نظمیں مدحیہ، دعائیہ اور مناجاتی انداز لئے ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر عاصی کرنالی لکھتے ہیں:

''ہمارے لئے یہ بات آئینہ عبرت ہے کہ ہندوستان میں بھی ذہن انسانی کی توہم پرستی نے کیسے کیسے دیوی دیوتا گھڑ رکھے تھے اور عظمت بشری ان مسجودان باطل کے سامنے خاک بسر تھی۔'' ۶۵؎

ایک حمد کا نمونہ ملاحظہ ہو:

وارن (نظام عالم کا خدا) کی تعریف کا بھجن

۱۔ وہ عالموں کو چھپائے ہوئے گویا ایک لبادے سے اور تمام مخلوقات اور ان کے مکانوں کو۔

۲۔ وہ ناپتا ہے زمین کو اور اس کی انتہائی حدود متعین کرتا ہے۔

۳۔ اس نے راستوں کو گھیر لیا ہے اس نے اپنی عقلمندی سے سپیدۂ صبح بنایا ہے۔ وہ علانیہ سب چیزوں کو گھیرے ہوئے ہے۔ ۶۶؎

یونانی تہذیب میں بھی حمد کا رواج، دیوی دیوتاؤں کے بھجنوں میں ملتا ہے۔ ڈاکٹر محمد اسلم قریشی ''ڈرامے کی روایت'' میں لکھتے ہیں۔

''یونان میں دیوی سس کے احترام میں رقص و سرود کی تقریبات سے یونانی ڈرامے نے جنم لیا اور ہندوستانی روایات کے مطابق شودیونا کے بھی اسی نوع کے جلوس نکلتے تھے۔ ان جلوسوں کے پیش پیش دیوداسیاں دیوتا کی حمد و ثنا کے بھجن گاتی اور ناچتی ہوئی چلتی تھیں...... اسی طرح یونان میں جشنِ بہاراں کے موقع پر دیونی سس کا جلوس نکلتا تھا۔ جلوس کے ساتھ اس دیوتا کی پجارنیں نیم خدا بنی ہوئی، نشے میں مست، بکری کی کھال پہنے ہوئے، دیوتا کی تعریف وتوصیف میں بھجن (Dithyramb) گاتی ہوئی اور بانسریوں کے آہنگ کے ساتھ رقص کرتی ہوئی چلتی تھیں۔ اس طائفے کو تریحک یا طائفہ گوسفندی (Goat Chorus) کہتے اور ان کے گیتوں کو

تریجڈیا، یا نغمات گوسفندی (Goat Songs) سے موسوم کرتے۔'' ۶۷؎

Colliers Encyclopedia میں بھی اسی رائے کی تصدیق کی گئی ہے:

"He (Aristotle) explained that tragedy developed from the early dithrambs which were chorel hymns in honour of Dionysus.")۶۸(

''حمد'' کا سراغ بھی انہی المیہ اورطربیہ ڈراموں میں ملتا ہے۔

"Certain characterisations of Fifth century drama show clearly that it develops from the group worship of a God. In both comedy and tragedy the chorus was always evident, although its importance in terms of plot progressively decreases. In tragedy the deeds of gods and the legends of heroes almost always provided the initial inspiration for the poets."(۶۹)

مختلف مذاہب عالم میں حمد کی مندرجہ بالا مثالوں سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں۔

۱۔ بیشتر مذاہب کی حمدیں سُر اور راگ کے ساتھ گانے کے لیے لکھی گئیں۔

۲۔ یہ حمدیں کسی ایک شاعر کی نہیں بلکہ کئی شاعروں کی تصانیف ہیں۔

۳۔ ان بھجن، منتر، شلوک، گیت، نغمہ وغیرہ میں شرک وکفر کے عناصر کی بھر مار ہے۔

۴۔ خالص خدائے واحد کا تصور کہیں بھی نظر نہیں آ تا۔

اور ہم بجا طور پر اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ان نظموں کو حمد بھی کہنا درست نہ ہے۔ کیونکہ

الحمدللّٰہ رب العلمین (۱:۱)

حمد تو مخصوص ہے خالص اللہ تعالیٰ کے لیے۔ جس کی ذات خدایانِ باطل سے ماورا ہے اور جس کی پہچان ومعرفت ہی توحید سے ہوتی ہے۔ زندہ و جاوید حمد کہلانے کی حق دار وہی حمد ہے جو اس زندہ و پائندہ خدا کی حمد ہو۔

(iii) توحید وتحمید و دعا۔ قرآن وسنت کی روشنی میں

دیگر مذاہب اور تہذیبوں میں ہم ان کے تصور خدا سے بحث کر رہے تھے۔ مگر جب اسلام جیسے عدیم

النظیر مذہب کی بات آتی ہے تو یہاں بھی اسلام کی کامل ترین انفرادیت لفظ الٰہ اور اللہ کی صورت میں تابندہ و روشن دکھائی دیتی ہے۔

بقول ڈاکٹر ذاکر نائیک:

''مسلمان انگلش ورڈ God پر لفظ اللہ کو ترجیح دیتے ہیں۔عربی زبان کا یہ لفظ اللہ خالص اور منفرد و نایاب لفظ ہے انگریزی لفظ God کی طرح نہیں جس کے ساتھ لفظوں کا کھیل کھیلا جا سکتا ہے۔ اگر آپ God کے ساتھ S کا اضافہ کریں تو یہ Gods بن جاتا ہے جو کہ God کا Plural ہے جبکہ اللہ ایک اور یکتا ہے اس کا کوئی Plural نہیں اگر آپ Dess کو God کے ساتھ لگا دیتے ہیں تو یہ لفظ Godess بن جاتا ہے جس کا مطلب ہے مونث خدا جبکہ لفظ اللہ کے ساتھ کسی جنس مرد یا عورت کا اضافہ ممکن نہیں۔اگر آپ لفظ God سے پہلے TIN کو سابقے کے طور پر لگالیں تو یہ بن جائے گا TIN GOD یعنی جھوٹا خدا جبکہ اللہ ایک منفرد اہمیت کا حامل ہے جو کہ کسی ذہنی تصور میں نہیں آتا اور نہ ہی اس کے ساتھ شعبدہ بازی کی جا سکتی ہے۔لہٰذا اس لیے مسلمان لفظ اللہ استعمال کرنے کو ترجیح دیتے ہیں۔۷۰

قرآن کریم میں اللہ کا لفظ ۲۶۹۷ بار مذکور ہوا ہے اللہ اس ذات کا اسم علم ہے جو واجب الوجود ہے اور جس میں تمام صفات کمال جمع ہیں اور یہ غیر مشتق ہے گزشتہ فصل میں ہم نے دیگر مذاہب کے خداؤں کی صفات پڑھیں۔ اسلام کا خدا کیسا ہے؟ سید امیر علی اپنی مایۂ ناز تصنیف The Spirit of Islam میں جس کا ترجمہ ''روح اسلام'' کے نام سے کیا گیا ہے، رقمطراز ہیں:

''اسلام کا خدا قادرِ مطلق ہے، عالمِ کل ہے، عادلِ کامل ہے، رب العالمین ہے، آسمانوں اور زمین کا صانع ہے، زندگی اور موت کا خالق ہے،جس کے قبضۂ اختیار میں حکومت ہے اور اٹل قوت اور جو عرشِ معلیٰ کا مالک اور ساری موجودات پر حاوی ہے،قوی ہے، متعال ہے، خلاق ہے، صناع ہے،صورت گر ہے،حکیم ہے، عادل ہے،حق ہے،سریع الحساب ہے، وہ ہر شخص کی نیکی و بدی کی چیونٹی برابر مقدار سے بھی واقف ہے اور اس کے فرمان بردار بندے جس انعام کے مستحق ہیں، اس کے ایک ذرے سے بھی وہ انھیں محروم نہیں رکھتا۔لیکن قادرِ مطلق اور

علیم وحکیم ہونے کے ساتھ ہی ساتھ وہ بادشاہ ہے۔ ایک مقدس ہستی ہے، امن قائم رکھنے والا ہے، وعدے کا پکا ہے، اپنے بندوں کا محافظ ہے، یتیموں کا ملجا ہے، محروموں کو دلاسا دینے والا ہے، مصیبت زدوں کا آسرا ہے ، وہ نعمتوں کا مالک ہے، ایک آقائے کریم ہے، رحمن ہے، سمیع ہے، شہ رگ سے بھی قریب تر ہے، رحم کرنے والا ہے، انتہائی درجے کا درگزر کرنے والا ہے۔'' ۱۔

ہم سب سے پہلے تو یہ دیکھتے ہیں کہ خود اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں کیا فرمایا ہے۔ قرآن پاک کی ابتدا و آغاز بسم اللہ سے ہے اور ہم اسے بجا طور پر حمد اولین سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔حمدِ اولین:

اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب قرآن مجید کا آغاز اپنے حکم افتتاح اور سنت غیر مبدل کے مطابق اپنے نام نامی اور اسم گرامی اور اپنی تمام صفات عالیہ اور اوصاف کمالیہ میں عظیم ترین اور کامل ترین وصف سے کیا ہے یعنی اللہ کے نام سے جو الرحمن بھی ہے اور الرحیم بھی۔ اسی بنا پر نہ صرف قرآن مجید کا آغاز بسم اللہ سے کیا گیا بلکہ اس کی ہر صورت کا افتتاح بھی اسی ذکر الٰہی اور حمد الٰہی سے کیا گیا ہے۔ پہلا نام ''اللہ'' تعالیٰ نے خود اپنے لیے اللہ پسند فرمایا اس لیے کہ وہ ایسی ذات ہے جو سب کی عبادت کی واحد مستحق ہے۔ دوسرا نام ''الرحمن'' ہے اور تیسرا ''رحیم'' ہے۔ ڈاکٹر محمد یٰسین مظہر صدیقی اپنے مضمون ''بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ حمد اولین'' میں مولانا ابو الکلام آزاد کے حوالے سے لکھتے ہیں۔

''پس الرحمن کے معنی یہ ہوئے کہ وہ ذات جس میں رحمت ہے اور الرحیم کے معنی یہ ہوئے کہ وہ ذات جس میں نہ صرف رحمت ہے بلکہ جس سے ہمیشہ رحمت کا ظہور ہوتا رہتا ہے اور ہر آن و ہر لحہ تمام کائنات خلقت اس سے فیض یاب ہو رہی ہے۔'' ۲۔

یوں تو پورا قرآن کریم اس کی ذاتِ بے ہمتا اور صفاتِ یگانہ کا آئینہ خانہ ہے مگر اس کی پہلی سورت۔ الفاتحہ۔ نہ صرف کلام الٰہی کا اولین تعارف پیش کرتی ہے بلکہ ذات وصفاتِ ربانی کی ایک عدیم النظیر تعریف وتحمید بیان کرتی ہے۔ یہ سورۃ حمد بھی ہے اور دعا بھی ہے اس طرح حمد ومناجات'' ہمیں قرآن کریم کی پہلی سورۃ میں یکجا دکھائی دیتے ہیں اور ہمیں احساس ہوتا ہے کہ حمد ومناجات کس قدر لازم وملزوم ہیں۔

سورۃ فاتحہ کی ترتیب اس طرح ہے۔

۱۔ پہلی آیت بسم اللہ ہے۔

۲۔ دوسری آیت میں حمد خدا کا جامع اعتراف ہے۔

۳۔ دوسری، تیسری اور چوتھی آیات میں اللہ تعالیٰ کی چار صفات(رب العالمین ، الرحمن، الرحیم، مالک یوم الدین) کا ذکر ہے۔

۴۔ پانچویں آیت میں ایک تو صرف خدا کو لائق عبادت قرار دیا گیا اور پھر انسان کی احتیاج و استعانت کا ذکر کیا گیا۔

۵۔ اس کے بعد دعا ہے۔

یہ ترتیب ہمیں سبق دیتی ہے کہ دعا کے آداب کیا ہیں۔ اول بسم اللہ پھر حمدِ الٰہی، توصیفِ الٰہی بذریعہ اسماء حسنیٰ، اظہارِ بندگی و وفاداری ،اظہارِ عاجزی و احتیاج اور پھر دعا مانگی جائے۔

مولانا مودودیؒ اپنی تفسیر ''تفہیم القرآن'' میں سورۃ الفاتحہ کی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

''سورۃ فاتحہ اصل میں تو ایک دعا ہے لیکن دعا کی ابتدا اس ہستی کی تعریف سے کی جا رہی ہے جس سے ہم دعا مانگنا چاہتے ہیں۔ یہ گویا اس امر کی تعلیم ہے کہ دعا جب مانگو تو مہذب طریقے سے مانگو۔ یہ کوئی تہذیب نہیں ہے کہ منہ کھولتے ہی جھٹ اپنا مطلب پیش کر دیا۔ تہذیب کا تقاضا یہ ہے کہ جس سے دعا کر رہے ہو پہلے اس کی خوبی کا، اس کے احسانات اور اس کے مرتبے کا عتراف کرو...... بات صرف اتنی ہی نہیں ہے کہ تعریف اللہ کے لیے ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ تعریف اللہ ہی کے لیے ہے۔ یہ بات کہہ کر ایک بڑی حقیقت سے پردہ اٹھایا گیا ہے اور وہ حقیقت ایسی ہے جس کی پہلی ہی ضرب سے مخلوق پرستی کی جڑ کٹ جاتی ہے۔ دنیا میں جہاں، جس چیز اور جس شکل میں بھی کوئی حسن، کوئی خوبی، کوئی کمال ہے اس کا سرچشمہ اللہ ہی کی ذات ہے......رحمان عربی زبان میں بڑے مبالغے کا صیغہ ہے لیکن خدا کی رحمت اور مہربانی اپنی مخلوق پر اتنی زیادہ ہے، اس قدر وسیع ہے، ایسی بے حد و حساب ہے کہ اس کے بیان میں بڑے سے بڑا مبالغہ کا لفظ بول کر بھی جی نہیں بھرتا اس لیے اس کی فراوانی کا حق ادا

کرنے کے لیے پھر رحیم کا لفظ مزید استعمال کیا گیا۔ (اے رب) تیرے ساتھ ہمارا تعلق محض عبادت ہی کا نہیں ہے بلکہ استعانت کا تعلق بھی ہم تیرے ہی ساتھ رکھتے ہیں ہمیں معلوم ہے کہ ساری کائنات کا رب تو ہی ہے اور ساری طاقتیں تیرے ہی ہاتھ میں ہیں اور ساری نعمتوں کا تو ہی اکیلا مالک ہے، اس لیے ہم اپنی حاجتوں کی طلب میں تیری طرف ہی رجوع کرتے ہیں۔ تیرے ہی آگے ہمارا ہاتھ پھیلتا ہے اور تیری مدد ہی پر ہمارا اعتماد ہے۔''۴۳۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ کے الٰہ واحد ہونے کا ذکر ۱۲۲ آیات میں ہوا ہے۔ اللہ کا لفظ ذات باری تعالیٰ کے سلبی مفہوم کے ساتھ ایجابی مفہوم کو بھی بڑی جامعیت کے ساتھ ادا کرتا ہے۔ مختصراً دیکھئے:

اللہ ایک ہے، صمد، کسی کا محتاج نہیں، نہ وہ کسی سے پیدا ہوا نہ کوئی اس سے پیدا ہوا اور نہ کوئی اس کے برابر ہے(الاخلاص ۱۱۲:۱۔۴) وحدہ لا شریک (الانعام ۴۔۱۴) ہر نقص اور کمزوری سے پاک(الزمر:۳۹۔۴) حیی وقیوم، بزرگ و برتر۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں زندہ، سب کو تھامنے والا۔ نہ نیند آتی ہے نہ اونگھ۔ آسمانوں اور زمین میں سب کچھ اس کا ہے، اس کی اجازت کے بغیر کوئی سفارش نہیں کرسکتا۔ جانتا ہے جو کچھ خلقت کے رو برو ہے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور وہ سب احاطہ نہیں کر سکتے کسی چیز کا اس کی معلومات میں سے مگر جتنا وہ چاہے۔ اس کی کرسی زمین و آسمان پر محیط ہے اور وہی سب سے برتر عظمت والا ہے (البقرہ:۲:۲۵۵) ہر شے کا رب (الانعام:۶:۱۶۴) کوئی نہیں جو اس کی بندگی سے آزاد ہو، ہر شے اس کی عبد ہے۔(مریم:۱۹:۹۳) حاضر وناظر، ہر کہیں ہمارے ساتھ(الحدید:۵۷:۴) کوئی ذرہ غائب نہیں ہو سکتا چھوٹا ہو یا بڑا، آسمانوں میں یا زمین میں(السبا ۳۴:۳) علام الغیوب(التوبۃ۹:۷۸) اس نے ہر شے پیدا کی اور اس کا ٹھیک اندازہ مقرر کر دیا(الفرقان ۲۵:۲) آسمانوں اور زمین کا رب اور جو کچھ ان کے درمیان ہے ان کا کیا تم جانتے ہو اس کا کوئی ہم نام بھی ہے۔(مریم۱۹۔۶۵) زمین میں اس کی آیات ہیں ، دلوں میں اس کی آیات(الذٰریت ۵۱۔۲۰:۲۱) آفاق و انفس میں اس کی آیات(حٰم السجدہ ۴۱:۵۳) سزاوار عبات، سزاوار حمد(التغابن ۶۴:۱) فرشتے اس کی تقدیس وتسبیح کرتے ہیں(البقرہ۲:۳۰) آسمان اور زمین اور جو کچھ ان میں ہے سب اس کے تسبیح خواں(الحشر ۵۹:۲۴) سب اس کے سجدہ گزار، آسمانوں میں ہوں یا زمین میں(الرعد:۱۳:۱۵) یہ ہے اللہ، رب برحق (یونس۱۰:۳۲) اسی کے لیے ہے تمام تر حمد(الفاتحہ ۱:۲) اول و آخر حمد(القصص ۲۸:۷)

اور آخر میں ہمارا کہنا یہی کہ حمد ہے اللہ رب العلمین کے لیے (یونس۱۰:۱۰) حمد کا تقاضا ہے تسبیح یعنی ذات الٰہیہ کی پاکیزگی کا اقرار اور اس باب میں اپنے عجز و درماندگی کے باعث اپنی ہر لغزش پر طلب مغفرت۔ لہٰذا تسبیح بھی حمد ہی کی ایک صورت ہے کیونکہ اس سے بھی تنزیہہ ہی مقصود ہے یعنی اس امر کا اظہار کہ ذات الٰہیہ ہر عیب، نقص اور کمزوری سے پاک ہے۔

اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تسبیح و ذکر کس طرح کی جائے؟ جواب خود قرآن دیتا ہے۔

''اللہ اچھے ناموں کا مستحق ہے اس کو اچھے ناموں ہی سے پکارو''(الاعراف:۱۸۰)

اسماء حسنی کی تعداد بمطابق حدیث ۹۹ ہے لیکن اسماء حسنی کی تعداد میں اختلاف ہے کیونکہ قرآن کریم اور ذخیرہ احادیث کے تتبع کے بعد صفات کی تعداد سو سے متجاوز ہو جاتی ہے۔خود قرآن کریم میں ہے:

''اے نبیؐ کہو اگر سمندر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لیے روشنائی بن جائے تو وہ ختم ہو جائے مگر میرے رب کی باتیں ختم نہ ہوں بلکہ اگر اتنی ہی روشنی ہم اور لے آئیں تو وہ بھی کفایت نہ کرے۔(الکھف:۱۰۹)

معلوم اسماء حسنیٰ درج ذیل ہیں:

اللہ۔ الرحمن۔ الرحیم۔ الملک۔ القدوس۔ السلام۔ المومن۔ المھیمن۔ العزیز۔ الجبار۔ المتکبر۔ الخالق۔ الباری۔ المصور۔ الغفار۔ القھار۔ الوھاب۔ الرزاق۔ الفتاح۔ العلیم۔ القابض۔ الباسط۔ الخافض۔ الرافع۔ المعّز۔ المذل۔ السمیع۔ البصیر۔ الحکم۔ العدل۔ اللطیف۔ الخبیر۔ الحلیم۔ العظیم۔ الغفور۔ الشکور۔ العلی۔ الکبیر۔ الحفیظ۔ المغیث۔ الحسیب۔ الجلیل۔ الکریم۔ الرقیب۔ المجیب۔ الواسع۔ الحکیم۔ الودود۔ الحبیب۔ الباعث۔ الشھید۔ الحق۔ الوکیل۔ القوی۔ المتین۔ الولی۔ الحمید۔ المحمصی۔ المبدی۔ المعیر۔ المحیی۔ الممیت۔ الحی۔ القیوم۔ الواجد۔ الماجد۔ الواحد۔ الصمد۔ القادر۔ المقتدر۔ المقدم۔ الموخر۔ الاول۔ الآخر۔ الظاھر۔ الباطن۔ الوالی۔ المتعالی۔ البر۔ التواب۔ المنتقم۔ العفو۔ الرؤف۔ مالک الملک۔ ذوالجلال و الاکرام۔ المقسط۔ الجامع۔ الغنی۔ المغنی۔ المانع۔ الضار۔ النافع۔ النور۔ الھادی۔ البدیع۔ الباقی۔ الوارث۔ الرشید۔ الصبّور۔ الرب۔ الرزاق۔ الکافی۔ القاھر۔ الصادق۔ الجمیل۔ الفاطر۔ البرھان۔ الشدید۔ القریب۔

القائج۔الوافی۔الخیر۔الحافظ۔القدیم۔السامع۔المعطی۔التام۔العالم۔الاحد۔الوتر۔المنان۔الحنان۔ الکفیل۔المحیط۔الرفیع۔الشاکر۔الاکرم۔القدیر۔الخلاق۔الفاتح۔الشیب۔العلام۔المولیٰ۔النصیر۔ ذوالطول۔ذوالمعارج۔ذوالفضل۔المبین۔الالٰہ۔المدیر۔الفرد

یہ تمام اللہ تعالیٰ وہ اسمائے حسنی ہیں جن کے ساتھ یاد کرنے کا حکم اس نے اپنی مخلوق کو دیا ہے۔ گویا حمد کا تقاضا ہے کہ ممدوح کو اسکی اچھی صفات کے ساتھ یاد کیا جائے اور بالخصوص جہاں دعا و مناجات بھی مطلوب ہو، وہاں اس کی ضرورت اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ صحیح بخاری میں ہے:

''نبی کریم کی زوجہ محترمہ حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبیؐ اکرم نے ایک شخص کو کسی لشکر کا سردار بنا کر روانہ فرمایا۔ وہ جب نماز پڑھاتا تو اپنی قرأت قل ھو اللہ احد پر ختم کرتا۔ پھر جب یہ لوگ واپس ہوئے تو انھوں نے رسول اللہ سے اس کا ذکر کیا آپؐ نے فرمایا اس سے دریافت کرو کہ وہ ایسا کیوں کرتا ہے؟ لوگوں نے اس سے پوچھا تو اس نے بتایا کہ اس سورت میں رحمان کی صفات ہیں جن کو تلاوت کرنا مجھے اچھا لگتا ہے۔ تب نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اس سے کہہ دو کہ اللہ تعالیٰ اس سے محبت کرتا ہے۔'' ۴۷؎

''نبی اکرمؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے: میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوں اگر وہ مجھ کو یاد کرتا ہے تو (اپنے علم اور فضل و کرم سے) اس کے ساتھ ہوتا ہوں اگر اس نے مجھے اپنے نفس میں یاد کیا تو میں بھی اسے اپنے نفس میں یاد کروں گا اگر وہ مجھے جماعت میں (علانیہ) یاد کرتا ہے تو میں بھی اس سے بہتر جماعت (فرشتوں) میں یاد کرتا ہوں اگر وہ میری جانب ایک بالشت آتا ہے تو میں اس کی طرف ایک گز نزدیک ہوتا ہوں اگر وہ ایک گز مجھ سے قریب ہو تو میں دو گز اس سے نزدیک ہو جاتا ہوں اگر وہ میرے پاس چلتا ہوا آئے تو میں دوڑتا ہوا اس کے پاس آتا ہوں۔'' ۵۷؎

توحید و تحمید کے ساتھ ہی دعا و مناجات بھی منسلک ہے ذیل میں ہم دعا و مناجات کے موضوع سے بحث کرتے ہیں۔

دعا کے معنی پکارنے اور بلانے کے ہیں اور مناجات کے معنی بھی سرگوشی کرنے کے ہیں۔ مراد یہ ہے کہ

کشائش وانقباض دونوں حالتوں میں اللہ تعالیٰ سے دعا ومناجات کی جائے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

ترجمہ: تم مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔(المومن ۶۰:۲۴)

جب پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی پکار کو قبول کرتا ہوں۔(البقرہ ۱۸۶:۲)

''لوگو اپنے رب کو گڑگڑا کر اور چپکے چپکے پکارو''(الاعراف:۵۵)

احادیث میں دعا کی فضیلت اس طرح بیان ہوئی ہے۔

(i) **الدعاء هو العبادة** (ترمذی شریف)

''دعا ہی عبادت ہے۔''

(ii) **الدعاء مخ العبادہ** (ترمذی ۔مشکوٰۃ)

''دعا عبادت کا مغز و گودا ہے۔''

(iii) الدعاء سلاح المومن (مستدرک حاکم، حصن حصین)

''دعا مومن کا ہتھیار ہے۔''

(iv) ''اللہ تعالیٰ کے نزدیک دعا سے زیادہ عزت والی کوئی چیز نہیں ہے اور دعا تقدیر کو بھی پھیر دیتی ہے۔ دُعا ہر مصیبت کو روکنے والی ہے۔''(مشکوٰۃ و ترمذی)

اللہ تعالیٰ دعا کرنے والے سے بہت خوش ہوتا ہے۔ دعا کرنے والے کی دُعا قبول فرماتا ہے اور جو مانگتا ہے اس کو دیتا ہے مگر یہ سب اسی وقت ہوگا جب کہ وہ دعا کے آداب و شرائط کو مدنظر رکھ کر اس کی پوری پابندی کرے ورنہ قبولیت کی امید نہیں رکھنی چاہیے۔ اہل حق اور صاحبان با صفا کا مقصد دعا سے امید کی برآوری کے بجائے حب الٰہی اور ہم کلامی کی لذت کا حصول ہوتا ہے ۔ بقول عبدالماجد دریا بادی:

''دعا سے اہل حق کا اصل مقصد تو خود حضرت حق سے ہم کلام ہونا اور ہم کلامی کی لذت حاصل کرنا ہے۔ دعا اگر قبول ہوگئی تو اس کا کیا کہنا۔ مراد حاصل ہوگئی لیکن اگر نہیں قبول ہوئی تو بھی مقام رنج کا نہیں خوشی کا ہے کہ ہم کلامی کی تقریب پھر بدستور باقی رہی۔

از دعاها نیست بس مقصود شاں

جز سخن گفتن بہ آن شیرین زبان
گر قبول افتد بس فھو المراد
با دل و بادیدہ نقد آیند و شاد
گرکند رد لذتِ آن بیش تر
بہرِ تقریب سخن بار دگر ۷۶؎

اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہے کہ دعا میں جتنی زیادہ خشیت الٰہی اور گریہ وزاری ہو، اتنا ہی بندۂ مومن کا ایمان مضبوط تر ہوتا چلا جاتا ہے۔ بقول خلیل احمد حامدی:

> "Prayer is a spontaneous out pouring of a man before his lord. When a man without any witness speaks with God, The soul stands unveiled before its creator. The higher the notes that he strikes in his supplications the higher is the quality of the faith embedded in him mind." (۷۷)

یہاں رسول اللہ ﷺ کی چند منتخب قرآنی دعائیں درج کی جاتی ہیں:

۱۔ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَۃً وَّ فِی الْاٰخِرَۃِ حَسَنَۃً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّارِ (البقرہ ۲:۲۰۱)

اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی بھلائی دے اور آخرت میں بھی بھلائی اور آگ کے عذاب سے ہمیں بچا۔

۲۔ اے ہمارے رب ہم سے بھول چوک میں جو قصور ہو جائیں ان پر گرفت نہ کر۔ مالک ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو تونے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالے تھے۔ پروردگار جس بار کو اٹھانے کی طاقت ہم میں نہیں ہے وہ ہم پر نہ رکھ۔ ہمارے ساتھ نرمی کر ہم سے درگزر فرما، ہم پر رحم کر، تو ہمارا مولا ہے۔ کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد کر۔ (البقرہ: ۲۸۵۔۲۸۶)

۳۔ اے محمدؐ کہو میرے رب نے بالیقین سیدھا راستہ دکھا دیا ہے۔ بالکل ٹھیک دین جس میں کوئی ٹیڑھ نہیں۔ ابراہیمؑ کا طریقہ جسے یکسو ہو کر اس نے اختیار کیا تھا اور وہ مشرکوں میں سے نہ تھا۔ کہو میری نماز، میرے تمام مراسم عبودیت، میرا جینا اور میرا مرنا۔ سب کچھ اللہ رب العلمین کے لیے ہے جس کا کوئی شریک نہیں اسی کا مجھے حکم دیا گیا ہے اور سب سے پہلے سر اطاعت جھکانے والا میں ہوں۔

(الانعام:۱۶۱۔۱۶۳)

۴۔ پروردگاران (والدین) پر رحم فرما جس طرح انھوں نے رحم و شفقت کے ساتھ مجھے بچپن میں پالا تھا۔ (بنی اسرائیل:۲۴)

۵۔ اے پروردگار میرے مجھ کو جہاں بھی تو لے جا سچائی کے ساتھ لے جا اور جہاں سے بھی نکال سچائی کے ساتھ نکال اور اپنی طرف سے ایک صاحبِ اقتدار کو میرا مددگار بنا دے۔(بنی اسرائیل:۸)

۶۔ اے پروردگار میرے مجھ کو مزید علم عطا کر۔(طٰہٰ:۱۱۴)

۷۔ (آخرکار) رسول ﷺ نے کہا کہ ''اے میرے رب، حق کے ساتھ فیصلہ کر دے اور اے لوگو! تم جو باتیں بناتے ہو اس کے مقابلے میں ہمارا رب رحمان ہی ہمارے لئے مدد کا سہارا ہے۔(الانبیاء:۱۱۲)

۸۔ اے پروردگار میرے میں شیطان کے اکساہٹوں سے تیری پناہ مانگتا ہوں بلکہ اے میرے رب میں تو اس سے بھی تیری پناہ مانگتا ہوں کہ وہ میرے پاس آئیں۔(مومنون۹۷۔۹۸)

۹۔ اے محمدؐ! کہو''میرے رب درگزر فرما اور رحم کر اور تو سب رحیموں سے اچھا رحیم ہے۔''(مومنون:۱۱۸)

اسلام کی مذکورہ بالا تعلیمات دعا و ذکر الٰہی کے مسلم معاشرے پر ایسے معجز کن اثرات برپا ہوئے کہ وہ عرب جہاں ظہور اسلام سے قبل عبد و معبود کا رشتہ انتہائی کمزور اور افسردہ و پژمردہ تھا، جس میں خدا کو بس تہواروں یا مشکلوں میں یاد کیا جاتا تھا۔ ہر وقت خدا کو یاد رکھنے کا تصور تک نہ تھا۔ قرآن کریم کے مطابق ان کی حالت یہ تھی کہ

ولا یذکرون اللّٰہ الا قلیلاً (النساء......۱۴۲)

''وہ اللہ کو بہت ہی کم بس کبھی کبھار یاد کر لیتے ہیں۔''

اسلام لانے کے بعد مومنین اور اللہ کا تعلق اس شان عبدیت میں بدل گیا کہ

الَّذِیْنَ یَذْکُرُوْنَ اللّٰہَ قِیٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰی جُنُوْبِھِمْ (آل عمران۔۱۹۱)

''وہ یاد کرتے ہیں اللہ کو کھڑے ہوئے بیٹھے ہوئے اور کروٹ پر لیٹنے کی حالت میں بھی''

اور وہی عرب جو سخت مصیبت اور عالم جاں کنی ہی میں خدا کو یاد کرتے تھے:

و اذا غشیھم موج کالظلل دعوا اللّٰہ مخلصین لہ الدین (القمان۔۳۲)

''اور جب ان پر چھا جاتی ہیں سمندر کی موجیں سائبانوں کی طرح تو وہ پکارتے ہیں اللہ کو اور دہائی دیتے ہیں اس کی اور اخلاص سے عبادت کرنے لگتے ہیں اسی کی اب ان کا حال اس طرح مبدل بہ اسلام ہوا کہ:

تَتَجَافٰی جُنُوْبُھُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا (السجدہ:١٦)

''وہ خواب گاہوں کو چھوڑ کر عبادت میں مصروف رہتے ہیں اپنے پروردگار کے عذاب کے خوف سے اور رحمت کی امید میں''

محمد رسول اللہ ﷺ نے محروم و مجوب انسانیت کو دعا و مناجات کی ایسی دولت عطا فرمائی کہ بندوں کو خدا سے ہم کلام کر دیا اور انھیں بندگی بلکہ زندگی کی صحیح لذت اورمزا عطا کر دیا۔

آپؐ کی مجیب الدعوات شخصیت نے جو دعائیں فرمائیں، وہ ہمیں دعا کرنے کے آداب، الفاظ کا انتخاب، جذبۂ خلوص، تیقن کی قوت اور ایمان کی شیرینی عطا کرتی ہیں۔ درحقیقت یہ انھی کی دعاؤں کا فیضان ہے جو آج کائنات کی رگ رگ اور ذرے ذرے میں جاری وساری ہے اور تابہ ابد جاری رہے گا۔

سیارہ ڈائجسٹ دعا نمبر کے مضمون ''دعا کی ضرورت'' کے اس اقتباس پر دعا کے موضوع کا اتمام کیا جاتا ہے۔

''دعاؤں نے دنیا کو دین اسلام کی موجودہ شکل عطا فرمائی آج یہ مضطرب قلوب کے لیے سکون اجاڑ بستیوں کے لیے آبادی کا مژدہ، گمراہوں کے لیے ہدایت ،متقیوں کے لیے قرب الٰہی اور گناہ گاروں کے لیے اللہ کی بخشش ہیں۔''٧٨؎

(iv) اثباتِ الٰہی کے دلائل۔قرآن کی روشنی میں

''یورپ کے عارفوں کے نزدیک آگاہی (معرفت) کے موضوعات تین ہیں۔١۔خدا۔٢۔کائنات۔ ٣۔انسان مگر بیدلؔ اور دیگر عرفائے مشرق نقطۂ انتہائی کے طور پر صرف ھو اللہ احد ہی کو کل حقیقت مانتے ہیں پھر اس کی توضیح میں ان کی نظر میں حقیقتیں دو ہی رہ جاتی ہیں۔١۔ اللہ اور ٢۔ انسان۔''٧٩؎

اسلام کا تصورِ توحید اللہ اور انسان سے بحث کرتا ہے۔توحیدِ باری تعالیٰ کا مسئلہ ایمانیات کے باب میں ایک انتہائی اہم مسئلہ ہے۔مولانا ابو الکلام آزاد اپنے مضمون ''قرآن کا تصورِ الٰہ'' میں رقم طراز ہیں:

’’خدا کی توحید کا قرآنی تصور ایک محکم تصور ہے وہ ایجابی اور سلبی دونوں پہلو رکھتا ہے ۔ ایمانی پہلو یہ ہے کہ اس کے مانند کوئی نہیں اور جب اس کے مانند کوئی نہیں تو ضروری ہے کہ جو صفات اس کے لیے مختص کی جائیں ان میں کوئی دوسرا شریک نہیں ہو سکتا۔ پہلی کو توحیدفی الذات اور دوسری کوتوحید فی الصفات سےتعبیر کیا جاتا ہے۔‘‘ ۸۰۔

توحید باری ایک ایسی حقیقت ہے جو کائنات کے ذرّے ذرے سے اپنی پوری آب وتاب کے ساتھ آشکار ہورہی ہے۔توحید باری تعالیٰ کےحق میں جوآفاقی ،انفسی اورفطری دلائل ہمارے سامنے آتے ہیں۔انھیں پانچ اقسام میں منقسم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ آفاقی دلائل

۲۔ فطری دلائل

۳۔ عالم حیوانات سےمتعلق دلائل

۴۔ عالم نباتات سےمتعلق دلائل

۵۔ عالم جمادات و مائعات سےمتعلق دلائل

ا۔آفاقی دلائل:

کائنات کا وجود بذاتِ خود اپنے خالق و صانع کے وجود کا شاہد ہے۔عظیم کائنات کے نظامِ شمسی اور کہکشاؤں کے وسیع وعریض سلسلوں پرمشتمل نظامِ فلکی میں ہماری زمین کی بساط ہی کیا ہے؟ پھراس عظیم کائنات کے ایک ذرے کے باطن میں چھپےمتحرک اجزاء(الیکٹرون، نیوٹرون، پروٹون) سے لےکرنظامِ شمسی تک اور اس سے ماورا خلا کے اندرمقررہ راستوں اورمداروں پرگردش کرنے والے سیارگان جن کی باہمی ترکیب اورحرکت کا خاص انداز حسابی قاعدوں سے اپنا سفر جاری رکھے ہوئے ہے۔ اگر ایک بھی سیارہ اپنی جگہ سے ہٹ جائے تو پوری کائنات درہم برہم ہوجائے۔ اتنی وسیع وعریض کائنات کا اس قدرعظیم منصوبہ بندی، کارسازی، کارکشائی کے ساتھ محیرالعقول باہمی مربوط نظام انسانی عقل کو دنگ کر دیتا ہے کہ یہ سب کیسے ہوا؟ کب ہوا اور کیونکر ہوا؟

سنی حکایت ہستی تو درمیاں سے سنی
نہ ابتدا کی خبر ہے نہ انتہا معلوم

۲۔فطری دلائل:

انسان کے نفس کے اندر فطری طور پر ایک خالق و مالک حقیقی کا شعور واضح طور پر ودیعت کر دیا گیا ہے۔ کائنات کے مظاہرِ فطرت سے پیدا ہونے والا خوف زمانہ قدیم ہی سے انسان کے اندر ایک ان دیکھے معبود کی پرستش کا تصور پیدا کئے ہوئے ہے۔ چنانچہ قرآن مجید جا بجا انسان کو عالمِ انفس و آفاق میں تدبر کی دعوت دیتا ہے۔

''وہی ہے(اس کائنات کا خالق و مالک) جس نے اوپر نیچے سات آسمان بنائے تو (خدائے) رحمن کی کاریگری(اور نظام) میں کوئی فرق نہ دیکھے گا۔ ذرا دوبارہ آنکھ اٹھا کر دیکھ کیا تجھ کو کہیں کوئی خلل نظر آتا ہے(ہاں) پھر بار بار آنکھ اٹھا کر دیکھ(ہر بار) تیری نگاہ ناکام تھک کر تیری طرف لوٹ آئے گی(نہ آسمان میں کوئی شگاف ملے گا نہ نظام عالم میں کوئی فتور نظر آئے گا)

(الملک:۳،۴)

۳۔عالم نباتات سے متعلق دلائل:

کائنات کے مناظر اور مظاہر فطرت میں جو تنوع و بوقلمونی پائی جاتی ہے وہ زمین کی قوتِ نامیہ کی مرہونِ منت ہے۔ بے شمار انواع و اقسام کی نباتات، رنگا رنگ کے پھول اور مختلف شکل وصورت، رنگ وبو اور ذائقہ رکھنے والے پھل ایک ہی زمین سے پیدا ہو رہے ہیں اور ان کی نمود ایک ہی قسم کے پانیوں اور موسموں سے ہو رہی ہے۔

''بے شک اللہ تعالیٰ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑنے والا ہے۔ وہ مردہ میں سے زندہ کو اور زندہ میں سے مردہ کو نکالتا ہے۔ یہ سب کچھ اللہ کی قدرت کا کرشمہ ہے تو یہ لوگ کہاں پلٹے جاتے ہیں۔'' (الانعام:۹۵)

کیا تم نے دیکھا ہے جو تم کاشت کرتے ہو؟ کیا تم اسے اگاتے ہو یا اگانے والے ہم ہیں اگر ہم چاہتے تو اسے خاک کر ڈالتے اور تم ہاتھ ملتے رہ جاتے اور یوں کہو کہ ہم پر تو تاوان پڑ گیا

بلکہ ہم تو محروم ہیں۔"   (الواقعہ ۶۳۔۶۷)

"پس انسان کو چاہیے اپنی غذا کی طرف غور کرے (کہ وہ کیونکر پیدا ہوئی) بے شک ہم ہی نے خوب پانی برسایا پھر نے زمین کو جا بجا پھاڑ دیا پھر ہم نے اس میں غلہ پیدا کیا اور انگور اور ترکاریاں اور زیتون اور کھجور اور گنجان باغ اور میوے اور گھاس کو بھی پیدا فرمایا جو تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے کام آتے ہیں۔"   (عبس:۲۴۔۳۳)

اوپر درج کردہ آیاتِ مبارکہ میں بالخصوص غذا کی طرف انسان کو دعوت فکر وغور دینا گہری حکمت رکھتا ہے۔ اس حقیقت سے کون صرفِ نظر کر سکتا ہے کہ اپنی روز مرہ زندگی میں ہر فرد کا سب سے زیادہ واسطہ کھانے پینے کی چیزوں سے پڑتا ہے۔ ارضی زندگی میں جسم کی بقا کا دارومدار پانی کے بعد جس قدر غذا پر ہے، وہ چنداں محتاج بیاں نہیں۔

۴۔عالم جمادات و مائعات:

اس عالم آب وگل کی تخلیق حضرت آدم کی تخلیق سے بہت پہلے کر دی گئی تھی۔ اس کی تخلیق میں خصوصیت کے ساتھ التزام رکھا گیا ہے کہ زمین کی آب و ہوا اور جملہ لوازمات بنی آدم کے لیے موزوں اور سازگار ہوں۔ کائنات کے وسیع وعریض کوہستانی سلسلے، پہاڑوں کے دامنوں سے نکلنے والے چشمے، پہاڑ اور موج در موج پانیوں کے سلسلے شاہد ہیں کہ اس کا کوئی صناع زبردست کاریگری رکھنے والا ہے۔ قرآن میں ہے۔

"کیا ہم نے زمین کو بچھونا اور پہاڑوں کو میخیں نہیں بنایا۔"(النبا:۶،۷)

"اس نے آسمان کو بغیر ستون کے بنایا جو تمہیں نظر آتے ہیں اور زمین میں (پہاڑوں کے) لنگر ڈالے تاکہ وہ تمہیں لے کر ڈولے نہ کانپے۔ اس زمین میں ہر قسم کے جانور پھیلائے اور آسمان میں سے پانی اتارا۔" (لقمان:۱۰)

"نہ آفتاب کی یہ مجال کہ چاند کو جا پکڑے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے اور سب (سیارے) اپنے اپنے دائرے میں تیر رہے ہیں۔" (یٰسین:۴۰)

۵۔عالم حیوانات سے متعلق دلائل:

عالم حیوانات کے اندر ہزاروں لاکھوں ہی نہیں، کروڑوں حیوانات پائے جاتے ہیں جو اپنی نفسیات، اشکال اوررنگ کے اعتبار سے مختلف ہیں یہ سب حیوانات خواہ چرند ہوں یا پرند ان میں سے ہر ایک اپنے خالق کی موجودگی پر شاہد ہے۔ ان کے اجسام کی ساخت اور ان میں الوان وطبائع کا اختلاف بھی اس پر دلیل ہے کہ انھیں مختلف شکلوں میں پیدا کرنے والی کوئی نہ کوئی ہستی ضرور ہے۔ چنانچہ قرآن نے مختلف جانوروں کو ہستی باری تعالیٰ اورتوحید پر بطور دلیل پیش کیا ہے:

''اور تمہارے لیے چوپایوں میں بھی بڑا سبق ہے (وہ زندہ ہیں مگر تمہارے فائدہ کے لیے) ان کے پیٹ میں سے گوبر اور خون کے درمیان سے ہم خالص دودھ (نکال کر) تم کو پلاتے ہیں جو پینے والوں (بچے ہوں یا بوڑھے) کے لیے نہایت خوش گوار غذا کا کام دیتا ہے۔'' (النحل۔٦٦)

مختصراً یہ کہ کائنات کا ذرہ ذرہ جمادات، نباتات، حیوانات اللہ کے وجود پر شاہد و گواہ ہے۔ دور کیوں جائیں خود انسان کا اپنا وجود اس کی ہستی پر دال ہے۔ ابوالاعلیٰ مودودی لکھتے ہیں:

''اس کائنات میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو بہترین صورت پر پیدا کیا ہے۔ صورت سے مراد محض انسان کا چہرہ نہیں ہے بلکہ اس سے مراد اس کی پوری ساخت ہے اور وہ قوتیں اور صلاحیتیں بھی اس کے مفہوم میں شامل ہیں جو اس دنیا میں کام کرنے کے لیے آدمی کو عطا کی گئی ہیں۔''۸۱؎

فصل سوم:

موضوعات و مضامین

(i) دینی اور مذہبی موضوعات:

حمد معرفت خداوندی کا ایک اہم وسیلہ ہے۔ اس سے معبود اور عبد میں رابطہ قائم ہوتا ہے۔ خدا، کائنات اور انسان تینوں کا باہمی ربط حمد سے ہے۔ سورۃ فاتحہ کی آیات ہمیں ان مفاہیم سے روشناس کراتی ہیں۔ حمد بنیادی طور پر مذہبی و دینی موضوع ہے۔ صنف حمد، مذہبی شاعری کی ایک صنف ہے۔ اس صنف میں ہمیں جا بجا شعرائے اکرام کے معبود حقیقی سے جذبات عشق و محبت سے لبریز مضامین ملتے ہیں۔ حمد خود عبادت ہے اور ایک شاعر حمدِ الٰہی سے گریز کر ہی نہیں سکتا۔ شاید اسی لیے اردو شاعری میں حمد یات خداوندی کا ایک خزانہ موجود ہے اور ہمہ وقت یہ سلسلہ جاری و ساری ہے۔ شعرائے کرام کی اکثریت حمد کہتے ہوئے اسمائے الٰہی کو منظوم کرنے کا خاص التزام کرتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ:

> ''ہر تعریف کے لیے اس ذات یا شے کی معرفت ضروری ہے جس کی تعریف کی جائے۔ حق تعالیٰ شانہ کی ذات قدیم اور لامحدود ہے جب کہ انسان حادث و محدود۔ ایک محدود ذات لامحدود کا ادراک کیسے کر سکتی ہے اس لئے حمد گوئی کی صف نازک ہی نہیں بہت مشکل بھی ہے لیکن یہ بھی پروردگار کا احسان ہے کہ اس نے اپنے بندوں کو اپنی تعریف کرنے کے کچھ اصول اور آداب سکھا دیے ہیں اور ان آداب کے ساتھ کی گئی تعریف کو وہ قبول بھی کر لیتے ہیں۔''۸۲؎

نظیر اکبر آبادی کی مخمس کا ابتدائی بند ملاحظہ ہو:

خدا کی ذات ہے وہ ذوالجلال والا کرام — کہ جس سے ہوتے ہیں پروردہ سب خواص و عوام
اوسی نے ارض و سمٰوٰت کو دیا ہے نظام — اوسی کی ذات کو ہے دائماً ثبات و قیام

قدیر و حیّ و کریم و مہیمن و منّام

امیر احمد مینائی کے اشعار دیکھیے:

نہیں خلق ہی میں یہ غلغلہ تری شان جل جلالہٗ
سرِعرش بھی ہے لکھا ہوا تری شان جل جلالہ
تری ذات مالکِ کن فکاں تری ذات خالقِ انس و جاں
ترے در کے شاہ بھی ہیں گدا تری شان جل جلالہ

(ii)صوفیانہ مضامین و موضوعات:

تصوف کی تعریف میں نذیر نیازی اپنے مضمون'' اللہ'' میں لکھتے ہیں ۔

''خالص تصوف کی طرف آیئے تو اللہ تعالیٰ کی ہستی میں یقینِ کامل، اس کی معرفت اور اس سے تقرب کی آرزو میں زندگی کا جو مسلک قائم ہوا اس میں اللہ تعالیٰ کی محبت، اس کے مخلوق کے احترام اور خیر خواہی کے ساتھ ساتھ تزکیہ عمل اور صفائے باطن کے لیے مسلسل جدوجہد، زہد اور پاکیزگی، ریاضت اور عبادت پر بالخصوص زور دیا گیا۔''۸۳؎

تصوف کی بنیاد عشقِ حقیقی پر ہے اس لیے تصوف عشقیہ شاعری(جس میں عشق حقیقی بھی شامل ہے) کا ناگزیر عنصر ہے۔ اردو شاعری کی ابتدا صوفیانہ نظریات سے ہوئی اور ابتدائی گیتوں،نظموں اور جکریوں میں ہمیں حمد یہ مضامین ملتے ہیں۔صوفیانہ مزاج ہماری شاعری میں ایرانی شاعری کے ذریعے بھی آیا اور بہت سے صوفیانہ موضوعات ومضامین مثلاً وحدت وجود، وحدت شہود، عرفان ذات، فنائے نفس تسلیم و رضا، ترک علائق، بے ثباتی دنیا، جبروقدراورعظمت انسان وغیرہ بھی اردو شاعری میں داخل ہوتے گئے اور اردو شاعری ذیل کے مضامین اپنے دامن میں سمیٹے ہوئے نظر آتی ہے۔

دل ہر قطرہ ہے ساز انا البحر
ہم اس کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا

جگ میں آکے ادھر ادھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

کیا تماشا ہے کہ ہر شے میں ہے مظہر تیرا
لیکن ادراک میں آتا نہیں جوہر تیرا

چونکہ اردو شاعری میں تصوف کی دو جہات وحدت الوجود اور وحدت الشہود کے ذیلی مضامین کثرت سے آتے ہیں اس لیے یہاں ان دونوں کی مختصر وضاحت کی جاتی ہے:

شروع میں وحدت الوجود کا عقیدہ محض ذوق و وجدان پر مبنی تھا۔ اس کی کوئی با قاعدہ اساس نہ تھی۔ مگر چوتھی صدی ہجری میں علمِ کلام کا آغاز ہوا اور عقلیت پر مبنی مباحثوں نے اسلامی معاشرے میں جڑ پکڑی اور وحدت الوجود کا فلسفہ پیدا ہوا۔ شیخ محی الدین ابن عربیؒ اس کے بانی ہیں۔ ان کے خیال میں وجود صرف ایک ہے۔ کائنات وجود تو رکھتی ہے مگر اس کا وجود حقیقی نہیں وہ خدا کے وجود کا ہے۔ خدا کی صفات میں اگرچہ تعدد ہے لیکن تمام کائنات تجلیٔ صفات کا نام ہے اس لیے وہ بھی اپنے ظہور میں عینِ ذات ہے۔ کائنات اور ذات میں علاقہ عینیت ہے اور ذات چونکہ وحدتِ مطلقہ ہے اس لیے وجود وحدت ہی کا ہے۔ یہی عقیدۂ وحدت الوجود ہے جسے ہمہ اوست سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بقول نذیر نیازی:

> ''دراصل تصوف کے لیے ناممکن تھا کہ وہ ذاتِ الٰہیہ کے خالی خولی تصور پر اکتفا کرے وہ اس سے تقربّ وتوسلّ کا آرزو مند تھا۔ تصوف کی دنیا شخصیت کی دنیا تھی۔ ذاتِ الٰہیہ سے ربط وضبط، اس سے اتحاد اور اس کی ہستی میں اپنی ہستی کھو دینے کی۔''۸۴؎

اگرچہ وحدت الوجود کے اس تصور میں نسخ و فسخ اور حلولِ ذات کی تو کوئی جگہ نہیں تھی لیکن اس نظریے کی تعبیر چونکہ اس رنگ میں کی جا سکتی تھی اور اس لیے خطرہ تھا کہ ذات باری تعالیٰ ہر شے کا عین ٹھہرایا جائے۔ یہاں تک کہ خالق و مالک میں کوئی فرق باقی نہ رہے اور انسان ''فنافی الذات'' کی کوشش میں خود اپنی ہستی یعنی ''انیت'' تک کی نفی کر دے لہٰذا اس نظریے کے خلاف بھی ایک ردعمل شروع ہوا اس لیے کہ وحدت الوجود میں اس انتہاپسندی کا نتیجہ یہ بھی ہوسکتا تھا کہ اسلامی تصوف میں اور ویدانت اور نروان میں کوئی فرق باقی نہ رہتا چنانچہ ذاتِ الٰہیہ کی ورائیت پر زور دینے کے لیے تا کہ عبد ومعبود کا امتیاز باقی رہے، وحدت الشہود، کی تحریک کا آغاز ہوا جس کے سب سے پر زور داعی حضرت مجدد الف ثانیؒ تھے۔ وحدت الشہود سے یہ سمجھانا مقصود تھا کہ ذاتِ الٰہیہ ہر شے کا عین نہیں اور عالمِ مشہود اسی کا پرتو ذات ہے مگر وہ خود اس سے وراء الورا ہے۔

صوفیانہ شاعری میں ہر دو قسم کے موضوعات شامل ہیں۔ مگر ہمارے یہاں صوفیانہ شعرا کی شاعری میں موجود تصور خدا کسی منفی خیال یا روش کو پروان نہیں چڑھاتا۔ یہاں نفیٔ ذات سے عدم مراد نہیں ہے بلکہ اللہ کی ذات میں جذب ہو کر اپنی ہستی کو بادہ توحید میں سرشار کرنا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ صوفیانہ شاعری کے مضامین فرد کی ذات اور حیاتِ اجتماعی دونوں کے لیے ذوق و وجدان کی تسکین کا باعث بنے۔ بقول ڈاکٹر فرمان فتحپوری:

''صوفیائے کرام اور صوفی شعرا نے ہماری زندگی اور شعر و ادب دونوں پر گہرا اثر ڈالا ہے۔ صوفی کے مسلک سے کوئی فلسفی خواہ کتنا ہی اختلاف کیوں نہ کرے لیکن عام زندگی میں ایک عام انسان کے افعال و کردار پر جو اثر ایک سچے صوفی کا پڑتا ہے وہ مفکر یا فلسفی کا نہیں پڑتا۔ مفکرین عام طور پر ہماری ذہنوں سے مخاطب ہوتے ہیں۔ صوفیوں کے نزدیک انسان کا اصل مخاطب دل ہے۔''۸۵؎

(iii) فلسفیانہ موضوعات:

تصورِ الٰہ فلسفے کا بنیادی اور دلچسپ موضوع ہے۔ خدا کے وجود کو اسلام سے قبل سے آج تک فلسفہ ریاضی، طبیعات اور منطق کی مدد سے سمجھنے کی کوشش کی جاتی رہی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ:

فلسفی کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں
ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں

لفظِ ''الہٰ'' کے مصدر آلہ، کے معنی تحریر اور حیرانی کے ہیں۔ غیر مسلم فلاسفہ تو ذاتِ الٰہی کے عرفان سے عاجز ہیں ہی، خود اردو کے مسلمان شعراء کا رہوارِ تخیل بھی ذات الٰہی کی کنہ تک پہنچنے سے قاصر ہے۔ بقول اکبرالٰہ آبادی:

تو دل میں تو آتا ہے سمجھ میں نہیں آتا
بس جان گیا میں، تیری پہچان یہی ہے

شعرائے اردو میں امجدؔ حیدر آبادی اور علامہ اقبالؔ دو ایسے نامور اور منفرد شعرا ہیں۔ جن کے یہاں توحیدِ ربانی کو فلسفے حکمت اور منطق کی رو سے سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ بالخصوص اقبالؔ کا فلسفہ زمان و مکان ایک ایسی ہستی کا اثبات پیش کرتا ہے جو خود خدا ہے۔ اقبالؔ کے بقول:

زندگی از دہر و دہر از زندگی است
''لاتسبوالدھر'' فرمانِ نبی است

وامقؔ جونپوری اور مجیدؔ امجد کے یہاں بھی حمدِ الٰہی کی ذیل میں فلسفیانہ خیالات ملتے ہیں۔

حمد یہ شاعری میں فلسفے کے خشک اور دقت طلب مسائل کو شاعرانہ انداز میں بیان کیا گیا ہے۔ فلسفیانہ موضوعات اردو شاعری میں فلسفہ تصوف کے رستے سے آئے۔ چونکہ تصوف کے مسائل، فلسفے سے علاقہ رکھتے ہیں:

یہ مسائل تصوف یہ تیرا بیان غالبؔ
تجھے ہم ولی سمجھتے جو نہ بادہ خوار ہوتا

حمد میں فلسفیانہ طرز فکر میں فلسفۂ اخلاق اور فلسفہ خیر و شر آتے ہیں۔ شعرا نے حمد میں ذات باری تعالیٰ کے بارے میں حکمت، تعقل، تدبر اور تفکر کے مضامین منظوم فرمائے ہیں۔ مثال کے لیے دیکھیے:

ترے جلوے کے آگے اپنی ہستی کو فنا پایا
یہ پیغامِ اجل ہم نے دمِ قالو اِبلیٰ پایا
کیا پائے طلب کو قطع تو دستِ دُعا پایا
خدائی بھر سے ہم نے ہاتھ کھینچا تو خدا پایا

(iv) حمد کی فنی تقسیم/ ہیئتیں:

حمد و مناجات کی فنی تقسیم کے حوالے سے یہ سوال اکثر اٹھایا جاتا ہے کہ کیا یہ اصنافِ سخن ہیں یا نہیں؟ دراصل ماہرینِ فن نے اصنافِ سخن کو دو بنیادوں پر تقسیم کیا ہے یعنی موضوع کے لحاظ سے اور ہیئت (Form) کے لحاظ سے۔ با اعتبارِ موضوع، حمد، نعت، مناجات، مرثیہ، شہرآشوب اور واسوخت وغیرہ اصناف سخن ہیں اور ہیئت کے لحاظ سے مثنوی، مثلث، رباعی، قطعہ، غزل، قصیدہ، مخمس، مسدس، ترکیب بند، ترجیع بند، نظم معریٰ اور نظم آزاد اصنافِ سخن ہیں۔

اصناف کی اس تقسیم کے بعد ایک اور اہم نکتہ جس سے ادب کے معمولی طالب علم بھی آشنا ہیں، یہ ہے کہ موضوعاتی اصنافِ سخن میں ہیئت کی کوئی قید نہیں ہوتی اور ہیئتی اصنافِ سخن میں موضوع کی کوئی قید نہیں ہوتی۔

حمد کے صنفِ سخن ہونے کے حق میں ایک دلیل یہ بھی ہے کہ جب مجازی محبوب کی تعریف میں کہے گئے اشعار غزل کی صنف کہلائے جا سکتے ہیں تو خلاقِ دو عالم کی توصیف 'حمد' کو صنفِ سخن کہنے میں کیا عار ہے؟

حمد اس لئے بھی صنفِ سخن ہے کہ اگر شاعری اچھے حقیقی جذبات اور موزوں اور دلکش الفاظ کا اشتراک ہے تو حمد سے زیادہ اچھی اور سچی شاعری کسی اور صنفِ سخن میں ممکن نہیں۔ نیز حروف کی حرمت و عزت اور لفظوں کی تکریم کا اہتمام بھی ہمیں صرف حمد میں ملتا ہے۔ اس لئے حمد بلاشبہ صنفِ سخن ہے۔ اب ہم اردو شاعری کی طرف رجوع کرتے ہیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ:

حمد یہ مضامین تمام شعری اصناف میں پائے جاتے ہیں۔ حمد کے لیے کسی مخصوص صنف کی کوئی قید نہیں۔ غزل ہو یا نظم، قصیدہ ہو یا مثنوی، مرثیہ ہو یا رباعی، ہر جگہ حمدِ الٰہی اپنی شان کے ساتھ درخشاں نظر آتی ہے ۔ کلیات یا دیوان یا شعری مجموعے کا آغاز حمد سے کرنے کی روش ،اردو شاعری میں عام رہی ہے مثلاً آتشؔ اور غالبؔ کے دیوان کا آغاز ان اشعار سے ہوتا ہے:

حباب آسا میں دم بھرتا ہوں تیری آشنائی کا
نہایت غم ہے اس قطرے کو دریا سے جدائی کا

نقش فریادی ہے کس کی شوخیٔ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا

مثنویات کا آغاز بھی اول حمد پھر نعت سے کئے جانے کی عام روایت تھی۔ مثلاً اردو کی دو مشہور مثنویوں ''گلزارِ نسیم'' اور ''سحرالبیان'' کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

ہر شاخ میں ہے شگوفہ کاری
ثمرہ ہے قلم کا حمدِ باری

گلزارِ نسیم کے حمد یہ اشعار کا خاص امتیاز یہ ہے کہ یہ ایک ہندو شاعر پنڈت دیا شنکر نسیم کے قلم کا شاہکار ہیں۔

کروں پہلے توحیدِ یزداں رقم
جھکا جس کے سجدے کو اول قلم

غزلوں کے مطالع بھی حمد یہ کہنے کی روش عام تھی مثلاً

تو ہی بھروسا ، تو ہی سہارا
پروردگارا ، پروردگارا

جگ میں آ کر ادھر ادھر دیکھا
تو ہی آیا نظر جدھر دیکھا

نظموں کے بھی حمد یہ عنوان رکھنے کا رواج نظیرؔ اکبر آبادی نے رکھا۔ مراثی میں جا بجا حمد الٰہی کے ٹکڑے ملتے ہیں نیز بعض مراثی کا حرف آغاز بھی حمد الٰہی ہے۔ حمد یہ قطعات سے ایک دلکش مثال ملاحظہ ہو۔

ہندو نے صنم میں جلوہ پایا تیرا
آتش پہ مغاں نے راگ گایا تیرا
دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے
انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا

مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ حمد دیگر اصناف کی طرح بہر حال ایک صنف سخن ہے۔ جس کی اہمیت و افادیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا اور موضوع کے اعتبار سے بالخصوص تمام اصنافِ سخن پر فوقیت رکھتی ہے۔

(v) حمد یہ شاعری۔ نقد و معیار:

حمد و مناجات دونوں اصنافِ ادب ہونے کے حوالے سے جانچ پرکھ کی متاضی ہیں۔ جہاں تک حسن نیت کا تعلق ہے، اس کا نقاد خود اللہ تعالیٰ ہے۔ لیکن یہ اصناف ہماری معاشرتی اور تہذیبی ضرورت ہیں۔ اس حوالے سے ان پر تنقیدی نظر ڈالنا نہ صرف جائز بلکہ اشد ضروری ہے۔ تاہم یہ تنقید، تنقیص میں نہ بدلنے پائے، اس امر کا لحاظ رکھنا بھی ضروری ہے۔ یہ تنقید یا جانچ پرکھ دو حوالوں سے کی جاسکتی ہے:

۱۔ موضوع کے حوالے سے
۲۔ فن کے حوالے سے

موضوع کے حوالے سے یہ دیکھا جانا چاہیے کہ

(i) شاعر نے مضامین حمد کو نظم کرنے میں قرآن و حدیث و سنت سے اعراض تو نہیں کیا یا کوئی ایسی بات تو نہیں کر دی جو اسلامی تعلیمات کی رو سے غلط یا قابلِ اعتراض ہو۔

(ii) دوسرے یہ کہ حمد کہتے ہوئے بعض شعر نعت بھی کہتے ہیں۔ اس موقعے پر دیکھا جانا چاہیے کہ کہیں وہ عبد و معبود کا امتیاز تو ختم نہیں کر رہے۔ ایسے اشعار کو بلاشبہ شرکیہ اشعار، کہا جانا چاہیے۔ مثلاً بعض بڑے

بڑے نامور شعرا بھی نعوذ باللہ احد اور احمد میں صرف میم کا پردہ حائل ہونے کے قائل ہیں، جو سراسر کفر ہے۔ یہاں تک کہ محسنؔ کاکوروی کے یہاں بھی اس طرح کی مثال مل جاتی ہے۔

کہاں اب جبہ سائی کیجیے کچھ بن نہیں پڑتا
احد کو کیجیے یا احمدِ بے میم کو سجدہ

اسی طرح امیرؔ مینائی جو حمد و نعت کے حوالے سے بہت معروف میں بھی ایک مقام پر ادب و احتیاط کا دامن نہیں تھام سکے، کہتے ہیں۔

مختارِ کل ہو، مالک روزِ جزا ہو تم
رحمت کا ہے مقام کہ خاصِ خدا ہو تم

مذکورہ شعر نعت کا ہے۔ مگر مالک روز و جزا دراصل اللہ تعالیٰ کی خاص صفت ہے۔ سورۃ فاتحہ کی آیات ''مالک یوم الدین'' کا ترجمہ یہی ہے اور یہ صرف اللہ ہی کے لیے مخصوص ہے ۔اس لیے اس کا استعمال غیراللہ کے لیے، چاہے وہ رسول اکرمؐ ہی کیوں نہ ہوں، درست نہیں ہے۔

- ☆ ایسے اشعار جن میں ارکینِ اسلام (مثلاً نماز کے بارے میں ایسے خیالات کہ اس کی کیا ضرورت ہے کہ وجود عاشقاں کلی غاز است وغیرہ) سے بے پروائی ثابت ہوتی ہو۔
- ☆ اللہ تعالیٰ سے بلا جواز اور بے حد بے تکلفانہ لہجے کے حامل اشعار بھی تنقید اور گرفت کے لائق ہیں۔
- ☆ حمد نگاری کے سلسلے کی ایک بحث اللہ تعالیٰ سے شکوہ و شکایت کے مضامین سے متعلق ہے۔ اس سلسلے میں قرآن و حدیث نے ہمیں واضح تعلیمات دی ہیں۔ ان تعلیمات کی روشنی میں ہمیں اللہ تعالیٰ کے حضور میں احتجاج تو کیا، شکوہ و شکایت کا بھی جواز نہیں ملتا۔ ہاں دعا و مناجات کا طریقہ البتہ سکھایا گیا ہے مگر وہ بھی عاجزی و انکساری کے ساتھ ''سورۃ فاتحہ'' کی تفسیر اس سلسلے میں ہماری بہترین معاونت کرتی ہے۔

اردو شاعری میں ہمیں ایسی مثالیں یگانہؔ، علامہ اقبالؔ، جوشؔ اور ن۔ م۔ راشدؔ کے یہاں بکثرت ملتی ہیں۔ مثلاً اقبال کہتے ہیں۔

سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم
بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے

اقبالؔ کے یہاں لہجے میں بعض اوقات 'گستاخی' بھی در آتی ہے اور وہ اس کا اعتراف بھی کرتے ہیں۔

بعض ناقدین اقبالؔ نے اقبالؔ کی اس شاعرانہ شوخی کے ڈانڈے سورۃ البقرہ کی اس آیت

اَبٰی وَ اسۡتَکۡبَرَ وَ کَانَ مِنَ الۡکٰفِرِیۡنَ (البقرہ ۲۔۳۴)

سے جا ملائے ہیں۔ پروفیسر جعفر بلوچ اس حوالے سے رقمطراز ہیں:

''ابا واستکبار میں اور شوخی وشکوہ کے مضامین میں بہت معنوی فاصلہ ہے۔ اس لیے مندرجہ بالا قرآنی آیت اور ایسی دیگر آیات کا اطلاق ان لوگوں پر تو درست ہے جو اللہ تعالیٰ سے سرکشی اور نافرمانی وطغیٰ کا رویہ اپناتے ہیں۔ لیکن محض شوخئ فکر اور مضامین شکوہ و شکایت پر ایسی آیات کا اطلاق کرنے میں تامل کرنا ہی شاید بہتر ہو۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے شکوہ و شکایت کے بین السطور یہ اعتراف پوشیدہ اور مقدر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہر چیز پر قادر ہے اور صرف وہی ہمارے دردوغم اور زیان وضرر کا ازالہ کرسکتا ہے۔ اس طرز فکر میں ابا واستکبار کا نہیں بلکہ اضطراب نمائی اور توجہ طلبی کا پہلو غالب ہوتا ہے۔ ہاں لہجے کی تلخی یا درشتی پر اعتراض ہوسکتا ہے۔''۸۶؎

اب ہم دیکھتے ہیں کہ بہترین حمد کیا ہے؟ اچھی حمد کی اولین صفت ہے۔

وللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوہ بہا (القرآن)

''اور اچھے اچھے نام اللہ تعالیٰ کے لیے ہی ہیں پس تم اس کو انھی ناموں سے پکارا کرو۔''

اچھا حمد نگار انہی صفات کے وسیلے سے اپنے رب کا ذکر کرتا ہے جو اسے اسماء الحسنیٰ میں نظر آتی ہیں۔

☆ حمد کے معنی تعریف کے ہیں اور تعریف معرفت یا عرفان سے مشتق ہے۔ اس لئے ہر حماد کو اللہ کی ذات کی معرفتِ حاصل کرنی چاہیے۔ اسی لئے حمد گوئی صنف نازک ہی نہیں بہت مشکل بھی ہے۔

☆ حمد کہنے والے کو مبالغے کی پوری آزادی ہے۔ مگر احترامِ الٰہی کو پیش نظر رکھ کر۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کی کسی بھی صفت کے لیے آپ مبالغے کا بڑا سے بڑا لفظ اختیار کرلیں وہ لفظ اپنی ساری قوتیں صرف کر کے بھی شرمندگی سے آب آب ہو جائے گا۔ اس لئے مبالغہ اختیار کرنے میں ایک حماد، آزاد ہے۔

☆ حمد گو کو قرآن وحدیث سے بے خبری نہ ہو۔ حمد گزار نصِ قرآنی اور حدیث وشرع کے خلاف کوئی بات نہ کہے۔ حمد کہتے ہوئے نہایت دینی بصیرت کی ضرورت ہے۔ قرآنی مفاہیم سے متصادم تاویلات سے بھی

گریز کرنا چاہیے۔ آیات قرآنی یا احادیث منظوم کرتے ہوئے شعر کے وزن کا خیال رہے۔

☆ عاجزی و انکساری بے حد لازمی ہے۔ ایک حماد کو اپنے لہجے، دعا اور حمد میں انتہائی فروتنی کا مظاہرہ کرنا چاہیے۔

☆ حمد و ثنا اخلاصِ نیت اور صدق کی بنیاد پر ہونی چاہیے۔ بقول اقبالؔ:

سوداگری نہیں یہ عبادت خدا کی ہے
اے بے خبر جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے

☆ فنی اعتبار سے اپنی تمام تر استعداد و لیاقت کام میں لا کر حمد کی تخلیق کرنی چاہیے اور اللہ تعالیٰ کے کلام کے اوصافِ بے نہایت ذہن میں رکھنے چاہیں۔ اگر ایک شاعر اپنے مجازی محبوب کے لیے غزل کہتے ہوئے اپنا تمام تر زور صرف کر دیتا ہے تو اللہ کی اعلیٰ و ارفع ذات اس امر کی سزا وار ہے کہ اس کی بارگاہ میں جو نذرانہ عقیدت پیش کیا جائے وہ کمالات و جمالات کا ایک مرقع ہو۔ بقول پروفیسر جاوید اقبال:

''جہاں تک تعریف کا تعلق ہے وہ زندہ کی بھی ہو سکتی ہے اور مردہ کی بھی۔ حاضر کی بھی اور غائب کی بھی۔ مگر حمد صرف ذات لایزال کے لیے ہے...... حمد کے لیے ضروری ہے کہ جمالِ الٰہی کا ذکر فصاحت کے انتہائی کمال کے ساتھ اور جلال الٰہی کا بیان بلاغت کے انتہائی جلال کے ساتھ کیا جائے۔ خود کو حقیقتاً حقیر اور اللہ تعالیٰ کو واقعتا ارفع و اعلیٰ جانتے ہوئے کیا جائے...... حمد میں قلبی محبت کے اظہار، روحانی خشیت کے گداز اور جسمانی تعظیم کے محتاط انداز ہی کا دوسرا نام خشوع و خضوع ہے۔ مقصود یہ ہے کہ چاہنے والا، محبوبِ حقیقی کو ٹوٹ کر چاہے اور یہ چاہت ہر چاہت پر غالب رہے اس سلسلے میں قرآن پاک نے ''اشد'' کا لفظ استعمال فرمایا ہے جو اسم تفضیلی ہے جس سے باقی محبتوں کی نفی نہیں ہوتی بلکہ ان سب محبتوں پر ایک محبت حاوی رہتی ہے۔ فطرت کے ہر دوسرے حسن کو قلب و نظر کا سرمایہ بنانے کی اجازت اسی شرط پر ہے کہ یہ سمجھا جائے کہ سب ایک ہی حسن کے کرشمے ہیں یوں حمد، ہر غم کو غم جاناں بنا دیتی اور ہر محبت کو ایک ہی محبت میں ضم کر دیتی ہے۔''۸۷؎

فصل چہارم:

عربی و فارسی شاعری میں حمد کی روایت کا سراغ اور ارتقائی مطالعہ

(i) عربی شاعری میں حمد کی روایت اور ارتقاء:

اردو کی حمد یہ اور مناجاتی شاعری پر عربی شاعری کے مضامین حمد و مناجات کا اثر براہِ راست بہت کم پڑا ہے۔ تاہم بنیادی اسلامی اور توحیدی معتقدات کو عام کرنے میں عربی ادب کا حصہ نمایاں ہے۔ اس زاویہ نگاہ سے عربی شاعری میں حمد یہ و مناجاتی ادب کا جائزہ دلچسپی اور افادیت سے خالی نہ ہو گا۔

''الشعر دیوان العرب'' ایک مشہور عربی مقولہ ہے جس سے عرب معاشرے میں شعر و شاعری کی حقیقی قدر و قیمت کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ یوں تو اور قومیں بھی شاعری کی دلدادہ رہی ہیں لیکن جو مقام شاعری کو قبل اسلام کے عرب معاشرے میں حاصل تھا، اس کی ہم سری کا دعویٰ کسی اور زبان کی شاعری نہیں کر سکتی۔

عربی شاعری میں زمانے کے لحاظ سے شعرا کے چار طبقے ہیں۔

۱۔ طبقۂ جاہلین: وہ شعرا جو ظہورِ اسلام سے قبل ہوئے۔

۲۔ طبقہ مخضرمین: وہ شعرا جنھوں نے جاہلیت اور اسلام دونوں زمانوں میں شعر کہے۔ یہ شعرا دورِ جاہلیت میں پیدا ہوئے اور وفات ظہور اسلام کے بعد پائی۔

۳۔ طبقہ اسلامین: وہ شعرا جنھوں نے عہدِ اسلامی میں نشو و نما پائی اور ان کا سلیقۂ عربیت فاسد نہیں ہوا۔ مراد عہدِ بنو امیہ کے شعرا ہیں۔

۴۔ طبقہ مولدین (محدثین) وہ شعرا جنھوں نے عرب و عجم کے امتزاج کے زمانے میں نشو و نما پائی۔ خواہ وہ اصلاً عربی تھے یا عجمی۔ یہ عہدِ عباسیہ کے شاعر ہیں۔

۵۔جدید عربی شاعری: انیسویں صدی اور مابعد کے جدید عرب شعرا۔ ا۔امراء لقیس(م۵۶۲ء) تاریخ ادب عربی کا زندہ وجاوید نام ہے۔ اسے جاہلی شاعری کا نمائندہ شاعر تسلیم کیا جاتا ہے۔ امرء القیس کا قصیدہ 'سبع معلقات' میں شامل ہے۔''المعلقات السبع'' کا دوسرا نام مذہبات یا سموط ہے۔ اس میں عربوں کے سات عظیم ترین قصائد قلم بند کئے گئے ہیں جنھیں آب زر سے لکھ کر خانہ کعبہ کے دروازے پر لٹکایا جاتا تاکہ مقبولیت اور دائمی شہرت ملے۔ اس کے علاوہ اس کا دیوان بھی موجود ہے۔ اس کی شاعری میں کچھ ایسے اشعار ہیں جن سے خدا کی عظمت وقدرت کا پتا چلتا ہے۔

اللہُ اَنجحُ مَاطَلَبتُ بہ

وَاکبَرُ خَیر حَقِیبَۃِ الرَّحلِ ۸۸؎

(جو چیزیں میں نے اللہ سے مانگیں وہ مجھے مل گئیں۔ سب سے اچھا اور بڑا خوراک رکھنے والا کجاوہ ہے)

اَری اِبلیٖ وَالحمدُ للہِ اَصبَحت

ثِقَالاً اذا مَا أستَقبَلتُہَا اُصحوُدَھا ۸۹؎

(تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں۔ میں اپنے اونٹوں کو دیکھتا ہوں کہ وہ بوجھل ہو گئے ہیں جب انھیں چڑھائی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

۲۔زُھَیر بن ابی سلمی: (م۶۱۵ء) کا نام بھی ان شعرا میں شامل ہے جس کا قصیدہ ''المعلقات السبع'' میں شامل ہے۔ زہیر نسباً بنومزینہ سے تھا۔ اس کے خاندان میں شاعری بہت عام تھی۔ اس کا باپ، ماموں، دو بیٹیاں اور دو بیٹے شاعر ہو گزرے ہیں اس کے بیٹے کعبؓ اور بجیرؓ صحابی ہوئی اور کعبؓ کو حضورؐ کی مدح میں ''بانت سعادٗ' جیسا مشہور قصیدہ کہنے کی سعادت بھی حاصل ہوئی۔ زہیر اپنے اشعار پر بہت محنت کرتا تھا چنانچہ سال بھر ایک قصیدے کی کاٹ چھانٹ میں لگا رہتا تھا۔ وہ بہت بردبار، صائب الرائے، پاکباز، صلح پسند، خدا اور روزِ قیامت پر کامل ایمان رکھنے والا تھا۔(۹۰؎) معلقہ کے ان اشعار سے اس امر کا ثبوت فراہم ہوتا ہے۔

فَلاَ تَکتُمنَّ اللّٰہَ مَا فِی صُدُورکُم

لِیَخفٰی وَمَھما یُکتَم اللّٰہ، یَعلَم ۹۱؎

(سوتم ہرگز ہرگز نہ چھاؤ اللہ سے اس کو جو تمہارے دلوں میں ہے۔ اس خیال سے کہ وہ مخفی رہے اور جو

کچھ بھی اللہ سے چھپایا جائے گا وہ اسے جان لے گا۔)

يُؤَخّر فِيُوضَع فى كتابِ فُيدَّ خَر

لِيَوم الحِسَابِ أو يُعَجّل فيتفع ۹۲؎

(اسے تاخیر میں ڈالا جائے گا۔سو ایک تحریر میں درج کر دیا جائے گا اور یوم حساب تک کے لیے ذخیرہ کر دیا جائے گا یا اس کے بارے میں عجلت سے کام لیا جائے گا اور یہیں سزا دے دی جائے گی۔)

۳۔حاتم طائی (م۶۰۵ء): حاتم طائی کی سخاوت ضرب المثل ہے۔کسی جنگ میں اس کی بیٹی جس کا نام سفانہ تھا، اسیرانِ جنگ کے ساتھ رسول اکرمؐ کی خدمت میں حاضر ہوئی تو حضورؐ نے اس کے باپ کے احترام میں اسے مع اس کے اعزہ کے رہا فرما دیا اور اوڑھنے کے لیے اسے اپنی چادر عطا فرمائی تھی۔ اقبال اسی واقعے کو یاد کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ما ازان خاتون طے عریاں تریم

پیش اقوامِ جہاں بی چادریم ۹۳؎

حاتم طائی شرفائے عصر میں سے تھا اور اعلیٰ اخلاق کا حامل تھا ایک جگہ کہتا ہے۔

لی الله صعلو کا مناه وهمه

من العيش ان يلقى ابو ساو مطعها ۹۴؎

(اللہ اس گداگر وقلندر کو غارت کرے جس کی آرزو اور فکر کا منتہیٰ یہ ہو کہ تن کو کپڑا اور پیٹ کو روٹی مل جائے)

وہ اس بات پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے کہ اس کا مال اس کے لیے رب نہیں بن گیا بلکہ وہ اس کا غلام ہے۔

اذ كان بعض اعمال ربا لاهله

فانى بحمد الله مالى معبّد ۹۵؎

(اگر کسی کے لیے اس کا مال رب بن گیا ہے(تو اسے مبارک ہو) میں تو بحمد اللہ اپنے مال کو اپنا غلام اور مطیع ہی رکھتا ہوں)

۴۔امیہ بن ابی الصلت(م۹ھ) طائف کا رئیس اور مشہور شاعر تھا۔ تجارت پیشہ تھا۔ فطرتاً دین دار تھا اور موقع بموقع اکابرِ دین و مذہب سے ملتا رہتا تھا۔ قدیم دینی کتب سے اس کو لگاؤ تھا۔ جب اس نے کتبِ سابقہ میں یہ خوش خبری دیکھی کہ عرب میں ایک نبی مبعوث ہوگا تو اسے خیال آیا کہ یہ نبوت اس کے حصے میں آئے گی لیکن جب حضرت محمدؐ مبعوث ہو گئے تو رنج و حسد کی بنا پر آپؐ کی مخالفت کرنے لگا۔ روایت ہے کہ توحید، ایمانیات اور حمد کے بارے میں اس کے اشعار سن کر ایک بار جناب رسالت مآب نے فرمایا تھا کہ ''اس کی زبان مومن تھی اور دل کافر'' ۹۶؎

اس کے حمد یہ اشعار ملاحظہ ہوں۔

الحمد لله مُمْسَانا ومصْبَحُنَا
بالخير صَبَّحنَا ربّي و مَسّانا

(ہمارے صبح و شام کرنے میں ہر طرح کی تعریف خدا ہی کو زیبا ہے میرے رب نے ہماری صبح بھی خیرو خوبی سے کی اور شام بھی)

رب الخيفة لم تَنْفَدْ خَزَائِنُهُ
مَمْلُوئَ ةٌ طَبَقَ الآفَاقَ سلطانا ۹۷؎

(وہ ملتِ ابراہیم کا رب ہے۔ اس کے خزانے کبھی ختم نہیں ہوتے بلکہ بھر پور رہتے ہیں اور اس کی سلطنت تمام دنیا میں پھیلی ہوئی ہے)۔

مخضرمی شعرا سے مراد عرب کے وہ شعرا ہیں جنھوں نے رسول پاکؐ کی بعثت سے قبل کا زمانہ بھی دیکھا اور بعد کا بھی۔ ممتاز مخضرمی شعر میں لبیدؓ بن ربیعہ۔ حسانؓ بن ثابت، حضرت خنساءؓ اور حضرت علیؓ بن ابی طالب شامل ہیں۔

۵۔ لبید رضی اللہ عنہ بن ربیعہ (م ۴۰ھ) بنو عامر سے تھے۔ آپ مخضرمی ہیں۔ تقریباً نوّے برس جاہلیت میں گزارے۔ زمانۂ اسلام میں صحابی ہونے کا شرف پایا۔ آپ کی عمر ڈیڑھ سو برس کے لگ بھگ بتائی جاتی ہے۔ چنانچہ خلفائے راشدین کا زمانہ دیکھنے کے بعد ۴۰ھ میں اموی دور کے آغاز میں وفات پائی۔ ۹۸؎

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی اپنے مضمون بعنوان ''عربی شاعری میں حمد کا ارتقاء'' میں رقم طراز ہیں:

’’لبیدؔ کی شاعری کا سورج نصف النہار پر تھا کہ دعوت اسلام بلند ہوئی اور وہ آنحضورﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوکر مشرف بہ اسلام ہوا اور اس کے بعد صرف ایک شعر کہا جو حمد الٰہی کا عمدہ نمونہ ہے۔‘‘

الحمد للہِ أدْلَمْ یاتنی أجَلی

حتّٰی بَسِ ثُ من الاسلام سِرُبالا۹۹؎

(اللہ کا شکر کہ میری موت اس وقت تک نہ آئی جب تک میں نے خلعتِ اسلام زیب تن نہ کر لی)

ایک متفق علیہ حدیث کے مطابق لبیدؓ کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ ان کے ایک مصرع کے حوالے سے نبی اکرمﷺ نے ارشاد فرمایا:

اصدق کلمة قالھا شاعر کلمة لبید (الأ کل شیء ماخلا اللہ باطل)

ترجمہ: سب سے سچی بات جو کسی شاعر نے کہی لبیدؓ کا یہ قول ہے۔ (یاد رہے کہ اللہ کے سوا ہر شے باطل ہے)

پورا شعر یوں ہے:

الا کل شئی ماخلا اللہ باطل

وکُل نعیم لا محالة زائل۱۰۰؎

ترجمہ: (یاد رہے کہ اللہ کے سوا ہر شے باطل اور ہر نعمت لا محالہ زایل ہونے والی ہے)۔

لبیدؓ کے یہاں حمد باری تعالیٰ کا ایک بیّن تصور ملتا ہے، وہ کہتے ہیں:

والی اللہ ترجعون وعند۔

اللہ وردا لامور والا متدارِ

انما یحفظ التقی الابرار

والی اللہ یستقر القرار

ترجمہ: (تم لوگ اللہ ہی کے پاس واپس جاؤ گے اور تمام معاملات اللہ ہی کے پاس جاتے ہیں اور اس

کے پاس سے آتے ہیں۔ وہ صرف نیک اور پاکباز لوگوں کا محافظ ہے اور اللہ ہی کے یہاں حقیقی قرار ہے۔)

حمدتُ اللّٰہ واللّٰہ الحمیدُ

وللّٰہ الموتل والعدیدا۱۰۱؎

(میں نے اللہ کی تعریف کی اور اللہ ہی تعریف کا سزاوار ہے اور سارے مجد و شرف اللہ ہی کے لیے ہیں)

حافظ غلام مصطفی اپنی کتاب "Religious trends in Pre-Islamic Arabic Poetry." میں لبیدؓ کی شاعری پر اظہار خیال کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "Now let us see as to what powers and attributes the Pagan Arabs ascribed to Allah and how far their ideas about him are reflected in their poetry. In this connection our attention is, at first, drawn towards the verses which express their belief in Allah as the Greatest Being. At this place, the following verses of labid also deserve to be quoted, for the poet has actually used a word in the superlative form qualifying Allah, which means "the greatest"(102)

۶۔ حسانؓ بن ثابت (۵۴ھ م) انصار مدینہ کے معروف قبیلے "خزرج" سے تھے آپؓ کو شرفِ صحابیت کے ساتھ شاعر رسولؐ ہونے کا اعزاز بھی حاصل ہے۔ ۱۳۰ برس کے لگ بھگ عمر پائی جو نصف جاہلیت اور نصف زمانہ اسلام میں بسر ہوئی۔ زہیر کی طرح آپؓ کے خاندان میں بھی شاعری کی جڑیں بہت گہری تھیں۔ آپ کی مسلسل چھ پشتیں شاعروں کی ہیں۔

حضور ﷺ نے مدینہ کو ہجرت فرمائی اور اوس وخزرج کے قبائل مسلمان ہوئے تو حضرت حسانؓ بھی اسلام لے آئے۔ شعرائے قریش چونکہ آنحضورؐ کی شان میں گستاخانہ اشعار کہہ کر دُکھ پہنچاتے تھے۔ لہٰذا حضورؐ کو خواہش ہوئی کہ مسلمان شعرا میں سے کچھ لوگ ان کو جواب دیں حضرت حسانؓ نے خود کو اس خدمت کے لیے پیش کیا اور بڑے مؤثر طریقے سے اسے انجام دیا۔ روایت ہے کہ حضور اکرمؐ مسجد میں انھیں منبر پر بٹھا کر دشمنانِ اسلام کی ہجو سنتے اور دعا دیتے کہ اے اللہ! روح القدس سے اس کی امداد فرما۔ ۱۰۳؎

حضرت حسانؓ کے یہاں حمدیہ اشعار کثرت سے ملتے ہیں۔

نَعۡلَمُ اَنَّ المَلُکَ لِلّٰہِ وَحۡدَہ

وَاَنَّ قَضَائَ اللّٰہ لَابُدَ واقِعُ

(ہمیں معلوم ہے کہ اقتدار صرف اللہ کے لیے ہے اور اللہ کا فیصلہ واقع ہو کر رہے گا)

قَدۡ أبۡرَزَ اللّٰہ قولاً فَوۡقِ قَوۡلِہِمۡ

کمَا النجوم تعالیٰ فوقَہَا اَلقَمَرُ ۱۰۴؎

(اللہ کا فرمان لوگوں کے فرمان سے ویسا ہی برتر ہے جس طرح کہ ستاروں سے چاند بلند تر ہے)۔

۷۔ حضرت خنساء رضی اللہ عنہا (۲۴ھ م): نام تماضر بنت عمرو، لقب الخنسا، قبیلۂ بنو سلیم سے تھیں۔ عربی ادب میں ان سے بڑی شاعرہ کوئی نہیں گزری۔ ان کے دو بھائی، عالم شباب میں یکے بعد دیگرے ہلاک ہو گئے۔ اس غم نے ان کے باطن میں شاعری کے آتش فشاں کا دہانہ کھول دیا۔ اسلام لانے کے بعد بھی وہ فخر پر آنسو بہاتی رہیں۔ حضورؐ کو آپ کا کلام بہت پسند تھا۔ روایت ہے کہ حضورؐ ہاتھ کے اشارے سے سنانے کی فرمائش کرتے اور فرماتے ''ھیہِ یا خنساء'' ''ہاں اے خنساء!'' جنگِ قادسیہ میں انھوں نے اپنے چاروں بیٹوں کو جہاد کے لیے روانہ کیا۔ جس میں سبھی کی یکے بعد دیگرے شہادت کی خبر سنی اور فرمایا۔

الحمد اللّٰہ الذی شرفنی بقتلھم ۱۰۵؎

(تعریف اس اللہ کی جس نے مجھے ان کے قتل سے اعزاز بخشا''

ذیل میں ان کے حمدیہ اشعار پیش کیے جاتے ہیں:

وَقائلینَ تغۡزّیٔ عَنۡ تَذَکُّرہ

فَالصّبۡرُ لَیۡسَ لِاَمۡرِ اللّٰہ مردودُ

(لوگوں نے اس کے ذکر سے گریز کرنے کو کہا، صبر اللہ کے حکم سے قابلِ رد نہیں ہے)

رحمة اللّٰہ والسلام علیه

وَسقٰی قَبۡرَہ الربیعُ خریۡفاً

(اس پر اللہ کی رحمت اور سلامتی ہو اور موسم بہار و خزاں دونوں ہی اس کی قبر کو تر و تازہ رکھیں)

عَلَیۡکم اُمُورُ اللّٰہِ یُزۡجِی مُصَمّمِا

سوانح لا تکبو لھا بوراحا ۱۰۶؎

(تم لوگوں پر اللہ کے حکم کی اطاعت واجب ہے، وہ ہر کام ارادے کے تحت کرتا ہے، حالات اس کے لیے باعث زحمت نہ ہوئے)

۸۔ حضرت علی ﷺ بن ابی طالب ہاشمی: حضرت علیؓ جہاں ایک جلیل القدر صحابی اور خلیفہ چہارم اور گوناگوں صفات کے حامل تھے، وہیں زبان و بیان کے لحاظ سے اعلیٰ درجے کے فصیح و بلیغ تھے۔ اس کا اندازہ ''نہج البلاغۃ'' کے مطالعہ سے کیا جاسکتا ہے، جس میں آپؓ کے بہت سے اقوال، خطبات اور کلمات جمع کر دیے گئے ہیں۔ چونکہ آپؓ حضرت محمد ﷺ کے زیر تربیت رہے ہیں اس لیے ان کی زبان و اسلوب میں اور نکھار آ گیا۔ ان تمام کمالات کے ساتھ وہ ایک بہت اچھے شاعر بھی تھے۔ حضرت علیؓ کے متداول دیوان میں متعدد منظومات حمد و مناجات کے موضوع سے متعلق ہیں۔ مثلاً اٹھائیس اشعار پر مشتمل ایک طویل حمدیہ قصیدے کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

لَکَ الحَمدُ یَا ذالْجُودِ وَالْمَجدِ واَلعُلٰی
تَبارَکْتَ تُعْطِی مَنَ تَشآءُ وَتَمْنَعُ ۱۰۷؎

(تیرا ہی شکر ہے اے جوُد، بزرگی اور بلندی والے تو برکت والا ہے جس کو چاہتا ہے دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے نہیں دیتا۔)

سبحانَ رَبِّ اِلعبادِ والْوَبْرَةِ
ورازق المتقینَ والفجرةِ
لوکان رزق العباد من عبدِ
مانلتُ من رزقِ ربّنا مَدْرَةِ ۱۰۸؎

ترجمہ: (پاک ہے وہ رب جو بندوں اور اونٹوں کا پالنے والا ہے۔ پرہیز گاروں اور فاجروں کا روزی رساں ہے۔ اگر بندوں کی روزی کسی انسان کی طرف سے ہوتی تو مجھ کو اپنے رب کی روزی سے ایک ڈھیلا کبھی نہ ملتا۔)

تضرع و مناجات کے موضوع پر ایک ترکیب بند بھی دیوان حضرت علیؓ میں ملتا ہے۔ یہاں صرف پہلا

بند درج کیا جاتا ہے:

یا سامِعَ الدُعاء وَیَارافِعِ اَلسمائِ

وَیَادَائم اَلبَقاء وَیَاوَاسِعَ العطائِ

لِذِی الفَاقَۃِ العَدِیْم ۱۰۹؎

ترجمہ: اے دعا کے سننے والے اور اے آسمان کے بلند کرنے والے۔ اے ہمیشہ رہنے والے اور بڑی بخشش والے۔ غریب فاقہ مست کے لیے)

وہ شعرا جنھوں نے عہدِ اسلامی میں نشوونما پائی، ان کا تعلق اموی دور سے تھا۔ اموی دور میں یوں تو متعدد شعرا ہوئے لیکن ان میں فرزدق اور جریر کو جو بلند مقام نصیب ہوا وہ اور کسی کو نہ مل سکا۔

۹۔ فرزدق (۱۱۰ھ م) بصرہ میں پیدا ہوا۔ وہ علم و ادب کے ماحول میں پروان چڑھا اور اعلیٰ اشعار تخلیق کرنے لگا۔ اس کے والد اپنے بیٹے کی ذہانت و فطانت کے ذکر کی غرض سے اسے لے کر حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضرت علیؓ نے فرزدق کے والد سے کہا کہ اسے قرآن کریم پڑھاؤ۔ حضرت علیؓ کی یہ بات فرزدق کے ذہن میں گھر کر گئی اور اس نے اپنے پیروں میں بیڑی ڈال کر قرآن مجید حفظ کر لیا۔ فرزدقؔ، جریرؔ کا ہم عصر تھا۔ دونوں میں شدید معاصرانہ چشمک تھی۔ اسی معاصرانہ چشمک کے پیش نظر عربی شاعری اعلیٰ قدروں سے مالا مال ہوگئی۔ ۱۱۰ھ میں بصرہ کے مقام پر اس کا انتقال ہوا۔ اس کی حمدیہ شاعری کا نمونہ ملاحظہ ہو:

دعوا یستخلف الرحمن خیرھم

واللّٰہ یسمع دعویٰ کل مکروبٍ ۱۱۰؎

(اللہ تعالیٰ کو پکارو تاکہ وہ ان کے مال کا جانشین بنا دے اور اللہ ہر مصیبت زدہ کی پکار کو سنتا ہے)

جفاف اجف اللّٰہ عنہٗ سحابہ

أَ وْسَعَہٗ من کل سافِ وخاصب ۱۱۱؎

(خشک مقام کے بادلوں کو بھی اللہ خشک کر دے اور اس خشک مقام کی سرسبز و شاداب اور بنجر وادیوں میں خشکی کو عام کر دے)

۱۰۔ جریر بن عطیہ (۱۱۰ھ م): کا تعلق بنو تمیم کی شاخ بنو کلیب بن یربوع سے تھا۔ یمامہ کے علاقے

میں پیدا ہوا اور صحرائی ماحول میں نشوونما پائی۔ چنانچہ زبان و بیان پر خوب قدرت تھی۔ وہ نذرانوں اور عطیات کے حصول کے لیے بصرہ پہنچا جہاں فرزدقؔ کی عظمت وشہرت کا چرچا عروج پر تھا۔ اسے فرزدقؔ سے حسد ہو گیا۔ اس کے بعد دونوں میں ہجو کا طویل سلسلہ رہا۔ یہاں تک کہ فرزدقؔ کے ہم نوا شعرا کی ایک کھیپ کی کھیپ اس کے خلاف ہجو کے طومار باندھنے لگی۔ مگر یہ اکیلا سب سے چومکھی لڑتا رہااور کسی سے مغلوب نہ ہوا۔ ذاتی زندگی میں جریرؔ فرزدق کے برعکس ایک پاکباز ومتدین انسان تھا۔ اسکے دیوان میں بہت سے حمد یہ اشعار پائے جاتے ہیں۔

الحمد   الله   اعطاکم

حسن الصنائع والدّ سائع والعُلٰی

(تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے تم کو اچھے پیشے، اچھے عطیات اور بلندیاں عطا کی ہیں)

الله اعطاکم من علمہٖ بکم،

حکماً وما بعد حکم الله تعقیب

(اللہ نے تمھیں جانتے ہوئے اقتدار عطا کیا اور اللہ کے اقتدار کے پیچھے کوئی اقتدار نہیں ہے)

اعوذ   بالله   العزیز   الغفار

وَبِالُامَ مَا الْعَدْلُ غَیرالجَبّارِ ۱۱۲؎

(میں اس اللہ کی پناہ چاہتا ہوں جو طاقتور اور بخشنے والا ہے اوراس امام عادل کی پناہ چاہتا ہوں جو قہر و غضب والانہیں ہے)

طبقۂ مولدین میں وہ شعرا آتے ہیں جنھوں نے عرب وعجم کے امتزاج کے زمانے میں نشوونما پائی۔ خواہ وہ اصلاً عربی تھے یا عجمی۔ یہ عہدِ عباسیہ کے شاعر ہیں۔ عہدِ عباسی علم و ادب کی دنیا میں اپنی مثال آپ ہے۔ عباسی عہد کے شعرا کے یہاں بہت سے ایسے اشعار ملتے ہیں جو خود حمد باری تعالیٰ کے ضمن میں آتے ہیں۔ مگر جن شعرا کے یہاں با قاعدہ بعنوان حمد یہ نظمیں ملتی ہیں ان میں ابو العتاہیہ، ابوالعلامعری اور ابونواس خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔

۱۱۔ ابوالعتاہیہ(۷۴۸ء......۸۲۶ء) کا زمانۂ شعر گوئی خلیفہ مہدی اور بالخصوص ہارون الرشید کا

عہد ہے۔ ہارون الرشید کا زمانہ آتے ہی اس کے رجحانات میں خاصی تبدیلی آ گئی اور اس نے اپنی شاعری کا رخ زہد و ورع کی طرف موڑ دیا۔ اس کے یہاں بہت سی ایسی نظمیں اور اشعار ہیں جن سے حمد باری تعالیٰ کی پوری پوری عکاسی ہوتی ہے۔

الحمدُ للهِ یقضنی ما یشاء ولا

یقضی علیه وما للخلقِ شاؤُوا ۱۱۳؎

تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں وہ جو چاہتا ہے کرتا ہے اس پر کسی کی نہیں چلتی اور مخلوق اپنی من مانی نہیں کرسکتی۔)

استغفر الله من ذنبی و من سرفی

الٰی وَانْ کنت مستوراً لخطاءٍ ۱۱۴؎

(میں ہر ممکن اپنی غلطیوں اور فضول خرچیوں کی اللہ سے معافی چاہتا ہوں گرچہ میں پاک دامن ہی کیوں نہ ہوں)

ابو العتاہیہ کی بہت سی نظموں کے عنوانات حمد یہ ہیں اور بالعموم اس کی نظموں کا آغاز حمد باری تعالیٰ سے ہوتا ہے۔

۱۲۔ ابو العلا معری (۹۷۳ء......۱۰۵۷ء) فلسفی شاعر تھا اور اپنے عہد کا عظیم شاعر تسلیم کیا جاتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے بھی اپنے اردو کلام میں اس کی تحسین کی ہے۔ ابو العلا معری کے یہاں بہت سی ایسی نظمیں ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی گئی ہے۔ نیز عنوانات بھی بعض نظموں کے حمد یہ رنگ لیے ہوئے ہیں مثلاً" **لاملک الا اللہ**"، "**لو شاء ربی**"، "**سبحان الخالق**" وغیرہ۔ مگر معری کے افکار و عقائد کے بارے میں ناقدین نے متنازعہ آرا کا اظہار کیا ہے۔ مثلاً احمد حسن الزیات لکھتے ہیں:

"اس کے عقیدہ کے بارے میں لوگوں کو اختلاف ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ برہمنت کا ہم نوا اور ہندو فلسفہ کا قائل ہونے کی وجہ سے ملحد ہے۔ دوسروں کا خیال ہے کہ صوفیا کے کلام کی طرح اس کی شاعری بھی دورخ رکھتی ہے۔ ایک ظاہری ایک باطنی۔" ۱۱۵؎

اس کی شاعری میں اللہ تعالیٰ سے شکوہ و شکایت کے مضامین بھی ملتے ہیں۔

تبارکت! انعمار البلاد سوائح

بعذب وخصت بالملوحة زمزم

(اے مولا! تیری ذات بڑی بابرکات ہے یہ کیا بات ہے کہ دنیا کی نہریں تو شیریں پانی کو لے کر بہہ رہی ہیں اورزم زم ہی کو خاص طور پر کھاری بنا دیا گیا۔)

هوا لخط عير البيد ساف بانفهٔ

كزامى وانف العود بالذل يخزم ۱۱۶؎

(یہ قسمت ہی کے کرشمے ہیں کہ جنگلی گدھا خزامی (ایک نہایت خوشبو دار پودے) پر اپنی ناک مار رہا ہے اور بے چارے اونٹ کی ناک میں ذلت سے نکیل پڑی ہوئی ہے)

۱۳۔ ابونواس (۷۶۳ء...... ۸۱۴ء) علاقہ اہواز کی ایک بستی میں پیدا ہوا اور وہاں سے بصرہ پہنچا اور پھر بغداد منتقل ہو گیا۔ احمد حسن الزیات کے بقول:

''ابونواس خوبصورت، سبک روح، شیریں مقال، حاضر دماغ، فصیح اللسان اور شراب کا عادی تھا وہ بڑا مسخرا اور ظریف تھا......امورِ دین میں وہ استخفاف برتتا تھا۔'' ۱۱۷؎

ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی کے بقول ''عربی شاعری میں ابونواس تنہا شاعر ہے جس کے یہاں حمد کا ایک واضح تصور ملتا ہے۔ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اسے اس موضوع میں انفرادیت حاصل ہے۔ اس کی نظموں کے عنوانات بھی حمدیہ ہیں مثلاً: ''اقرا الیک منک'' ''للہ اعلیٰ'' ''عفو اللہ'' وغیرہ۔ نظم ''نجوی و دعا'' حمدیہ اور مناجاتی شاعری کی عمدہ مثال ہیں۔ ان کے ایک ایک شعر میں شان عبودیت پائی جاتی ہے۔ شاعر نے خود کو خدا کے سپرد کر دیا ہے کہ خدایا میں تیرے سامنے حاضر ہوں:

اِلٰهنا مَاِعُدّلک مَلِیکُ کُلِّ مَنْ مَلَک

اے ہمارے آقا و معبود! تمام بادشاہوں میں کسی کو میں تیرے برابر بادشاہ نہیں مانتا۔

لبیک دلبیتُ لک

(میں حاضر ہوں۔ یقینا میں تیری آواز پر لبیک کہنے کے لیے حاضر ہوں)

لبیک ان الحمد لک　　والملک ولا شریک لک ۱۱۸؎

(میں حاضر ہوں بے شک تمام تعریفیں تیرے لیے ہیں، اقتدار تیرے لیے ہے اور تیرا کوئی شریک نہیں)

جدید شاعری کا آغاز انیسوی صدی سے شروع ہوتا ہے اور آج تک محیط ہے۔ عربی شاعری کے تین طبقاتِ شاعری کی حمدیہ شاعری کے نمونوں سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اب تک حمدیہ شاعری با قاعدہ کسی صنف کا روپ نہ دھار سکی ہے۔ جدید شاعری میں صرف اسماعیل صبری ایسا شاعر ہے جس نے اپنے دیوان کا آغاز حمد سے کیا ہے اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس نے حمد کو عربی شاعری کی ایک معتبر صنف بنانے کی اپنی سی کوشش بھی کی ہے۔ ذیل میں اس کا تعارف و نمونہ کلام پیش کیا جاتا ہے۔

۱۴۔ اسماعیل صبری (۱۸۵۴ء۔ ۱۹۲۳ء) کا تعلق مصر سے تھا۔ اس نے یورپ سے قانون کی ڈگری حاصل کی اور فرانسیسی ادب کا بھی مطالعہ کیا۔ جدید شعرائے عرب میں اسماعیل صبری کو کامل فن اور استادِفن تسلیم کیا جاتا ہے۔ وہ پہلا شاعر ہے جس نے اپنے دیوان کا آغاز حمد سے کیا۔ اس کا عنوان ''فاتحہ'' ہے اور لہجہ مناجاتی ہے۔ اس کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

رَبِّ هب لی هَدی واطلِق لسانی

وَأَنِز　خَاطِرِیْ　وَثبِتِ　جِنَانِی

(میرے رب! مجھے ہدایت دے اور میری زبان کو گویائی او رطاقت عطا فرما۔ میرے دل کو سکون اور میری ڈھال کو قوت عطا فرما)

انت　قصدی　وغایتی　ورجائی

مالک الملک مبدع الالوان ۱۱۹؎

(تو ہی میری منزل ،تو ہی میری غرض و غایت اورتو ہی میری امید ورجا ہے۔ تو ہی دنیا کا مالک اور کائنات کا خالق ہے)

گزشتہ صفحات میں عربی حمد پر جو سرسری نظر ڈالی گئی ہے وہ اگرچہ اس کی تمام جہات کا احاطہ تو نہیں کرتی مگر مختلف ادوار میں حمد کے ارتقاء، مضامین اور اسلوب کا مختصر جائزہ ضرور پیش کرتی ہے اور ہم ان نتائج پر پہنچتے

ہیں۔

۱۔ دور جاہلیہ کی عربی شاعری میں بھی توحید اور اللہ کی صفات کا بیان جستہ جستہ ملتا ہے۔ تاہم یہ بیان مسلسل و مربوط نہیں۔ یعنی شاعر خالص توحید کے مضامین بھی باندھتے تھے اور ساتھ ہی دیگر خداؤں کی ثنا بھی کرتے تھے۔

۲۔ اسلامی دور کی شاعری میں نزولِ قرآن کے بعد مضامین حمد میں قطعیت اور صراحت آئی اور حمد یہ شاعری شرک کے عناصر سے پاک ہوگئی۔

۳۔ بعض شعرا کے یہاں نظریہ جبر و قدر سے متعلق اشعار بھی ملتے ہیں۔

۴۔ اللہ تعالیٰ سے شکوہ و شکایت کے مضامین بھی اس دور میں ملتے ہیں۔ مثلاً ابونواس کی شاعری میں شکوہ کے عناصر موجود میں اور ابوالعلامعری کے کلام میں بھی چند مثالیں موجود ہیں۔

۵۔ طویل حمد یہ قصائد اور مثنویات کے نمونے عربی شاعری میں نظر نہیں آتے۔ یہ روش بعد ازاں فارسی شاعری میں مقبول اور عام ہوئی۔

(ii) فارسی شاعری میں حمد و مناجات:

اگرچہ ڈاکٹر ریاض مجید نے یہ لکھا ہے کہ:

''عربوں کی فتح ایران کے بعد جب اسلام کی شعاعیں اس سرزمین پر پھیلیں تو فارسی شعر وادب پر بھی اس کے اثرات پڑے۔''۱۲۰؎

مگر جہاں تک حمد یہ شاعری کا تعلق ہے۔ اس کے اثرات ہمیں اسلام کے نفوذ و نفاذ سے پہلے کی ایران مذہبی شاعری اور زرتشتی و مانوی ادوار کے مذہبی گیتوں اور حمدوں میں بھی نظر آجاتے ہیں۔

ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی نے بجا طور پر فرمایا ہے کہ:

''فارسی شاعری میں حمد کا آغاز خود اس (شاعری) کے اپنی آغاز سے ہوتا ہے۔''۱۲۱؎

اسلامی ایران میں بعض روایات کے مطابق اب تک دریافت شدہ قدیم ترین شاعر حنظلہ بادغیسی ہے، جسے دور طاہریہ (۲۰۵۔۲۵۹ھ) کا شاعر شمار کیا جاتا ہے لیکن اس کے تصنیفی کارناموں کے تلف ہو جانے کے باعث ہم اسکی حمد یہ شاعری کے نمونوں سے محروم ہیں۔

تاریخِ سیستان (تصحیح کردہ ملک الشعرا بہار) میں محمد بن وصیف سگزی (سجزی) کا نام فارسی کے پہلے شاعر کے طور پر پیش کیا گیا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اول شعر پارسی اندر عجم او گفت و پیش از و کسے نگفتہ بود''۱۲۲؎

پروفیسر قاضی فضلِ حق نے ''سخن ورانِ ایران'' میں واقعات و دلائل سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ محمد بن وصیف دور طاہریہ کے شعرا میں سے تھا۔ بعد میں وہ صفاریوں کا بھی معتمد رہا۔ وہ لکھتے ہیں:

> ''محمد بن وصیف نے عمر طویل پائی تھی اور ۲۵۸ھ سے (یعنی یعقوب بن اللیث کی فتحِ ہرات کے وقت سے) لے کر انقراضِ حکومت صفاریہ یعنی ۲۹۶ھ تک پورے اڑتیس سال صفاریوں کی حکومت میں رہا۔''۱۲۳؎

۲ھ میں عمرو بن اللیث صفاری نے اسماعیل سامانی کے ہاتھوں شکست کھائی اور اسے گرفتار کر لیا گیا تو محمد بن وصیف نے چند اشعار عمرو کی تالیف قلب کے لیے لکھ کر اسے بھیجے۔ ان اشعار میں حمدیہ رنگ و آہنگ نمایاں ہے:

کوشش بندہ سبب از بخشش است
کارِ قضا بود و ترا عیب نیست
بود و نبود از صفت ایزد است
بندۂ درماندۂ بے چارہ کیست؟ ۱۲۴؎

۱۔ فردوسی (۳۵ھ......۴۱۳ھ) عہدِ غزنوی کا شاعر ہے جس نے اپنی مشہور زمانہ مثنوی ''شاہنامہ'' کے آغاز میں حمدیہ اشعار کہے ہیں۔

بنام خداوند جان و خرد
کزین برتر اندیشہ برنگزرد
خداوند نام و خداوند جای
خداوند روزی وہ و رہنما
خداوند گیہان و گردوں سپہر
فروزندۂ ماہ و ناہید و مہر ۱۲۵؎

ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی فردوسی کی مذکورہ بالا حمد کو سراہتے ہوئے لکھتے ہیں:

''بارہ تیرہ اشعار پر مشتمل حمد میں جذبات کا اظہار معصومانہ بھی ہے اور مخلصانہ بھی۔ صنائع بدائع کم ہی نظر آتے ہیں اگر ہیں بھی تو بے ساختہ پن لیے ہوئے ہیں تکلف اور تصنع کا ان میں شائبہ نہیں۔''۱۲۶؎

۲۔ بابا طاہر عریاں: جناب مقبول بیگ بدخشانی نے آپ کے حالات میں لکھا ہے ''طاہر نام، عریاں تخلص اور وطن ہمدان تھا'' ۱۲۷؎ بابا طاہر نے دور سلجوقیہ میں شہرت پائی۔ تذکروں میں لکھا ہے کہ آپ نے اولین سلجوقی بادشاہ طغرل بیگ کو احکامِ خدا پر چلنے کی تلقین کی۔ مضامین شراب و شباب کے ساتھ ساتھ بابا طاہر کے کلام میں بصائر و حکم اور حمد و مناجات کے ترانے بھی ملتے ہیں۔ لفظ ترانہ، رباعی کا مترادف ہے۔ ان کی مدحیہ دو بیتیاں دیکھیے:

خداوندا بفریاد دلم رس
کس بیکس توی موبیکسم بس
ہمہ گویند طاہر کس ندارد
خدا کہ بامنہ چہ حاجت کس

مو از قالوا بلیٰ تشویش دیرم
گنہ از برگ داراں پیش دیرم
اگر لاتقنطوا دستم نگیرد
من از یا ویلنا اندیش دیرم ۱۲۸؎

۳۔ ابوسعید ابوالخیر مولانا شبلی نعمانی آپ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''شاعری میں سب سے پہلے صوفیانہ خیالات حضرت سلطان ابو سعید ابو الخیر نے ادا کیے'' ۱۲۹؎

آپ کے حالات و فضائل میں آپ کے نواسے محمد منور نے ایک کتاب ''اسرار التوحید فی مقامات شیخ ابوسعید'' لکھی تھی اس کتاب سے آپ کے افکار و خیالات پر کافی روشنی پڑتی ہے۔ سعید نفیسی نے ''سخنان منظوم

ابوسعید ابوالخیر" کے نام سے آپ کا کلام مرتب کیا۔ ایک رباعی میں مناجاتی اور دعائیہ رنگ ملاحظہ ہو:

یارب مکن از لطف پریشان مارا
ہر چند کہ ھست جرم و عصیان مارا
ذات تو غنی بودہ و ما محتاجیم
محتاج بغیر خود مگرداں مارا ۱۳۰؎

وحدت الوجود آپ کے متصوفانہ خیالات کا بلند ترین آہنگ ہے یہ رباعی دیکھیے:

مدتے ہست کہ ما از خم وحدت مستیم
شیشۂ کثرت ایں طایفہ را بشکستیم
این کہ گویند فنا ہست غلط می گویند
تاخدا ہست درین معرکہ ماہم ہستیم ۱۳۱؎

۴۔ حکیم ناصر خسرو (۳۹۴ھ......۴۸۸ھ) اسماعیلی مذہبی رہنما اور مشہور ایرانی شاعر ہے اس نے حمدِ خدا کے بیان میں انسان کے عجز کی عکاسی کی ہے۔ وہ عقل و خرد پر زور دیتا ہے۔ اس نے یہ عجیب انداز اختیار کیا ہے کہ حمدِ خداوندی سے متعلق دوسروں کے اقوال کا رد کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہ جو خدا کی اس قسم کی صفات گنوائی جاتی ہیں کہ اس نے یہ اگایا، وہ پیدا کیا، فلاں چیز سے فلاں چیز پیدا کی، تو یہ تعریف اس کے شایان شان نہیں کیونکہ یہ اگانا وغیرہ تو قوت نامیہ کا فعل ہے۔ اصل تو عقل و خرد اور جان ہے جو اس نے پیدا کی اور اس کی تعریف کرتے ہوئے انہی کا حوالہ لانا چاہیے۔ باقی سب صورت پرستی ہے۔ وہ کہتا ہے۔

چرا گوئی زرو لعل و جواہر
زخاک و آب و سنگ اُو کرد ظاہر
نبات از گل تو گوئی او برآورد
نشاید این چنین او را صفت کرد
کہ روح نامیہ این کار دارد
گل و شمشاد و سرو اومی نگارد ۱۳۲؎

۵۔ حکیم سنائی غزنوی (۴۵۰ھ......۵۴۵ھ) کی علمی و روحانی عظمتوں کا اعتراف کرتے

ہوئے مولانا روم نے کہا تھا۔

عطار روح بود و سنائی دو چشم او

ما از پس سنائی و عطار آمدیم

حکیم سنائی کی دو مثنویاں ''حدیقۃ الحقیقت'' اور ''سیر العباد'' تصوف و معرفت کے مضامین پر مشتمل ہیں۔ 'حدیقۃ' یوں تو سراسر معروف و ہدایت ہے لیکن اس کے آغاز میں فی التحمید ، فی المعرفۃ، فی التوحید، فی التنزیہہ فی الربوبیۃ والعظمۃ، فی الشکر، فی التوکل والمناجاۃ وغیرہ کے عنوانات کے تحت اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کے بارے میں خصوصی طور پر اظہار خیال کیا گیا ہے۔ 'حدیقۃ' کا آغاز ذیل کے حمدیہ اشعار سے ہوتا ہے:

ای درون پرور و برون آرای

وی خرد بخش بی خرد بخشای

خالق ورازقِ زمین و زمان

حافظ و ناصر مکین و مکاں

ہمہ از صنع تو مکان و مکیں

ہمہ در امر تو زمان و زمین ۱۳۳؎

سنائی کا دیوان بھی حمدیہ غزلوں سے مزین ہے۔

۶۔ حضرت غوث اعظم محی الدین عبدالقادر جیلانی متخلص بہ محی (م۵۶۱ھ) توحید وسنت کے داعی اور اہل سنت و الجماعت کے وہ عظیم امام تھے۔ جن کے ارشادات و ملفوظات پڑھنے سے ایمان تازہ ہوتا اور عقیدۂ توحید میں رسوخ و پختگی آتی ہے۔ ان کا قصیدہ دعائیہ ۱۶ اشعار پر مشتمل ہے۔ مشائخ کے بقول اس قصیدے کے پڑھنے اور انداز دعا سے حاجات کے پورے ہونے کا بار بار تجربہ کیا گیا ہے۔

یہ قصیدہ عربی زبان میں ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں جو زبردست مناجاتی لہجہ لیے ہوئے ہیں۔

یا من تحل بذکرہٖ

عقد النوائب والشدائد

ترجمہ: اے وہ خدا جس کی یاد سے حوادث اور مصائب کی گرہیں کھلتی ہیں۔

یا من الیہ المشتکی

والیہ امر الخلق عائد

ترجمہ: اے وہ خدا جس کے سامنے فریاد کی جاتی ہے اور مخلوق کے سارے کام اسی کی طرف لوٹتے ہیں۔

انی دعو تک والھمو

م جیو شھا قلبی تطارد

ترجمہ: میں نے تجھے اس حالت میں پکارا ہے کہ مصیبتوں کے لشکروں نے میرے دل پر حملہ کر رکھا ہے۔

فرج عولک کربتی

یامن لہ حسن العوائد ۱۳۴؎

ترجمہ: اپنی قوت سے میری پریشانی کا ازالہ فرمادیجئے اے وہ خدا جس کے ہاتھ میں اچھے نتائج ہیں۔

دیوان غوث اعظم کی پہلی حمد یہ غزل سے تین شعر یہاں درج کیے جاتے ہیں:

بے حجابانہ در آ از درِ کاشانۂ ما

کہ کسے نیست بجز درد تو درخانہ ما

مرغ باغِ ملکوتیم دریں دیر خراب

می شود نور تجلائے خدا، دانہ ما

گر نکیر آیدو پُرسد کہ بگو اب تو کیست

گویم آن کس کہ ربود این دل دیوانہ ما ۱۳۵؎

۷۔ نظامی گنجوی(۵۳۵ء۔۵۹۹ھ) یہ نادرہ کار شاعر اپنے خمسہ یعنی پانچ مثنویوں کی وجہ سے مشہور ہے جن کے نام یہ ہیں۔مخزن الاسرار۔خسرو شیریں۔لیلیٰ مجنوں۔ ہفت پیکر اور سکندر نامہ۔ نظامیؔ کی کوئی تصنیف

حمد یہ اشعار سے خالی نہیں۔ مرزا مقبول بیگ بدخشانی لکھتے ہیں۔

''نظامی کی مثنویاں توحید، نعت اور حکمت کے بیان سے شروع ہوتی ہیں۔ توحید اور نعت لکھتے ہوئے شعر اور فلسفہ میں کچھ اس طرح امتزاج پیدا کرتے ہیں کہ مضمون بلند اور باعظمت ہو جاتا ہے۔''۱۳۶؎

''مخزن الاسرار'' کے آغاز کے طویل حمدیہ حصے سے دو شعر یہاں درج کیے جاتے ہیں:

بسم اللہ الرحمن الرحیم
ہست کلیدِ درِ گنجِ حکیم
فاتحۂ فکرت و ختم سخن
نامِ خدائیت بر او ختم کن

اسی کتاب میں حمدیہ اشعار کے بعد دُعا کرتے ہیں:

بندۂ نظامی کہ یکی گوئے تست
در دو جہاں خاک سرکوی تست
خاطرش از معرفت آباد کن
گردنش از دام غم آزاد کن ۱۳۷؎

۸۔ عطار، فرید الدین(۵۳۷ھ......۶۲۷ھ) صوفی شاعر ہیں جنہوں نے قصائد بھی کہے اور غزلیات میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ انھوں نے قصائد اور مثنویات دونوں کے آغاز میں روایت کے مطابق حمد کہی ہے۔ ان کی معرفت سے معمور مثنویاں منطق الطیر، اسرار نامہ، مظہر العجائب، الٰہی نامہ اور وصیت نامہ ہیں۔ ''منطق الطیر'' ایک تمثیلی مثنوی ہے جس میں طیور کی زبانی اسرار و معرفت کے نکات بیان کیے گئے ہیں۔ آغاز کے دو اشعار ملاحظہ ہوں:

آفرین جان آفرین پاک را
آنکہ جان بخشیدہ مشتِ خاک را
عرش را بر آب بنیاد او نہاد
خاکیان را عمر برباد او نہاد ۱۳۸؎

''اشتر نامہ'' میں خواجہ عطار کا رنگ مناجات بھی ملاحظہ ہو۔

از سوئے صورت سوئے معنی برم

از سوئے معنی سوئے عقبیٰ برم
از لقائی خود دلم پُر نور کن
وز عزازیل لعینم دور کن
رحمتی کن برمن آشفتہ کار
از خداوندی بہ بخشش در گزار ۱۳۹ے

۹۔ مولانا جلال الدین رومی (۶۰۴ھ۔۶۷۲ھ) مولانا روم عالم اسلام کے شہرہ آفاق صوفی اور متکلم تھے۔ آپ کے جلالت قدر کے ثبوت میں یہی کہنا کافی ہے کہ حضرت علامہ نے انھیں اپنا پیرو مرشد قرار دیا اور متعدد مواقع پر انھیں خراج عقیدت پیش کیا مثلاً

نہ اٹھا کوئی رومی عجم کے لالہ زاوں سے
وہی آب و گل ایراں وہی تبریز سے ساقی

مولانا کی مثنوی کا عرفانیات و ادبیات میں یہ مقام ہے کہ اسے ''ہست قرآن در زبان پہلوی'' کہا گیا ہے۔ مولانا شبلی نے اپنی کتاب ''سوانح مولانا روم'' میں اور جناب محمد عبدالسلام نے اپنی کتاب ''افکار رومی'' میں مولانا کی فکریات اور عارفانہ خدمات کا بھرپور تعارف کرایا ہے۔

مثنوی رومی کے چھ دفتر ہیں اور ہزاروں اشعار پر مشتمل ہیں اس میں شعوری طور پر حمد یا مناجات کے عنوان سے اشعار نہیں ملتے بلکہ مولانا قصہ و تمثیل بیان کرتے ہوئے موقع محل کی مناسبت سے حمدیہ موضوعات منظوم کرتے ہیں۔ دفتر اول کے آغاز ہی میں ''نے'' کے تمثیلی بیان میں نالۂ فراق بیان کیا ہے اس کے پردے میں عشقِ حقیقی سے تعلق اور رابطے کی خواہش کی جو فضا ہے۔ اس سے حمد الٰہی جھلکتی ہے۔ فرماتے ہیں:

بشنو از نی چون حکایت می کند
وز جدای ھا شکایت می کند
کز نیستاں تا مرا ببریدہ اند
از نفیرم مردوزن نالیدہ اند ۱۴۰ے

مولانا کا حسن مناجات کا نمونہ درج ذیل ہے:

ای خدای پاک بے انباز و یار

دست گیر و جرم مارا در گزار
ہم دعا از تو اجابت ہم ز تو
ایمنی از تو مہابت ہم زتو
گرخطا گفتیم اصلاحش تو کن
مصلحی تو ای تو سلطانِ سخن ۱۴۱؎

۱۰۔ شیخ سعدی(۶۹۱ھ وفات) عالمی سطح کے برگذیدہ ترین ارباب دانش وحکمت میں سے تھے۔ دنیا صدیوں سے ان کے ارشادات سے مستفید ہو رہی ہے۔ ان کی کتابوں ''گلستان'' اور''بوستان'' کے تراجم دنیا بھر کی بڑی زبانوں میں ہو چکے ہیں۔ غزل میں بھی انھیں''پیمبر سخن'' تسلیم کیا گیا ہے۔ مولانا حالی کے بقول سعدیؔ کے قبول عام کا دارومدار زیادہ تر حسن بیان اور لطف ادا پر ہے۔ سعدیؔ کے فطری اسلوب بیان کی داد دیتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''خدا کی صفت اور حکمت کے متعلق وہ وہی باتیں بیان کرتا ہے جو سب جانتے ہیں لیکن یہ کسی کی طاقت نہیں کہ ان کو ویسے پاکیزہ اور دل نشیں بیان کے ساتھ ادا کر سکے۔''۱۴۲؎

شیخ سعدی کے کلام میں حمدیہ اور مناجاتیہ اشعار بکثرت ملتے ہیں۔''بوستان سعدی'' کا آغاز ذیل کے حمدیہ اشعار سے ہوتا ہے۔

بنام جہاں دار و جاں آفریں
حکیم سخن در زبان آفریں
خداوند بخشندہ و دستگیر
کریم خطا بخش و بوزش پذیر ۱۴۳؎

''گلستان'' کے آغاز میں بھی متعدد پر تاثیر حمدیہ اشعار موقع بہ موقع درج ہیں مثلاً

ای کریمی کہ از خزانۂ غیب
گبر و ترسا وظیفہ خور داری
دوستاں راکجا کنی محروم
تو کہ بادشمنان نظر داری ۱۴۴؎

ای برتراز خیال و قیاس و گمان و وہم
وزہرچہ گفتہ اند و شنیدیم و خواندہ ایم
مجلس تمام گشت و بہ آخر رسید عمر
ماہمچناں در اوّل وصف تو ماندہ ایم ۱۴۵؎

۱۱۔ امیر خسرو(۷۰۵......۶۵۱ھ) شیخ سعدی اور عراقی کے مایہ ناز معاصر تھے۔ آپ ایسے شاعر ہیں جن کو ایران و ہندوستان ہر دو مقامات پر یکساں شہرت ومقبولیت نصیب ہوئی۔ مولانا شبلی نعمانی شعر العجم(جلد دوم) میں رقم طراز ہیں:

''ہندوستان میں چھ سو برس سے آج تک اس درجہ کا جامع کمالات پیدا نہیں ہوا اور سچ پوچھو تو اس قدر مختلف اور گوناگوں اوصاف کے جامع ایران و روم کی خاک نے بھی ہزاروں برس کی مدت میں دو چار ہی پیدا کیے ہوں گے۔ صرف ایک شاعری کو لو توان کی جامعیت پر حیرت ہوتی ہے۔''۱۴۶؎

پھر خسرو کی زبان دانی، نثر نگاری، موسیقی اور دیگر کمالات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ان مختلف الحیثیات مشغلوں کے ساتھ فقر و تصوف کا یہ رنگ ہے کہ گویا عالم قدس کے سوا دنیائے فانی کو نظر اٹھا کر نہیں دیکھا۔''۱۴۷؎

آپ حضرت خواجہ نظام الدین اولیاؒ کے مرید و خلیفہ خاص تھے۔ آپ نے نظامی گنجوی کے ''خمسہ'' کی تقلید میں نہ صرف خمسہ لکھا بلکہ تین چار مثنویاں مزید لکھ کر مثنوی گوئی میں اپنا لوہا منوایا۔ ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی لکھتے ہیں:

''انھوں نے تمام مثنویوں کا آغاز حمد اور مناجات سے کیا ہے اور اسی طرح ان کے یہاں حمدیہ قصیدوں سمیت کئی حمدیں آ گئی ہیں۔''۱۴۸؎

خسرو کے حمدیہ قصائد میں سے دیوان ''وسط الحیوۃ'' کے ایک طویل حمدیہ قصیدے کے تین اشعار ملاحظہ ہوں۔ اس قصیدے میں امیر خسرو نے قرآنی آیات اور عربی جملے اور قوافی بکثرت استعمال کیے ہیں۔

حمد دائم برزبان للہ رب العالمین
آنکہ بخشیدہ ست از قرآن ھدی للمتقین

رحمتش بین مہرباں چوں مادری کزفرث ودم
شیر خالص می رساند لذۃ للشاربین
شکر اگر گویم وگرنی، ماگدایان را زغیب
قسمت روزی دہد واللہ خیرالرازقین ۱۴۹؎

دیوان ''غرۃ الکمال'' میں ایک طویل حمدیہ قصیدہ ہے جس کا مطلع ہے:

چہ زہرہ خاک مسکیں را کہ توحید خدا گوید
بدیں آلودگی ذاتِ مقدس راثنا گوید ۱۵۰؎

صفوی اور مغلیہ دور کے شعراء کی فہرست خاصی طویل ہے۔ لیکن یہاں بخوفِ طوالت صرف ان باکمال شعرا کا ذکر کیا جائے گا جنھوں نے ادوار مابعد کو بہت متاثر کیا یا حمدیہ شاعری میں کچھ امتیازات پیدا کیے۔

۱۲۔ فیضی (۹۵۴۔۱۰۰۴ھ) اپنے دور کے ایک بڑے عالم شیخ مبارک ناگوری کا بیٹا مشہور مؤرخ وانشا پرداز ابوالفضل کا بھائی اور فارسی کا عظیم شاعر جس نے تقریباً ہر صنف سخن کی طرف توجہ دی اور اس میں اپنی اپج، تخیل کی بلندی، مضمون آفرینی اور معنوی خوبیوں سے جان پیدا کی۔

فیضیؔ نے خمسہ نظامیؔ کے جواب میں خمسہ لکھنا چاہا۔ مگر اس کی بیشتر مثنویاں نامکمل رہیں۔ تاہم ''نل ودمن'' مکمل صورت میں ہے اور یہاں اسی حوالے سے بات ہو گی۔ یہاں اس شہرہ آفاق مثنوی سے چند منتخب حمدیہ اشعار پیش کیے جاتے ہیں۔ مضامین اور تشبیہات کی جدت خصوصاً قابل ملاحظہ ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ توحید کے بیان میں انسانی ذہن وقلم نارسا ہے۔ ان کے مطابق توحیدِ خداوندی کے بارے میں کچھ کہنا ایسا ہی ہے جیسے چیونٹی پر ہاتھی کی عماری رکھ دی جائے:

توحید تو نیست بر قلم چُست
ایوان بہ بزرگی و ستوں سُست
توحید تو ہر کہ راند درقیل
برمورچہ زد عماری فیل ۱۵۱؎

۱۳۔ عرفی شیرازی (۹۶۳۔۹۹۹ھ) کا اصل نام جمال الدین محمد تھا۔ چھتیس برس کی عمر میں یعنی عالم شباب ہی میں فوت ہو گیا۔ علامہ اقبال نے اس کے شاعرانہ کمالات کے اعتراف میں کیا تھا:

محل ایسا کیا تعمیر عرفیؔ کے تخیل نے

تصدق جس پہ حیرت خانہ سینا و فارابی

حمد ونعت عرفیؔ کے خاص مضامین تھے۔غزلوں کے علاوہ طویل حمدیہ مثنویات بھی لکھی ہیں۔اسی طرح کی دومثنویوں کے پہلے اشعار یہاں درج کیے جاتے ہیں:

بسم اللہ الرحمن الرحیم
موج نخست ہست از بحرِ قدیم ۱۵۲؎

ای ہمہ عین تو و پاک از ہمہ
نقد و جود از تو و خاک از ہمہ ۱۵۳؎

۱۴۔ مرزا بیدل(م ۱۰۵۴۔ ۱۱۳۳ھ) ایک عظیم شاعر جس کے اثرات معاصرین اورمتاخرین پر ثبت ہوئے۔علامہ شبلی نعمانی نے ''شعر العجم'' میں مرزا عبدالقار بیدل کو نہ صرف شامل تذکرہ نہیں کیا بلکہ ان کے اسلوب کے بارے میں جا بجا مخالفانہ رائے بھی دی ہے۔علامہ شبلی نعمانی کے اعتراضات کا جواب خواجہ عباد اللہ اختر نے اپنی کتاب ''بیدل'' میں تفصیل سے دیا ہے۔ بیدلؔ کے اسلوب بیان میں بلاشبہ مشکل پسندی ہے لیکن یہ مشکل پسندی، بقول اقبالؔ ان کی ندرت افکار کا لازمہ تھی۔حقیقت یہ ہے کہ اپنے دین دارانہ رجحانات ،حکیمانہ مضامین اور اپنے حرکی فلسفہ حیات کی وجہ سے بیدلؔ ہمیشہ قابل تکریم حکمائے اسلام میں شمار کیے جاتے رہیں گے۔ بیدلؔ کے کلام کا بنیادی موضوع اللہ اور انسان کا ربط و وصل ہے ۔اس لیے ان کے کلام کے کسی بھی حصے کو ہم حمدو مناجات سے عاری نہیں کہہ سکتے حمدونعت کے ملے جلے مضمون کے حامل دوشعر ملاحظہ ہوں:

زبانم قابلِ حمد خدا شد
کہ بانام محمد آشنا شد
دل از تفسیر این اسم است آگاہ
زرمز معنی الحمد اللہ ۱۵۴؎

بیدلؔ فرماتے ہیں کہ ہم خدا اور اس کی معرفت کا احاطہ نہیں کر سکتے ہم علم حق تو ہیں، عالم حق نہیں ہیں:

بیدل در درسگاہ رمز مطلق
از آگاہی نمی تواں بردسبق
اجزا، محاط راکہ کرد است محیط

ما علم حقیم، نے عالمِ حق ۱۵۵؎

۱۵۔ مرزا مظہر جان جاناں علیہ الرحمۃ (۱۱۱۱۔۱۱۹۵ھ) کا دیوان اور ان کا مرتب کردہ فارسی شعرا کے کلام کا انتخاب موسوم بہ ''خریطۂ جواہر'' برعظیم پاک وہند کے ارباب ذوق میں بہت مقبول رہے ہیں۔ مرزا مظہر کی ایک مثنوی کا درج ذیل شعر جو حمدیہ اور نعتیہ ہے، جہان ادب میں بہت مشہور ہے:

خدا در انتظار حمدِ ما نیست
محمدؐ چشم برراہِ ثنا نیست

اس شعر کے معاً بعد یہ تین اشعار آئے ہیں جو حمدیہ و نعتیہ مضامین کے حامل ہیں:

خدا مدح آفرین مصطفیٰؐ بس
محمدؐ حامدِ حمدِ خدا بس
مناجاتی اگر باید بیاں کرد
بہ بیتی ہم قناعت می تواں کرد
محمد از تومی خواہم خدا را
الٰہی از تو عشقِ مصطفی را ۱۵۶؎

۱۶۔ مرزا غالب، اسد اللّٰہ (م ۱۲۸۵) کو اردو شاعری کی بنا پر شہرت ملی جبکہ وہ اپنے کلام فارسی کی تحسین کرتے ہیں:

فارسی بین تابہ بینی نقش ہای رنگ رنگ
بگذر از مجموعہ اردو کہ بی رنگ من است

غالبؔ نے فارسی ادبیات میں لازوال نقوش مرتسم کیے اور آئندہ زمانوں کو متاثر کیا۔ ان کے حمدیہ کلام کے بارے میں تفصیلی رائے اردو کے حصہ میں پیش کی جائے گی۔ فارسی دیوان کی پہلی غزل ہی حمدیہ ہے۔

ای بہ خلا و ملا خوی تو ہنگامہ زا
باہمہ درگفتگو ، بی ہمہ در ماجرا
شاہد حسن ترا در روش دلبری
طرہ پرخم صفات موی میاں ماسوا ۱۵۷؎

غالبؔ اپنے اردو دیوان کی طرح یہاں بھی عام روایات کی تقلید کرتے نظر نہیں آتے۔ چنانچہ ان کی

کلیات میں پہلا قصیدہ حمدیہ نہیں ہے۔ غالبؔ نے براہ راست حمد کہنے کے بجائے اشاروں، کنایوں اور علامتوں کی صورت میں حمد لکھی ہے۔

۱۷۔ علامہ اقبال (۱۸۷۷ء......۱۹۳۸ء) کا بیشتر کلام نکتہ توحید کی تفسیر ہے۔ اقبال نے اپنے فلسفۂ خودی کی اساس ہی توحید اور اطاعت حق پر رکھی ہے۔ ''رموزِ بے خودی'' میں توحید کی اہمیت بیان کرتے ہوئے۔ کہتے ہیں:

دیں ازو، حکمت ازو، آئین ازو
زور ازو، قوت ازو، تمکین ازو ۱۵۸؎

مثنوی کے خلاصے کے طور پر حضرت علامہ نے سورہ اخلاص کی منظوم تفسیر کی ہے اور اللہ تعالیٰ کے احد، لم یلد ولم یولد اور اس کے بے ہمتا ہونے کی ایمان افروز وضاحت فرمائی ہے۔

کلام اقبال میں دعائیں اور مناجاتیں بھی بکثرت ملتی ہیں اور ان میں اپنی ذات سے زیادہ ملت کے لیے دعائیں کی گئی ہیں۔ یہاں صرف ایک مثال پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ مثنوی ''پس چہ باید کرد'' میں ویرانہ غزنی میں ایک مرد شوریدہ کی مناجات، مغربی استعمار کی عالم آشوبی، ملتِ اسلامیہ کے درد و کرب اور اس کی اصلاح احوال کے سلسلہ میں ہے۔ مناجات کے آخری حصے میں وہ احیائے ملت بیضا اور بیداری مشرق کے لیے یوں دعا کرتے ہیں:

شعلۂ از خاک او باز آفریں
آن طلب آن جستجو باز آفریں
شرق راکن ازوجودش استوار
صبح فردا از گریبانش برآر ۱۵۹؎

نتائج:

مختصر الفاظ میں فارسی شاعری میں حمد نگاری کا جائزہ لینے سے مندرجہ ذیل نکات واضح ہوتے ہیں:

۱۔ فارسی شعرا نے حمد کہنے میں اپنی بھرپور کوشش کی ہے۔

۲۔ فن شعر میں اپنی مہارت واستادی کو انھوں نے اپنی حمد میں بھی برتا ہے۔

۳۔ زیادہ تر شعرا نے قرآنی تلمیحات و آیات کے حوالے سے حمد کہی ہے۔

۴۔ مناجات میں شعرا نے اللہ کی صفاتِ رحیمی، کریمی، غفاری اور ستاری وغیرہ کی تفسیر کرتے ہوئے اس کی رحمت کو جوش میں لانے کی کوشش کی ہے۔

۵۔ بعض شعرا نے حمد میں بھی تغزل کی چاشنی پیدا کی ہے۔

۶۔ حمدیہ شاعری بالخصوص قصیدہ میں اپنے علم وفضل اور تخلیق وصناعی کی دھاک بٹھانے کے بجائے جذبے کا خلوص نظر آتا ہے۔

۷۔ حمد گوئی میں زیادہ تر حصہ مثنوی گو شعرا کا ہے۔

حوالے

۱۔ وارث سرہندی: علمی اردو لغت، لاہور: علمی کتاب خانہ، طبع سوم ۱۹۸۳ء، ص ۶۵۴

۲۔ فرمان فتحپوری، ڈاکٹر: رافع اللغات، لاہور: الفیصل ناشران، ۲۰۰۵ء، ص ۳۱۵

۳۔ عبداللہ خان خویشگی: فرہنگ عامرہ، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۸۹ء، ص ۲۲۱

۴۔ سید احمد دہلوی: فرہنگ آصفیہ، ج ۲، لاہور: معارف پرنٹنگ پریس، ۱۹۴۷ء، ص ۱۷۰

۵۔ خواجہ عبدالحمید: جامع اللغات، ج ۱، لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۱۹۸۹ء، ص ۹۲۷

۶۔ وارث سرہندی: قاموس مترادفات، لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۱۹۸۶ء، ص ۵۴۶

۷۔ مولوی نور الحسن: نور اللغات، ج ۲، کراچی: جنرل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۵۹ء، ص ۶۰۶

۸۔ مولانا عبدالحفیظ بلیاوی: مصباح اللغات، کراچی: دار الاشاعت، ۱۹۹۷ء، ص ۱۷۵

۹۔ سید تصدق حسین رضوی، مولوی: لغات کشوری، لاہور: سنگ میل، ۲۰۰۳ء، ص ۱۳۷

۱۰۔ عبدالحق وابو اللیث صدیقی (مؤلفین): اردو لغت (تاریخی اصول پر) ج ۸، کراچی: اردو لغت بورڈ، ۱۹۸۷ء، ص ۲۷۳

۱۱۔ العلامۃ الراغب الاصفہانی: مفردات الالفاظ القرآن، ج ۱، دمشق: دار القلم، ۱۹۹۷ء، ص ۲۵۶

۱۲۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۸، لاہور: دانش گاہ پنجاب، ۱۹۷۳ء، ص ۶۰۴

۱۳۔ مولوی محبوب عالم (مرتب): اسلامی انسائیکلو پیڈیا، لاہور: الفیصل ناشران، ۲۰۰۳ء، ص ۲۷۳

۱۴۔ حبیب اللہ آموز گار: فرہنگ آموز گار، تہران: چاپ اول، ۱۳۳۰ھ

۱۵۔ علی اکبر دہخدا: لغت نامہ دھخدا، ج۱۹ (زیر نظر دکتر محمد معین) تھران: چاپ سیروس ۱۳۳۸ء، ص ۸۹۵

۱۶۔ سید تصدق حسین رضوی، مولوی: لغات کشوری: ص ۴۰۵

۱۷۔ مولوی الحاج فیروز الدین: فیروز اللغات اردو جامع، لاہور: فیروز سنز، ۲۰۰۵ء، ص ۱۳۵۱

۱۸۔ علمی اردو لغت: ص ۱۴۲۷

۱۹۔ المنجد (عربی، اردو) دہلی: مرکزی ادارہ تبلیغ دینیات، س ن، ص ۹۹۸

۲۰۔ عبداللہ خان خویشگی: فرہنگ عامرہ: ص ۶۱۶

۲۱۔ خواجہ عبدالحمید: جامع اللغات، ج ۲: ص ۱۸۷۴

۲۲۔ وارث سرہندی: قاموس مترادفات، ص ۱۰۲۱

۲۳۔ مرزا مقبول بیگ بدخشانی: اردو لغت، لاہور: مرکزی اردو بورڈ، بار دوم ۱۹۶۹ء، ص ۴۱۰

۲۴۔ مولانا عبدالحفیظ بلیاوی: مصباح اللغات: ص ۸۵۸

۲۵۔ سید احمد دہلوی: فرہنگ آصفیہ، ج ۴، ص ۴۱۲

۲۶۔ العلامۃ الراغب الاصفہانی: مفردات الالفاظ القرآن: ص ۸۹۲

۲۷۔ مولوی الحاج فیروز الدین: فیروز اللغات: ص ۶۲۹

۲۸۔ وارث سرہندی: علمی اردو لغت: ص ۱۴۲۷

۲۹۔ سید تصدق حسین رضوی، مولوی: لغات کشوری: ص ۱۶۳

۳۰۔ عبداللہ خان خویشگی: فرہنگ عامرہ: ص ۶۱۲

۳۱۔ سید احمد دہلوی: فرہنگ آصفیہ: ج ۴، ص ۴۱۲

۳۲۔ مولانا عبدالحفیظ بلیاوی: مصباح اللغات: ص ۸۵۸

۳۳۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۹، ص ۳۳۹

۳۴۔ علی اکبر دہخدا: لغت نامہ (ترجمہ و تلخیص) خواجہ حمید یزدانی، ڈاکٹر، لاہور: نقوش، قرآن نمبر، جلد چہارم ص ۳۴۳، ۳۴۴

۳۵۔ مرزا غالب: دیوانِ غالب (مرتبہ) امتیاز علی خان عرشی، نئی دہلی: انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۸۳ء، ۴۳۲

۳۶۔ سید احمد دہلوی: فرہنگ آصفیہ، ج ۲، ۳، ص ۱۸۵

۳۷، ۳۸۔ مولوی محمد حسین: برہان قاطع، لکھنؤ: مطبع نول کشور: بار سوم، س ن، ص ۳۶۲

۳۹۔ مذکورہ حوالہ

۴۰۔ غلام سرور لاہوری، مفتی، لغات سروری، لکھنو: نول کشور، ۱۸۹۸ء، ص ۱۷۰

۴۱۔ نذیر نیازی: مضمون بعنوان ''اللہ'' مشمولہ نقوش،'' قرآن نمبر''، ج ۴، ص ۳۰۲۔۳۰۴

۴۲۔ رشید احمد: تاریخ مذاہب، کوئٹہ: زمرد پبلی کیشنز، بار ہشتم ۲۰۰۰، ص ۲۶۷۔۲۶۸

۴۳۔ سعد اللہ کلیم، ڈاکٹر: اردو غزل کی تہذیبی و فکری بنیادیں، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۰۵، ص ۷۵

۴۴۔ خورشید رضوی، ڈاکٹر: عربی شاعری ایک تعارف۔ از آغاز تا عہد بنو امیہ، لاہور: ۲۰۰۱ء، شیخ زاید اسلامک سنٹر جامعہ پنجاب، ص ۳۱

۴۵۔ ابن حنیف: سات دریائوں کی سرزمین، ملتان: کاروان ادب، ۱۹۸۰ء ص ۲۰۶۔۲۰۷

46- Karen Armstrong: A history of God, Cox & Wyman Ltd, Reading Berkshire. Great Britain, 1995, Pg 10,11

47- Radha karishnan Dr: Indian Philosophy Vol, 1 George Allan & Unwin London: 1923-Page 64.

48. As above, Pg 73

۴۹۔ رشید احمد: تاریخ مذاہب: ص ۲۹۵

۵۰۔ مذکورہ حوالہ، ص ۳۶۷

۵۱۔ علی محمد آقا محمدی، دکتر، گات ھا ھفت ھات بہ شعر فارسی سرودہ، اقوام متحدہ امریکہ: ۱۹۸۷ء، ص ۴۲

52- The New Encyclopedia Britanica: Inc Vol,24 Micropedia, 15th

Edition, 1992, Chicago: Pg, 8,9

53 - Mircea Eliade: The Encyclopedia of Religions, Vol II, Macmillan Ubrary Reference. Simon & Schusster Macmillan U.S.A Newyork: 1993, P 373.

۵۴۔ مجنوں گورکھ پوری، ادب اور زندگی، لاہور: مکتبہ دانیال، ۱۹۶۹، ص ۲۴۷

۵۵۔ ابن حنیف: سات دریاؤں کی سرزمین، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۸۷ء، ص ۲۰۷

۵۶۔ ابن حنیف: دنیا کا قدیم ترین ادب، ملتان: کاروان ادب، ۱۹۸۶ء، ص ۶۹

۵۷۔ ص ۱۶۷، ۱۶۸

۵۸۔ ص ۱۹۱، ۱۹۲

۵۹۔ ص ۱۹۴۔۲۰۴ صفحات متفرقہ

۶۰۔ ص ۲۰۶۔۲۰۸

۶۱۔ ابن حنیف: مصر کا قدیم ادب، ج ۲، ملتان: بیکن بکس، بارِ اول ص ۲۰۳۔ ۲۱۷

۶۲۔ ابن حنیف: دنیا کا قدیم ترین ادب، ج ۲، ص ۱۰۸

۶۳۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۰۹

۶۴۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۱۱

۶۵۔ عاصی کرنالی، ڈاکٹر، اردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کا اثر، کراچی: اقلیم لغت ۲۰۰۱ء، ص ۲۸

۶۶۔ مذکورہ حوالہ

۶۷۔ اسلم قریشی، ڈاکٹر محمد: ڈرامے کا تاریخی و تنقیدی پس منظر، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۱ء، ص ۲۲

68 - Colliers Encyclopedia: Vol-II, P.F Collier Inc, London: Newyork Pg.420.

69- As above, Pg 421

۷۰۔ ذاکر نائیک، ڈاکٹر: خطباتِ ڈاکر ذاکر نائیک، لاہور: اسلام بک ڈپو، س ن، ص ۲، ۳

۷۱۔ سید امیر علی: روح اسلام، (مترجمہ) محمد ہادی حسین، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، بار ششم، ۱۹۸۸ء، ۲۵۶، ۲۵۷

۷۲۔ محمد یٰسین مظہر صدیقی، ڈاکٹر: نقوش، قرآن نمبر، ج ۲، لاہور: ادارہ فروغ اردو، ۱۹۹۸ء ص ۵۵

۷۳۔ ابو الاعلیٰ مودودی، مولانا: تفہیم القرآن ، ج۱، لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، بارھواں ایڈیشن ۱۹۷۴ء، ص ۳۴، ۳۵

۷۴۔ بخاری: الجامع الصحیح، کتاب التوحید، (مترجمہ) ابو محمد حافظ عبدالستار حماد، لاہور: دارالسلام، س، ن، ص ۶۳۳

۷۵۔ مذکورہ حوالہ، ص ۶۳۴، ۶۳۵

۷۶۔ عبدالماجد دریا بادی: (شارح) مناجات مقبول ، مولانا اشرف علی تھانوی : لاہور: منشورات، ۲۰۰۹ء، ص ۵

۷۷۔ Khalil Ahmed Hamidi: (Foreword) A Hand book of Islamic Prayers. LHR: Islamic Publications, II Edition, 1978, Pg III.

۷۸۔ سیارہ ڈائجسٹ، دعا نمبر، دسمبر ۱۹۹۶ء ص ۲۲

۷۹۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر: فارسی زبان و ادب، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۷ء، ص ۳۸۶

۸۰۔ ابوالکلام آزاد، نقوش قرآن نمبر، ج۱، ص ۳۵۶

۸۱۔ ابو الاعلیٰ مودودی: الاسماء الحسنی، لاہور: ادارہ معارف اسلامی، اشاعت چہارم ۲۰۰۷ء، ص ۵۵

۸۲۔ مولانا محمد ولی رازی: مضمون، بعنوان ''الحمد للہ'' مشمولہ، خزینۂ حمد، (مرتبہ) طاہر سلطانی، کراچی: ادارہ چمنستان حمد و نعت ٹرسٹ، ۱۹۹۶ء، ص ۱۳

۸۳، ۸۴۔ نذیر نیازی: مضمون ''اللہ'' مشمولہ، نقوش، قرآن نمبر، ج ۴، ص ۷۳۳

۸۵۔ فرمان فتحپوری، ڈاکٹر: اردو کی نعتیہ شاعری، لاہور: آئینہ ادب، ۱۹۷۴ء، ص ۴۲

۸۶۔ جعفر بلوچ: انٹرویو(مشمولہ) خوشبوؤں کا سفر(مرتبہ) طاہر سلطانی، کراچی: جہان حمد پبلی کیشنز،۲۰۰۷ء،ص ۱۴۳

۸۷۔ اقبال جاوید، پروفیسر محمد، حمد عبد شکور کا فخر اور عبد مجبور کا سہارا، مضمون(مشمولہ) اقلیم نعت، حمد نمبر، شمارہ ۷،اگست ۱۹۹۹ء،ص ۷۰

۸۸۔ امراؤ القیس: دیوانِ امراؤ القیس، تحقیق، محمد ابو الفضل ابراہیم، قاہرہ: دارالمعارف،۱۹۵۸ء،ص ۲۳۸

۸۹۔ مذکورہ حوالہ،ص ۳۴۷

۹۰۔ خورشید رضوی ،ڈاکٹر: عربی شاعری ایک تعارف ،ص ۳۰

۹۱۔ مذکورہ حوالہ،ص ۳۱

۹۲۔ مذکورہ حوالہ،ص ۳۲

۹۳۔ محمد اقبال، علامہ: کلیات اقبال فارسی ،لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، اشاعت پنجم ۱۹۸۵ء،ص ۲۰

۹۴،۹۵۔ احمد حسن الزیات: تاریخ ادب عربی، (ترجمہ) عبدالرحمن طاہر صورتی،لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز ،۱۹۷۲ء،ص ۱۴۵۔۱۴۶

۹۶۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۴۷

۹۷۔ شیخ احمد و شیخ مصطفی: تاریخ ادب عربی،(ترجمہ) پروفیسر عبدالقیوم و محمد بشیر صدیقی،لاہور: پنجاب ایڈوائزری بورڈ فاربکس، محکمہ تعلیم، بار اول ۱۹۵۷ء،ص ۲۰۵

۹۸۔ ڈاکٹر خورشید رضوی: عربی شاعری ایک تعارف: ص ۳۸

۹۹۔ ابوسفیان اصلاحی، ڈاکٹر: مضمون ’’عربی شاعری میں حمد کا ارتقا‘‘ (مشمولہ) نقوش، قرآن نمبر ج ۴، ص ۶۰۱

۱۰۰۔ ڈاکٹر خورشید رضوی: عربی شاعری ایک تعارف، ص ۳۸

۱۰۱۔ نقوش، قرآن نمبر، ج ۴ ،ص ۶۰۳

۱۰۲۔ Hafiz Ghulam Mustafa: Religious trends in Pre-Islamic Arabic Poetry, Aligarh: Aligarh Muslim University Pres, 1968, Pg44

۱۰۳۔ خورشید رضوی، ڈاکٹر: عربی شاعری ایک تعارف،ص ۶۳

۱۰۴۔ حسان بن ثابت الانصاری :دیوان حسان بن ثابت الانصاری (شرح) عبدالرحمن البرقوقی، بیروت: دارالاندلس، ۱۹۶۶ء،ص۳۱۰

۱۰۵۔ ڈاکٹر خورشید رضوی: عربی شاعری ایک تعارف،ص۷۰

۱۰۶۔ نقوش ،قرآن نمبر، ج ۴، ص ۲۰۳، ۲۰۴

۱۰۷۔ حضرت علی بن ابی طالب: دیوان حضرت علی رضی اللہ عنہ، کراچی: ایچ ایم سعید کمپنی،۱۹۷۹ء،ص۱۰۰

۱۰۸۔ مذکورہ حوالہ،ص۷۰

۱۰۹۔ مذکورہ حوالہ،ص۱۴۹

۱۱۰۔ الفرزدق: دیوان الفرزدق، لبنان :دارالکتب العلمیہ ،طبع اول ۱۹۸۷ء،ص۲۶

۱۱۱۔ مذکورہ حوالہ،ص۲۹

۱۱۲۔ نقوش قرآن نمبر،ج ۴، ص۶۰۵

۱۱۳،۱۱۴۔ ابوالعتاہیہ: دیوان ابو العتاهیه، دار بیروت: دار صادر، ۱۹۶۴ء ،ص۱۱

۱۱۵۔ احمد حسن الزیات: تاریخ ادب عربی، ص۴۱۹

۱۱۶۔ مذکورہ حوالہ،ص ۴۲۲

۱۱۷۔ مذکورہ حوالہ،ص۳۷۷

۱۱۸۔ نقوش :قرآن نمبر، ج ۴،ص ۶۲۴

۱۱۹۔ مذکورہ حوالہ،ص۶۲۷،۶۲۸

۱۲۰۔ ریاض مجید، ڈاکٹر: اردو میں نعت گوئی، لاہور: اقبال اکادمی،طبع اول ۱۹۹۰ء،ص۱۳۶

۱۲۱۔ نقوش: قرآن نمبر ، ج ۴،ص۶۵۹

۱۲۲۔ تاریخ سیستان بہ تصحیح ملک الشعرا بہار: طہران: ۱۳۱۴ شمسی ،ص۲۱۰

۱۲۳۔ قاضی فضل حق: سخن وران ایران ، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ،۱۹۹۰ء ،ص۳۱

۱۲۴۔ تاریخ سیستان: ص۲۶۰

۱۲۵۔ فردوسی: شاہنامہ، ج۱، طہران: کتاب خانہ بروخیم، س ن، ص۱

۱۲۶۔ نقوش: قرآن نمبر، ج۴، ص۶۶۰

۱۲۷۔ مقبول بیگ بدخشانی: ادب نامہ ایران، لاہور: یونیورسٹی بک شاپ، س ن ص۲۱۷

۱۲۸۔ بابا طاہر عریاں: دوبیتی نامہ بابا طاہر، (مرتبہ) حضور احمد سلیم، سندھ: مکتبہ مسعود حیدرآباد، ۱۹۷۴ء، ص۶۲

۱۲۹۔ شبلی نعمانی: شعر العجم، ج۵، لاہور: شیخ مبارک علی، ۱۹۳۴ء، ص۱۰۷

۱۳۰۔ ابوسعید ابوالخیر، سخنان منظوم، (مرتبہ) سعید نفیسی، طہران: انتشارات کتب خانہ شمس، ۱۳۳۴ ص۲

۱۳۱۔ مذکورہ حوالہ، ص۱۱۶

۱۳۲۔ ناصر خسرو: دیوان اشعار حکیم ابو معین حمید الدین ناصر بن خسرو قبادیانی، تہران: کتاب فروشی ابن سینا، ۱۳۳۵ھ، ص۵۱۸

۱۳۳۔ حکیم سنائی غزنوی: حدیقہ سنائی، لکھنؤ: (مطبوعہ) نول کشور، ۱۸۸۷ء، ص۲۷

۱۳۴۔ گوہر رحمان، مولانا: حقیقت توحید و سنت، لاہور: ادارہ معارف اسلامی، طبع دوم ۱۹۸۹ء ص۱۸۸، ۱۸۹

۱۳۵۔ حضرت غوث اعظم: دیوان حضرت غوث اعظم، کانپور: مطبع نول کشور، ۱۸۷۲ء ص۲

۱۳۶۔ مقبول بیگ بدخشانی: ادب نامۂ ایران، لاہور: یونیورسٹی بک شاپ، ایڈیشن سوم، س ن، ص۳۸۵

۱۳۷۔ مذکورہ حوالہ، ص۳۸۶

۱۳۸۔ عطار فرید الدین: منطق الطیر، لاہور: فرمان علی اینڈ سنز، س ن، ص۳، ۲

۱۳۹۔ فرید الدین عطار: اشتر نامہ، بکوشش دکتر مہدی محقق، تہران: انجمن آثار ملی، ۱۳۳۹ ص۹

۱۴۰۔ مولانا روم: مثنوی مولوی معنوی، ج۱، لاہور: الفیصل ناشران، س ن، ص۳۱

۱۴۱۔ دفتر دوم، ص۶۷

۱۴۲۔ حالی، الطاف حسین: حیات سعدی، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۰ء، ص۸۸

۱۴۳۔ شیخ سعدی: بوستان سعدی، کراچی: سعید کمپنی، ۱۹۷۵ء، ص۱

۱۴۴۔ شیخ سعدی: گلستان سعدی بہ کوشش محمد علی فروغی، ایران: انتشارات ہنرومردم، ۱۳۵۴ شمسی، ص ۲، ۳

۱۴۵۔ مذکورہ حوالہ،ص ۵

۱۴۶۔ شبلی نعمانی ،شعر العجم ،ج ۲ ، لاہور: شیخ مبارک علی، ۱۹۲۴ء،ص ۱۱۸

۱۴۷۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۱۹

۱۴۸۔ خواجہ حمید یزدانی، ڈاکٹر :مضمون ،فارسی شاعری میں حمد،مشمولہ نقوش،قرآن نمبر ،ج ۴،ص ۶۶۷

۱۴۹۔ امیر خسرو : کلیات قصائد خسرو ،ج۱، (مرتبہ) اقبال صلاح الدین، لاہور: نیشنل بک فاؤنڈیشن،۱۹۷۷ء،ص ۱۷۱

۱۵۰۔ مذکورہ حوالہ، ج ۲، ص ۳

۱۵۱۔ فیضی: نل دمن، کانپور: مطبع نول کشور، ۱۹۷۳ء،ص ۲

۱۵۲۔ عرفی شیرازی: دیوان عرفی شیرازی، کانپور: مطبع نول کشور،۱۹۱۵ء،ص ۲۲۵

۱۵۳۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۳۰

۱۵۴۔ بیدل، مرزا عبدالقادر: کلیات بیدل، لاہور: الکتاب،۱۹۸۷ء ،ص ۴۲۵

۱۵۵۔ عباد اللہ اختر: بیدل، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ،۱۹۵۲ء،ص ۲۷۸

۱۵۶۔ میرزا مظہر جان جاناں: دیوان میرزا مظھر جان جاناں و خریطۂ جواھر، کانپور: مطبع مصطفائی،۱۲۷۱ھ،ص ۸۵

۱۵۷۔ مرزا غالب : کلیات غالب، ج ۳، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۹۷ء ص ۳، ۴

۱۵۸۔ محمد اقبال، علامہ: کلیات اقبال فارسی لاہور:ص ۹۱

۱۵۹۔ مذکورہ حوالہ،ص ۸۷۰

باب دوم

جنوبی ہند میں حمد و مناجات نگاری

فصل اوّل: ابتدائی نقوش

۱۔ امیر خسروؔ

۲۔ بابا گرو نانکؔ

۳۔ کبیرؔ

۴۔ عبدالرحیم خان خاناںؔ

فصل دوم: گجری ادب میں حمد و مناجات کی روایت

۵۔ شیخ بہاء الدین باجنؔ

۶۔ قاضی محمود دریائیؔ

۷۔ شاہ علی محمد جیو گام دھنیؔ

۸۔ شیخ خوب محمد چشتیؔ

فصل سوم: بہمنی دور کے ادب میں حمد و مناجات کی روایت

۹۔ نظامیؔ دکنی

۱۰۔ خواجہ بندہ نواز گیسوؔ دراز

۱۱۔ شاہ میراں جی شمس العشاقؔ

۱۲۔ سید شاہ اشرفؔ بیابانی

فصل چہارم: عادل شاہی دور کے ادب میں حمد و مناجات

۱۳۔ شاہ برہان الدین جانمؔ

۱۴۔ شاہ امین الدین اعلیؔ

۱۵۔ شیخ غلام محمد داولؔ

۱۶۔ حسن شوقیؔ

۱۷۔ علی عادل شاہ ثانی شاہیؔ

۱۸۔ نصرتیؔ

۱۹۔صنعتیؔ

۲۰۔مقیمیؔ

۲۱۔رستمیؔ

فصل پنجم: قطب شاہی دور کے ادب میں حمد و مناجات

۲۲۔محمد قلی قطبؔ شاہ

۲۳۔ وجہیؔ

۲۴۔غواصیؔ

۲۵۔ابن نشاطیؔ

۲۶۔ قاضی محمود بحریؔ

فصل ششم: دکنی روایت کا نقطۂ تکمیل

۲۷۔ ولیؔ دکنی

۲۸۔ سراجؔ اورنگ آبادی

۲۹۔ قاسمؔ اورنگ آبادی

فصل اوّل:

ابتدائی نقوش

۱۔ امیر خسرو اردو میں حمد نگاری کا باقاعدہ آغاز امیر خسروؒ سے ہوتا ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے ’خالق باری‘ کے نقش اول کو خسرو ہی سے منسوب کیا ہے۔ اس کتاب کا پہلا شعر ہی حمد یہ ہے۔

خالق باری سرجن ہار

واحد ایک بڑا کرتار ا؎

۲۔ بابا گرونانک کی بھگتی تحریک اسلام سے متاثر ہو کر شروع کی گئی تھی۔ اس تحریک کے نامور اکابر میں بابا گرونانک، کبیر اور نام دیو کے نام آتے ہیں۔ محققین زبان اردو نے ان کے کلام کو اردو کا ابتدائی نمونہ قرار دیا ہے۔ کسی دکنی شاعر کے قصہ ملکہ مصر کا جو ۱۲۰۶ھ میں لکھا گیا تھا، ذکر کرتے ہوئے شیر علی خاں سرخوش لکھتے ہیں:

’’مگر اس قسم کے دکنی نمونوں سے بابا نانک کا یہ دوہرہ جو پنجابی زبان میں ہے اور جس کو مصنف آب حیات نے مسترد کر دیا ہے، ہزار مرتبہ بہتر اور اردوئے قدیم کا اچھا نمونہ ہے یعنی

ساس ماس سب جیو تمہارا، تو ہے کھرا پیارا
نانک شاعر ایہو کہت ہے سچے پروردگارا ۲؎

۳۔ کبیر بھگت کبیر کی پیدائش اور زمانۂ حیات کے متعلق مختلف روایات ملتی ہیں۔ محترم جمیل جالبی کے مطابق ان کی وفات ۱۵۱۸ء میں ہوئی ا؎ تاریخ پیدائش نامعلوم ہے۔ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند میں بھی ان کا سال وفات ۱۵۱۸ء درج ہے ۲؎۔ ڈاکٹر تبسم کاشمیری کے مطابق ان کا عرصہ حیات ۱۹۷۰ ۔ ۱۹۴۰ ہے ۳؎۔ جبکہ بلجیت سنگھ مطیر مصنف ''اردو کا مکمل باغی شاعر کبیر'' نے بعد تحقیقی دلائل کے تاریخ پیدائش ۱۱ جولائی ۱۴۷۰ اور وفات ۱۴ جنوری ۱۵۸۸ء لکھی ہے۔ ۴؎

کبیر کی شاعری اور فکر بھگتی تحریک سے بہت متاثر تھی۔ بھگتی تحریک کے متعلق مختصراً درج کیا جاتا ہے۔ برصغیر میں مسلمانوں کی آمد کے وقت ہندوؤں کا مذہب کئی مختلف رجحانات وعقائد کا آمیزہ تھا۔ اسلام سے روشناس ہونے کے بعد ہندومت میں وحدانی تصورات جگہ پانے لگے۔ بارھویں صدی میں رامانج (م ۱۱۳۷ھ) نے ویشنو پوجا کے لیے ایک فلسفیانہ اساس فراہم کی اور بھگتی کے جذباتی اور خدا پرستانہ رجحانات کو منظم کیا لیکن بھگتی کا راستہ صرف اعلیٰ ذاتوں کے لیے تجویز کیا۔

رامانج کے کام کو جاری رکھنے والا راما نند تھا جو اسلامی تصورات سے اس حد تک متاثر ہوا کہ اس نے ہندومت کے مذہبی اور سماجی رسومات کو غیر ضروری قرار دیا۔ راما نند نے رام کی پوجا کو عام کیا اور سنسکرت کے بجائے عوامی زبانوں میں بھگتی کی تعلیم دی۔ اس کے پیروکاروں میں سب ذاتوں کا ثبوت یوں ملتا ہے کہ کبیرؔ جولاہا تھا، راوی داس موچی تھا، دھرنا جاٹ تھا۔ سیتا نائی تھا جبکہ پیپا راجپوت تھا۔

نیاز فتحپوری اپنے مضمون ''ہندی شاعری کی تاریخ'' میں لکھتے ہیں۔

''راما نند کا ایک مرید رائے داس چمار بھی تھا جو بہت بڑا بھگت گزرا ہے۔ اس کی کچھ نظمیں آدی گرنتھ میں پائی جاتی ہیں۔ جذبات کے لحاظ سے اس کا خاص درجہ ہے۔ چنانچہ وہ اپنی ایک مناجات میں لکھتا ہے ''اے خدا اگر تو پہاڑی ہے تو میں تیرا طاؤس ہوں اگر تو چاند ہے تو میں تیرا چکور ہوں تو ہی مجھے قطع کر دے تو کر دے لیکن میں ایسا نہیں کر سکتا۔ میں تجھ سے کٹ کر کس سے ملوں گا اگر تو شمع ہے تو میں اس کی بتی ہوں اگر تو کوئی زیارت گاہ تو میں تیرا زائر

ہوں۔ اور تجھ سے مل کر میں سب سے جدا ہو گیا ہوں۔ جہاں کہیں میں جاتا ہوں، تیری ہی پوجا کرتا ہوں۔ تیری طرح اے خدا کوئی مالک نہیں کیونکہ تیری پرستش سے موت کا پھندا کٹ جاتا ہے۔'' ۵۔

کبیرؔ اسی بھگتی تحریک کے سرگرم رکن تھے، جس کا مقصد معاشرے کی اونچ نیچ دور کرنا، توحید پھیلانا اور بلاواسطہ خدائے قدوس سے رجوع کرنا تھا۔ بقول ڈاکٹر تبسم کاشمیری:

''کبیرؔ کی تعلیمات میں سب سے اہم شے مذہبِ مشق کا پرچار اور ادیان کی وحدت کا تصور تھا۔ وہ یہ سمجھتا تھا کہ اصل ذات خالقِ کل کی ہے اور اسی کی طرف مذاہب سفر کرتے ہیں۔''

۶۔

کبیرؔ کے کلام میں حمدیہ شاعری کے چند دلکش نمونے ملاحظہ ہوں:

میرا مجھ میں کچھ نہیں، جو کچھ ہے سو تیرا
تیرا تجھ کو سونپتا، کیا لاگے ہے میرا ۷۔

تو تو کرتا تو بھیا، مجھ میں رہی نہ ''ہوں''
واری تیرے ناوں پری، جت دیکھوں تت توں ۸۔

ہری اودھ نے اپنی کتاب ''بھگت کبیر۔ فلسفہ و شاعری'' میں کبیرؔ کے درج ذیل اشعار دیے ہیں، جو حق تعالیٰ کے اسلامی تصورات سے بہت مماثل ہیں:

اچھے پرکھ اک پیڑ ہے نرنجن وا کی ڈار
تر دیوا ساکھے بھئے پات بھیا سنار

ترجمہ: ذات لافانی ایک درخت ہے اس کی بڑی شاخ ذات حق ہے تین دیو (برہما، وشنو اور مہیش) اس کی چھوٹی شاخیں ہیں اور دنیا اس کی پتیاں ہیں۔

صاحب میرا ایک ہے دوجا کہا نہ جائے
دوجا صاحب جو کہوں صاحب کھرا رسائے

ترجمہ: میرا صاحب یعنی مالک ایک ہے کسی دوسرے کو مالک نہیں کہہ سکتا اگر میں کسی دوسرے

کو مالک کہوں گا تو میرا مالک سخت ناخوش ہو گا۔

جا کے منہ ماتھا نہیں، ناہیں روپ کروپ
پہپ باس تیں پا ترا ایسا تتوا نو پے

ترجمہ: جس کے نہ منہ ہے نہ پیشانی، جو نہ خوب صورت ہے نہ بدصورت جو پھول کی خوشبو سے بھی لطیف تر ہے ایسی لامثال حقیقت ہے وہ

ایک کہوں تو ہے نہیں دوے کہوں تو گار
ہے جیسا تیسا رہے کہے کبیرؔ وچار ۹۔

ترجمہ: اگر میں اسے ایک کہتا ہوں تو وہ ہے ہی نہیں یعنی اس کا پتا نہیں اور دو کہوں تو گالی ہو جائے گی کبیر سوچ بچار کر یہ کہتا ہے کہ وہ جیسا ہے، ویسا ہی ہے یعنی اس کا بیان ناممکن ہے۔

کبیرؔ کی شاعری پر تصوف کے بھی گہرے اثرات ملتے ہیں اور وہ صفائی باطن، وحدت و کثرت، دوئی کی نفی، دنیا کی بے ثباتی، غم اور دکھ جیسے موضوعات پر اپنی شاعری میں اظہار خیال کرتا ہوا بھی دکھائی دیتا ہے۔

۴۔ عبدالرحیم خان خاناں (۱۵۵۳ء......۱۶۲۷ء) خان خاناں کا باپ بیرم خان، اکبر اعظم کا اتالیق تھا۔ رحیم کی پرورش اکبر نے کی۔ بعد ازاں رحیمؔ، جہانگیر کا اتالیق ہوا۔ خان خاناں ہندی میں رحیمؔ یار رحیمنؔ تخلص کرتے تھے فارسی کے بھی اچھے شاعر تھے۔ ان کا معروف شعر ہے:

شمار شوق ندانستہ ام کہ تا چند است
جزاین قدر کہ دلم سخت آرزو منداست

احمد آباد میں ان کی عظیم الشان لائبریری تھی اور وہ اہل ادب کے قدردان تھے۔ ڈاکٹر فرمان فتحپوری اپنے مضمون ''کلاسیکی ہندی شاعری میں مسلمانوں کا حصہ'' میں لکھتے ہیں:

''ان کا شمار ہندی کے صفِ اول کے شعرا میں کیا جاتا ہے۔ تلسی داس کے بعد وہ کلاسیکل ہندی کے سب سے بڑے فطرت نگار شاعر خیال کیے جاتے ہیں ......بعض روایتوں میں پتا چلتا ہے کہ تلسی داس نے عبدالرحیم خان خاناں ہی کی خواہش پر والمیکی کی ''رامائن'' کو ہندی نظم کا جامہ پہنایا تھا۔''۱۰۔

ان کے کلام پر بھگتی تحریک اور دین الٰہی کا اثر نمایاں نظر آتا ہے۔ دین الٰہی کی تحریک نے انہیں آزاد خیال بنا دیا تھا۔ چنانچہ مسلمان ہونے کے باوجود وہ کرشن اور رام سے بے حد متاثر تھے۔مگر ان کی خالص حمدیہ شاعری،توحید باری سے عبارت ہے۔ وہ کہتے ہیں۔

رحمن بات اگم کی کہن سنن کی نائیں
جو جانت سو کہت نہیں کہت سو جانت نائیں ۱۱؎

ترجمہ: اے رحیم خدا کی بات کہنے سننے کی نہیں۔ جو جانتا ہے وہ کہتا نہیں اور جو کہتا ہے وہ جانتا نہیں۔

دینے والا اور ہے دیتا ہے دن رین
لوگ مجھے داتا کہیں باتے نیچے نین ۱۲؎

ترجمہ: لوگ مجھے سخی کہتے ہیں حالانکہ دینے والا اور ہے اور نام میرا ہوتا ہے۔ جب میں کسی کو کچھ دیتا ہوں تو شرم سے نظر نیچی کر لیتا ہوں۔

جوں ناچت کٹ پوتری، کرم نچاوت گات
اپنے ہاتھ رحمن کہوں، تیئں اپنے ہات ۱۳؎

ترجمہ: کٹ پتلی کی طرح کرم (یعنی اعمال) جسم کو نچاتے ہیں۔ رحیم کہتے ہیں کہ یہ بات اپنے ہاتھ نہیں۔ نچانے والا کوئی اور ہے جو دکھائی نہیں دیتا۔

ڈاکٹر فرمان فتحپوری نے اپنے مضمون میں خان خاناں کا ذیل کا دوہا نقل کیا ہے:

جے رحیم تن من دیو، کہیو ہر دے میں بھون
تاسے دکھ سکھ کہے کی، رہی کتھا اب کون ۱۴؎

ترجمہ:اے رحیم! جس پر تن من نثار کیا جا چکا ہو اور جس نے دل میں گھر کر لیا ہو اب اس سے شکوہ شکایت کس منہ سے کی جائے۔

عبدالرحیم خان خاناں بہتر ۷۲ سال کی عمر میں فوت ہوئے اور ہمایوں کے مقبرے میں دفن ہوئے۔

فصل دوم:

گجری ادب (۱۴۰۷ء...... ۱۵۷۲ء) میں حمد و مناجات کی روایت

گجرات علاء الدین خلجی کے زمانے میں ۹۸۔۱۲۹۷ء فتح ہو چکا تھا، وہاں علما پہنچ چکے تھے اور صوفیانہ رشد و ہدایت کا اس سے قبل ہی آغاز ہو چکا تھا۔ گجرات میں دریافت شدہ شعری آثار پندرھویں عیسوی سے سترہویں صدی کے ربع سوم تک نظر آتے ہیں۔ اس عہد میں یہاں ادب کے شاہکار تخلیق ہوتے ہیں۔ گجرات اس دور کا اہم تجارتی مرکز تھا۔ اس کے ساتھ ہی صوفیا کی تخلیقی سرگرمیوں کا منبع بھی۔

''تصوف اس عہد کا تخلیقی استعارہ تھا۔ گجری ادب اسی استعارے سے پیدا ہوا ...... گجرات کی سرزمین پر ادب کا جو ڈرامہ کھیلا گیا اس میں مقامی زبان یعنی گجری کو استعمال کیا گیا ...... یہاں کے صوفیا اپنا پیغام گجری میں دے رہے تھے۔ ان لوگوں نے زبان کا ایک ایسا ڈھانچہ بنا لیا تھا جو بہت آسانی سے عام لوگوں کو سمجھ آ سکتا تھا۔ اس دور کی گجری پر مقامی روایت کا نہایت

گہرا غلبہ تھا۔''۱۵؎

۵۔ شاہ بہاالدین باجن (۱۵۰۶ء۔۱۳۸۸ء) کا نام بہاء الدین بن مغرالدین شہید اور تخلص باجن ہے۔ ان کا سلسلۂ نسب زین بن الخطاب، برادر عمر بن الخطاب تک پہنچتا ہے۔ شیخ رحمت اللہ گجراتی ابن شیخ عزیز اللہ حج کے لیے گئے توخواب میں دی گئی حضور اکرم ﷺ کی نصیحت کے مطابق آخری عمر میں برہان پور (خاندیش) میں سکونت اختیار کی اور یہیں ۱۵۰۵ء/ ۹۱۲ھ میں فوت ہو کر دفن ہوئے۔ ۲؎

شیخ باجن ایک رسالے ''خزائن رحمۃ اللہ'' کے مصنف ہیں ۔ یہ رسالہ ان کے پیر شیخ رحمت اللہ اور ان کے اسلاف کے حالات نیز فقہ وتصوف کے مسائل پر مشتمل ہے۔ فارسی کی اس کتاب میں باجنؔ نے جا بجا اپنا اردو کلام بھی دیا ہے۔ اس کتاب کے خزینۂ ہفتم میں باجنؔ نے دوسروں کے اقوال کے ساتھ ساتھ اپنے اشعار، جکریاں اور دوہرے بھی دیے ہیں۔ وہ خود کہتے ہیں کہ میرے اشعار کو ہندی زبان میں'' جکری'' کہتے ہیں اور ہندوستان کے قوال ان کو گاتے ہیں۔ جکری ذکر کی بگڑی ہوئی شکل ہے جس میں اور مضامین کے علاوہ سلسلۂ تصوف کا شجرہ اور مدح مشائخ بھی ہوتی ہے۔ چنانچہ باجنؔ کی جکریوں میں کچھ اشعار پیر کی مدح میں اور کچھ ان کے روضۂ مبارک کی تعریف میں ہیں۔ ڈاکٹر جمیل جالبی ''جکری'' کی وضاحت کرتے ہوئے کہتے ہیں۔:

''جکری (جکری، ذکری کی گجری شکل ہے) میں بنیادی طور پر ذکر خدا، ذکرِ رسول ﷺ، ذکر پیرو مرشد، ذکر تجربات باطنی و روحانی کو اس طور پر ایسے اوزان اور ایسے عام فہم الفاظ میں لکھا جاتا تھا کہ اسے گایا جا سکے اور سازوں پر بجایا بھی جا سکے۔''۱۷؎

''ان کی جکریاں دراصل اس زمانے کی مقبول عام ہندی روایت اور کرشن مہاراج کی محبت میں لکھے جانے والے بھجنوں اور گیتوں کے مقابلے میں اسلامی عقائد وتصوف کے اظہار کا ایک نیا وسیلہ ہیں جن میں مناجات، حمد اور نعت اور متفرق عارفانہ وصوفیانہ واردات کا اظہار ملتا ہے۔''۱۸؎

جکری کے ابتدائی اشعار عقیدہ، بعد کے بند 'پین' اور آخری بند 'تخلص' کہلاتا ہے۔ 'در پردہ صباحی' کا یہ 'پین' دیکھیے جو انتہائی سلیس اور دلاویز اسلوب میں لکھا گیا ہے:

اللہ سنتیں جے کوئی ہوئے   اللہ اور جگ اُس کا ہوئے
من مراد بیٹھے پاوے   اس کو مار نہ سکھے کوئے

کوئی اللہ سیتیں اللہ کسے سہتیں باجن درویش پر
مناوے
اللہ ہوں کوچہ سہتیں بیٹھی بہکیا وے ۱۹؎

''صوفیائے کرام نے عشقِ مجازی کو عشقِ حقیقی کا زینہ قرار دیا ہے اردو کی قدیم صوفیانہ شاعری میں خدا کی ذات کو معشوق، سمجھا جاتا ہے اور پیو، پیا، پریتم، سکھا، سائیں، گسائیں، ساجن وغیرہ کے القاب خدا کے لیے استعمال کئے ہیں اور اس کے فراق میں تڑپتے رہنے کی نسائی کیفیت کو گجرات کے صوفی شعرا نے اپنے اشعار میں قلم بند کیا ہے۔'' ۲۰؎ مثلاً باجنؔ کے یہ شعر دیکھئے:

منہ بھر لیہوں تیرا ناؤں
کریم و رحیم تیرا ناؤں
تجہ ناؤں کی میں ہوئی واری جاؤں ۲۱؎

''خدا کی ثنا خوانی میں دیکھئے، باجن کے اشعار میں کیسی نسائیت ٹپک رہی ہے ...... واری جانا عورتوں کا محاورہ ہے نحوی ساخت کے لحاظ سے آخری مصرع میں فاعل ''میں'' کی ضمیر، ضمیر تانیث ہے جو اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ شاعر موصوف بہ محبت اپنے تئیں عورت خیال کرتے ہیں۔'' ۲۲؎

ان کے کلام میں حمد کی صورت میں سورۃ الاخلاص، کا منظوم ترجمہ بھی ملتا ہے:

نہ انہ جنیا نہ وہ جایا نہ انہ مائی باپ کہلایا
نہ انہ کوئی گودہ چڑھایا باجن سب انہ آپ پتایا
پر گھٹ ہوا پر کہیں نہ ڈیتھا آپ لکایا ۹؎

غرض باجن نے اپنی شاعری کے ہر پہلو سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی ہے۔

۶۔ قاضی محمود دریائی گجراتی (م ۱۴۶۹ء - ۱۵۳۴ء) قاضی محمود بیر پور کے رہنے والے اور اپنے والد قاضی حمید عرف شاہ چاپلندہ کے مرید تھے۔ کسی کی کشتی بھنور میں پھنس جاتی تو وہ ان کی دُہای دیتا اور مشکل سے نجات حاصل کر لیتا، اس لیے دریائی کہلاتے تھے۔ ۲۴؎

قاضی صاحب سے بہت سی کرامات بھی منسوب ہیں لیکن ان کی شخصیت کی نمایاں خصوصیت ولولۂ عشق ہے۔ کلام پر بھی عشق و محبت کا رنگ غالب ہے۔ بقول ڈاکٹر ریاض مجید:

''قاضی محمود کا موضوعِ سخن عشق ہے ان کا سارا کلام اسی جذبے کی گرمی سے سرشار ہے اس عشق کا اظہار، اللہ، رسول ﷺ اور مرشد کے ساتھ وابستہ ہے۔'' ۲۵ ؎

ان کی زبان اور طرزِ کلام پر ہندوی روایت کے اثرات غالب ہیں۔ آپ کو موسیقی سے خاص شغف تھا۔ اس لیے ہر نظم پر راگ راگنی کا نام لکھ دیتے تھے۔ آپ اپنی صوفیانہ و عارفانہ جکریوں کے سبب معروف ہیں۔ ان صوفیانہ جکریوں پر ہندوی روایت کے رنگ کے اثرات دیکھیے جہاں فراق زدہ معشوق کو اپنے 'پی' یا سائیں' سے ملن کی آس ہے:

سائیں کن ایک بار اکھار ہوں دکھیا کروں جو ہار
تیرے مکھڑے کے بلہار

محمود سائیں سیوک تیرا توں تو سمرت سائیں میرا
کریں ہماری سار ۲۶ ؎

سارے کلام میں فراق کی کیفیت اور محبوب کے درشن کی تمنا ہے۔ اس لیے انتظار میں ہر دم آنکھیں کھلی ہیں۔ وہ ساری رات جاگ کر اس لیے بھی گزارتی ہے کہ اسکے پیا کو نہ نیند ہے نہ اونگھ:

جاگ پیاری اب کیا سووے رین گینی تیوں دن کیا کھووے
سوتی میت پناوے کوئے کھڑی رہا کن سووے سوئے
جس کی شہ کوں اُونگ ناآوے سو دھن کیوں سو رین گنواوے
۲۷ ؎

یہاں 'شہ' سے مراد خدائے بزرگ و برتر کی ذات ہے جس کا وصف قرآن پاک کی آیۃ الکرسی میں یہ ہے۔

لا تاخذہ سنۃ ولا نوم (۲:۲۵۵) ترجمہ: اسے نہ نیند آتی ہے نہ اونگھ

مختصراً یہ کہ قاضی محمود دریائی کے کلام کا موضوع عشقِ خدا اور عشقِ رسول ﷺ میں ظاہر ہوتا ہے اور کبھی

مرشد کی عقیدت میں ولولہ ووارفتگی بن جاتا ہے۔

۷۔ شاہ علی محمد جیو گام دھنی علیہ الرحمۃ (م ۹۷۳ھ/ ۱۵۶۵ء) شاہ علی جیو، نام اور گام دھنی یا گانوں دھنی لقب ہے۔ جس کے معنی گاؤں کے مالک کے ہیں۔ آپ بڑی شہرت کے مالک تھے اس لیے گام دھنی کے لقب سے مشہور ہوئے۔ ۲۸۔ شاہ علی محمد شاہ ابراہیم کے بیٹے تھے۔ احمد آباد میں ان کا مزار آج بھی مرجع خلایق ہے۔ ان کا کلام ان کے ایک مرید ابو الحسن ابن عبدالرحمن قریشی نے مرتب کیا اوراس کا نام ''جواہر اسرار اللہ'' رکھا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کے مطابق:

''شاہ علی محمد جیو گام دھنی کا کلام فلسفۂ ہم اوست کا ترجمان ہے اور اس میں اثبات توحید و وجود واحد اور اسرار اللہ کو مختصر الفاظ میں اشاروں میں بیان کیا گیا ہے۔ گام دھنی بہت مشکل پسند شاعر ہیں ...... سارا کلام وارداتِ قلبی، عرفانِ ذات کے مسائل اور صوفیانہ تجربات میں ڈوبا ہوا ہے۔ وہ مسائلِ تصوف کو طرح طرح سے پیش کرتے ہیں۔ کبھی تمثیل سے واضح کرتے ہیں اور کبھی قصہ کہانی کے ذریعے'' ۲۹۔

ان کے کلام سے حمدیہ شاعری کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

احد واحد کی گھونگھٹ مانھاں　　کرے تجلی ذات سونا نھاں
وہی لاھوت ہو جبروت آوے　　ملکوت نا سوت کے بھاؤ لیاوے
ولی سو انسان کا مل تھاوے　　پانچ جنہ حضرت آت دکھاوے
۳۰۔

مذکورہ بالا اشعار خالص ہندوی شعری اسلوب کے ہیں، جن میں حمدیہ اور متصوفانہ مضامین ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی دو صفات جلال و جمال کی صراحت، جیو گام دھنی اس طرح کرتے ہیں:

جمال جمال منھ کھل بھل جاسی　　جلال جلال مل ایکچ تھاسی
جے جس صفت دو مالی ہووی　　وہی صفت اس ذات ملاسی ۳۱۔

وحدۃ الوجودی فلسفے کا حامل یہ شعر دیکھئے:

دوئی وجود کوں موجود ہونا یہ تو بات محال ہے لوگا

ایک حقیقت ہے گی آچھے جان نمانوں کا ہے بھوکا ۵ ۳؎

ایک صوفی یا راہِ حق کا سالک جب اپنی ذات کو 'فنافی الشیخ' کے مرحلے پر پاتا ہے تو اسے بجائے 'تو' کے 'میں' نظر آتا ہے اور 'من وتو نیست میان من وتو' کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ جیوگام دھنی کہتے ہیں:

ڈھونڈن نکلی پیو کوں، اپس گئی سوکھوے

جیدھر دیکھوں سو ایک ہوں، مج بن اور نہ کوے ۳۳؎

۸۔ شیخ خوب محمد چشتی (م۔ ۱۰۲۳ھ/ ۱۶۱۴ء) گجرات کے ان صوفیائے کبار میں سے ہیں جن کا نام آج بھی عزت و احترام سے لیا جاتا ہے۔ شیخ خوب محمد، کمال محمد سیستانی کے مرید اور یگانۂ روزگار انسان تھے۔ ان کی مشہور تصنیف مثنوی ''خوب ترنگ'' (۹۸۶ھ) ہے۔ جس کی شرح انہوں نے فارسی میں ''امواجِ خوبی'' کے نام سے لکھی۔

''خوب ترنگ'' میں خوب محمد چشتی نے تصوف واخلاق کے باریک عالمانہ نکات بیان کیے ہیں۔ ایک جگہ شیخ چلی کی حکایت بیان کی گئی ہے اور ایک مقام پر بلونت سوار کی داستان کے ذریعے تصوف کی باریکیاں سمجھائی گئی ہیں۔''خوب ترنگ'' کی خوبی یہ ہے کہ اس میں ایک مشکل موضوع کو عام زبان میں کامیابی کے ساتھ سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔'' خوب ترنگ کی ابتدا حمد سے ہوتی ہے:

بسم اللہ کہوں چھت ذات جس رحمن رحیم صفات

ذات صفات، اسماء افعال جمع مفصل چنہ اس حال

جس نسبت یہ عالم ہوئے اسم الٰہی کہنے سوئے ۳۵؎

مذکورہ بالا اشعار میں خوب محمد چشتی نے صفاتِ الٰہی کو حمد میں سمونے کی کوشش کی ہے ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط نے اپنی کتاب ''اردو میں حمد و مناجات'' میں خوب محمد چشتی کے بہت سے حمدیہ اشعار کا ماخذ قرآن پاک کو قرار دیا ہے۔ ذیل میں ایک مثال درج کی جاتی ہے:

اللہ نور سما و الارض خالق نور کہیں اس غرض

نور اپس تھیں آپ چھتاج نہیں کس دیوی کا محتاج

آپیں آپ کھلا ہے جد روشن ہوا کہیں گے تد ۳۶؎

یہ خیال قرآن پاک کی ان آیات سے لیا گیا ہے:

اللہ نور السمٰوت والارض مثل نورہ ۵ کمشکوٰۃ فیھا مصباح المصباح فی زجاجۃ الزجاجۃ کانھا کوکب دری یوقد من شجرۃ مبرکۃ زیتونۃ لاشرقیۃ ولا غربیۃ یکادزیتھا یضی، ولولم تمسسہٗ نار نور علی نور یھدی اللہ بنورہ من یشاء (النور ۲۴:۳۵)

ترجمہ: اللہ آسمانوں اور زمین کا نور ہے۔ اس نور کی مثال ایسی ہے جیسے طاق میں چراغ ہو۔ وہ چراغ شیشے میں ہو۔ شیشہ گویا چمکتا ہوا تارہ ہے وہ چراغ اُس مبارک درخت زیتون سے جلایا جائے، جو نہ مشرقی ہے نہ مغربی قریب ہے کہ اُس کا تیل روشنی دے، قریب ہے کہ وہ آگ کے نہ چھونے سے بھی بھڑک اٹھے۔ نورعلیٰ نور ہے۔ وہ ہدایت دیتا ہے اپنے نور سے جس کو چاہتا ہے۔

خوب محمد چشتی کے زمانے میں سلطنت گجرات زوال پذیر ہو چکی تھی انتشار نے ڈیرہ جما رکھا تھا اور نفاق نے سلطنت کی سا لمیت کو اندر سے پارہ پارہ کر دیا تھا۔ اسی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اکبر اعظم نے ۹۸۰ھ /۱۵۷۲ء میں گجرات کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا۔ 'خوب ترنگ' فتح گجرات کے چھ سال بعد ۹۸۶ھ میں تصنیف کی گئی۔ گجرات اس وقت سارے برعظیم میں اردو زبان کا پہلا اور واحد مرکز تھا اس لیے جب دکن میں اردو کے نئے مراکز ابھرے تو وہاں کے علما نے گجری روایت شعری کو اپنایا۔ اس لئے ''دکنی ادب کی باقاعدہ ابتدا اس نقطے سے ہوتی ہے جہاں صدیوں کا سفر طے کر کے گجری ادب پہنچا تھا۔'' ۳۷ـ

فصل سوم:

بہمنی دور(۱۳۴۷ء......۱۵۲۶ء) کے ادب میں حمد و مناجات

جنوبی ہندوستان میں اردوئے قدیم کی تاریخ بہمنی سلطنت سے شروع ہوتی ہے۔ بہمنی سلطنت دکن میں اردو ادب کی پہلی تخلیقی تجربہ گاہ تھی۔ یہ اعزاز بہمنی سلطنت ہی کو حاصل ہے کہ یہاں پندرھویں صدی کے وسط میں اردو کی پہلی مثنوی 'کدم راوٗ پدم راوٗ' کی تخلیق ہوئی اور یہاں حضرت خواجہ بندہ نواز گیسوؒ دراز اور شاہ میراں جی شمس العشاق جیسے جلیل القدر صوفیا نے تبلیغِ دین کا فریضہ اپنی تصانیف کے ذریعے بھی ادا کیا۔ اس سر زمین نے مثنوی کے علاوہ غزل کی ابتدائی شکل کو بھی رنگ روپ دینے کی کوشش کی۔ دینی موضوعات خصوصاً حمد، نعت،

منقبت اور مناجات وغیرہ بہمنی ادب میں خصوصیات کے ساتھ جگہ پاتے ہیں۔ بہمنی ادب کا پہلا اور صاحب دیوان شاعر نظامیؔ ہے۔ ذیل میں نظامیؔ کے حمدیہ کلام کا جائزہ لیا جاتا ہے:

۹۔ نظامی دکنی کی ’کدم راوٗ پدم راوٗ‘ اردوئے قدیم کی پہلی دریافت شدہ تصنیف ہے اس تصنیف کا تذکرہ ۱۹۳۲ء میں ہوا جب نصیر الدین ہاشمی نے پہلی بار اس کا تعارف اردو دنیا سے کرایا۔ درحقیقت یہ انکشاف چونکا دینے والا تھا مگر یہ مثنوی طویل عرصے تک ایک مسئلہ بنی رہی۔ انجمن ترقی اردو کی کوششوں کے باوجود اس مثنوی کی خواندگی کا کام نہ ہوسکا اور دنیائے ادب کے لیے ’’کدم راوٗ پدم راوٗ‘‘ ایک لسانی چیستان کی حیثیت اختیار کرتی گئی اور عام طور پر دنیائے تحقیق میں یہ خیال جڑ پکڑتا رہا کہ نظامی کی یہ نادر مثنوی اپنی تاریخی اہمیت کے باوجود شاید کبھی نہ پڑھی جا سکے گی۔ بالاخر اردو کے نامور محقق اور نقاد ڈاکٹر جمیل جالبی نے اسے مرتب کرنے کی ذمہ داری قبول کی اور محنتِ شاقہ کے بعد یہ لسانی چیستان حل ہوکر ۱۹۷۳ء میں انجمن ترقی اردو پاکستان کی طرف سے منظر عام پر آیا۔‘‘ ۳۸؎

نظامی کا نام ’’فخر دین‘‘ ہے اس کے حالات زندگی ابھی تک منظر عام پر نہیں آئے۔ البتہ اس کی مثنوی میں سلطان علاؤ الدین کی مدح ملتی ہے جو بہمنی خاندان سے تھا۔ بقول ڈاکٹر جمیل جالبی یہ تصنیف ۱۴۲۱ء سے ۱۴۳۵ء کے درمیان تصنیف ہوئی۔

نظامیؔ دکنی سے پہلے ہمیں شعرائے کرام کے یہاں اکادکا حمدیہ اشعار توضرور ملتے ہیں مگر باقاعدہ مثنوی کے آغاز سے پہلے جس طرح نظامیؔ نے ۲۹ اشعار حمد میں لکھے ہیں اور اس کے بعد قصہ شروع کیا ہے، ایسی روایت ہمیں نظامیؔ سے قبل نظر نہیں آتی اور ہم بجا طور پر نظامیؔ دکنی کو اردو زبان کا پہلا حمد گو شاعر قرار دیتے ہیں۔ نظامی، مثنوی کا آغاز حمدیہ اشعار سے اس طرح کرتے ہیں:

گُسائیں تُہیں ایک دُنہ جگ ادار　　　بروبر دُنہ جگ تہیں دَینہار

اکاش انچہ پاتال دھرتی تُہیں　　　جہاں کچہ نکوئی، تہاں ہے تُہیں

کرے آ گلا تُجھ کریں سیوکوئے　　　کہ جب نہ کرے سیو، تُجہ کم نہوئے

سپت سمند پانی جومس کر بھریں　　　قلم رُک رُک پان پتر کریں

جمارے لکھیں سب فرشتے کہ جے　　　نہ پورن لکھن تد توحید تے ۳۹؎

نظامیؔ مذکورہ بالا حمد میں خدا تعالیٰ کی ذات صفات اور قدرت کاملہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے خدا اس کائنات میں صرف تیری ذات واحد سہارا ہے۔ تیرے برابر دوسری کوئی ہستی نہیں۔ اے اللہ تو ہی آسمان، تو ہی پاتال اور تو ہی زمین ہے۔ جہاں کوئی نہ ہو، وہاں بھی تو ضرور ہے۔ اس دنیا میں ہر کوئی تیری حمد کرتا ہے اور اگر کوئی تیری حمد نہیں کرتا تو اس کے حمد نہ کرنے سے تیری بزرگی میں اور تعریف میں کوئی کمی واقع نہیں ہوتی۔ ساتوں سمندر کی سیاہی اور سارے نباتات کے قلم بنا ڈالے جائیں اور تمام فرشتے تیری قدرتِ کاملہ کو تحریر میں لائیں تب بھی وہ تیری توحید کی مدح کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ نظامیؔ دکنی کے مذکورہ بالا اشعار کو پڑھ کر قرآن پاک کی مندرجہ ذیل آیات ذہن میں آتی ہیں اور یہ احساس ہوتا ہے کہ نظامیؔ نے کتنی دلکشی سے قرآنی حمد کو منظوم کیا ہے اور صفات الٰہی کو اپنے کلام میں جگہ دی ہے:

۱۔ قل لو کان البحر مدادا لکمٰت ربی لنفد البحر قبل ان تنفد کلمت ربی و لو جئنا بمثلہ مدادا (الکھف: ۱۰۹)

ترجمہ: کہہ دیجئے اگر میرے رب کی باتیں لکھنے کے لیے سمندر کا پانی روشنائی کی جگہ ہو تو میرے رب کی باتیں ختم ہونے سے پہلے سمندر ختم ہو جائے اگرچہ اس سمندر کی مثل دوسرا سمندر مدد کے لیے ہم لے آئیں۔

۲۔ ولو ان ما فی الارض من شجرۃ اقلام و البحر یمدہ من بعدہ سبعۃ ابحر ما نفدت کلمت اللہ (لقمان: ۲۷)

ترجمہ: یعنی اور جتنے شجر زمین بھر میں ہیں، اگر وہ سب قلم بن جائیں اور یہ جو سمندر ہے اس کے علاوہ سات سمندر اور ہو جائیں تو بھی اللہ کی باتیں ختم نہ ہوں۔

۱۰۔ خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ (م۔ ۱۴۲۱ء/ ۸۲۵ھ) سید محمد نام، ابوالفتح کنیت، صدر الدین گیسو درازؒ لقب تھا۔ عام طور پر خواجہ بندہ نواز، خواجہ گیسوؒ دراز اور خواجہ بندہ نواز گیسوؒ دراز کے ناموں سے مشہور ہیں۔

''وہ اردو کے پہلے شاعر ہیں جن کی نثر اور نظم دونوں کے نمونے موجود ہیں اور چھپ چکے ہیں۔ وہ شہبازؔ تخلص کرتے تھے، دولت آباد میں پیدا ہوئے اور اپنے والد شاہ راجو کی وفات کے بعد دلّی چلے گئے۔ کچھ عرصہ بعد ۱۳۹۸ء میں فیروز شاہ بہمنی کے عہد میں گلبرگہ چلے آئے اور بادشاہ کے مزاج اور زمانہ کے رجحان کو دیکھ کر اردو

میں تصنیف و تالیف کا آغاز کیا۔ ان کی ایک کتاب ''معراج العاشقین'' چھپ چکی ہے جو قدیم ترین اردو نثر کا نمونہ ہے، مگر تصوف اور مذہب کی اصطلاحوں سے معمور ہے۔'' ۳۹؎ ''خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ کثیر التصانیف بزرگ تھے۔ بعض روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ایک سو پانچ (۱۰۵) تصنیف فرمائیں تھیں لیکن اس وقت تک جو کتابیں دستیاب ہوئی ہیں ان کی تعداد چالیس (۴۰) کے قریب ہے۔ ۴۰؎ مولوی عبدالحق نے ''معراج العاشقین'' کو اردو کی پہلی نثری کتاب قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

''مجھے ایک قدیم بیاض ملی ہے جس میں بیجا پور کے مشہور صوفی خاندان کے بزرگوں کے نظم ونثر کے رسالے اور اقوال جو زیادہ تر ہندی زبان یعنی قدیم اردو میں ہیں، اس خاندان کے کسی معتقد نے بڑے اہتمام و احتیاط سے شائع کئے ہیں اس کا سن کتابت ۱۰۶۸ھ ہے۔ چونکہ اس خاندان کے بزرگوں کو حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو درازؒ سے نسبت ہے اس لیے ان کا بھی ایک آدھ رسالہ اور بعض اقوال اس میں پائے جاتے ہیں ...... انہوں نے عام لوگوں کی تلقین کے لیے بعض رسالے اپنی زبان میں بھی لکھے اور ان کا ایک رسالہ ''معراج العاشقین'' میں مرتب کر کے شائع کر چکا ہوں اس کا سن کتابت ۹۰۶ھ ہے۔'' ۴۱؎

ڈاکٹر جمیل جالبی اور دیگر محققین نے اس رائے سے اتفاق نہیں کیا ڈاکٹر جمیل جالبی رقم طراز ہیں:

''خواجہ بندنواز گیسو درازؒ (م ۸۶۵) کی تصنیف 'معراج العاشقین' بھی جو اب تک اردو کی پہلی تصنیف مانی جاتی رہی ہے، نہ صرف اس دور کی تصنیف نہیں بلکہ اس کے مصنف خواجہ گیسو درازؒ کی بجائے مخدوم شاہ حسینی بیجا پوری ہیں۔ جنھوں نے گیارہویں صدی ہجری کے نصف آخر یا بارھویں صدی کے اوائل میں ''تلاوۃ الوجود'' کے نام سے ایک رسالہ لکھا تھا ......خواجہ بندہ نواز کے بڑے صاحبزادے سید محمد اکبر حسینی (م ۸۱۲ھ) جو ان کی زندگی ہی میں وفات پا گئے تھے، کے کسی رسالے کو ان کی تصنیف مان لینے کا اہل تحقیق کے پاس جذباتی تحقیق کے علاوہ کوئی جواز نہیں ہے۔'' ۴۲؎

ڈاکٹر جمیل جالبی نے 'معراج العاشقین' کو گیارہویں یا بارہویں صدی ہجری کی تصنیف قرار دے کر ارشاد کیا ہے۔

''اس دور کی سب سے پہلی تصنیف جو اب تک دریافت ہوئی ہے فخر الدین نظامیؔ کی ''کدم راؤ پدم راؤ'' ہے۔'' ۴۳؎

حضرت بندہ نواز گیسو درازؒ دکنی زبان کے شاعر بھی تھے۔ وہ کبھی شہباز اور کبھی بندہ تخلص کرتے تھے۔ ڈاکٹر محی الدین قادری زور نے تذکرۂ اردو مخطوطات ادارۂ ادبیات اردو، میں حضرت بندہ نوازؒ کے ایک 'چکی نامہ' کا ذکر کیا ہے۔ یہ نظم ایک ایسی معنوی قسم ہے جو چکی پیستے وقت گنگنانے کے لیے لکھی جاتی ہے اور مقصود اس سے ''ہاتھ کم میں اور دھیان خدا میں'' کا اصول پیش نظر رکھنا ہوتا ہے۔''چکی نامے'' کی مثال ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی کے مضمون ''اصنافِ سخن میں دی گئی ہے۔ ملاحظہ ہو:

دیکھو واجب تن کی چکی پیو چاتر ہو کی سکی
سوکن ابلیس کھینچ کھینچ تھکی کہیا بسم اللہ ہو ہو اللہ

الف اللہ اس کا دستا میانے محمد ﷺ ہو کر بستا
نیچی طلب یوں کو دستا کہیا بسم اللہ ہو ہو اللہ ۴۴؎

چونکہ مندرجہ بالا اشعار بھی خواجہ بندہ نوز گیسو درازؒ سے فقط منسوب ہیں، متحقق نہیں ہیں۔ اس لیے ہم انہیں اردو کا پہلا باقاعدہ حمد گو شاعر نہیں کہہ سکتے۔ البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان کے ہاں حمدیہ عناصر پر مبنی شاعری ہے اور ان کا کلام متصوفانہ ضرور ہے۔

۱۱۔ شاہ میراں جی شمس العشاق (۱۴۰۷ء......۱۴۹۸ء) شاہ میراں نام، شمس العشاق لقب، صحیح النسب سید ہیں۔ ان کا مولد مکہ معظّمہ ہے۔ برصغیر میں آ کر بیجاپور میں قیام کیا اور اسی کو وطن بنا لیا۔ انہوں نے بارہ حج کیے۔ ایک دفعہ جب وہ نبی اکرم ﷺ کے روضۂ مبارک کی زیارت کے لیے مدینہ منورہ گئے تو نبی اکرم ﷺ نے خواب میں انہیں ہندوستان جانے کا حکم دیا۔ انہوں نے جواب دیا کہ میں اس ملک کی زبان نہیں جانتا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تمہیں ساری زبانیں معلوم ہو جائیں گی۔ میراں جی جب حسبِ ارشاد ہندوستان پہنچے تو حضور ﷺ کے فیضانِ لافانی کے نتیجے میں اس قابل ہو گئے کہ دکنی بھاکا میں نظم و نثر کے کئی رسالے، کتابیں اور نظمیں لکھ سکے۔'' ۴۵؎ اب جب کہ حضرت گیسو درازؒ سے منسوب تقریباً بیشتر ادب کے بارے میں یہ

کہا جاتا ہے کہ یہ ادب محض عقیدت کے باعث ان سے منسوب ہو گیا تھا تو اس کے بعد بہمنی دور میں شمس العشاق ہی وہ شخصیت رہ جاتے ہیں کہ جن کی تصانیف کا ثبوت موجود ہے۔'' ۴۶؎ شمس العشاق کی شعری تصانیف میں ''شہادت الحقیقت''، ''خوش نامہ''، ''خوش نغز'' اور ''مغزمرغوب'' شامل ہیں۔ ''خوش نامہ'' اور ''خوش نغز'' میں دوہے کا اسلوب اختیار کیا۔ دوہا اس عہد کی عوامی صنف تھا اور بھگتی تحریک کی مقبول صنف کا اعزاز بھی رکھتا تھا۔

''خوش نامہ'' ایک سو ستر اشعار پر مشتمل ایک نظم ہے جس کا وزن ہندوی ہے اور جس میں ''خوش'' نامی ایک نیک سیرت لڑکی کو موضوعِ سخن بنایا گیا ہے اور اسی کے نام پر نظم کا نام ''خوش نامہ'' رکھا گیا ہے۔ رسالے کا آغاز ''خوش'' کی زبانی ان حمدیہ اشعار سے ہوتا ہے:

صفت کروں میں اللہ کیری جے پوری پورن پور
قادر قدرۃ انگیکاروں نیڑے نا دور
نا اُس رعپ نا اُس دیکھ نا اُس تھان مکان
نرگنا گنونتا کروا کس مکھ کروں بکھاں
لاشریک بے عدد واحد جہت جزون بھی پاکھ
اچھے سکت سیوک کیتے عالم چندیں لاکھ ۴۷؎

''خوش'' نیک سیرت و نیک نہاد لڑکی تھی جس دن رات اللہ سے لگاؤ رکھتی تھی۔ اللہ سے ہر وقت ڈرتی اور کہتی کہ جہاں جہاں میں چھپتی ہوں، وہاں وہاں تو ہی نظر آتا ہے۔ اسی لیے وہ کہتی ہے:

اب نا چھپوں، اب نا ڈروں تو کہاں لگ ڈروں
ہمیں غریب نپایئے تیرے آ ستھی آ سا دھروں

ماتا جی بالک تھی رو سے جانا انہیں کدھر
آپ جس لاسے میراں میں تو جاؤں تدھر ۴۸؎

ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط لکھتے ہیں:

''اپنی تصنیف ''خوش نامہ'' میں میرانجی 'خوش' یا 'خوشنودی' نامی ایک لڑکی کے ذریعے ...... اللہ کی حمد کے ایسے عمدہ نمونے پیش کرتے ہیں کہ باوجود اجنبی زبان کا احساس ہونے کے یہ دل میں اتر جاتے ہیں۔'' ۴۹؎

''خوش'' اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور شان رزاقیت کو اس انداز میں سراہتی ہے:

توں قادر کر جب جگ سب کوں روزی دیوے
توں سبھوں کو دانا بینا سب جگ تجھ کوں سیوے
سب کی چنتا تج کوں لاگی جیسے جیو جیوں
سب کی جان سبحان تونہیں دے جے جے جس کے من

عرش و کرسی لوح قلم دوزخ بہشت بنایا
آسمان سور چندر تارے سب پر حکم چلایا

تجھ تھی قدرت کون زور، تجھ تھی نور نورانا
تجھ تھی سب کا سبھین پنا تجبن سبھیں بیگانا

بہشت میانے آگ اجادے، دوزخ کون سکے بجھاوے
پکڑ بھکاری تخت بٹھاوے راجے راکھی گرد ملاوے

۵۰؎

مندرجہ بالا اشعار کتنی ہی قرآنی آیات کی شاعری میں تفسیر بیان کرتے ہیں مثلاً

۱۔ ومامن دابۃ فی الارض الا علی اللہ رزقھا (۱۱/۴)

ترجمہ: زمین میں کوئی چلنے والا ایسا نہیں کہ جس کا رزق خدا کے ذمے نہ ہو۔

۲۔ وسع کرسیہ السمٰوٰت والارض (۲/۲۵۵)

ترجمہ: اس کی کرسی آسمانوں اور زمین پر محیط ہے۔

۳۔ قل من رب السمٰوٰت السبع ورب العرش العظیم ۲۳۵) /۸۶)

ترجمہ: تو کہہ کون ہے ساتوں آسمانوں کا پروردگار اور عرش عظیم کا مالک۔

۴۔ ووجدک عائلا فاغنی (۹۴/۸)

ترجمہ: اللہ نے تجھے محتاج پایا، پھر تونگر کر دیا۔

اللھم مالک الملک توتی الملک من تشاء و تنزع الملک ممن تشاء و تعز من تشاء و

تذل من تشاء ط بیدک الخیر ط انک علی کل شئی قدیر ۳۵) /۲۶)

ترجمہ:اے اللہ! ملک کے مالک تو جس کو چاہتا ہے، ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔ اس کے ہاتھ میں خیر و بھلائی ہے۔ بے شک وہ ہر شے پر قادر ہے۔

''خوش نامہ'' میں مناجاتی اشعار بھی ملتے ہیں بقول ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط:

''اردو ادب کی مناجاتی شاعری میں 'خوش نامہ' کو ہم پہلی مستقل کوشش کہہ سکتے ہیں۔ اگر چہ یہ رسالہ مکمل طور پر مناجات ہی پر مشتمل نہیں ہے پھر بھی اس کے زیادہ اشعار مناجاتی انداز کے ہیں۔ میرا نجی نے نہایت رقت انگیز انداز میں ''خوش'' کی زبان سے مناجات کہلوائی ہے۔ یہ مناجات خالصتاً ذاتی نوعیت کی ہے۔ اس میں 'خوش' اپنے مولائے حقیقی سے ملنے کی مشتاق ہے ...... میرا نجی کی نظم مناجاتی لب و لہجے میں نہایت مؤثر اور پرسوز ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

تو رحمن رحیما میرا مہر محبت بھریا | میں تو باندی بروا تیری میں منجھ ہاتھوں دھریا
نا میں کیتی بندگی تیری نا دھ کیتی یاد | دائم کیتی آگل تیرے سلگوں تھے فریاد
تین بھی میرا لاڑ چلایا کبھو نہ ہوا اداس | آپ سند یسا توڑ گسائیں تیری سنجھ کو آس

۵۱؎

میراں جی کی تصنیف ''شہادت التحقیق'' کا آغاز حمد یہ اشعار ہی سے ہوتا ہے:

بسم اللہ الرحمن | الرحیم توں سبحان
یہ سب عالم تیرا | رزاق سبھوں کیرا
توں دانا اور بینا | توں سب تھی ہے توانا
تجہ بن اور نہ کوئے | نا خالق دوجا ہوئے ۵۲؎

دینی و مذہبی ادب کے سلسلے میں دکن میں حضرت میراں جی شمس العشاق اور ان کے خاندان کے جانشینوں نے گراں قدر خدمات سر انجام دیں۔ میراں جیؒ کے بعد شاہ برہان الدین جانمؒ نے رشد و ہدایت کا منصب جاری رکھتے ہوئے ''ارشاد نامہ'' اور ''کلمۃ الحقایق'' جیسی صوفیانہ کتب تصنیف کیں اور پھر اسی خاندان میں

حضرت ''امین الدین اعلیٰ' نے بھی قدیم اردو میں تصنیف و تالیف کا کام تسلسل سے جاری رکھا۔ اس اعتبار سے شمس العشاق کا خاندان قدیم اردو کے صوفیانہ ادب میں ایک نہایت ممتاز مقام اور مرتبے کا حامل ہے۔

۱۲۔ سید شاہ اشرف بیابانیؒ (۱۴۵۹ ...... ۱۵۲۸ء) سید شاہ ضیاء الدین رفاعی بیابانی کے بڑے لڑکے تھے۔ فقر آباد ان کا مولد ہے۔ ابتدائی تعلیم والد سے حاصل کر کے حقائق ومعارف کی طرف متوجہ ہوئے۔ اشرف بیابانی کی تین تصانیف ہم تک پہنچی ہیں۔ 'لازم المبتدی'، 'واحد باری' اور 'نوسرہار' 'لازم المبتدی' ۱۹۸ اشعار پر مشتمل ایک طویل نظم ہے جسے ۳۶ عنوانات کے تحت تقسیم کیا گیا ہے یہ احکام وشریعتِ اسلام نیز فقہ کے مسائل پر مبنی منظوم کتاب ہے۔ 'واحد باری' عربی فارسی اردو کی ایک منظوم لغت ہے۔ 'نوسرہار' میں اشرف نے واقعہ کربلا اور شہادت امام حسین کو موضوع سخن بنایا ہے۔ یہ مثنوی ۹ ابواب پر مشتمل ہے اس لیے اسے نوہاروں کی تصنیف سمجھا گیا ہے۔

''نوسرہار' لسانی نقطہ نظر سے تاریخی اہمیت کی چیز ہے اور سرزمین دکن میں اہل بیعت سے محبت کے اظہار کا اولین شعری نقش ہے۔'' ۵۳؎

مثنوی کا پہلا باب حمد ونعت پر مبنی ہے، دوسرا باب سبب تالیف کتاب کا ہے اور تیسرے باب سے امام حسینؓ کے حالات شروع ہوتے ہیں۔ اشرفؔ کے حمدیہ کلام کا نمونہ درج ذیل ہے:

اللہ واحد حق سبحان — جن پہ سر جیا بھوئیں آسمان
چندر سورج تارے روکھ — بادل بجلی مینہ اچوک
دوزخ جنت عرش و فلک — لوح قلم ہم حور ملک ۵۴؎

فصل چہارم:

عادل شاہی دور (۱۴۸۹ء......۱۶۸۶ء)

کے ادب میں حمد ومناجات

وہ بہمنی سلطنت جو دکن میں طاقت کے خلا اور سیاسی بحران میں امیران صدہ کے اتحاد سے ۱۳۴۷ء میں وجود میں آئی تھی، اندرونی سازشوں اور نسلی نزاع کا شکار ہوتی گئی۔ بالخصوص سلطان محمد شاہ کے انتقال ۱۴۸۳ء

کے بعد بہمنی سلطنت کا شیرازہ بکھرنے لگا۔ سلطنت کی کمزوری کے باعث تیزی سے طاقت کا خلا پیدا ہونے لگا اور بالآخر دکن میں پانچ نئی ریاستوں نے جنم لیا۔ جن میں سے بیجاپور میں عادل شاہی حکومت مسند اقتدار پر فائز ہوئی۔

بیجاپور کو حاصل ہونے والی ادبی میراث کا سلسلہ بہمنی دور کے پہلے بڑے شاعر فخر دین نظامیؔ سے جا ملتا ہے۔ یہ نظامیؔ ہی ہے جس کے ہاں دکن کے لسانی شعور کا احساس ملتا ہے اور قدیم اردو کی اولین شکل ادبی منظر پر نظر آتی ہے۔

بیجاپور میں بادشاہوں کی عسکری مہمات کے ساتھ ان کی علمی، ادبی اور تہذیبی سرگرمیوں کا سلسلہ بھی چلتا رہتا تھا۔ شاعروں کے علاوہ یہاں صوفیا بھی موجود تھے۔ جنہوں نے رشد وہدایت عامہ کے لیے 'دکنی زبان' کا استعمال کیا اور اس طرح دینی نثر کے ساتھ دینی ومذہبی شاعری بھی پروان چڑھی۔ ذیل میں عادل شاہی ادبیات کے جائزہ کا آغاز ہم انھی صوفیائے کرام میں سے پہلے برہان الدین جانمؒ سے کرتے ہیں:

۱۳۔ شاہ برہان الدین جانم علیہ الرحمۃ (م ۱۵۸۲ء) دکن میں قدیم اردو کی اشاعت کا سلسلہ مقامی صوفیا کی تصنیف و تالیف کے حوالے سے شروع ہوتا ہے۔ صوفیا اپنی خانقاہوں اور درگاہوں کو مرکز بنا کر مقامی زبان جسے وہ ''گھر بھاکا'' کہتے تھے، میں ایک تسلسل کے ساتھ خلق خدا کی رہنمائی کا فرض ادا کرتے رہے۔ دکن میں میراںؔ جی شمس العشاق کے خاندان کو یہ شرف خاص حاصل ہوا ہے کہ اس خاندان سے کئی صوفیائے کرام پیدا ہوئے جن کا پیغام دور دور تک پھیلتا گیا۔ شاہ برہان الدین جانمؒ، میراں جیؒ کے فرزند اور خلیفہ تھے۔ آپ نے اخلاق، سلوک اور تصوف کی تعلیم کو عام کرنے کے لیے نظم ونثر میں تصانیف کا ایک اچھا خاصا ذخیرہ چھوڑا ہے اور ان میں میراں جیؒ کی تصانیف سے زیادہ ادبیت کی شان ملتی ہے۔ جانمؔ کا بڑا کارنامہ یہ ہے کہ آپ نے تصوف کے فلسفۂ وجود کو مرتب کر کے اسے ایک باقاعدہ شکل دی۔

> ''وصیت الہادی، بشارت الذکر، سکہ سہیلا، منفعت الایمان، فرمان از دیوان، حجۃ البقا اور ارشادنامہ ان کی نمائندہ نظمیں ہیں۔ اس کے علاوہ گیت، دوہرے اور غزلیں بھی ملتی ہیں۔ برہان الدین جانمؔ کا موضوع تصوف و اخلاق ہے اور ان کی شاعری و نثر کا مقصد اپنے مریدوں اور عقیدت مندوں کی ہدایت ہے۔ یہی ان کی فکر و اظہار کا محور ہے۔'' ۵۵؎

ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط نے اپنی کتاب ''اردو میں حمد و مناجات'' میں جانمؔ کی شاعری سے حمد کی درج ذیل مثالیں دی ہیں:

الله اسم ذاتی دوہوں جگ ازل — جلی ہم خفی سوں کیا ہے فضل
دوہوں جگ سمریں الله ایک نام — کہ بخلص عابد جپی ہیں مدام
خلیل و محب و ولی اتقیا — اوسی نام سیتی محیط دل کیا

(بشارت الذکر)

وہی اسم قاضی ہے حاجات ہے — وہی اسم رافع ہے درجات ہے
جہی سو خزانے کا مفتاح ہے وہ — اندھا روئے دلاں کا بھی مصباح ہے وہ
جو کوئی اس اسم کا جو کرتا دھیان — تو اوس کا کرے دھیان حضرت سبحان

الله واحد سرجن ہار — دو جگ رچنا رچی اپار
سگلا عالم کیا ظہور — اپنے باطن کیرا ظہور
غفلت کیتا پردا آڑ — سب جگ لیتا اس میں ناڑ

(منفعت الایمان)

ارشاد نامہ میں سوال و جواب کا طریقہ اپنا کر طالب حق کو درس سلوک دیا گیا ہے۔ جانمؔ اس کی ابتدا بھی حمد سے کرتے ہیں یہ جانم کی سب سے بڑی نظم ہے جس کے تقریباً ڈھائی ہزار اشعار ہیں۔

الله سنوروں پہلیں آج — کیتا یہ جن دھوں جگ کاج
جگتی کیرا توں کرتار — سبھوں کیرا سرجن ہار ۵۶؎

(ارشاد نامہ)

''قدیم اردو نظم'' مرتبہ ڈاکٹر فہمیدہ بیگم میں ارشاد نامہ سے یہ حمدیہ اشعار بھی منقول ہیں۔

توں اول پہلا اتنا جان — کوئی سب پر کرنا قادر مان
پہلیں اس پر لیاؤ ایمان — الله کرے سو ہوے جان

قدیم جدید ہے اس تھے سب ایسا قدرت کیرا رب
جد کچھ نہ تھا تھا وہی شریک نہ اس دوجا کوئی ۵۷؎

مولوی عبدالحق نے اپنی کتاب 'قدیم اردو' میں شاہ برہان الدین جانم کی ''وصیت الہادی'' کے دو حمدیہ شعر درج کئے ہیں جو اس کا آغاز میں ہیں اور جن میں قرآن کی آیۃ مبارکہ کا شعر میں حوالہ دیا گیا ہے۔

سکتا قادر قدرۃ سوں سمجھے تجھ کوں کوئی کیا
جس کوں لوڑے دیوے راہ کہیا یہدی من یشاء
بہ روپ پر گٹ آپ چھپایا کوئی نیا پا انت
مایا موہ میں سب جگ باندھیا کون کر سوجھے پنت
۵۸؎

'رموز الواصلین' کے حمدیہ اشعار درج ذیل ہیں:

اللہ پاک منزہ ذات اس سون صفتاں قائم سات
علم، ارادت، قدرت بار سنتا، دیکھتا، بولنہار
حی صفت یہ جان حیات اس کون ناہیں کدوممات ۵۹؎

مذکورہ بالا اشعار میں جانم نے صفاتِ الٰہی کو شاعری میں دلکشی سے سمویا ہے۔

۱۴۔ شاہ امین الدین اعلی (۱۵۹۱ء......۱۶۷۵ء) اپنے عہد کے سب سے بڑے صوفی اور بزرگ مانے جاتے تھے۔ وہ شاہ برہان الدین جانمؒ کے فرزند اور ان کی وفات کے بعد پیدا ہوئے ''مادر زاد ولی'' سمجھے جاتے تھے اور ان کی کرامات کے تذکرے کتابوں میں بہت پائے جاتے ہیں...... ولی کامل اور مجذوب واصل تھے اور باوجود جذب کمال اور محویت کے معارف واسرار کی تلقین فرماتے تھے۔ آپ نے اپنے والد گرامی اور دادا کی طرح رشد و ہدایت اور تصنیف و تالیف کے کام کو جاری رکھا۔ ان کے خلیفہ اور شاگرد بعد کو تمام دکن میں پھیل گئے تھے اور اس طرح شاہ میراں جی کا فیض دور دور پہنچا اور اب تک اس سلسلے میں بزرگ موجود ہیں'۔ ۶۰؎

ڈاکٹر مولوی عبدالحق نے اپنی کتاب ''قدیم اردو'' میں ان کی درج ذیل تصانیف کا ذکر کیا ہے، جو ان کے پاس موجود تھیں:

۱۔ قصیدہ در مدح حضرت شاہ برہان

۲۔ کتاب محب نامہ (یا محبت نامہ)

۳۔ رمز السالکین یا رموز السالکین

۴۔ نظم وجودیہ

۵۔ گفتار شاہ امین الدین (نثری تصنیف)

مولوی صاحب ان کتابوں کا مختصر تعارف کراتے ہوئے جب نمونے کے چند اشعار دیتے ہیں تو ہمیں یہ دیکھ کر اچنبھا ہوتا ہے کہ ''رمز السالکین'' کے جو ابتدائی اشعار انہوں نے یہاں درج کیے ہیں (ص ۵۲) وہ وہی اشعار ہیں جو ان کے والد کی ''رموز الواصلین'' کے ذیل میں انہوں نے دیے ہیں۔ (دیکھئے کتاب قدیم اردو ص ۳۱) یہاں وہ اشعار درج کیے جاتے ہیں:

اللہ پاک منزہ ذات — اس سون صفتاں قائم سات
علم ، ارادت ، قدرت ، بار — سنتا ، دیکھتا ، بولنہار
حی صفت یہ جان حیات — اس کوں ناہیں کہے ممات
ایساں صفتاں سو ہے ذات — جوں کے چند نا چاند سنگھات ۶۱؎

ڈاکٹر جمیل جالبی نے ان کی طویل نظم بعنوان 'گفتار امین اعلیٰ' کا بھی ذکر کیا ہے اور اس کا موضوع 'توحید باری تعالیٰ' بتایا ہے ان کے قول کے مطابق ''اس میں وحدت کے مسئلے پر روشنی ڈال کر وحدت الشہود کو واضح کیا ہے۔'' ۶۲؎ اس کے بعد جالبیؔ صاحب درج ذیل اشعار مثال کے طور پر پیش کرتے ہیں:

نہیں ہے اللہ دوجا کوئے — اللہ سوں دیک سب کچھ ہوئے
سب سون بن سب ہر دیک پاس — مطلق بنیا شاہد خاص ۶۳؎

۱۵۔ شیخ غلام محمد داول (م۔ ۱۰۶۸ھ/۱۶۵۷ء) صوفی اور شاعر تھے اور انہوں نے اپنے سلسلۂ تصوف کے انہی موضوعات کو اپنی شاعری کے ذریعے پیش کیا ہے جو ہمیں میراںؔ جی اور خصوصیت سے شاہ جانمؔ کے ہاں ملتے ہیں۔ شیخ داولؔ شاہ جانمؔ کے مرید تھے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کے بقول:

''شاہ داول کی چار نظمیں: چہار شہادت، کشف الانوار، کشف الوجود اور ناری نامہ اور کئی ''خیال'' ہمیں دستیاب ہوئے۔'' ۶۴؎

''کشف الوجود' جناب اکبر الدین صدیقی نے مرتب کی ہے جس میں کل ۱۴۶۹ اشعار ہیں اور اس میں تصوف کی باتیں اور موضوعات تدریس و تفہیم کے انداز میں بیان کئے گئے ہیں۔

مثنوی میں اس عہد کی روایات کے مطابق پہلے حمد اور نعت پیش کی گئی ہے۔ اس کے بعد ''تخلیق نور، تخلیق آدم اور حضرت آدمؑ کی تخلیق کے اسباب تفصیل سے بیان کئے گئے ہیں۔ اس کے بعد تصوف کی باتیں تحریر ہیں۔ غلام محمد داولؔ کی حمد جو کشف الوجود میں نظر آتی ہے اس کی بحر، موضوع اور ترتیب بالکل وہی ہے جو انکے مرشد شاہ برہان الدین جانمؒ کی 'منفعت الایمان' میں ملتی ہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے بھی اس امر کی نشان دہی کی ہے کہ دونوں نظموں کا پہلا مصرع ''اللہ واحد سرجن ہار'' ہے۔ دونوں میں حمد و نعت کے بعد کم و بیش ایک ہی موضوع کی تشریح کی گئی ہے۔ مثلاً 'منفعت الایمان' کے یہ اشعار پڑھیئے۔

اللہ واحد سرجن ہار — دو جگ اچنار اچیا اُپار
سگلا عالم کیا ظہور — اپنے باطن کیری نور
غفلت کیتا پردا آڑ — سب جگ لیتا اس میں ناڑ ۶۵؎

غلام محمد داولؔ کی نظم ''کشف الوجود'' کے حمد یہ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

اللہ واحد سرجن ہار — جوں جگ عالم جس تھیں بار
دائم قائم آپیں آپ — جونا پنگڑی نا ما باپ
کہن نا آوے کچھ مثال — جائے طرف نا وہم خیال
فہم نظر سو وہم گمان — کیہا اس کا نادر گیان
ذات منزہ سب تھے پاک — کوی نا کرے اس ادراک
آب ہور آتش بادہور خاک — سب تھے نرمل ہے او پاک
نینو بن وہ دیکھے سب — کانو بن وہ سنتا سب ۶۶؎

زیر نظر نظم میں داولؔ اللہ تعالیٰ کی صفات عالیہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اللہ واحد پیدا کرنے والا ہے جس نے کل کائنات تخلیق کی ہے۔ جو خود بخود قائم ہوا ہے۔ جس کے نہ کوئی اولاد ہے اور نہ ماں باپ۔ وہ بے نظیر ہے۔ وہم و گمان سے ماورا ہے۔ اس کی ذات سب سے پاک ہے۔ ان کی حمد کے سبھی خیالات قرآن پاک

سے مستعار ہیں۔ بالخصوص

جونا پنگڑی نا ما باپ

پڑھتے ہی سورۃ الاخلاص کی آیت مبارکہ ذہن میں آتی ہے۔

لم یلد و لم یولد (الاخلاص: ۳)

ایک اور چیز جو نمایاں ہے وہ ان کا اسلوب بیان ہے جو سادگی اور روانی کا دلکش امتزاج ہے۔

۱۶۔ حسن شوقی (۱۵۴۱ء) دکن کی ادبی روایت میں حسن شوقیؔ ایک خانہ بدوش سیلانی شاعر تھا وہ دکن کے تین مختلف درباروں یعنی قطب شاہی، عادل شاہی اور نظام شاہی سے منسلک رہا۔ چونکہ زیادہ تر زمانہ اس کا بیجا پور میں گزرا ہے اس لئے ہم اس کو بیجا پوری شعرا میں شامل کرتے ہیں۔

اس کی دو مثنویاں اور چند غزلیں دستیاب ہوئی ہیں۔ ان دو میں ایک کا نام ''فتح نامہ نظام شاہ'' ہے اس میں ''تالی کوٹ'' کی اس مشہور جنگ کا تذکرہ ہے جو دکنی ریاستوں کی اتحادی فوجوں نے ''بیجانگر'' کے راجہ رام راج کے خلاف ۱۵۶۴ء میں لڑی تھی۔ دکن کی یہ نہایت فیصلہ کن جنگ تھی جس سے رام راج کی شکست کے بعد دکنی ریاستوں کے وجود کو سلامتی کی ضمانت مل گئی تھی۔ معلوم ہوتا ہے کہ شوقیؔ کا اس زمانے میں نظام شاہی سلطنت سے تعلق تھا، اس بنا پر اس فتح کا سہرا اس نے نظام شاہ کے سر پر باندھا ہے، حالانکہ دیگر سلطنتوں کا بھی اس فتح مندی میں خاصہ حصہ تھا۔ مثنوی کا آغاز حسبِ روایت حمدیہ اشعار سے ہوتا ہے:

الٰہی کرم کا کرنہار توں ہے اول و آخر رہنہار توں
سو قادر ہے قائم تو پروردگار توں نادر ہے دائم اپیں برقرار
کیا ہور کرتا کرے گا سو ہوئی ترے باج ہر گز کرے گا کوئی

۶۷؎

حسن شوقی کی دوسری مثنوی کا نام ''میزبانی نامہ سلطان محمد عادل شاہ'' ہے۔ یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ حسن شوقی جو نظام شاہی دربار سے تعلق رکھتا تھا۔ عادل شاہی دربار تک کیسے پہنچا۔ مولوی عبدالحق کے بقول ''وہ پہلے نظام شاہی دربار سے تعلق رکھتا تھا یا تو نظام شاہی حکومت کی تباہی پر یا کسی اور وجہ سے اس کا تعلق وہاں سے قطع ہو گیا اور وہ عادل شاہی دربار میں آ گیا'' ۶۸؎

بہرحال اس مثنوی میں سلطان محمد عادل شاہ کی ایک شادی کا ذکر ہے جو اس نے اپنے وزیر اعظم مصطفی خان کی لڑکی سے کی تھی۔ مثنوی سے اس عہد کی معاشرت، رسوم و رواج اور عیش و عشرت کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ اس مثنوی کا آغاز بھی حمدیہ و نعتیہ اشعار سے ہوتا ہے:

اول یاد کر پاک پروردگار ۔۔۔ پچھیں شاد کر شاہ عالی تبار

نبیؐ کا خلیفہ، خدا کا خلیل ۔۔۔ بالہام و ہاتف نہ باجبریل ۶۹؎

مثنوی کا اختتام عادل شاہ کو دعائیہ اشعار پیش کر کے کرتے ہیں:

قلم (گر) کروں راس سب بانس کے ۔۔۔ سیاہی دریا، کاغذ آکاس کے

کھئے ہو رکھے بھرے یو تمام ۔۔۔ صنعت شہ کی پوری نہوے والسلام

تو بہتر کہ 'شوقیؔ' زراہِ صواب ۔۔۔ دعا وو کرے جو اچھے مستجاب

سدا جیو راجے جنم راج کر ۔۔۔ جو دشمن مونڈی تل کرے لاج کر

کرے راج جو لگ لگن دھرتری ۔۔۔ کرے راج جو لگ پرب استری

شہر یار خاطر کے تیں شاد دار ۔۔۔ قیامت لگوں یور ہوے یادگار

۷۰؎

مذکورہ بالا اشعار کے آغاز میں شوقیؔ، قرآن پاک سے استفادہ کرتے ہوئے، مندرجہ ذیل آیات کو شعری زبان عطا کرتے ہیں:

ولو ان ما فی الارض من شجرۃ اقلام و البحر یمدہ من بعدہ سبعۃ ابحر ما نفدت کلمت اللہ ط(۳۱/۲۷)

ترجمہ: زمین میں جتنے درخت ہیں اگر وہ سب قلم بن جائیں اور سمندر ان کی سیاہی۔ اس کے بعد اور سات سمندر ان کی مدد کریں تو بھی اللہ کی باتیں تمام نہ ہوں گی۔

۱۷۔ علی عادل شاہ ثانی تخلص شاہی (۱۶۵۶ء......۱۶۷۲ء) سلطان محمد عادل شاہ کا اکلوتا بیٹا اور عادل شاہی خاندان کا آٹھواں بادشاہ تھا۔ بیجاپور کی ادبی فضا اور ادب، شاعری اور موسیقی سے شغف کی عادل شاہی خاندان کی روایت اس کی گھٹی میں پڑی تھی۔ علم پروری اور شعر سخن کی قدردانی اس کے خاندانی

اوصاف تھے۔ انیس برس کی عمر میں تخت نشینی ہوئی تو پر آشوب حالات کا بہادری سے سامنا کیا اور مرہٹوں اور مغلوں کو شکست فاش دی۔ نصرتی اس کے دربار کا ملک الشعرا تھا جس نے اپنی مثنوی 'علی نامہ' میں شاہیؔ کے دور کی رزمیہ تاریخ رقم کی۔ شاہیؔ کی وفات صرف 35 سال کی عمر میں ہوئی اور اس کی حکمرانی کی مدت سولہ سال سات ماہ ہے۔

شاہیؔ فارسی اور دکنی دونوں زبانوں میں شاعری کرتا تھا۔ شاہیؔ نے مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کی۔ اس نے قصیدے، مثنویاں، غزلیں، مراثی، گیت، کبت اور دوہرے بھی کہے۔ ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

''شاہیؔ کے قصیدوں کی نمایاں خصوصیت اس کا لطیف تخیل ہے جس کی مدد سے وہ احساس کی ایک خوب صورت تصویر بنا دیتا ہے ...... دیکھئے عقل کی مجرد شکل کو وہ کیسے جسم و جان عطا کرتا ہے۔''۱۷؎

یہاں تک پہنچ کر جالبی صاحب ''قصیدہ در حمد'' کے ابتدائی اشعار نقل کرتے ہیں جن میں شاہیؔ نے عقل کی تجسیم کی ہے اور اس کی صفات اس طرح بیان کی ہیں:

عقل کا مکتب ہوا فہم کے پڑھنے بدل
عقل معلم اپیں قصہ سکھایا کہن
عقل خبردار ہے عقل ہمہ کار ہے
عقل کا جاسوس ہو مُک یہ اچھے یوکرن ۲۷؎

عقل کی بابت گیارہ اشعار درج کرنے کے بعد شاہیؔ اللہ تعالیٰ کی تعریف یوں کرتے ہیں جس نے انسان کے خاکی پتلے میں روح پھونکی اور آب و آتش خاک و باد کے عناصر اربعہ سے کائنات سنواری۔ زمین و آسمان کی موجودات کل اسی کے آگے سجدہ ریز ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

خاک کے پتلے بنا روح لے تن میں بھرا
چال چلا کر اول آپ سکھایا مگن
آب و آتش ملا خاک و ہوا تے کلا
چار عناصر لگا دیہہ سنواریا ہمن
دور پھریں جو تمام سجدہ کریں صبح و شام

لے کے ستاریاں سنگات چاند سورج ہور گگن ۷۳؎

قرآن پاک میں یہی مفہوم اس طرح ادا ہوا ہے:

الم تران اللہ یسجد لہ من فی السمٰوٰت ومن فی الارض والشمس والقمر والنجوم والجبال والشجر والدوآب وکثیر من الناس (۱۸/۲۲)

ترجمہ: کیا تو نے نہیں دیکھا کہ جو کوئی آسمانوں اور زمین میں ہے اور سورج اور چاند اور ستارے اور پہاڑ اور درخت اور چوپائے اور آدمیوں میں سے اکثر اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔

شاہیؔ نے حمدیہ قصیدے کے دعائیہ حصے کو مناجات کے لیے وقف کر دیا ہے۔ ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط یوں رقم طراز ہیں:

> ''قصائد میں اکثر ممدوح کی ستائش کرنے میں صلے کی تمنا چھپی ہوتی ہے اور آخر میں شاعر دعا دے کر اس تمنا کو مزید تقویت پہنچاتا ہے۔ اس قسم کی دعائیں دنیا کے شاہوں کو تو ''دی'' جا سکتی ہیں لیکن شاہوں کے شاہ، مالک الملک، الہ العالمین کی ثنا خوانی کے عبد اس کی بارگاہ میں دعا 'مانگی' جاتی ہے اور حمدیہ قصائد میں شاعر ''دعا مانگتا ہے''۔ شاہیؔ کے حمدیہ قصیدے میں دعا مانگی گئی ہے۔ یہاں مناجات کی خصوصیت ہے کہ تشبیب کے بعد ''گریز'' اور پھر ثنائے خداوندی۔ اس کے بعد شاعر نے مدح سے دعا کی طرف آنے کے لیے دوبارہ گریز کا ایک شعر استعمال کیا ہے۔''

شاہیؔ عاشق اتا بول مناجات کُچ
تاکہ کرم تُج پہ ہوئے بہرِ حسینؑ وحسنؑ ۷۴؎

گریز کے اس شعر کے بعد شاہیؔ دعا کرتے ہیں اور مندرجہ ذیل آیت قرآنی کا مفہوم ان کے اشعار سے ادا ہوتا ہے کہ:

کارجہاں کے سَگل فکر تے بھاری اچھے
سائیں کرے لو بھر جب دور ہو جاوے محن
آہ و افسوس کے فتح تے محفوظ دھر

سایہ کرم کا دکھا ذوق سوں رکھ مج بدن
سائیں سچا ہے تہیں سیوا تجے ہے سہی
جیتے جہاں کے شہاں روز کریں تج سرَن ۷۵؎

امن یجیب المضطر اذا دعاہ ویکشف السوء (۶۲:۲۷)

ترجمہ: بھلا کون بے قرار کی دعا قبول کرتا ہے، جب وہ اسے پکارتا ہے اور کون برائی کو دور کرتا ہے۔

۱۸۔ نصرتی (م ۱۶۷۴)

دکن کی عجب بخت ور خاک ہے
کہ جس بیچ تجھ خواب گہ پاک ہے
بحمداللہ کرسی بہ کرسی مری
چلی آئی ہے بندگی میں تری

خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کی مدح میں یہ اشعار کہنے والا شاعر بیجا پور کی بزم شاعری کے دور آخر سے تعلق رکھتا ہے اور آج بھی بیجا پور کے نگینہ باغ کے ایک خاموش گوشے میں اس کی قبر موجود ہے۔ یہ بیجا پور کا ملک الشعرا ملا نصرتی ہے۔۷۶؎

نصرتیؔ کے مندرجہ بالا اشعار سے پتا چلتا ہے کہ اسکے بزرگ کئی نسلوں سے عادل شاہی حکومت کے پرانے خدمت گار تھے۔ نصرتیؔ اپنی شاعری کے بل بوتے پر جلد ہی درباری اہل علم میں شمار ہونے لگا۔ نصرتیؔ نے تین بادشاہوں محمد عادل شاہ، علی عادل شاہ ثانی شاہیؔ اور سکندر عادل شاہ کا زمانہ دیکھا۔ اس کی تمام عمر شعر و شاعری میں صرف ہوئی۔ ہر عہد میں اس نے کچھ نہ کچھ لکھا۔ محمد عادل شاہ کے عہد میں اس نے صرف چند قصیدے لکھے تھے اور علی عادل شاہ کے عہد میں ''گلشنِ عشق'' اور '' علی نامہ'' کے عنوان سے دو مثنویاں لکھیں۔ یہ دونوں ادب پارے اس کے شاہکار ہیں۔ سلطان سکندر عادل شاہ کے عہد میں اس نے ''تاریخِ سکندری'' قلم بند کی جس میں عادل شاہی دور کے بیجاپور کے حالات قلم بند کئے ہیں۔

نصرتیؔ کے ادبی کارناموں میں سب سے پہلے ہمارا تعارف اس کی عشقیہ مثنوی ''گلشنِ عشق'' (۱۰۶۸ھ ......۱۶۵۸ء) سے ہوتا ہے۔'' گلشن عشق'' چونکہ عشقیہ مثنوی ہے۔ اس لئے حمد سے پہلے ایک قطعے میں فرماتے ہیں:

ثنا صانع کی ہے جن ہو کتاب عشق کا بانی

دیا ہے حسن کوں خلعت		کہ ہر ایک جز پہ عنوانی ۷۷؎

حمدیہ اشعار ملاحظہ ہوں جن میں جابجا صنعت تلمیح سے کام لیتے ہیں اور بہت سے تاریخی حوالے قاری کے سامنے آ جاتے ہیں:

صنعت اس کی قدرت کی اول سراؤں		دھریا جس نے یو گلشن عشق ناؤں
کیا کر کرم عشق کا تس ابھال		یو باغ آفرنیش کا پکڑیا جمال
رنگا رنگ جے گل یو بن باس ہے		اوھر گل میں تجہ عشق کی باس ہے
کدیں نور یوسف کودے شب چراغ		دیا عشق کا تس زلیخا پہ داغ
کدیں پاڑ خسرو کوں شیریں سوں کام		کیا کوہ کن کوں وفا میں تمام ۷۸؎

حمد کے ۱۸۴ اشعار کے بعد مناجات کے ۹۰ اشعار ہیں۔ مناجات کا عنوان شعر کی صورت میں ہے:

مناجات آج عاجز کی سزاوار اُس کی درگہ میں
کہ ھر کمتھر پہ بہتر ہے عنایت جس کی رحمانی

یہاں مناجات کے اشعار متفرقہ درج کئے جاتے ہیں۔ جن میں شاعر پہلے خدا کی تعریف کرتا ہے، اپنے گناہوں کا اعتراف کرتا ہے، خدا سے جذبۂ محبت کا طلبگار ہے اور پھر آخر میں دولتِ سخن مانگتا ہے۔

الٰہی تہیں جگ کوں داتا رہے		کرم محض تجھ پر سزاوار ہے
عنایت کا تجھ ہت ہے عالم نواز		کرے ذرہ خورشیدتی سرفراز
گناہاں میرے روز لکھنے سوں آہ		ہوا ہے عمل نامہ میرا سیاہ

تشبیہ کی دلکش مثال دیکھئے:

مرا سینہ جوں آرسی صاف کر		جو آوے محبت کی صورت نظر

مزید کہتے ہیں:

ادک بحرتی فیض تجہ عام ہے		مرا من سویک مختصر جام ہے
لجاویں تو بھر بھر جو لک جام جم		تو کیا کچھ او دریا سوں ہوویگا کم

معانی کے کہن کی مجھے دے دوات — جوہر بات میں کئی رتن آئے ہات

دے ایسا سخن کے جہاں میں قلم — جو الہام کی فوج کا ہوئے علم

دیکھاؤں سو تجھ فیض تی جے خیال — کر اس شعر کوں عین سحر حلال ۷۹ ؎

نصرتی کی 'علی نامہ' ۱۰۷۶ھ/ ۱۶۶۵ء میں لکھی گئی اور ۱۹۵۹ء میں اسے پروفیسر عبدالمجید صدیقی نے مرتب کر کے شائع کیا ہے۔ اور یہ

''ایک ایسی تخلیق ہے جو بیک وقت ادبی بھی ہے اور اپنے وقت کی تاریخ بھی ہے۔ اس مثنوی میں نصرتی نے ان جنگوں کے حالات قلم بند کئے ہیں جو سلطان علی عادل شاہ ثانی کو دس سال مرہٹوں اور مغلوں سے کرنی پڑی تھیں۔'' ۸۰ ؎

'علی نامہ' چونکہ رزمیہ مثنوی ہے جس میں جنگ و جدل اور فتح و نصرت کے واقعات قلمبند ہوئے ہیں۔ اس لئے نصرتی نے اس میں بطل و پا مردی، شجاعت و دلیری اور ہمت وجواں مردی کو ہی حمدیہ شاعری کا جزو بنا ہے۔ حمد کے آغاز میں لکھتے ہیں:

حمد اول ہے خدا کا جنے روز اول — دیا ہے ہمت مرداں کو جو توفیق سوں نابل

دیا اوچہ رستم کے پنجے میں زور — پڑیا ڈرتے جس دل میں دریا کے شور

۸۱ ؎

اس کے بعد ۵۷ اشعار پر مشتمل مناجات ہے۔ مثنوی ''گلشن عشق'' کی طرز پر یہاں بھی پہلے حمدیہ اشعار ہیں، پھر متفرق دعائیں ہیں، جن میں نیک کام، عزت، آبرو، قناعت، صبر، عشق اور پھر آخر میں اپنے رنگِ سخن میں معانی کا رس بھر دینے کی آرزو اور دعا کرتے ہیں۔ متفرق اشعار ملاحظہ ہوں:

الٰہی ترا مہر عالم نواز — کر نہار ذریاں کو نت سرفراز

تو دانا و بینا قدیم و حکیم — توں عارف ہے کامل سمجھ تجھ عظیم

توں بولیاں سو حق ہے ہمن شان میں — ظلوماً جمولاً جو قرآن میں

یہاں قرآن پاک کی زیر نظر آیت کی طرف اشارہ ہے:

انا عرضنا الامانة علی السموت والارض والجبال فابین ان یحملنها واشفقن منها و

حملھا الانسان ط انه کان ظلوما جھولا (۷۲/۳۳)

ترجمہ: ’’ہم نے امانت کا بار آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کو پیش کیا، سو انہوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھا لیا۔ وہ یقینا ظالم اور جاہل تھا‘‘

دعا کرتے ہیں:

مجھے خوب کا ماں کی توفیق دے | اچھے حق سو کر مجھ پہ تحقیق دے
قناعت کا دنیا میں دے گنج مجھ | صبوری میں دل کر گہر سنج مجھ
پلا مجھ محبت کا ایسا شراب | کہ ہو مست بسروں دو جگ کا حساب
مرے شعر سوں زندہ کر ہر شعور | سمجھ مجھ بچن تے توں کر جگ میں پور
حروفاں میں بھریوں معانی کا رس | کہ ہوے مہ کوں امریت او پینے ہوس
مرا شعر کر دے زمانے کو برد | یو ہر بیت اچھو شیر مرداں کو وار ۸۲؎

نصرتی کے دیوان سے ایک حمدیہ رباعی ملاحظہ ہو جس میں وہ توکل علی اللہ کا مضمون پیش کرتے ہیں:

اے اسم ترا سب میں مجھے وافی ہے
ہر درد کوں اس دل کے وہی شافی ہے
غیرت ہے مرے جیو کوں ترے غیر کی آس
یک توںچ دو عالم میں مجھے کافی ہے ۸۳؎

۱۹۔ صنعتی محمد عادل شاہ کے دور کا شاعر ہے اور چونکہ اس نے ’’قصۂ بے نظیر‘‘ میں سلطان محمد عادل شاہ کی مدح میں ایک باب قائم کیا ہے، اس لیے کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس کے دربار سے وابستہ تھا شاید یہ وہی ابراہیم خاں صبحی ہے جس کا ذکر ’’محمد نامہ‘‘ میں ظہوری نے کیا ہے ...... اور جیسا کہ اہل تحقیق نے لکھا ہے کہ صبحی ’’کاتب کی غلطی سے بگڑ کر صنعتی ہو گیا‘‘ ...... اس لئے جب تک کوئی اور بات سامنے نہ آئے صنعتی اور ابراہیم خان صبحی کو ایک مان لینے کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے۔‘‘ ۸۴؎

مثنوی اس دور کی مقبول ترین صنف سخن تھی اور شہرت عام اور بقائے دوام کا سبب بھی۔ صنعتی نے دنیائے ادب میں یادگار رہنے کے لیے ’قصۂ بے نظیر‘ کے نام سے مثنوی تخلیق کی۔ یہ مثنوی ۱۰۵۵ھ کی تصنیف ہے۔ صنعتی نے اس مثنوی میں حضرت ’’تمیم الداری ؓ‘‘ کا قصہ نقل کیا ہے۔ یہ قصہ مذہب اسلام میں دجال کے حالات کا ماخذ

تسلیم کیا جاتا ہے۔ حضرت تمیم الداریؓ کے ساتھ پیش آنے والے محیر العقول واقعات نے اس مثنوی میں دلچسپی کا عنصر قائم کیا ہے، جو اول سے آخر تک پھیلا ہوا ہے۔ یہ مثنوی اپنے داستانی عناصر، مافوق الفطرت ماحول اور قصہ در قصہ ہونے کے سبب دوسری مثنویوں کے موضوعات اور اسلوب سے منفرد و ممیز ہے۔''فنی اعتبار سے بھی یہ مثنوی ایک نئی بلندی کو چھو لیتی ہے۔ صنعتیؔ کے ہاں اکثر و بیشتر عربی فارسی الفاظ صحیح تلفظ کے ساتھ شعر میں استعمال کئے گئے ہیں یہاں فن اور اسلوب کے لحاظ سے وہی مزاج و معیار نظر آتا ہے جو اچھی فارسی مثنویوں کی خصوصیت ہے۔ اسی لیے اس مثنوی کی بے ساختگی، برجستگی اور روانی ہمیں متاثر کرتی ہے یہ مثنوی بیجاپور کی ادبی روایت میں ایک تبدیلی، ایک موڑ کا درجہ رکھتی ہے۔ خصوصیت کے ساتھ حمد سے لے کر آغازِ قصہ تک کا حصہ شاعرانہ اعتبار سے وقیع ہے۔'' ۸۵؎

اس قصے کا مزاج کیونکہ مذہبی ہے اس لئے اس میں دوسری مثنویوں کی نسبت حمد کا حصہ قدرے طویل ہے۔ صنعتیؔ حمد میں قرآن و حدیث کے حوالے سے لاتے ہیں۔ زبان کی سلاست و سادگی، زور بیان، روانی مضمون، تشبیہات واستعارات کا برمحل استعمال، مثنوی کی قدر و قیمت میں خاطر خواہ اضافہ کرتا ہے۔'' قصۂ بے نظیر'' (مرتبہ) عبدالقادر سروری کے آغاز میں حمد الٰہی کے تقریباً ۹۰ اشعار ہیں۔ صنعتیؔ کی حمدیہ شاعری سے نمونے کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ثنا بول اول تو سبحان کا — جو خلاق ہے جن و انسان کا
بشر کوں اپس قدرت پاک سوں — بنایا اگن جل پون خاک سوں
اپس ہات سوں راست کر اس شتاب — دھریا مہربانی سوں آدم خطاب
اپس عشق سوں اس کو پیدا کیا — سو اپنی محبت سوں شیدا کیا
رکھیا سر اوپر اس خلافت کا تاج — دلایا فرشتیاں سوں سجدہ مزاج
گگن کوں ستاریاں سوں گلشن کیا — دھرت کوں رسولاں سوں روشن کیا
زمیں پر شیاطین کوں خوار کر — رکھیا نسل آدم کو گلزار کر
توں پیدا کیا ہے سو موسیٰ کو یوں — کیا غرق پانی میں فرعون جوں
توں داؤد کے ہاتھ میں سر بسر — لھوے کو کیا موم نے نرم تر

ازل تے اول رزق توں لک رکھیا — نہ اس میں اک تل پھرا کوئی سکیا

ترے امر بن نا ہلے کوئی پات — ترے حکم بن نا کرے کوئی بات

ترا نانوں ہے اکرم الاکر میں — ترا وصف ہے ارحم الراحمین ۸۶؎

صنعتی کی مذکورہ بالا حمد سے ان کے علم دین اور قرآن فہمی کا بھی بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ وہ تقدیر پر ایمان کامل رکھتے ہیں اور صفات حسنہ کو خوبی کے ساتھ نظم کرتے ہیں۔

۲۰۔ مقیمی (م ۱۶۷۰......۱۶۶۵) مقیمی بیجاپور کا شاعر تھا اور علی عادل شاہ کے زمانے (۱۶۷۲......۱۶۵۶ء) میں زندہ تھا۔ مقیمی کی شہرت اس کی مثنوی ''چندر بدن مہیار'' کی وجہ سے ہے۔ ''دکن میں اردو'' کے مصنف نے اسے فارسی گو شاعر شمار کیا ہے، جن نے دکھنی میں بھی شعر کہے ہیں۔ نصیر الدین ہاشمی نے اس کے درج ذیل حمدیہ اشعار ''دکن میں اردو'' میں پیش کئے ہیں جن میں جا بجا قرآنی تلمیحات کے حوالے ہیں:

خدا کوں سزا وار کبر و منی — اوقادر ہے قدرت کا صاحب دھنی

جویوں کیا آدم یک ازواج کوں — سبا لیا ہے طوفان تے تو نوح کوں

کیا نار گلزار رب الجلیل — کہ نمرود کے ہات بانچیا خلیل ۸۷؎

مقیمی ذہنی طور پر بیجاپوری شعرا کے مقابلے میں گول کنڈہ کے شعرا سے زیادہ متاثر تھا۔ اسی لئے وہ غواصی کا مدح سرا ہے۔ مقیمی کے اسلوب میں عام بول چال اور فارسی لغت کے امتزاج سے روانی پیدا ہوگئی ہے اور سادگی و سلاست کا اعلیٰ معیار دکھائی دیتا ہے۔

''مقیمیؔ کے چند دعائیہ اشعار ملاحظہ ہوں:

مجھے فیض کچھ بخش تج دھیان کا — الٰہی تو حافظ ہے ایمان کا

مرا دین ایمان سارا سوں تو — مرے جیو میں کیتا ہے ٹھارا سوتوں

مجھے جگ میں یا رب پر امید کر — رتن کے بچن کوں توں جاوید کر

خدایا تو دانا ہے محبہ حال پر — کہ چوکیا ہوں یا چوک افعال پر

نہیں محبہ عقل نیک افعال سوں — ڈھلیا نفس غفلت میں بدحال سوں

نہ طاقت کدھیں کچھ عبادت کیا — نہ تیرے امر کا اطاعت کیا ۸۸؎

۲۱۔ رستمی 'خاور نامہ رستمی' کے مرتب شیخ چاند رستمی کے بارے میں لکھتے ہیں:

''رستمی کے متعلق اس کے کلام اور بیان کے سوا جو خاور نامے، میں موجود ہے۔ کسی دوسرے بیرونی ماخذ سے کوئی معلومات نہیں ملتیں۔ غالباً اس کا پورا نام کمال الدین خان تھا اور اس کو عام طور پر کمال خان کے نام سے پکارا جاتا تھا۔'' ۸۹ے

جناب ممتاز حسن نے خاور نامہ کے پیش لفظ میں اس کتاب کا تعارف یوں کرایا ہے۔

''خاور نامہ'' قدیم اردو کی سب سے پہلی اور سب بڑی رزمیہ مثنوی ہے...... 'خاور نامہ' میں چوبیس ہزار اشعار ہیں۔ یہ ابن حسام کی ایک فارسی مثنوی کا ترجمہ ہے جس کا نام بھی 'خاور نامہ' ہی ہے۔ فارسی اصل کی ایک کاپی برٹش میوزیم میں اور دو کاپیاں انڈیا آفس لائبریری (لندن) میں محفوظ ہیں البتہ اردو ترجمے کا صرف ایک ہی قلمی نسخہ دنیا میں موجود ہے اور وہ انڈیا آفس لائبریری میں ہے ...... رسمتی بیجاپور کے فرمان روا محمد عادل شاہ کے دربار کا شاعر تھا۔ خاور نامے کا ترجمہ اس نے محمد عادل شاہ کی ملکہ خدیجہ سلطانہ کے کہنے پر کیا۔ کہتے ہیں رسمتی کا اور بھی بہت سا کلام تھا جس میں قصائد، غزلیں اور مرثیے سب ہی شامل تھے لیکن یہ کلام مختلف محققین کی کوششوں کے باوجود ابھی تک دستیاب نہیں ہو سکا۔'' ۹۰ے

محمد عادل شاہ کا عہد حکومت (۱۶۵۶ھ ...... ۱۶۶۲ء) ہر لحاظ سے بیجاپور کا سنہری دور کہلاتا ہے ......محمد عادل شاہ کی ملکہ خدیجہ سلطان شہر بانو جسے بڑے صاحب کے نام سے پکارا جاتا تھا، بڑی علم دوست اور ادب نواز خاتون تھی وہ محمد قطب شاہ کی بیٹی اور عبداللہ قطب شاہ کی بہن تھی جب وہ ملکہ بن کر بیجاپور پہنچی تو اپنے ساتھ گولکنڈہ کا مذاقِ سخن بھی لے کر آئی۔ بیجاپور آ کر اپنی خاندانی روایت کے مطابق اس نے شعرا کی سرپرستی کو جاری رکھا۔ جہیز میں ساتھ آیا ہوا غلام ملک خوشنود اسی زمانے میں چمکا۔ بقول جمیل جالبی:

''رسمتی نے ملکہ کی فرمائش پر خاور نامہ رسمتی کا اردو ترجمہ کیا۔ جس کی رگ و پے میں فارسی طرز احساس و ادا جاری و ساری تھا۔'' ۹۱ے

مثنوی کے ابتدائی تین سو اشعار حمد و مناجات کے ہیں۔ اتنی کثیر تعداد میں حمد و مناجات کے اشعار کسی اور مثنوی میں دکھائی نہیں دیتے۔ حمد میں کہتے ہیں۔

اول جب کیا یو کتاب ابتدا   بندیا بات میں نقش نامِ خدا
جو صاحب ہے او عقل ہور جاں کا   کیا دین بخشش اور ایمان کا
او ہی ایک صاحب اُپر ہور تلیں   جوستی پر اس کی گواہیں ہمیں
زمیں ہور اسمان پیدا کیا   دل و دانش و عقل مُج کوں دیا ۹۲؎

تمام مظاہر فطرت، اُسی کے تسبیح خواں ہیں۔ رسمیؔ کہتے ہیں:

تجھے دیکھنے نرگس دیدہ ور   تری صنع اُپر رکھیا ہے نظر
زباں کوں تو سوسن کیا ہے دراز   صنعت بولنے تیری، اے بے نیاز

مذکورہ شعر صنعت حسن التعلیل کی بھی دلکش مثال ہے۔ آگے چل کر کہتے ہیں:

کرے پھول تسبیح تیری مدام   تیری یاد میں بلبلاں خوش کلام ۹۳؎

مناجات کے اشعار کا نمونہ یہ ہے:

الٰہی جتی بات مجھ بول دے   در معرفت مج اوپر کھول دے
مرے دل کوں دے آشنائی تری   جو ہوئے دل کوں بھی روشنائی تری
مجھے عقل دے تا پچھانوں تجے   صفت اپ زباں سوں لکھانوں تجے ۹۴؎

مقیمی کی مناجاتیہ شاعری میں، ہمیں ایک ایسا مومن صدقِ دل سے دعا مانگتا ہوا دکھائی دیتا ہے جو خدا سے دنیا کے بجائے آخرت کی دولت کا طلبگار ہے اور اس کی محبت و معرفت کا سوالی ہے۔

فصل پنجم:

قطب شاہی دور کے ادب میں

حمد و مناجات گوئی کی روایت

بہمنی بادشاہ سلطان محمود کے زمانہ (۱۴۸۲ء۔۱۵۱۸ء) میں بہمنی سلطنت کا شیرازہ بکھر گیا اور پانچ نئی ریاستیں وجود میں آئیں۔ اس زمانے میں سلطان قلی اپنی اعلیٰ ترین قابلیت کی بنا پر سلطان محمود کا مقرب بن گیا تھا۔ اس نے تلنگانہ میں امن و امان بحال کیا جس سے خوش ہو کر ۱۴۹۶ء میں سلطان محمود نے اسے تلنگانہ کو صوبہ دار مقرر کر دیا۔

محمد قلی کی پیدائش ۱۵۶۶ء میں ہوئی تھی جب دکن کی انتہائی اہم اور فیصلہ کن جنگ (تالی کوٹ) رام راج اور دکن کی مسلم ریاستوں کے مشترکہ لشکروں کے درمیان ہوئی تھی اور تالی کوٹ کا فیصلہ دکنی ریاستوں کے اتحاد کے حق میں ہوا۔ محمد قلی قطب کے بزرگوں کا زیادہ زمانہ جنگ وجدل اور استحکام و انتظام سلطنت کی نذر ہو گیا تھا مگر قلی قطب کے عہد میں پورا ہندوستان علوم وفنون میں بہت ترقی کر رہا تھا۔

سترہویں صدی کے گولکنڈہ کے محلوں اور درباروں میں شعر و سخن کا بازار گرم تھا۔ سلاطین میں محمد قلی قطب شاہ (م۱۶۱۶ء) ابراہیم عادل شاہ (م ۱۶۲۷ء) سلطان محمد عادل شاہ ثانی شاہی (۱۶۷۲م)اور عبداللہ قطب شاہ (م۱۶۷۶) وغیرہ سلطنت کی حکمرانی کے ساتھ ساتھ شعر وسخن کی مجلس کے صدر نشین بھی تھے۔

۲۲۔ محمد قلی قطب شاہ (۱۵۶۶ء...... ۱۶۱۲ء) ۹۸۸ھ میں تخت نشین ہوا۔ اس کا عرصہ حکومت ۳۳ سال ہے۔ اس کا دورِ حکومت علم و ادب اور فنونِ لطیفہ کی ترقی کا دور ہے۔ وہ شیعہ مسلک سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے عہد میں مذہبی تقریبات بڑے جوش وخروش سے منائی جاتی تھیں۔ اس نے اپنی شاعری میں فارسی روایت کو زندہ کیا۔ فارسی شعری اصناف کو برتا، فارسی بحور کو اپنایا۔ اس نے حافظؔ شیرازی کی غزلوں کے تراجم بھی کئے۔ اس کی زندگی اور شاعری عیش و نشاط اور مذہب سے عبارت تھی۔ یہ دونوں موضوع اس کی نظموں میں کثرت سے ملتے ہیں۔ وہ اپنی حکومت اور شان وشوکت کا سبب مذہبی برکات میں ڈھونڈتا ہے۔ بقول ڈاکٹر تبسم کاشمیری:

''محمد قلی قطب شاہ نے اپنی شاعری میں جتنی کثرت سے خدا اور نبی ﷺ کو یاد کیا ہے اردو

کے کسی دوسرے شاعر کے ہاں اس کی مثال نہیں ملتی ہے ...... وہ شاعر جو عیش وطرب اور بادہ نوشی کے بلند بانگ تذکروں کا ذکر اپنی شاعری میں کرتا ہے نبی ﷺ اور خدا کا ذکر بھی لے آتا ہے۔قلی قطب شاہ کے اس پہلو پر سنجیدگی سے غور نہیں کیا گیا ہے محض یہ کہہ دینا کہ وہ اپنی شاعری میں خدا اور رسول ﷺ کا ذکر کرتا ہے کافی نہیں۔ یہ بات اس قدر سادہ بھی نہیں کہ جس کا ذکر سرسری طور پر کر کے ہم آگے بڑھ جائیں۔'' ۹۵۔

''کلیات محمد قلی قطب شاہ'' کی ابتدا روایت کے مطابق حمد سے ہوتی ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

چند سور تیرے نور تھے، نس دن کوں نورانی کیا
تیری صفت کن کر سکے، توں آپی میرا ہے جیا
تج نام منج آرام ہے، منج جیو سو تج کام ہے
سب جگ کوں تجھ سوں کام ہے، تج نام جپ مالا ہوا

''تج نام منج آرام ہے'' کا ٹکڑا ہمیں قرآن پاک کی اس آیت کی یاد دلاتا ہے۔

الابذکر اللہ تطمئن القلوب (۱۳/ ۲۸)

ترجمہ: (یاد رکھو اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے۔

مزید کہتے ہیں:

تج یاد میں جگ موہیا ، ہے جگ اُپر تیرا مَیا
جو جگ منگے سو توں دیا ، توں ہی جگت کا ہے دیا
جیتا ہوں تیری آس تھے آیا ہے رحم آکاس تھے
جکے کچ منگوں تج پاس تھے، سو ہے سو منج کوں توں دیا
بہو تِک میا ستے اپن ، دیتا قطب کوں سب دھن
سیوں نبی ﷺ کا نت چرن ، جب لگ ہے تن میانے جیا

۹۶۔

مذکورہ بالا حمد میں قطب شاہ نے اندرونی قوافی کے استعمال سے حمد کو مزید دلکشی عطا کر دی ہے اور ان کی

اس کاوش سے نغمگیت وموسیقیت پیدا ہوگئی ہے۔

اگلی حمد میں قطب شاہ اپنے گناہ گار ہونے کا اعتراف کرتے ہیں اور اللہ کے فیوض و برکات کے متمنی بھی ہیں،اور دایمی عیش کے طلب گار بھی ہیں۔ کہتے ہیں:

بندا ہوں گنہ گار خدا میرا گنہ بخش
تج لطف کیرا فیض خدا منج کوں سدا بخش
منج بخت کے تارے کوں سدا رکھ توں جھلکتا
منج عیش کے سورج کوں سو دن دن توں ضیا بخش

ان کی ایک اور حمد میں منقبت کے اشعار بھی شامل ہیں۔ یا حفیظ، کی ردیف میں فرماتے ہیں:

تہیں جگ کا سامیا یا حفیظ
تہیں جگ کوں سرجائیا یا حفیظ
جو کوئی ہیں درماندے ان کوں سدا
تہیں کر ہارا دیا یا حفیظ
بحق علی قطب بندے پہ جم
لیا دھرمیا ہرمیا یا حفیظ ۹۸؎

غزل کے متفرق اشعار میں بھی حمدیہ عناصر پائے جاتے ہیں:

یہ سرفرازی بس ہے اوجگ منے معانیؔ
منج سیں پر لکھیا ہے اسم محمد اللہ ۹۹؎

مذکورہ بالا شعر میں قلی قطب شاہ نے معانیؔ تخلص استعمال کیا ہے ڈاکٹر محی الدین قادری زور اس کی وجہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اصل نام کے علاوہ سلطان محمد قلی نے اپنے کلام میں اپنے نام کی وہ تمام شکلیں بطور تخلص قلم بند کر دی ہیں جو اس کی زندگی میں اس کے لیے مستعمل ہوسکتی تھیں...... ان (تخلصوں) میں سب سے زیادہ معانی، قطب، قطب شہ اور ترکمان استعمال ہوئے ہیں۔'' ۱۰۰؎

قلی قطب شاہ کے کلام سے مناجات کی ایک منفرد مثال پیش کی جاتی ہے کہ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ دنیا کے بادشاہوں میں ایسے بھی بادشاہ گزرے ہیں جنہیں شاہی تزک و احتشام اور تعیش پسندی نے بھی اپنی رعایا

کی غم و فکر سے غافل نہیں رکھا۔ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور اپنی مناجات میں، عرض گزار ہیں کہ اے اللہ میرے دوستوں کو جنت اور دشمنوں کو دوزخ دے۔ میرے شہر کو رعایا سے معمور کر، مجھے دن رات خوشیاں دے:

مناجات میرا تو سن یا سمیع
منجے خوش توں رکھ رات دن یا سمیع
مرے دوستاں کوں تو نت دے جنت
مرے دشمناں کوں اگن یا سمیع

ان کی مناجات سے تشبیہ کی دو دلکش مثالیں ملاحظہ ہوں:

سکل تخت پر میرا یوں تخت کر
انگوٹھی پہ جوں ہے نگیں یا سمیع
مرا شہر لوگاں سوں معمور کر
رکھیا جوں توں دریا میں من یا سمیع

اور مقطع میں کہتے ہیں:

مرادات کا جم ترنگ سار قطب
اُوسی سار ہت دے عنین یا سمیع ۱۰۱؎

رباعیاتِ قلی شاہ میں بھی حمدیہ و مناجاتیہ موضوعات ملتے ہیں۔ چونکہ قلی قلب شاہ مسلک کے اعتبار سے شیعہ تھے۔ اس لیے وہ حضرت علیؓ کے وسیلے سے اپنی بخشش کے لیے دعا کرتا ہے اور اپنے آپ کو درویش قرار دیتا ہے:

اے بار خدا اپنے درویش کوں بخش
مُج کوں سو محمد علی کے کیش سوں بخش
دشمن کوں توں توڑ دوستاں کوں توں نواز
دشمن کو نہ کر رحم سبھی خویش کوں بخش ۱۰۲؎

مندرجہ ذیل رباعی بھی بلاشبہ 'حمدیہ رباعی' کہلائی جاسکتی ہے جس میں وہ اللہ تعالیٰ کی تعریف اس انداز میں کرتے ہیں:

تج حسن تھے تازہ ہے سدا حسن و جمال
تج یاد کی مستی اہے عشق کوں حال
توں ایک ہے تج سا نہیں دُوجا کہیں
کیوں پاوے جگت صفحے میں کوئی تیرا مثال ۱۰۳؎

مذکورہ رباعی کا تیسرا مصرع، سورۃ الاخلاص کے معانی و مفاہیم اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہے۔ ڈاکٹر سیدہ جعفر کے مرتب کردہ ''کلیات قلی قطب شاہ'' میں، ایک مثنوی جو ناقص الاخر ہے ،کے حمدیہ اشعار میں قلی شاہ لفظ''اللہ'' کی منفرد صفت بیان کرتے ہیں کہ یہ لفظ بے زیر و زبر ہے اور خدا بھی بمثلہٖ بے زیر و زبر ہے۔فرماتے ہیں:

بسم اللہ الرحمن الرحیم
کیلی ہے سب کچ کا جو کیتا حکیم
حمد نجات ہے کرو اس پر تمام
نام خدا لے کر ہو ختم کلام
حکم اسی کا ہے سبھی حکم پر
ہے الف اللہ نہ زیر و زبر
نور خدا کا ہے جہان نور ہے
ایک اپے سب منیں بھر پور ہے
اونچا نیچا جب نہ تھا تب آپ تھا
ہے سو نہ اچھے وو اچھیگا سدا ۱۰۴؎

وہ کہتے ہیں کہ جب زمین و آسمان کچھ نہ تھا تو وہ تب بھی تھا اور جب کچھ نہ رہے گا،تو وہ تب بھی باقی رہے گا۔ اسی کلیات سے دو حمدیہ مطلع ملاحظہ ہوں:

کروں ابتدا حمد کرتار کا
کہ منعم ہے کرتار سنسار کا

کہوں حمد اس حق سبحان کا
دیادنت داتار دیان کا ۱۰۵؎

کلیات قلی قلب شاہ سے حمد و مناجات کی مذکورہ بالا زبردست شعری مثالوں کی روشنی میں یہ بات بلاخوف تردید کہی جا سکتی ہے کہ قلی قطب شاہ صرف جن و عشق ہی کا بے مثال شاعر نہ تھا بلکہ اس کی مذہبی شاعری بھی ناقابل نظر انداز ہے۔جس میں معیار اور مقدار ہر دو لحاظ سے حمدیہ و مناجاتیہ موضوعات اس کے عہد کے دیگر شعرا کی نسبت زیادہ پائے جاتے ہیں اور ہم اسے کلاسیکی اردو شاعری کا اہم حمد گو شاعر قرار دے سکتے ہیں۔

۲۳۔ وجہی (م۱۲۵۶ء......۱۶۷۱ء): سولھویں اور سترہویں صدی کے سنگم پر قطب شاہی ماحول اور تہذیب کے پروردہ اسداللہ وجہیؔ کی آواز گولکنڈہ کی فضاؤں میں گونجتی سنائی دیتی ہے۔ ملا وجہی، محمد قلی قطب شاہ کے دربار کا ملک الشعرا بھی تھا اور بادشاہ کی طرح پُر گوورندِ شاہد باز بھی۔ وہ فارسی کا شاعر بھی تھا اور اردو شاعری اور نثر میں بھی اس نے اپنے کمالِ فن کا اظہار کیا ہے۔۱۰۶؎

وجہی سے تین تصانیف یادگار ہیں 'دیوان وجیہہ' مثنوی ''قطب مشتری'' اور ''سب رس''۔ وجہی کی ''قطب مشتری'' (۱۶۰۹ء) اردو کی قدیم ترین مثنویوں میں سے ایک ہے۔ وجہیؔ کے شاعرانہ اسلوب میں فیروزؔ، محمود اور ملا خیالیؔ کے طرز سخن کی جھلک بھی ہے اور پیروی فارسی کی روایت بھی۔

''قطب مشتری'' ایک عشقیہ مثنوی ہے لیکن عام شعری روایت کے مطابق اس کا آغاز بہت خوب صورت حمد، مناجات اور نعت سے ہوا ہے۔ وجہی کے کلام کی سلاست، ربط اور الفاظ و معنی کے اعلیٰ انتخاب نے 'قطب مشتری' میں جان ڈال دی ہے۔ ادبی و لسانی اعتبار سے یہ مثنوی ایک بیش بہا مثالی سرمایہ ہے۔حمد کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

توں اول، توں آخر، توں قادرا ہے — توں مالک، توں باطن، توں ظاہر اہے
توں محصی، توں مبدی، توں واحد سچا — توں تواب، توں رب، توں ماجد سچا
توں باقی، توں مقسم، توں ہادی، توں نور — توں وارث، توں منعم، توں پر توں صبور
توں ستار، ہور توں سو جبار ہے — توں وہابؔ ، ہور توں سو قہار ہے
تو رزاق ہے ہور توںہیں عظیم — توں فتاح ہے ہور توںہیں علیم ۱۰۷؎

وجہی نے حمد کے ابتدائی بیس اشعار میں سو''اسماء الحسنی'' گنا کر اپنی قادر الکلامی کا ثبوت دیا ہے۔ اسی حمد کے آخری اشعار میں وجہی دعا بھی کرتا ہے:

عجب تیری قدرت کیرے کام ہے
سمجھنے وو قدرت کسے خام ہے

ترا شکر واجب ہے ہر دم اپار
کیا نعمتاں جگ پہ نازل ہزار

اگر جو کرم ہوئے ترا کس اُپر
چھپی حکمتاں ہوے عیاں اُس اُپر

مجھے بے نیازی دے دو جگ منے
منجے سرفرازی دے دو جگ منے

۱۰۸؎

ڈاکٹر عاصی کرنالی لکھتے ہیں:

''وجہؔی کے یہاں حمد کے مضامین میں اللہ کے اسمائے صفاتی کے حوالے سے اس کی شان خلاقی اور اس کی قدرت و کبریائی کا مؤثر بیان موجود ہے۔ مدح و ثنا کے یہ مضامین نہایت روانی، سلاست اور معنوی ربط و تسلسل کے ساتھ موجود ہیں …… ہندی الفاظ ہیں تو مگر کم۔ بہمنی دور کے شاعروں کے مقابلے میں عربی فارسی الفاظ برتنے کا رجحان نسبتاً زیادہ ہے۔'' ۱۰۹؎

'درمناجات باری تعالیٰ جل جلالہٗ' کے عنوان سے لکھی گئی مناجات میں وجہؔی انتہائی عاجزی، انکساری و تضرع سے خدا کے حضور دعا کرتے ہیں:

مہربان صاحب غنی ایک توں
کرم کی نظر سوں مُنجے دیک توں

کمینا بندا سب سے کمتر ہوں میں
گہر کر منجے توں کہ کنکر ہوں میں

الٰہی الٰہی گنہ گار ہوں
گناہاں میں اپنے گرفتار ہوں

گُنہ کی گرفتاری تھے دور کر
ثواباں سوں توں مُنج کوں پُر نور کر

عمل کا تو نیں گنج کچھ میرے پاس
ولے تیری بخشش کی ہے بھوت آس

سچا ایک صاحب ہے سبحان توں
کہ ما باپ تھے ہے مہروان توں

جو جوش آئے دریا تیرے پیار کا
گنہ دھ سٹے تِل میں سینسار کا

مناجات کے آخری اشعار میں اللہ رب العزت سے عشق کی دولت طلب کرتے ہیں اور کہتے ہیں:

دے مُنج عشق مجنون سے دیوانے کا
پلامے محبت کے میخانے کا

محبت کیرا مے جو پیتا اہے
مرگ اس کوں نیں جم وہ جیتا اہے

محبت کی مے کوں پلا توں منجے نکو مار دائم جلا توں منجے
جو جگ میں سدا کال جیتا اچھوں محبت کیرے مے کوں پیتا اچھوں

۱۱۰؎

۲۴۔ غواصی، محمد قلی قطب شاہ اور وجہیؔ کا ہم عصر تھا۔ قلی قطب شاہ کے عہد میں وہ وجہیؔ کا حریف بن کر میدان میں آ چکا تھا لیکن وجہیؔ کی ملک الشعرائی کے آگے اس کی شاعری کا چراغ جل نہ سکا، بلکہ دونوں میں معاصرانہ چشمک تھی۔ غواصی نے ۱۶۱۶ء تا ۱۶۱۸ء کے دوران ایک مثنوی ''سیف الملوک و بدیع الجمال'' تصنیف کی جو دو ہزار سے زائد اشعار پر مشتمل ہے۔ قلی قطب شاہ کی وفات ۱۶۲۵ء کے بعد عبداللہ قطب شاہ نے غواصیؔ کی سرپرستی کی اور وہ دربارِ شاہی سے متعلق ہو گیا تو اس کی قسمت کا ستارہ چمک اٹھا۔ غواصیؔ کی دوسری مثنوی 'طوطی نامہ' ہے جو چار ہزار ابیات پر مشتمل ہے۔ یہ مثنوی اس نے ۱۶۳۹ء میں مکمل کی۔ غواصیؔ کی تیسری مثنوی 'مینا ستونتی' بعد میں دریافت ہوئی۔ اس کے مرتب ڈاکٹر غلام عمر خان کے مطابق یہ غواصیؔ کی پہلی تصنیف ہے۔
۱۱۱؎

غواصیؔ کے یہاں حمد کے اشعار میں اللہ کی وحدانیت، صفاتِ حسنہ حاکمیت و شان و شوکت کے مضامین کے ساتھ عاجزی و استغاثے کے مضامین بھی نظر آتے ہیں۔ دعا و مناجات کا پیرا یہ بھی نہایت پرگداز ہے۔ حمد و مناجات کا دلکش نمونہ ملاحظہ ہو:

الٰہی جگت کا الٰہی سو توں کر نہار جم بادشاہی سو توں
ترے حکم تل نو گڑھ اسمان کے رعیت ملک تیرے فرمان کے
جہاں لگ جو بادل کے ہیں گڑگڑاٹ تری فتح دولت دمامے کے ٹھاٹ
ہتی تیرے دربار کے پہاڑ سب چھڑی دار تجھ دار کے جھاڑ سب
تری بادشاہی کو کچھ انت نیں ترے ملک میں غیر کو پنت نیں
چندا میں تے توں چندنا کاڑتا سورج تے گرم دھوپ توں پاڑتا
ہریا کر رکھیا توں زمیں سات کوں دیا رنگ پھل پھول ہور پات کوں
غواصی جو تجھ دار کا خاک ہے تری بات کا محض خاشاک ہے

دکھا کیمیا کر تو مجھ خاک کوں دے رنگ باس مجھ دل کو پھل پھانک کوں

(سیف الملوک بدیع الجمال)

کہوں حمد میں پاک رحمن کا کہ او حمد زیور ہے ایمان کا

ثنا حمد اس کوں سزا وار ہے کہ دو جگ کوں پیدا کر نہار ہے

(مینا ستونتی)

'دعا و مناجات' میں غواصی کا رنگ سخن دیکھئے:

رحیما سچا توں غنی ہوئے اے غنی تجھ بغیر از نہیں کوئی اے

تو مقبول ہے مقبلاں کا سچیں تہیں نور روشن دلاں کا سچیں

حو ہوں یا الٰہی تیرا داس میں کیا ہوں بہت اک تری آس میں

طراوت دے مجھ آس کے باغ کوں دوا بخش مجھ درد کے داغ کوں

وفا میں بڑا کر جواں مرد مج ترے باٹ کا کر کے رکھ گرد مج

بحقِ نبی ﷺ جو ہے تیرا رسول مناجات غواص کا کر قبول ۱۱۲؎

۲۵۔ ابن نشاطی (۱۶۲۶ء......۱۶۷۲ء) عہد عبداللہ قطب شاہ کا وہ نامور شاعر ہے، جس نے دربارِ سے بے نیاز رہ کر بھی دربارِ ادب کو ''پھولبن'' جیسی لافانی یادگار عطا کی۔ اس کا اصل نام شیخ محمد مظہر الدین فخر الدین ابن نشاطی تھا یہ گولکنڈہ کا باشندہ تھا اور مذہباً شیعہ تھا۔ فیروزؔ، حسنؔ شوقی اور ملا خیالیؔ اس کے پیش رو تھے۔ ''پھول بن'' ۱۷۴۴ اشعار کی طویل مثنوی ہے، جس میں ابن نشاطیؔ نے اپنے شاعرانہ جو ہر بڑے سلیقے کے ساتھ دکھائے ہیں۔ ابن نشاطیؔ سے قبل شعرا نے فارسی رنگ و آہنگ، اسالیب و اصناف کی روایت کو اردو شاعری میں سمونے کا عمل تخلیق کیا تھا۔ ابن نشاطیؔ نے بھی اسی روایت کو نہ صرف قبول کیا بلکہ 'پھولبن' میں فارسی رنگ، اسلوب اور اندازِ فکر کے پھول کھلائے۔ابن نشاطی بنیادی طور پر انشا پرداز تھا بقول جمیل جالبی:

''پھولبن کی یہ انفرادیت ہے کہ ابن نشاطی نے 'نظم' میں ''انشا'' کی خوبیاں شامل کر دی ہیں۔''۱۱۳؎

یہ مثنوی سترہویں صدی کے چھٹے عشرے میں لکھی گئی۔ اس مثنوی کا اسلوب قدیم گراں بار اسلوب کے بجائے سبک اور شگفتہ ہے ابن نشاطی کے درج ذیل حمد یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

اول میں حمد رب العالمین کا	دل و جان سوں کہوں جاں آفرین کا
خداوند تجے ہے جم خدائی	ہمیشہ تجکوں ساجے کبریائی
ازل کوں نیں سمج تیرا بدایت	ابد کوں فہم نیں تیرا نہایت
ملا کر ایک جاتوں کا ف ہور نوں	دکھایا اپنا قدرت جگت کوں
گگن ہور دھرت کو دیتا توں ہستی	بلندی اوس کوں دیتا اسکوں پستی
سُرج ذرہ ہے تیرے نور کا ئیک	چندر قطرہ ہے تجہ سمدور کا ئیک
فلک کے بحر میں بے باد باں توں	توے چند کی کیا کشتی رواں توں

۱۱۴؎

۱۳۶ اشعار پر مشتمل اس حمد کے آخری اشعار میں دعا کرتے ہیں۔

سدا ابن نشاطی کوں اے سجاں	کرم کر توں کرم کر ہوں مہربان
مرے دائم دعا کے پھول بن کوں	تو رک تازہ قبولیت کے میہوں سوں ۱۱۵؎

مذکورہ بالا حمد کے چوتھے شعر میں شاعر نے کاف اور نون سے حرفِ کن مراد لیا ہے اور اس طرح دیگر اشعار میں بھی قرآنی موضوعات سے مضامین اخذ کیے ہیں۔ ''مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات'' میں بھی ہمیں آیاتِ الٰہی کو تشخیص کرنے کی صورت میں نظر آتی ہے مثلاً

لا تقنطوا من رحمۃ اللہ (۳۹/ ۵۳)

ترجمہ: ''اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو'' کو اپنے مناجات کی زینت بناتے ہیں:

الٰہی غیب کے پردے ستی توں	مرے مطلب کے شاہد کا دکھا موں
توں کر دل کوں مرے آئینہ کردار	محبت کا جو دیکھوں تس میں دیدار
مجے تجہ عشق میں ثابت قدم رک	سدا عزت کی صف میں محترم رک
محبت سوں تری دے آشنائی	کہے ہیں، آشنائی روشنائی

وہ کیا رحمت ہے تیرا اللہ   کیا لا تقنطوا من رحمة اللہ

گنہ کوں گرچہ میرے نیں ہے غایت   وے رحمت ہے تیرا بے نہایت

کدورت سوں صفا کر راہ میرا   نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوں کر شفاعت خواہ میرا

۱۴ے

مذکورہ بالا مناجات میں زبان و بیان کی سادگی کے ساتھ ساتھ ندرت وجدت اور درد و اثر بھی موجود ہے۔

۲۶۔ قاضی محمود بحری (م ۱۱۳۰ھ/ ۱۷۱۷ء) بھی تصوف و شاعری میں ممتاز حیثیت کے مالک تھے۔ اردو و فارسی کے ایسے قادر الکلام شاعر تھے کہ ۱۰۹۷ھ/۱۶۸۵ء تک اردو فارسی میں پچاس ہزار اشعار کہہ چکے تھے۔ اورنگزیب عالمگیر کی فتح بیجاپور ۱۶۸۵ء کے بعد آپ حیدر آباد روانہ ہوئے، راستے میں ڈاکوؤں نے سب مال اسباب لوٹ لیا، جس میں ان کا کلام بھی شامل تھا۔ آج ان کے اردو دیوان کے علاوہ مثنوی ''من لگن'' اور ''بنگاب نامہ'' ان سے یادگار ہے۔

'بنگاب نامہ' میں (بنگاب یعنی بھنگ آب، بھنگ کا پانی) بارہ بند ہیں، ہر بند کو 'جام' کا نام دیا گیا ہے اور ہر جام میں بھنگ کی تعریف اس طور پر کی گئی ہے کہ اس سے روحانیت کے اسرارِ نہاں اور عشقِ حقیقی کی باطنی صفات سامنے آتی ہیں ۱۱۷ے ڈاکٹر جمیل جالبی کے الفاظ میں:

> ''مثنوی ''من لگن'' کا موضوع بھی تصوف ہے۔ اس میں تصوف کے ایسے ہی اصول بیان کیے گئے ہیں جو جانمؔ و اعلیٰؔ کے ہاں ملتے ہیں۔ فلسفۂ وحدت الوجود پر روشنی ڈال کر تزکیہ نفس و اصلاح اخلاق کا درس دیا گیا ہے۔ فنی اعتبار سے اس میں تسلسل نہیں ہے جو دوسری دکنی مثنویوں میں ملتا ہے۔ ''من لگن'' الگ الگ ٹکڑوں پر مشتمل ہے جن میں حکایت وتمثیل کے ذریعے تصوف کے رموز و نکات سمجھائے گئے ہیں۔ پوری مثنوی میں ایک مخصوص راگ کا احساس ہوتا ہے جو زبان کی قدامت کے باوجود آج بھی روح پر اثر انداز ہوتا ہے۔ عشق کی آگ اور اس کا سوز وگداز بحریؔ کی شاعری میں اثر و تاثر کو گہرا کر دیتا ہے۔'' ۱۱۸ے

بحریؔ کی زبان بنیادی طور پر دکنی ہے۔ ان کی زبان پر فارسی روایت کے اثرات بھی نظر آتے ہیں۔ مگر بالآخر ان کے یہاں شمال کی زبان کے بجائے دکنی غالب آ جاتی ہے۔ ان کی مثنوی 'من لگن' محمد سخاوت مرزا نے ۱۹۵۵ء میں مرتب کی تھی اور اسے انجمن ترقی اردو، کراچی نے زیورطبع سے آراستہ کیا تھا۔ ذیل میں ابتدائی پچاس

حمدیہ اشعار میں سے انتخاب درج ذیل ہے۔

اے روپ ترا رتی رتی ہے
پربت پربت پتی پتی ہے

پربت میں ادک نہ کم پتی مین
یکسا رہے راس ہور رتی میں

ہوریون بی کھے نجائے تجہ کون
جو بیچ جگ کے جائے تجہ کون

واحد کھنا تجیچ ساحے
شاہد تجے بولنا برا جے

مطلق توں علیم علم تیرا
ہر دل کے بھتر دیا ہے ڈیرا

توں یک یوں تمام رنگ تیرے
توں جل ہے یو جل ترنگ تیرے

آگے پچھے اوپر تلے توں
ہر ہر جانب میں جھل جھلے توں

توں شمع ہے من کے انجمن کا
شاہد ہے بل انجمن کے من کا

دیگر در توحید

اللہ بڑا سانچہ ہے سانچہ
جس تے یو ٹھنڈک یو آنچہ ہے سانچہ

یک کن سوں یو کائنات کا ڑیا
یک جیب سوں لک نکات کاڑیا

قدرت سوں اپس کیا ہے ظاہر
یو جھاڑ، یوجانور، جواہر

جن روز کوں رات میں جنایا
بل روز کوں رات میں بنایا

یک ذات سوں سو صفت جناوے
یک پات سوں لک چمن بناوے

اوصاف تے صاف حق ہے الحق
او پاک تے پاک ذات مطلق ۱۱۹؎

مندرجہ بالا حمدیہ اشعار کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ بحریؔ، حمد کہتے ہوئے ’اسما الحسنیٰ‘ سے بھی مدد لیتے ہیں۔ اور صفات الٰہی شعر سے مزین کرتے ہیں۔ صفات حسنہ ذات باری مثلاً علیم، شاہد، الحق کی مثالیں بھی دیتے ہیں اور قرآنی آیات کے مفاہیم سے بھی حمد کو سجاتے ہیں مثلاً

یک کن سوں یو کائنات کاڑیا
یک جیب سوں لک نکات کاڑیا

میں درج ذیل آیت مبارکہ کی طرف اشارہ ہے:

بدیع السموت والارض ؕ واذا قضی امرا فانما یقول لہ کن فیکون (۲۵) / ۱۱۷)

ترجمہ: وہ آسمانوں اور زمین کو بغیر کسی نمونے کے پیدا کرنے والا ہے۔ وہ جب کسی امر کا فیصلہ کر لیتا ہےتو فقط اتنا کہنا ہے کہ ہو جااور وہ ہو جاتا ہے۔ اسی طرح یہ شعر:

جن روز کوں رات میں جنایا
بل روز کوں رات میں بنایا

میں اس آیت قرآنی کا مفہوم مضمر ہے:

الم تر ان اللہ یولیج الیل فی انہار و یولج النہار فی الیل (۲۹/۳۱)

ترجمہ: کیا تو نے نہیں دیکھا کہ اللہ دن میں رات اور رات میں دن کو داخل کرتا ہے۔

فصل ششم:

دکنی روایت کا نقطۂ تکمیل

ولیؔ اور اس کے معاصرین کے کلام اور اس کی ادبی خصوصیات سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ شمالی دکن کے سیاسی اور معاشرتی ماحول کا ذکر کیا جائے۔ یوں تو دکن میں اردو ادب کی داغ بیل صدیوں پہلے پڑ چکی تھی، مگر ولیؔ اور اس کے معاصرین کی زبان اور اندازِ بیان میں جو جدت اور فصاحت موجود ہے، وہ دکنی ادب سے کچھ مختلف ہے۔ اس لیے اس ادب کے محرکات کو جاننا ضروری ہو جاتا ہے۔

۱۰۹۸ھ/ ۱۶۸۶ء میں قطب شاہی سلطنت ختم ہوگئی اور مغلوں کی وساطت سے شمال، جنوب پر غالب آ گیا۔ ۱۰۹۷ھ/ ۱۶۸۵ء میں بیجاپور پہلے ہی اس انجام سے دو چار ہو چکا تھا۔ گولکنڈہ اور بیجاپور کی ریاستیں شاہجہان کے عہد میں مغلیہ شہنشاہیت کی باج گزار بن گئیں بیس سال سے زائد وہ دکن میں صوبہ دار کی حیثیت سے حاکم رہا۔ اس زمانے میں اورنگ آباد، گلبرگہ اور شمالی دکن کے دیگر شہر معاشرتی، ثقافتی اور ادبی مشاغل کے مرکز بننے لگے۔

گولکنڈہ اور بیجاپور کی دو سالہ معاشرتی اور ثقافتی روایتیں اس نئے ثقافتی ماحول کی پشت پر تھیں، اس لئے یہ بات تعجب انگیز نہیں ہونی چاہیے کہ اردو ادب کا دوسرا دوراورنگ آبادی شعرا سے شروع ہوتا ہے اور اس کا سب سے بڑا شاعر ولیؔ دکنی جدید اردو ادب کا پہلا شاعر قرار پاتا ہے۔

''ولی کو ہم چاہیں تو دکنی تہذیبی و ثقافتی روایت کی آخری تیز بھڑک قرار دیں اور اگر چاہیں تو آئندہ شمال میں پھلنے پھولنے والی ادبی روایت کا نقطۂ آغاز تسلیم کریں۔ بات ایک ہی ہے کیونکہ ہر آخر اول بھی ہوتا ہے۔'' ۱۲۰؎

۲۷۔ ولی دکنی (م ۱۱۱۹ھ) ولی محمد نام، ولی تخلص، دکنی تھا۔ گجرات میں ایک مدت قیام رہا۔ حضرت شاہ وجیہہ الدین سے روحانی فیض پایا۔ بعد میں دکن اورنگ آباد میں وارد ہوا۔ دلی اور اورنگ آباد جب گھر آنگن بنے تو ولی بھی ۱۷۰۰ء میں سید ابو المعالی کے ہمراہ دلی کے سفر پر روانہ ہوا۔ یہیں شاہ سعد اللہ گلشن (م ۱۱۴۱ھ/۱۷۲۸ء) سے اس کی ملاقات ہوئی اور اردو ادب کا وہ تاریخی واقعہ پیش آیا جس نے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے زبان و ادب کا رخ بدل دیا۔ ولی کی یہی اولیت و اہمیت ہے کہ اس نے ''ایک زبان کو دوسری سے ایسا بے معلوم جوڑ لگایا کہ آج تک زمانے نے کئی پلٹے کھائے مگر پیوند میں جنبش نہیں آئی۔'' ۱۲۱؎ اور جب اس کا دیوان دلی پہنچا'' تو اشتیاق نے ادب کے ادب ہاتھوں پر لیا، قدردانی نے غور کی آنکھوں سے دیکھا، لذت سے زبان نے پڑھا، گیت موقوف ہو گئے۔ قوال معرفت کی محفلوں میں انہیں کی غزلیات گانے بجانے لگے، ارباب نشاط یاروں کو سنانے لگے رہتے تھے تو انہیں دیوان بنانے کا شوق ہوا۔'' ۱۲۲؎

''ولی کی شاعری کے چار نہایت اہم پہلو ہیں۔ تاریخی، ثقافتی، فنی اور جمالیاتی۔ تاریخی لحاظ سے وہ اس وجہ سے اہم ہے کہ اس کے زیر اثر شمالی ہند میں جدید شاعری کا آغاز ہوا اور رفتہ رفتہ یہ اسلوب تمام ملک پر چھا گیا۔ اس لئے اگر آزاد کے الفاظ میں اسے اردو شاعری کا باوا آدم کہا جائے تو یہ بے جا نہ ہو گا۔ لسانی لحاظ سے اس لئے وقیع ہے کہ اس سے پتا چلتا ہے کہ اس کے دور میں شمالی ہند کی زبان گجرات اور دکن میں عام طور پر رائج ہو چکی تھی اور وہ ٹھیٹھ ہندی یا دراوڑی عناصر جو اس کے پیش رووں کے کلام میں کثرت سے ملتے ہیں، غائب ہو رہے تھے یا پسپائیت کی حالت میں تھے۔ فنی لحاظ سے اس کی شاعری اس کی قادر الکلامی پر دلالت کرتی ہے اور جمالیاتی نقطۂ نظر سے اس کا منتخب کلام قاری کو وہ فرحت بخشتا ہے جو فنون لطیفہ کا فرض اولین شمار ہوتا ہے۔'' ۱۲۳؎

''ولی کی شاعری کا بیشتر رنگ عاشقانہ ہے۔ اسے حسن و جمال کا شاعر قرار دیا جاتا ہے۔ اس

کے کلام میں صوفیانہ رنگ بھی ہے اور وہ عشقیہ زبان میں روحانی تجربات بیان کرتا ہے۔ ڈاکٹر محمد صادق، ولیؔ کے کلام میں صوفیانہ رنگ کا انکار کرتے ہیں ان کے خیال میں ولیؔ کے کلام میں حسن ابدی کی جھلک کے جو مضامین گاہ بگاہ ملتے ہیں وہ ''تصوف برائے شعر گفتن'' کے تحت آتے ہیں اور اس کے دیوان کے مطالعہ سے اس کی کھلم کھلا تکذیب ہوتی ہے۔'' ۱۲۴؎

مگر ولیؔ کے کلام سے رنگ تصوف کی درجنوں مثالیں ہمارے سامنے آتی ہیں اور اس کے کلیات کی ابتدا ہی حمد سے ہوتی ہے:

کیتا ہوں تیرے ناووں کوں میں ورد زبان کا　　　کیتا ہوں تیرے شکر کوں عنوان بیاں کا

جس گرد اپر پاؤں رکھے تیرے رسولاں　　　اس گرد کوں میں کحل کروں دیدۂ جاں کا ۱۲۵؎

دیکھنا ہر صبح تجھ رخسار کا
ہے مطالع مطلع الانوار کا ۱۲۶؎

عیاں ہے ہر طرف عالم میں حسن بے حجاب اس کا
بغیر اس دیدۂ حیراں نہیں جگ میں نقاب اس کا
ہوا ہے مجھ پہ شمع بزم یک رنگی سے یوروشن
کر ہر ذرے اُپر تاباں ہے دائم آفتاب اس کا ۱۲۷؎

ہر ذرۂ عالم میں ہے خورشید حقیقی
یو بوجھ کہ بلبل ہوں ہر اک غنچہ دہاں کا ۱۲۸؎

ولیؔ اس کی حقیقت کیونکہ بوجھے
کہ جس کا بوجھنا حدِ بشر نئیں ۱۲۹؎

خالص توحید کے تاثرات پر مبنی غزل کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

اے ولی غیر آستانہ یار
جبہ سائی نہ کر خداسوں ڈر ۱۳۰؎

جو ولی ہے مرجع ہر جزو کل
وہ مرا مقصود جان و تن ہوا ۱۳۱؎

حمدیہ قصیدے میں ولی اپنی عقیدت و ارادت کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

لے زباں پر تو اول اول نام پاک خدائے عزوجل
لائق حمد نہیں ہے اس بن اور اس اُپر متفق ہیں اہل ملل
یاد اس کی ہے سب اُپر لازم شکر اس کا ہے مدعائے سکل
آسماں اور زمیں کے سب ساکن یاد کرتے ہیں اس کوں ہر پل پل
شکر اس کا محیط اعظم ہے وہ ہے سلطان بارگاہ ازل
اس کے بھیتر اگر شناور ہوں روز محشر تلک سکوں نہ نکل ۱۳۲؎

نعتیہ قصیدے کا آغاز بھی حمدیہ شعر سے کرتے ہیں:

عشق میں لازم ہے اول ذات کوں فانی کرے
ہو فنا فی اللہ دائم یادِ یزدانی کرے ۱۳۳؎

ولی کے کلام میں ایک مثنوی مناجاتی مضامین و انداز میں ہے۔ ولی اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا گو ہیں کہ اے اللہ مجھے عشق کا داغ دے، راز طریقت سے آگاہی بخش۔ ابواب حقیقت دل پر کھول دے۔ معرفت عطا کر۔ یہ سب دعائیں ملتجیانہ انداز میں یوں کرتے ہیں:

الٰہی دل اُپر دے عشق کا داغ یقیں کے نین میں سُٹ کحل ما زاغ
الٰہی عشق میں عشاق کر مجھ اپس کے شوق کا مشتاق کر مجھ
شریعت کا جہاں ہے شارع عام یہ تن کا دھانچہ کر آغاز و انجام
عیاں کر دل اُپر رازِ طریقت سنے پر کھول ابوابِ حقیقت
پرکھنے معرفت کا جوہر صاف اپس کے فیض سوں کر دل کوں صراف

یہ دل معمور کر جیوں شیشۂ مُل	پریشانی نہ دے مانند سنبل
محبت کی عطا کر مے پرستی	اپس کی معرفت کی بخش مستی
شتابی سوں دے اے ساقی مہرباں	برہ کا جام جیوں سورج درخشاں

۱۳۴؎

۲۸۔ سید سراج الدین سراج اورنگ آبادی (۱۷۱۵ء......۱۷۶۳ء) سراجؔ کا اصل نام سید سراج الدین تھا۔ اورنگ آباد میں پیدا ہوئے۔ ان کا خاندان حسینی سادات سے تھا۔ سراجؔ نے انیس برس کی عمر میں شاہ عبدالرحمن سے بیعت کی۔ ۱۱۵۲ھ میں مرشد کے حکم پر شاعری ترک کر دی۔ لیکن ''بوستان خیال'' ۱۱۶۰ھ میں لکھی گئی۔ یہ مثنوی سراجؔ کی آپ بیتی قرار دی جاتی ہے۔ سراجؔ نے چھوٹی بڑی باری مثنویاں لکھی ہیں۔ لیکن ''بوستان خیال'' ان کی معروف مثنوی ہے۔ وہ ولیؔ کے بعد اور دور میرؔ وسوداؔ سے پہلے کے درمیانی عرصے کے سب سے بڑے شاعر ہیں، جن کی پُرگوئی، جوشِ طبع اور رنگ سخن کو کوئی دوسرا نہیں پہنچتا ۱۳۵؎ ۱۱۶۹ھ میں اساتذہ فارس کے دیوانوں کا انتخاب مکمل کیا جو اب نایاب ہے۔ اس کا نام'' منتخب'' دیوان ہا'' تھا۔ اخیر عمر میں درویشی اور فقیری کا غلبہ تھا۔ پچاس برس کی عمر میں وفات پائی۔ سراجؔ کی غزل جس کا مطلع خبر تحیر عشق سن، نہ جنوں رہا نہ پری رہی'' اردو ادب میں یادگار ہے۔ ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط لکھتے ہیں:

> ان کی شاعری کی عمر بہت ہی کم ہے لیکن اس کم عمری میں جوانی کا جوش اور بڑھاپے کا تجربہ سبھی کچھ آ گیا ہے۔ بارہ سال کی عمر میں ہی عشق کی سرشاری نے ان کے اندر جذب ومحویت کی کیفیت طاری کر دی اور اسی عالم بے خودی میں اشعار کا سونا ان کے منہ سے پھوٹ پڑا۔ عشق کے والہانہ جذبے اور درویشانہ جذب وشوق پر جب سراجؔ کے یہاں مذہب غالب ہوا تو ان کی شاعری نہ صرف توحید ومعرفت کے حقائق کے بیان، تنوع مثال اور ندرت مضامین کے لحاظ سے بصیرت افروز بنی بلکہ قلب کی اتھاہ پنہائیوں میں ایک ''سراج منیرا'' کا کام انجام دینے لگی کیونکہ ان کی شاعری واردات قلبیہ کا معطر اور شفاف نمونہ تھی، اس لئے اللہ تعالیٰ کی حمد وتوصیف میں شاعر کا عشق مادی آلودگی سے پاک ہے اور اس میں حق سبحانہ تعالیٰ سے صفات محمودی کا پرتو نظر آتا ہے۔'' ۱۳۶؎

سراؔج کی مثنویات سے حمد باری تعالیٰ کے عنوان سے اشعار ملاحظہ ہوں:

عجب قادر پاک کی ذات ہے
کہ سب ہے نفی اور وو اثبات ہے

اپس کی صفت آپ وو بے نظیر
کیا ہے علی کل شی قدیر

بلندی و پستی کوں پیدا کیا
ظہور تجلی ہویدا کیا

بنایا زمیں آسماں بے مثال
کیا غرب و شرق اور جنوب و شمال

دیا چاند سورج کوں نور و ضیا
فلک پر ستارے کیا خوش نما

عجب واقف عالم غیب ہے
جتے عیب ہیں سب سے بے عیب ہے

عجب صاحبی ہے خداوند کی
نہیں یاں رسائی خردمند کی ۱۳۷؎

ازل میں کیا نیست جس روز ہست
پلایا ہے ہم کوں شراب الست

۱۳۸؎

کہ احمد حقیقت کے میدان میں
کہا، ماعرفناک اس شان میں

۱۳۹؎

مندرجہ بالا اشعار میں قرآنی مفاہیم اور قرآنی آیات کے ٹکڑے منظوم کئے گئے ہیں مثلاً علی کل شی قدیر، شراب الست ماعرفناک وغیرہ ان سے سراج اورنگ آبادی کی ازروئے قرآن معرفت توحید و ذات باری کا ادراک ہوتا ہے۔ دیوان کی پہلی غزل میں بھی حمدیہ اور نعتیہ اشعار ہیں:

نام تیرا مطلع فہرست ہے دیوان کا
ہے زباں کا ورد خاصا اور وظیفہ جان کا
جی میں ''ویبقیٰ وجہ ربک'' کی سدا سمرن کوں پھیر
دور کر من سے خیال ''من علیھا فان'' کا
اے سراج اپنی خودی کوں بے خودی میں محو کر
شغل جاری رکھ ہر اک دم میں ہواالرحمن کا ۱۴۰؎

سراج اورنگ آبادی کے کلام میں مناجاتیں بھی ملتی ہیں۔ ان کی مناجاتیں عشق اور اخلاص و عقیدت کا

مرقع ہیں۔ ملاحظہ کیجیے:

الٰہی مجھے درد بے داغ دے　　مرے چشم میں کحل ما زاغ دے
صف عاشقاں میں نکر منفعل　　رواں کر مرے چشم میں خون دل
عطا کر مجھے اشک گرم، آہ سرد　　غم عشق میں مجہ کوں دے رنگ زرد ۱۴۱؎

ان اشعار کو پڑھ کر ذہن ''معا'' فارسی زبان کے ان معروف اشعار کی طرف جاتا ہے جہاں عاشقوں کی چھ نشانیاں مذکور ہیں۔

عاشقاں راشش نشانی ای پسر
رنگ زرد و آہ سرد و چشم تر
گر زمن پرسی کہ سہ دیگر کدام
کم خورو کم گفتن و خفتن حرام

سراجؔ اللہ تعالیٰ کی درگاہ سے دنیوی فوائد کے طلب گار نہیں ہیں بلکہ اخلاص کے ساتھ اس کا عشق مانگتے ہیں:

محبت میں اپنی مرے دل کوں کھینچ　　یہ آلودگی میں مجھے پاک کر
الٰہی مجھے محرم راز کر　　خزانے حقیقت کے سب باز کر

۱۴۲؎

مناجات بہ حضرت ذوالجلال وختم ''بوستان خیال'' میں آرزومند ہیں کہ پروردگار دنیاوی بتوں سے ان کا دل پھیر دے، ان کی زلفوں، جامہ زیبیوں، الفت کی زنجیروں، ان کے تبسم،تکلم،غرض ہر چیز سے دل پھیر کر اپنے حبیبوں کی غلامی میں دے دے۔ یہاں وہ احسن انداز میں بڑی ترتیب کے ساتھ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم، پنج تن پاک اور پھر بارہ امامین کا نام وار واسطہ دے کر، اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں اور دعا کرتے ہیں:

پھرا دل مرا صحبت غیر سے　　کہ کعبے طرف جاؤں اب دیر سے
گزر گئی مری بت پرستی میں عمر　　کٹی غفلت و جہل و مستی میں عمر
میں اب چاہتا ہوں کہ ہوشیار ہوں　　اب اس خواب غفلت سے بیدار ہوں

۱۴۳؎

ایک اور مناجات میں اپنی شاعری میں تاثیر، روانی، عظمتِ فکر، لطافت معنی اور دل نشینی کی دعا ان الفاظ میں

کرتے ہیں۔ ذیل کی مناجات کا ایک اور وصف یہ ہے کہ اس کا ہر بیت لفظ الٰہی سے شروع ہوتا ہے۔ ملاحظہ کیجئے:

الٰہی دے مجھے رنگیں خیالی — سخن کے باغ کا کر مج کوں مالی
الٰہی کر عطا روشن بیانی — مرے اشعار کو توں دے روانی
الٰہی مج سخن میں دے لطافت — گل معنی میں دے رنگ نزاکت

۱۴۴؎

ان کے دیوان میں بھی جا بجا عشق حقیقی کے سچے اور خالص جذبات سے معمور شاعری ملتی ہے۔ ایک غزل کی ردیف ہی ''خدا خیر کرے'' ہے اسے ہم 'مناجاتی غزل' کا نام دے سکتے ہیں:

رات دن نالہ و زاری ہے خدا خیر کرے — بار تجھ ہجر کا بھاری ہے خدا خیر کرے
کب مرے چاند کے آنے سے اجالا ہو گا — ہجر کی رات اندھاری ہے خدا خیر کرے
دل پُرآہ سیں میرے وہ صنم ڈرتا نہیں — کالے ناگوں کی پٹاری ہے خدا خیر کرے

۱۴۵؎

۲۹۔ قاسم اورنگ آبادی ''قاسم اورنگ آبادی کے سال ولادت و وفات کا علم نہیں ہو سکا۔ بقول محمد سخاوت مرزا وہ سراجؔ اورنگ آبادی کے معاصر تھے۔ ان کا مسلک صوفیانہ اور وہ چشتی الطریق بزرگ تھے۔ وہ حضرت امین الدین اعلیٰ بیجاپوری کے پانچ واسطوں سے مرید تھے۔ ان کا لباس دوریشانہ تھا اور وہ متوکلانہ زندگی بسر کرتے تھے۔'' ۱۴۶؎

ان کے دیوان کا آغاز نعت سے ہوتا ہے۔ جس کی خوبی یہ ہے کہ وہ شروع سے آخر تک صنعت عاطلہ یا مہملہ میں لکھی گئی ہے۔ ابتدائی دو اشعار ملاحظہ ہوں:

ورد ہر دم اسم رکھ اللہ کا
گرد ہو راہ رسول اللہ کا
لا الہ کہہ کے الا اللّٰہ کہہ
ورد رکھ کلمہ رسول اللّٰہ کا ۱۴۷؎

حمد و مناجات کے ملے جلے موضوعات پر مشتمل کلام دیکھئے:

میں کیا زباں میں وصف کروں بے نیاز کا

واں کام نئیں ہے عقل و خرد امتیاز کا

طوفاں سے مجکو بحر قیامت کا خوف نہیں

ہے نا خدا، خدا مرے دل کے جہاز کا

جلدی سیں پاؤں گوہر مقصود بھید کے

غواص کر خدا مجھے دریائے راز کا ۱۴۸؎

ایک ترجیع بند بعنوان ''مناجات'' بھی ان کے دیوان میں ہے۔جس میں وہ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی توصیف و تحسین کرتے ہیں کہ وہ خدائے قادر ایک کن سے کیا کیا معجزے برپا کرسکتا ہے۔ان معجزوں کی مثالیں دیتے ہیں اور پھر اپنے محبوبِ مجازی کے وصال کی تمنا کرتے ہیں:

فضل کر فضل مجھ پر یا مولی — جدا اس وحشت و بلا میں چھوڑا

کام بگڑے ابھی سنور جاویں — گر ہو مجھ بیکسی پہ فضلِ خدا

اک داغِ جگر ہووے تو سہوں — حشر گزرے ہیں جان پر کیا کیا

حق وہ پتھر کو آب کر دکھلائے — خاک میں لعل اور گہر دکھلائے

آب زم زم وہ آب کوثر کا — چشمۂ شور میں اثر دکھلائے

کئی ہزاروں سے آتشِ نمرود — دم میں باغِ خلیل کر دکھلائے

کون سا کام ہے مرا اے دل — وہ ابھی چاہے دم میں کر دکھلائے

کیا کہوں بار بار یا مولیٰ — دل ہے بے اختیار یا مولیٰ

آرزو ہے کہ وہ گل رعنا — ہوئے میرا اختیار یا مولیٰ

شیشۂ شوق میں شتاب مرے — اوس پری کو اوتار یا مولیٰ ۱۴۹؎

مندرجہ بالا اشعار پڑھ کر قاسم کی سلاستِ زبان داد کی حقدار ٹھہرتی ہے اور ان کے اور سراجؔ کے کلام میں مماثلت بھی ظاہر ہوتی ہے۔

جائزہ:

جنوبی ہند میں اردو شاعری کا ابتدائی دور کم وبیش چار سو سال پر محیط ہے۔ اس دور میں حمد و مناجات کو بطور خاص اہمیت دینے والے تین قسم کے شعرا ہمارے سامنے ہیں۔

ا۔ صوفیائے کرام اور بزرگانِ دین

۲۔ سلاطین شعرا

۳۔ دربار شاہان سے وابستہ شعرا

اب ہم اسی ترتیب سے ان کی حمدیہ شاعری کا مختصر جائزہ پیش کرتے ہیں۔ جہاں تک صوفیائے کرام اور بزرگانِ دین کی حمدیہ شاعری کا تعلق ہے۔تو یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کی شاعری کا بنیادی مقصد ہی عوام میں دین، اخلاق اوراصلاح کی تبلیغ تھا۔ یہ صوفیا خود صاحب ذوق شاعر تھے اور دینی و مذہبی شاعری ان کی وارداتِ قلبی کا مظہر تھی۔ اس لئے ان کی حمدیہ شاعری تاثر وتاثیر کی حامل ہے۔

ان بزرگانِ دین شعرا نے تبلیغ کے مقصد کے پیش نظر سادہ اور سلیس زبان اختیار کی اور شاعری کے لیے بھی وہ اصناف منتخب کیں جو عوامی تھیں مثلاً جکری، دوہرے، گیت، چکی نامہ اور جھولنا وغیرہ۔ ان اصناف کے اپنانے سے ان کا مقصد ''ہاتھ کام میں اور زبان ذکر الٰہی میں'' تھا۔ ان کی حمدیہ شاعری کی زبان عام فہم اور اوزان بیشتر ہندی بحور میں تھے جس سے موسیقیت اور نغمگیت ان کے کلام میں اہم جز بن گئی۔

دوسری قسم کے شعرا، سلاطین شعرا تھے۔ جو خود صاحب ذوق بھی تھے اور شعر گوئی کی صفت سے بہرہ ور تھے۔ حمدیہ شاعری میں ہمیں یہ شاہانِ جہان شاہ شاہان این جہان و آن جہان کے آگے سجدہ ریز دکھائی دیتے ہیں۔ اس حقیقی خدا کی تعریف کرتے ہیں جو سزاوارحمد ہے۔ ان کی دعا و مناجات کی طرف نظر دوڑایئے تو یہ دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوتی ہے کہ اپنے لیے تو وہ دعا گو ہیں ہی، اپنی رعایا کے لیے بھی دعا کرنے والے بادشاہ ہیں۔ ان کی حمدیہ و دعائیہ شاعری سے اس عہد کے معاشی و معاشرتی حالات پر بھی روشنی پڑتی ہے۔

وہ عام شعرا جو یا تو دربار سے وابستہ رہے یا بے نیاز رہے، انہوں نے شاعری کی تقریباً ہر صنف مثلاً مثنوی، قصیدہ، مرثیہ، غزل، رباعی، قطعہ، مخمس وغیرہ میں حق شاعری ادا کیا اور حمد الٰہی کہی۔ کلام کا آغاز، حمدِ الٰہی سے کرنے کی روش نے بھی آہستہ آہستہ زور پکڑا۔ دکنی زبان کے ساتھ فارسی کی آمیزش بھی ہونے لگی۔ بالخصوص جہاں دکنی شعرا، حمد الٰہی میں آیاتِ الٰہی اور احادیث رسول ﷺ تضمین کرنے کی کوشش کرتے ہیں، وہاں عربی و

فارسی کے الفاظ استعمال کیے بنا چارہ نہیں رہتا۔ اس طرح دکنی زبان پر ریختہ کے اثرات بھی نظر آنے لگے۔

حمدیہ و دعائیہ شاعری کے موضوعات میں اسمائے الٰہی کو منظوم کرنے کا رواج بھی نظر آتا ہے۔ اس کے علاوہ خدا کی عظمت و کبریائی، اس کا مربوط و منظم نظام کائنات، اس کی حکمتیں بھی شعرا بیان کرتے ہیں۔ متصوفانہ حمد میں وحدت الوجودی نظریے کی شاعری میں توضیح کی جارہی ہے اور دعاؤں میں خدا سے اس کی صفات کے وسیلے سے استمداد و استعانت اور استغاثہ کے ساتھ مغفرت کی دعائیں بھی مناجاتیہ شاعری کا حصہ ہیں۔

☆......☆......☆

حوالے

۱۔ امیر خسرو: **خالق باری مشمولہ لآلی عمان موسوم بہ جواھر خسروی**، (مرتبہ) محمد امین عباسی چڑیا کوٹی، علی گڑھ: انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ کالج، ۱۳۳۶ھ، ص۱

۲۔ سرخوش، شیر علی خاں: **تذکرہ اعجاز سخن**، ج۱، مطبع ندارد، بار اول، س ن، ص ۹۱

۳۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر: **اردو ادب کی تاریخ، ابتدا سے ۱۸۵۷ تک**، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۳، ص ۳۵

۴۔ مطیر، بلجیت سنگھ: **اردو کا مکمل باغی شاعر۔ کبیر**، بہادر گڑھ رہتک (ہریانہ): کا یا پبلی کیشنز،

۱۹۸۴ء، ص ۱۲

۵۔ نیاز فتحپوری: مضمون ''ہندی شاعری کی تاریخ''، مشمولہ، نگار، ہندی شاعری نمبر، فروری، مارچ ۱۹۸۴، ص ۱۰

۶۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر: اردو ادب کی تاریخ، ص ۳۶

۷۔ نگار: ہندی شاعری نمبر، ص ۸۶

۸۔ ہری اودھ: بھگت کبیر، فلسفہ و شاعری، (ترجمہ) سرسوتی سرن کیف، لاہور: فکشن ہاؤس اشاعت اول ۲۰۰۲ء، ص ۲۱، ۲۲

۱۰۔ نگار: ہندی شاعری نمبر، ص ۱۶۱

۱۱۔ غلام ربانی: مضمون، ''خان خاناں کی ہندی شاعری''، الفاظ کا مزاج، نئی دہلی: مکتبہ جامعہ لمٹیڈ: ۱۹۸۳ء، ص ۱۰۷

۱۲۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۰۹

۱۳۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۱۰

۱۴۔ نگار: ہندی شاعری نمبر، ص ۱۶۵

۱۵۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر: اردو ادب کی تاریخ، ص ۵۸

۱۶۔ الف۔ د، نسیم، ڈاکٹر: مشائخ اور دوسرے مصنفین، مشمولہ ''تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، ج۱، ص ۱۵۴

۱۷۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر: تاریخ ادب اردو، ج۱، ص ۱۰۷

۱۸۔ ریاض مجید، ڈاکٹر: اردو میں نعت گوئی، لاہور: اقبال اکادمی، طبع اول ۱۹۹۰، ص ۱۷۴

۱۹۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر: تاریخ ادب اردو، ج۱، ص ۱۰۸، ۱۰۹

۲۰۔ سید یحییٰ نشیط، ڈاکٹر: اردو کی متصوفانہ حمدیہ شاعری، نعت رنگ، حمد نمبر، شمارہ نمبر ۷، اگست ۱۹۹۹، ص ۷۸

۲۱۔۲۲ مذکورہ حوالہ، ص ۷۹

۲۳۔ عاصی کرنالی: اردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کا اثر، کراچی: اقلیم نعت، ۲۰۰۱ء، ص ۲۵۱

۲۴۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر: تاریخ ادب اردو، ج ۱، ص ۱۱۱

۲۵۔ ریاض مجید، ڈاکٹر: اردو میں نعت گوئی، ص ۱۷۶

۲۶۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر: تاریخ ادب اردو، ج ۱، ص ۱۱۳

۲۷۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۱۴

۲۸۔ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، ج ۱، ص ۱۵۵

۲۹۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر: تاریخ ادب اردو، ج ۱، ص ۱۱۵

۳۰۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر: اردو ادب کی تاریخ، ص ۶۳

۳۱۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر: تاریخ ادب اردو، ج ۱، ص ۱۱۸

۳۲۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۱۸

۳۳۔ یحییٰ نشیط، سید، ڈاکٹر: نعت رنگ، حمد نمبر، ص ۸۱

۳۴۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر: تاریخ ادب اردو، ج ۱، ص ۱۲۳، ۱۲۴

۳۵۔ یحییٰ نشیط، سید، ڈاکٹر: اردو میں حمد و مناجات، ص ۳۳

۳۶۔ مذکورہ حوالہ، ص ۳۳

۳۷۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر: تاریخ ادب اردو، ج ۱، ص ۱۲۸

۳۸۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر: اردو ادب کی تاریخ، ص ۸۲

۳۹۔ نظامی دکنی: کدم راؤ پدم راؤ (مرتبہ) جمیل جالبی، ڈاکٹر، کراچی: انجمن ترقی اردو، بار اول ۱۹۷۳ء، ص ۲۵

۴۰۔ الف، د، نسیم، ڈاکٹر: مضمون بعنوان، مشائخ اور دوسرے مصنفین مشمولہ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، ج ۱، ص ۱۶۵

۴۲۔ عبدالحق، مولوی: اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا حصہ، کراچی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۸۶ء، ص ۲۱

۴۳۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر: تاریخ ادب اردو، ج۱، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۵ء، ص ۱۶۰

۴۴۔ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان ہند، ج۱، ص ۹۴

۴۵۔ الف۔ د۔ نسیم: ''مشائخ اور دوسرے مصنفین''، تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، ج۱، ص ۱۶۷

۴۶۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر: اردو ادب کی تاریخ، ص ۹۲

۴۷۔ عبدالحق، ڈاکٹر: قدیم اردو، کراچی: انجمن ترقی اردو، اشاعت اول ۱۹۶۱، ص ۸

۴۸۔ جمیل جالبی: تاریخ ادب اردو، ج۱، ص ۱۶۹

۴۹۔ یحییٰ نشیط، سید، ڈاکٹر: اردو میں حمد و مناجات، ص ۲۶

۵۰۔ عبدالحق، ڈاکٹر: قدیم اردو، ص ۱۳، ۱۴

۵۱۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۵

۵۲۔ عاصی کرنالی، ڈاکٹر: اردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کا اثر، ص ۲۵۱

۵۳۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر: اردو ادب کی تاریخ، ص ۹۹

۵۴۔ نصیر الدین ہاشمی: دکن میں اردو، لاہور: مکتبہ معین الادب، ۱۹۵۲ء، ص ۲۲۲

۵۵۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر: تاریخ ادب اردو، ج۱، ص ۲۳

۵۶۔ سید یحییٰ نشیط، ڈاکٹر: اردو میں حمد و مناجات، ص ۳۰

۵۷۔ فہمیدہ بیگم، ڈاکٹر: قدیم اردو نظم، نئی دہلی: ترقی اردو بیورو، ۱۹۹۵ء، ص ۲۵

۵۸۔ مولوی عبدالحق، ڈاکٹر: قدیم اردو، کراچی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۶۱ء، ص ۲۶

۵۹۔ مذکورہ حوالہ، ص ۳۱

۶۰۔ زور، محی الدین قادری، ڈاکٹر: دکنی ادب کی تاریخ، ص ۴۷

۶۱۔ مولوی عبدالحق، ڈاکٹر: قدیم اردو، ص ۵۲

۶۲۔ ۶۳ جمیل جالبی، ڈاکٹر: تاریخ ادب اردو، ج۱، ص ۳۰۹

۶۴۔ مذکورہ حوالہ، ص ۳۰۰

۶۵۔ مذکورہ حوالہ،ص ۳۰۲

۶۶۔ فہمیدہ بیگم، ڈاکٹر: قدیم اردو نظم ،حصہ اول،ص ۲۹

۶۷۔ مولوی عبدالحق، ڈاکٹر: قدیم اردو ،ص ۷۶

۶۸۔ مذکورہ حوالہ،ص ۸۵

۶۹۔ مذکورہ حوالہ،ص ۸۶

۷۰۔ مذکورہ حوالہ،ص ۹۰

۷۱۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر: تاریخ ادب اردو، ج ۱ ،ص ۳۲۴

۷۲۔ شاہی: کلیات شاھی، (مرتبہ) زینت ساجدہ، حیدرآباد دکن: اعجاز پرنٹنگ پریس ، ۱۹۶۲ء،ص ۱

۷۳۔ مذکورہ حوالہ،ص ۳، ۲

۷۴۔ یحییٰ نشیط ، سید، ڈاکٹر: اردو میں حمدو مناجات،ص ۱۷۸

۷۵۔ شاہی: کلیات شاھی ،ص ۴

۷۶۔ تبسم کاشمیری،ڈاکٹر: اردو ادب کی تاریخ،ص ۱۲۹،۱۲۸

۷۷۔۷۸ ملا نصرتی: گلشن عشق (مرتبہ) ،مولوی عبدالحق، ڈاکٹر ،کراچی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۵۲ء،ص ۱

۷۹۔ مذکورہ حوالہ،ص ۶،۹،۱۰

۸۰۔ فہمیدہ بیگم، ڈاکٹر: قدیم اردو نظم،ص ۱۶۶

۸۱۔ یحییٰ نشیط ، سید ڈاکٹر: اردو میں حمدو مناجات،ص ۴۵

۸۲۔ فہمیدہ بیگم، ڈاکٹر: قدیم اردو نظم،ص ۱۶۹، ۱۷۱

۸۳۔ نصرتی: دیوان نصرتی،(مرتبہ)جمیل جالبی، ڈاکٹر، لاہور: قوسین، ۱۹۷۲ء،ص ۷۷

۸۴۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر: تاریخ ادب اردو ،ص ۲۷۵

۸۵۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۷۷

۸۶۔ اردو حمدو نعت پر فارسی شعری روایت کا اثر، ص ۲۶۵

۸۷۔ نصیر الدین ہاشمی: دکن میں اردو ،ص ۱۵۵

۸۸۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر: اردو ادب کی تاریخ،ص ۱۱۵

۸۹۔ شیخ چاند (مرتب): مقدمہ، خاور نامہ، رستمی بیجاپوری، کراچی: ترقی اردو بورڈ، ۱۹۶۸ء

۹۰۔ ممتاز حسن، پیش لفظ، خاور نامہ،ص۹

۹۱۔ جمیل جالبی: تاریخ ادب اردو، ج ا،ص ۲۳۴

۹۲۔ رستمی بیجاپوری: خاور نامہ،ص ا

۹۳۔ مذکورہ حوالہ،ص ۴

۹۴۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۵۱

۹۵۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر: اردو ادب کی تاریخ،ص ۱۶۱

۹۶۔ قلی قطب شاہ، سلطان محمد: کلیات سلطان محمد قلی شاہ، (مرتبہ) محی الدین قادری زور، ڈاکٹر سید، حیدر آباد دکن: مکتبہ ابرہیمہ مشین پریس، ۱۹۴۰،ص ۳

۹۷۔ مذکورہ حوالہ،ص ۴

۹۸۔ مذکورہ حوالہ،ص ۵، ۶

۹۹۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۲۱

۱۰۰۔ مذکورہ حوالہ،مقدمہ ص ۳۰، ۳۱

۱۰۱۔ مذکورہ حوالہ،ص ۶

۱۰۲۔ قلی قطب شاہ: کلیات محمدقلی قطب شاہ، (مرتبہ) سیدہ جعفر، ڈاکٹر، نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، طبع دوم ۱۹۹۸ء،ص ۷۴۰

۱۰۳۔ مذکورہ حوالہ،ص ۷۴۴

۱۰۴۔ مذکورہ حوالہ،ص ۷۵۳

۱۰۵۔ مذکورہ حوالہ،ص ۷۵۴

۱۰۶۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر: تاریخ ادب اردو، ج ا،ص ۴۳۲

۱۰۷۔ ملا وجہی: قطب مشتری (مرتبہ) مولوی عبدالحق، ڈاکٹر، نئی دہلی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۳۹ء،ص ا

۱۰۸۔ مذکورہ حوالہ،ص ۴

۱۰۹۔ عاصی کرنالی، ڈاکٹر: اردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کا اثر،ص ۲۵۹

۱۱۰۔ ملاوجہی : قطب مشتری، اشعار متفرقہ ص ۴،۵،۸

۱۱۱۔ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، ج۱،ص ۲۵۴

۱۱۲۔ اردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کا اثر، ص۲۶۱۔۲۶۳

۱۱۳۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر: تاریخ ادب اردو،ص ۴۹۱

۱۱۴۔ ابن نشاطی: پھولبن ، (مرتبہ) عبدالقادر سروری ، حیدر آباد: تاج پریس، ۱۳۵۷ھ، ص ۱

۱۱۵۔ مذکورہ حوالہ،ص ۴،۵

۱۱۶۔ مذکورہ حوالہ،ص ۵،۶

۱۱۷۔۱۱۸ جمیل جالبی، ڈاکٹر: تاریخ ادب اردو،ص ۵۲۱

۱۱۹۔ قاضی محمود بحری: من لگن، (مرتبہ) محمد سخاوت مرزا، کراچی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۵۵ء متفرق اشعار،ص ۱۔۸

۱۲۰۔ سعد اللہ کلیم، ڈاکٹر: اردو غزل کی تہذیبی و فکری بنیادیں ج۱ ،ص ۱۹۹

۱۲۱۔ محمد حسین آزاد: آبِ حیات، لاہور: شیخ مبارک علی،س ن،ص ۹۱

۱۲۲۔ مذکورہ حوالہ،ص ۹۲

۱۲۳۔ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، ج۱،ص ۳۲۳، ۳۲۴

۱۲۴۔ مذکورہ حوالہ،ص ۳۲۰

۱۲۵۔ ولی دکنی: کلیات ولی، (مرتبہ) نور الحسن ہاشمی، لاہور: الوقار، ۱۹۹۲ء،ص ۴۷

۱۲۶ مذکورہ حوالہ،ص ۸۶

۱۲۷۔ مذکورہ حوالہ،ص ۸۸

۱۲۸۔ مذکورہ حوالہ،ص ۴۷

۱۲۹۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۰۹

۱۳۰۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۴۰

۱۳۱۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۰۲

۱۳۲۔ مذکورہ حوالہ،ص ۳۴۱

۱۳۳۔ مذکورہ حوالہ،ص ۳۴۸

۱۳۴۔ مذکورہ حوالہ،ص ۳۶۸، ۳۶۹

۱۳۵۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر: تاریخ ادب اردو، ج ۱، ص ۵۶۶

۱۳۶۔ یحییٰ نشیط، سید، ڈاکٹر: اردو میں حمد و مناجات، ص ۴۹

۱۳۷۔ سراج اورنگ آبادی: کلیات سراج: (مرتبہ) عبدالقادر سروری، نئی دہلی: ترقی اردو بیورو، ۱۹۸۲، ص ۲۷۱

۱۳۸، ۱۳۹۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۷۳

۱۴۰۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۷۹

۱۴۱، ۱۴۲۔ مذکورہ حوالہ، ۲۷۴

۱۴۳۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۴۴

۱۴۴۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۵۵

۱۴۵۔ مذکورہ حوالہ،ص ۶۳۷، ۶۳۸

۱۴۶۔ محمد سخاوت مرزا، مرتب: دیوان قاسم اورنگ آبادی، کراچی: انجمن ترقی اردو، طبع اول، ۱۹۷۵، ص ''ج'' مقدمہ

۱۴۷۔ قاسم اورنگ آبادی: دیوان قاسم، ص ۱

۱۴۸۔ مذکورہ حوالہ، ص ۳

۱۴۹۔ مذکورہ حوالہ، ص ۲۴۱، ۲۴۳

باب سوم

شمالی ہند کی شاعری میں حمد و مناجات نگاری

1- فصل اوّل۔ ابتدائی نقوش

۱۔ اسمٰعیلؔ امروہی

۲۔ فائزؔ دہلوی

۳۔ انعام اللہ خان یقیںؔ

۴۔ غلام قادر شاہؔ

۵۔ شاہ تراب علی ترابؔ

۶۔ شاہ ظہور الدین حاتمؔ

۷۔ محمد باقرؔ آگاہ

۸۔ ممنونؔ دہلوی

2- فصل دوم: شعرائے دبستان دلی کی شاعری میں حمد و مناجات

۹۔ محمد رفیع سوداؔ

۱۰۔ ولی اللہ محبؔ

۱۱۔ میر تقی میرؔ

۱۲۔ میر دردؔ

۱۳۔ قائمؔ چاندپوری

۱۴۔ میر سوزؔ

۱۵۔ میر اثرؔ

۱۶۔ شاہ نصیرؔ

۱۷۔ محمد ابراہیم ذوقؔ

۱۸۔ اسد اللہ خاں غالبؔ

۱۹۔ مومن خان مومنؔ

۲۰۔ بہادر شاہ ظفرؔ

۲۱۔ مصطفی خان شیفتہؔ

۲۲۔ محمود بیگ راحتؔ

۲۳۔ مرزا جان طپشؔ دہلوی

۲۴۔ راسخؔ عظیم آبادی

۲۵۔ غمگینؔ دہلوی

۲۶۔ قربان علی بیگ سالکؔ

۲۷۔ میر مہدی مجروحؔ

3- فصل سوم: دبستان لکھنؤ کے شعرا کی حمدیہ و مناجاتیہ شاعری

۲۸۔ میر حسنؔ

۲۹۔ مصحفیؔ

۳۰۔ انشاء اللہ خان انشاؔ

۳۱۔ قلندر بخش جرأتؔ

۳۲۔ سعادت یار رنگینؔ

۳۳۔ نظیرؔ اکبر آبادی

۳۴۔ حیدر علی آتشؔ

۳۵۔ پنڈت دیا شنکر نسیمؔ

۳۶۔ میر انیسؔ

۳۷۔ مرزا دبیرؔ

۳۸۔ مرزا شوقؔ لکھنوی

۳۹۔ الٰہی بخش خان معروفؔ

۴۰۔ میر وزیر علی صباؔ لکھنوی

۴۱۔ محمد بخش مہجورؔ

۴۔ جائزہ

فصل اوّل:

ابتدائی نقوش

شمالی ہند میں حمد و مناجات کے اہم دور کا آغاز دبستان دلی سے اس طور ہوتا ہے کہ حمد وتصوف اس دور کا غالب رنگ کہلایا جا سکتا ہے۔ مگر میر وسودا کے عہد سے پہلے شمالی ہند کے شعرا، جن کا تعلق تحریک ایہام گوئی اور ماقبل سے ہے، ان کے کلام میں بھی ہمیں حمد و مناجات کی خوش رنگ مثالیں مل جاتی ہیں۔ اس سے قبل گزشتہ باب میں ہم دیکھ چکے ہیں کہ دکنی شاعری میں حمد ومناجات کو پروان چڑھانے میں صوفیا، شعرائے دربار اور سلاطین شعرا کا کس قدر نمایاں کردار ہے۔ اسی طرح شمالی ہند میں بھی حمدیہ و مناجاتیہ رنگ ہمیں ابتدائی دور کے شعرا، دہلوی

دبستان کے شعرا اور شعرائے دبستان لکھنؤ میں ملتا ہے۔ جہاں تک حمد و مناجات کے موضوع کا تعلق ہے، یہ ایسا مشترک محبوب موضوعِ سخن ہے کہ اس کے لیے ہمیں دہلوی اور لکھنوی شعر کو الگ اور جدا فصل میں رکھنے کی ضرورت نہ تھی۔مگر چونکہ دہلوی اور لکھنوی شعرا کا طرز شعر گوئی اور اسلوبِ سخن جدا جدا انفرادیت کا حامل ہے اس لیے یہ اہتمام کیا گیا ہے۔ ذیل میں سب سے پہلے شمالی ہند کے ابتدائی شعرا کی حمدیہ و مناجاتیہ شاعری کا جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ اسمٰعیل امروہی میر اسمٰعیل، تخلص اسمٰعیل، وطن امروہہ۔ حالات تا حال معلوم نہیں ہو سکے ان کی ایک مثنوی وفات نامہ حضرت فاطمہ تصنیف ۱۶۹۳/ ۱۱۰۵ دستیاب ہوئی ہے۔ اس لحاظ سے یہ مثنوی ولیؔ دکنی کی وفات سے پندرہ سال پہلے لکھی جا چکی تھی۔ نائب حسین نقوی صاحب نے فائزؔ دہلوی اور اسمٰعیلؔ کے آباؤ اجداد کے تقابلی جائزہ سے نتیجہ نکالا ہے کہ اسمٰعیل شمالی ہند کے پہلے صاحب دیوان شاعر ہیں اور تقدم و اولیت کا سہرا میر اسمٰعیلؔ ہی کے سر پر جگمگاتا نظر آئے گا ا۔وہ کہتے ہیں:

''اسمٰعیلؔ ، فائزؔ کے مقابلے میں مقدم شاعر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کے الفاظ نقشِ اول اور فائز کا تصور نقشِ ثانی ہے۔'' ۲۔

''وفات نامہ بی بی'' مذہبی مثنوی ہے۔ اس میں تصوف کے مضامین بھی ہیں۔مثنوی میں علی الترتیب حمد، نعت ،منقبت، پھر اصل قصہؔ، حضرت فاطمہؓ کی ولادت، عقد اور آخر میں وفات ہے۔''

مثنوی کی زبان دکنی اردو سے بہت ملتی جلتی ہے۔ اس مثنوی سے ہمارے سامنے سترھویں صدی عیسوی کے آخر میں دہلی کی زبان کا ایک خاکہ بھی سامنے آجاتا ہے۔ جہاں دکنی اردو اور دلی کی کھڑی بولی ایک دوسرے بہت مماثل ہیں۔

اس مثنوی میں تغزل کی رنگا رنگی تو نہیں ہے لیکن ان کی حمد سے زبان و بیان کی روانی و اسلوب کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اسمٰعیل ، اللہ تعالیٰ سے یوں مخاطب ہیں:

الٰہی! توں صاحب ہے سنسار کا ہمن کوں ہے امید، دیدار کا
ترا نام ہر دم کوئی لیوتا ٹھکانا جنت بیچ اوس دیوتا
جو چاہے کرے توں، جو سمرت دھنی بندھے ہم جو عاجز، توں قادر غنی
کری پیدا خلقت تنے ٹھار ٹھار کتی شے جو غائب، کیے آشکار

مارے توں، جلاوے بھی، اختیار ہے — ترے کام کرنے نہ کچھ بار ہے
تو صاحب دیاونت ھر ھر کسی — رِزَق دے موافق قدر، ھر کسی
ترے حکم پر سارے ہیں گے فدا — جو کچھ تیں کہا، مانیا سب سدا

اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے شیطان سے بچانے کی دعا کرتے ہیں اور اپنے گناہوں کی بخشش طلب کرتے ہیں۔

تو ہیں حول وقوت، تو ہیں ذوالجلال — کہ شیطان ملاعوں سیں رکھنا سنبھال
کہ بدنفس لاگا ہے انساں دے نال — اسی سے چھڑا راکھنا، ذوالجلال
ھمن عاجزن کا تو ہیں دستگیر — ترے در اور پرشاہ ہیں گے فقیر
گناہاں میں بھریا ہوں میں بیشمار — طفیل محمدؐ بخش کردگار ۳؎

اسمٰعیلؔ کے مندرجہ بالا اشعار میں ''دے نال'' موجودہ پنجابی زبان کا ہے۔ نیز انھوں نے رِزق کو رِزَق اور بَخش کو بَخَش باندھا ہے۔ یہ طریقہ بول چال کا بھی پنجابی ہے۔ اس سے ہم اس عہد کی دہلوی اردو میں مقامی زبانوں کی آمیزش کا اندازہ بہ آسانی کر سکتے ہیں۔

۲۔ فائز دہلوی (۱۷۳۸ء/۱۱۵۱ھ) ان کا نام محمد فائز تھا۔ فائزؔ تخلص کرتے تھے۔ دہلی کے منصب داروں میں سے تھے۔ ابو الحسن تانا شاہ کے عہد (۱۶۷۲۔۱۶۸۷ء) کے شاعر تھے۔ ان کے حالات زندگی کے بارے میں معلومات حاصل نہیں ہوسکیں۔ انھوں نے ۱۶۸۲ء میں ایک مثنوی ''رضوان شاہ روح افزا'' لکھی۔ اس کا قصہ فارسی نثر کے ایک قصے سے ماخوذ ہے۔ فائز نے اس دور کی مروجہ روایت کے برعکس بادشاہ وقت کی مدح نہیں لکھی۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ شاہی دربار سے ان کا کوئی تعلق نہ تھا۔ یہ مثنوی ظاہری اعتبار سے اس دور کی دیگر مثنویوں کا چربہ ہے لیکن اس میں وہ شاعرانہ بلند پروازی نہیں جو دبستان گولکنڈہ کی مثنویوں کی نمایاں خصوصیت ہے۔ البتہ مثنوی کی صفائی زبان قابل ذکر ہے۔ تاریخی عمل کے ساتھ ساتھ قطب شاہی دور میں اردو کی لسانی روایت کو جو ارتقا ہوا، آخری دور کی یہ مثنوی اس کی ایک مثال ہے۔'' ۴؎

''فائز اپنا اردو دیوان ۱۱۲۷ھ/ ۱۷۱۵ء میں مرتب کر چکے تھے۔ لیکن بعد میں ولیؔ کے کلام سے متاثر ہو کر اس میں ترمیم و اضافے کی ضرورت محسوس کی چنانچہ ۱۱۴۲ھ/ ۱۷۲۹ء میں اس پر نظر ثانی کی۔ بعض غزلیں ولیؔ کی غزلوں پر ہیں۔ غزلوں کا رنگ عاشقانہ ہے۔'' ۵؎

فائزؔ کے دیوان میں ''مثنویات ریختہ'' کے عنوان سے جو مثنویات ملتی ہیں ان میں پہلی مثنوی ''مناجات'' کے عنوان سے ہے۔ اس میں فائزؔ انتہائی بے بسی اور عاجزی و انکساری کے ساتھ اعتراف گناہ کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے اوصافِ بے پناہ کا اعتراف خلوصِ دل سے کرتے ہیں اور اس طرح دعا کرتے ہیں:

خدایا فضل کر تو بے کساں پر | کریما رحم کر تو عاجزاں پر
خدایا تو حقیقی بادشاہ ہے | مجازی پادشا تیرا گدا ہے
قدیما، قادرا، پروردگارا | رحیما، عادلا، آمرزگارا
ہمیں پر رحم کر اپنے کرم سے | کہ پیدا بی کیا تونے عدم سے
نظر کر لطف کی اپنے گدا پر | سمیعا گوش کر مجھ ماجرا پر
کہ میں مدت سے غم میں مبتلا ہوں | مرض سے روز و شب اندر بلا ہوں
ہوا دل تنگ میرا اس جہاں سے | توقع کچھ نہیں اب دوستاں سے
کہ بے کاری و بیماری بلا ہے | فقیر ان دو بلا میں مبتلا ہے
نہیں پوشید تج پر حال میرا | کرم کر ہوں گدای شاہ تیرا
مکرم کر مجھے اور تندرستی | جہاں میں بخش ای خلاق ہستی
قبول اس پُرگنہ کے کر مطالب | نظر اصلا نہ کر میرے معائب
کہ میں غرق گنہ سرتاپاہوں | اسیر نفس کافر ماجرا ہوں
ولیکن تو ہی غفار ای خداوند | کرم میں تجھ نہیں ہے مثل و مانند

شفا دے فائزؔ زار و حزیں کو
بلند اقبال کر اندوہ گیں کو ۶؎

مندرجہ بالا مناجاتی اشعار کے مطالعے سے ہمیں معلوم ہوتا ہے کہ فائز، بیماری اور بے کاری دو بلاؤں میں مبتلا تھے۔ ایک تو بیماری نے لاچار کر رکھا تھا اور دوسرے معاشی مسائل نے۔ سید مسعود حسن رضوی ادیب مرتب دیوان فائز، مقدمے میں فائز کے دو شعر نقل کر کے لکھتے ہیں:

''یہ شعر بتاتے ہیں کہ فائز کسی سوداوی مرض میں مبتلا تھے...... ان کی بعض دوسری تحریروں سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کو خفقان کی شکایت پیدا ہوگئی تھی۔'' ۷؎

فائزؔ نے ۱۷۲۸ء میں وفات پائی اور دہلی میں مدفون ہیں۔

۳۔ انعام اللّٰہ خاں یقین(۱۷۲۷ء۔۱۷۵۵ء)یقینؔ اپنے ننھیال اور دودھیال دونوں طرف سے دنیاوی اور دینی سرفرازی اورمضبوط پس منظر کے مالک تھے۔ ان کے دادا شیخ احمد سرہندی کے پوتے تھے۔ اور نانا نواب حمید الدین خاں اپنی خاندانی شجاعت کے سبب مغلیہ حکومت کے اہم لوگوں میں شمار کیے جاتے تھے۔ یقین، مرزا مظہرؔ جان جاناں کے شاگرد تھے۔ مظہرؔ سے تلمذ یقین کے لیے باعث امتیاز و افتخار تھا۔ ابو الکلام قاسمی کہتے ہیں:

''یقینؔ اپنے معاصرین کے درمیان ممتاز ترین شاعروں میں شمار کئے جاتے تھے۔ ان کی شاعری میں چونکہ رسمی قسم کے عشقیہ مضامین یا لفظی بازی گری یا صرف صوفیانہ خیالات کی پیشکش کے بجائے سچے جذبات و احساسات کا اظہار ملتا تھا اس لیے یقینؔ کو بہت کم عمری ہی میں اپنی چند ابتدائی غزلوں سے ہی بے حد مقبولیت حاصل ہوگئی تھی۔'' ۸؎

انتخاب کلام یقینؔ، کی پہلی غزل کا پہلا شعر حمد یہ ہے، جس میں وہ اس امر کا اعتراف کرتے ہیں کہ انسان اللہ تعالیٰ کی کما حقہ، ثنا خوانی کر ہی نہیں سکتا:

کون کر سکتا ہے اس خلاق اکبر کی ثنا
نارسا ہے شان میں جس کے پیمبر کی ثنا ۹؎

کلامِ یقینؔ سے، حمد کی مزید مثالیں ملاحظہ ہوں:

؎ بت پرستی میں موحد نہ سنا ہو گا کبھو
کوئی تجھ بن میرا واللہ کہ معبود نہیں ۱۰؎

؎ وہ کون دل ہے جہاں جلوہ گروہ نور نہیں
اس آفتاب کا کس ذرہ میں ظہور نہیں ۱۱؎

کیا دل ہے اگر جلوہ گہ یار نہ ہووے
ہے طور سے کیا کام جو دیدار نہ ہووے ۱۲؎

خدا کی بندگی کہیے اسے یا عشق معشوقی
یہ نسبت ایک ہے سو سو طرح تعبیر کرتے ہیں ۱۳؎

مندرجہ بالا اشعار متانت و سنجیدگی کے ساتھ ساتھ قدرے لطافت و شوخی کے حامل بھی ہیں۔ یقینؔ کی غزلیات میں جہاں کہیں، دعا، آتی ہے، وہاں بھی ان کا انداز بڑا ہلکا پھلکا سا ہے:

دعا مستوں کی کہتے ہیں یقینؔ تاثیر رکھتی ہے
الٰہی سبزہ جتنا ہے جہاں میں، تاک ہو جاوے ۱۴؎

مزے سے عشق کے دوزخ بھی اس فرقے پہ جنت ہے
خدا ہم کو کرے محشور امت میں محبت کے ۱۵؎

دیوانے شہر سے یاں آکے چین پاتے ہیں
خدا کرے یہ خرابہ کبھی خراب نہ ہو ۱۶؎

۴۔ غلام قادرؔ شاہ (م۔ ۱۱۷۲ھ/ ۱۷۶۲ء) اپنے وقت کے بڑے بزرگ اور متعدد تصانیف کے مالک تھے۔ ان کی ایک تصنیف 'صفاء المرآت، کا ذکر پروفیسر شیرانی نے بھی کیا ہے۔ غلام قادرؔ شاہ کی ایک مثنوی ''رمز العاشقین'' ہے جس میں انھوں نے رموزِ تصوف بیان کئے ہیں۔ اس کی بحر چھوٹی اور قدیم مثنویوں کی مقبول بحر ہے، جسے باجنؔ، میراںؔ جی، جانمؔ اشرفؔ اور فیروزؔ نے بھی استعمال کیا ہے۔

> ''مثنوی رمزالعاشقین میں آیات قرآنی اور عربی عبارات، اصطلاحات و اشاراتِ تصوف کثرت سے استعمال میں آئے ہیں۔ فکری لحاظ سے خوب محمد چشتی کی مثنوی خوب ترنگ، کی طرح یہ ایک عالمانہ مثنوی ہے جسے علم تصوف کا رازداں ہی سمجھ سکتا ہے۔ بحیثیت مجموعی غلام قادرؔ شاہ کے کلام کا موضوع بھی مذہب و تصوف ہے۔ ان کی غزلیں حمد و نعت کے رنگ میں رنگی ہوئی ہیں۔'' ۱۷؎

مثنوی ''رمزالعشق'' کو محترم گوہر نو شاہی نے مرتب کیاہے۔ان کی شاعری بالعموم حمد و نعت اور مناجات ومنقبت کے رنگ میں رنگی ہوئی ہے۔ حمد ونعت کے ملے جلے مضامین پر مشتمل اشعار درج ذیل ہیں:

جو محمدؐ ہویا پرگھٹ کو ناڈوجا وہی وہی

احمد محمدؐ ایک پچھانو — ایک ہی دیکھو ایک ہی جانو
حمد کہو اور بہت درود — فھو الحامد و المحمود
سمجھ لیو اور بوجھو بات — ایک ہی ذات ہے ایک صفات

۱۸؎

ان اشعار سے پتہ چلتا ہے کہ وہ بھی ''احمد بے میم'' کے متصوفانہ نظریے کے حامل ہیں جو توحیدِ خالص کی نفی کرتا ہے۔

۵۔ شاہ تراب علی تراب (۱۷۷۲ء م) شاہ ترابؔ علی تراب کا لقب گنج الاسرار تھا۔ وہ خلوت گزیں، فقیر منش انسان تھے اور ادبی مراکز سے دور اپنے پیر (بابا شاہ حسینی) کے ارشاد کے بموجب تر نامل موضع چٹ پیٹ (ارکاٹ) میں رہتے تھے۔ ''دیوانِ تراب'' کے علاوہ ان کی منظوم تصانیف میں ''ظہور کلی''، ''گلزار وحدت''، ''گنج الاسرار''، ''مثنوی تراب''، ''گیان سروپ'' اور ''من سمجھاون'' شامل ہیں۔۱۹؎

ترابؔ کا دیوان مضامین تصوف اور رموزِ معرفت کا بحرِ ذخار ہے۔ شاہ تراب علی ترابؔ کا کلیات جو اس وقت ہمارے پیشِ نظر ہے۔ مطبع نول کشور سے شائع ہوا ہے۔ اس کے آخری صفحے پر تحریر ہے:

> ''اب فضل خدا سے بار چہارم کے طبع کی نوبت آئی مقام لکھنو مطبع موصوف الصدر میں ماہ اگست ۱۸۸۰ء مطابق ماہ رمضان ۱۲۹۷ھ کے رنگِ طبع سے نقش آرا ہوا۔''

اس عبارت سے واضح ہوتا ہے کہ ترابؔ کا دیوان ان کے عہد میں بے حد مقبول ہوا۔ اس کی ایک وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ بقول ڈاکٹر جمیل جالبی'' وہ بڑے سے بڑے نکتے کو عام زبان میں سادگی کے ساتھ بیان کر دیتے ہیں۔'' ۲۰؎

کلیات شاہ ترابؔ کا آغاز حمد کے بجائے عظمت آدم کے موضوع پر چند اشعار سے ہے۔ اس کے بعد' حمد' کے اشعار ہیں، جن میں متصوفانہ انداز میں تحمید الٰہی کا بیان ہے:

دیکھتا ہوں عرش کے اوپر سے تاتحت الثرا
شرق سے تاغرب ایک، ہے نہیں کوئی دوسرا
آنکھ موندی تو عدم کی سیر ہے گم ہے وجود
آنکھ کھولی تو وہی ہے ظاہر و باطن بھرا

دل سے نکلی ہے صدا اللہ بس باقی ہوس
کاروانِ عارفاں کا ہے یہی بانگِ درا
وہ طریقے کی ہماری کیفیت دیکھے تراؔب
جو خدا کے واسطے اس راہ میں آوے ذرا ۲۱؎

کلیاتِ تراؔب کی غزلیات میں جابجا حمدیہ اشعار دکھائی دیتے ہیں۔کہیں خدا شناسی کی اہلیت کی شرائط بیان کرتے ہیں:

ہر کسی کو نہیں ملتی ہے خزانے کی کلید
کھولتا ہی نہیں کم ظرف پہ اسرار خدا ۲۲؎

اور کہیں صرف عشقِ حقیقی کا دعویٰ ہے:

؎ بتوں سے خواہش یاری کی تجھ پہ تہمت ہے
تراؔب یار ترا کون ہے ، خدا کے سوا ۲۳؎

اور اگر خدا ان کے ساتھ ہے تو اک خلق بھی ان کے ساتھ ہے وہ کہتے ہیں:

خدا کے واسطے تنہا اوسے نہ نجانے کوئی
خدا ہے ساتھ تو اک خلق ہے تراب کے ساتھ ۲۴؎

’کلیات‘ میں شامل مثنوی بعنوان ’’عاشق وصنم‘‘، کا آغاز اس طرح کرتے ہیں۔

خدا گر عشق کو پیدا نہ کرتا
تو بندہ حسن پر کاہے کو مرتا ۲۵؎

مثنوی کے آخر میں متفرق دعاؤں سے بھرپور مناجات بھی ہے۔جس میں تراؔب اللہ تعالیٰ سے آرزومند ہیں:

الٰہی جس طرح تیرے کرم سے
فراغت پائی میں نے اس رقم سے
مرادیں ہوں مری جلدی سے حاصل
مری خاطر سے ہو تشویش زایل
رہے عاشق صنم کے ساتھ خنداں
اور حسن و عشق ہو اونکا دو چنداں
سخن کو میرے کر دنیا میں سرسبز
قیامت تک رہے میرا شجر سبز
کرے اس مثنوی کی جو کوئی سیر
دعا دیوے مجھے ہو عاقبت خیر

مجھے دے نعمتیں دونو جہاں کی — ملے دولت یہاں کی بھی وہانکی
جو میرے دوست ہیں کراونکوں دل شاد — جو دشمن ہیں مرے کھو اونکی بنیاد
کسی کے وے نہو عالم میں محتاج — غنی کر دے اونھیں ہر چیز سے آج
ہر اک اس مثنوی سے ذوق پاوے — جو دیکھے اوسکو خوش ہو حظ اٹھاوے
جہاں میں عمر کی کیا پائداری — سخن ہے شاعروں کی یاد گاری ۲۶؎

۶۔ شیخ ظہور الدین شاہ حاتم ۱۶۹۹ء/۱۱۱۱ھ پ ۱۷۸۲ء/۱۱۹۷ھ شیخ ظہور الدین نام، حاتم تخلص، ولد شیخ فتح الدین، دہلی میں ۱۶۹۹ء میں پیدا ہوئے۔تعلیم وتربیت کے سلسلے میں تذکرے خاموش ہیں۔ ان کے کلام اور منصبی خدمات سے ظاہر ہوتا ہے کہ دستور زمانہ کے مطابق تعلیم حاصل کی اور پیشہ سپہ گری اختیار کیا۔ عہدِ محمد شاہی ہی میں ایک طویل مثنوی ’’بزمِ عشرت‘‘ لکھی جس میں محمد شاہ کی مدح اور اس زمانے کے نشاطیہ ماحول کی تصویر کشی کی ہے۔عیش وعشرت کی زندگی میں بھی حاتم کو درویشوں سے عقیدت رہی۔ اور وہ قلندری و درویشی کی زندگی گزارنے لگے۔

حاتمؔ کی شاعری کا آغاز ۱۷۱۵ء میں ہوا ۔ پہلے وہ رمزیؔ تخلص کرتے تھے۔ پھر حاتمؔ کرنے لگے۔ شاہ حاتمؔ، ولیؔ کے دیوان کے دلی پہنچنے سے قبل ہی اردو میں بھی شعر کہنے لگے تھے۔ پہلے تحریک ایہام گوئی سے وابستہ تھے، جب ایہام گوئی کے خلاف ردِعمل شروع ہوا تو حاتم بھی ایہام گوئی سے تائب ہو کر صاف و شستہ شعر کہنے لگے۔۱۷۲۹ء میں ان کا قدیم دیوان شائع ہو چکا تھا۔ بعد ازاں ۱۷۵۵ء میں اپنے دیوان کا انتخاب کیا، جس کا نام،’’ دیوان زادہ‘‘ رکھا۔شاہ حاتمؔ قادر الکلام شاعر تھے۔ ان کا کلام ان کی زندگی کے نشیب وفراز کے علاوہ اس دور کے انقلاب و حادثات کی منظوم روداد بھی پیش کرتا ہے۔ ڈاکٹر عبدالحق نے’’انتخاب حاتمؔ، دیوان قدیم‘‘ کے نام سے ان کا کلام مرتب کیا تھا۔ ذیل میں اس انتخاب سے حمد کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں ۔ پہلی ہی غزل میں کہتے ہیں:

چھپا نہیں جا بجا حاضر پیارا
کہاں وہ چشم جو ماریں نظارا
جدا نہیں سب سیتی تحقیق کر دیکھ
ملا ہے سب سے اور ہے سب میں نیارا

صفا کر دل کے آئینے کوں حاتمؔ
دیکھا چاہے سجن کوں آشکارا ۲۷؎

حمد ونعت کے ملے جلے موضوعات پر غزل ملاحظہ ہو:

سب سبق اول خدا کوں عشق ہے
بعد اوسی کے مصطفاؐ کوں عشق ہے
شیر حق داماد ختم الانبیاء
دیں کے والی مرتضاؑ کوں عشق ہے ۲۸؎

غزلیات میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ محبت کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

کچھ نہیں چاہتا ہے حاتمؔ ہوں
مجھ کو ہر آن میں خدا بس ہے ۲۹؎

حاتمؔ امید حق پہ نہ راکھے تو کیا کرے
موقوف ہے ملاپ سجن کا خدا کے ہاتھ ۳۰؎

ایک اور جگہ حاتمؔ اوصاف الٰہی کی ثنا میں انسانی زبان کی عاجزی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

کیا کہے قاصر زبان توحید و حمد کبریا
جن نے کن کے حرف میں کونین کو پیدا کیا
جو کہ ہے غواص اس بحر عمیق عشق کا
سب شناور دیکھ کر کہتے ہیں اس کا مرحبا
چھوڑ کر سب خلق حاتمؔ دل لگا خالق کے ہاتھ
جس نے تجھ کو صورت انساں کیا اور جی دیا ۳۱؎

پہلے شعر میں اس آیت قرآنی کی طرف اشارہ ہے:

ترجمہ: وہ آسمان اور زمین کو بغیر کسی نمونے کے پیدا کرنے والا ہے، جب وہ کسی امر کا فیصلہ کر لیتا ہے تو فقط اتنا کہتا ہے کہ ہو جا اور وہ ہو جاتی ہے۔(۲: ۱۱۷)

آخری شعر میں ان آیات کے مفہوم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

(i) وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ (۵۰/۱۶)

ترجمہ: ہم نے آدمی کو پیدا کیا۔

(ii)وَھُوَ الَّذِیٓ اَنشَاَ لَکُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْئِدَۃَ قَلِیلًا مَّا تَشْکُرُوْن (۲۳/ ۷۸)

ترجمہ:'' وہی ہے جس نے تمہارے لیے کان اور آنکھیں اور دل پیدا کئے لیکن تم میں سے کم ہیں جو شکر گزار ہوں۔''

۷۔ محمد باقر آگاہ (پ ۱۱۵۵ھ/ ۱۷۳۷ء) (م ۱۲۲/ ۱۸۰۵ء) ویلور میں پیدا ہوئے۔علم وفضل میں بلند مرتبہ تھے۔ شاہ ابوالحسن قربی کے مرید تھے۔کثیر تصانیف رکھتے تھے۔ تین سو تین تصانیف کے مصنف سمجھے جاتے ہیں۔جن میں سے سولہ دکنی زبان میں ہیں۔ ان کی مشہور تصنیف ''ہشت بہشت'' آٹھ منظوم رسالوں پر مشتمل ہے۔ یہ رسالے مثنوی کی ہیئت میں ہیں، لیکن ان کی بحر ایک نہیں ہے ان رسالوں کے نام یہ ہیں۔

۱۔من دیپک ۲۔من ہرن ۳۔من موہن ۴۔ جگ سوہن

۵۔ آرام دل۔۶ راحت جاں ۷۔من درپن ۸۔من جیون

ان آٹھوں مثنویوں میں قریباً نو ہزار اشعار ہیں۔کتاب کے دیباچے میں مصنف نے ذکر کیا ہے کہ کتاب کے پہلے چھ حصے (یعنی چھ مثنویاں)۱۱۸۵ھ سے ۱۱۸۶ھ میں لکھے گئے ۳۲ لیکن یہ کتاب پہلی بار ۱۳۱۹ھ میں مطبع گلزار حسینی بمبئی سے شائع ہوئی۔کتاب کے دیباچ میں شاعر نے اپنا پورا نام یوں تحریر کیاہے:

''مولوی محمد باقر آگاہ شافعی قادری بیجا پوری ایلوری'' ۳۳۔

کتاب کاموضوع سیرت النبیؐ ہے۔

حضرت آگاؔہ نے ہر مثنوی کا آغاز حمدیہ اشعار سے کیا ہے۔ چنانچہ ''من دیپک'' کے آغاز کے حمدیہ اشعار میں سے چند شعر درج ذیل ہیں:ان اشعار میں وہ حمد الٰہی میں توصیف اسمائے الٰہی کرتے ہیں:

جس حمد کو نیں آخر اوّل
ہے خاص خدائے عزوجل
نا ذات کو اس کی غایت ہے
نا وصف کو اس کے نہایت ہے
اسما و صفات اس کے بے حد

اسرار و رموز اس کے بے حد ۳۴؎

مثنوی ''من ہرن'' کے آغاز سے دو حمدیہ شعر ملاحظہ ہوں:

بسم اللّٰہ الرحمن الرحیم
گنج قدم کا ہے طلسم عظیم

عقل ترے وصف میں نادان ہے
فہم تری بوجھ میں حیران ہے ۳۵؎

رسالہ ''من موہن'' کے آغاز سے چند حمدیہ اشعار ملاحظہ ہوں:

اے تری حمد میں بیاں حیراں
بُوجھ میں تیری جسم و جاں حیراں
نہ تری ابتدا کو غایت ہے
نہ نہایت کو کچھ بدایت ہے
فہم سے بار ہیں ترے کاماں
عقل ہے اس کے بھید میں ناداں
پس تجھے کس طرح کوئی پاوے
کیوں تصور میں کوئی تجھے لاوے

کوئی بوجھا نہیں تجھے یارب
جوں محمدؐ شہ سریرِ عرب ۳۶؎

کہیں کہیں حضرت آگاہؔ ہمارے موجود نظامِ تقطیع کے لحاظ سے خارج از آہنگ بھی ہو جاتے ہیں۔ تاہم مجموعی طور پر ان کے حمدیہ اشعار سے وسعتِ مطالعہ اور سلامتِ طبع کی روشنی پھوٹتی ہے۔

۸۔ میر نظام الدین ممنون دہلوی (پ ۱۱۸۲ھ۔۱۷۶۸ء) (م ۱۲۶۰ھ ۱۸۴۴ء) اپنے دور کے پرگو، مشاق وقادرالکلام شاعر تھے اور اردو شاعری کی اس بڑی روایت کے علمبردار تھے جو ولیؔ دکنی سے شروع ہو کر حاتمؔ سے ہوتی ہوئی محمد ابراہیم ذوقؔ تک پہنچتی ہے۔ ممنونؔ کے دور میں شاعری اس تہذیب کی مقبول عام

سرگرمی تھی اور اردو وہ واحد زبان تھی جو سارے برصغیر میں عام طور پر اور شمالی ہندو دکن میں خاص طور پر بولی اور سمجھی جاتی تھی۔ یہ بادشاہوں اورطبقہ خواص کی زبان بھی تھی اور عوام ورعیت کی بھی زبان تھی۔ بادشاہ وقت شاہ عالم ثانی آفتابؔ خود بھی شاعر تھے اور ان کے بیٹے اکبر شاہ ثانی شعاعؔ بھی اور ان کے بیٹے بہادر شاہ ظفرؔ بھی شاعر تھے۔ اکبر شاہ ثانی شعاعؔ ان سے مشورہ سخن کرتے تھے۔ممنون کے والد قمر الدین منتؔ بھی بڑے شاعر تھے۔ پیش نظر ممنون کا کلیات، ڈاکٹر صدیقہ ارمان نے مرتب کیا ہے۔آغاز حمد یہ قصیدے سے ہی ہوتا ہے۔جس میں متصوفانہ مضامین حمد ملتے ہیں:

خدا کی ذات کے نور اور جمال کو دیکھ کر عقل دنگ اور زبان گنگ ہو جاتی ہے۔ دریا اور قطرہ کے مخصوص الفاظ کل اور جزو کی ترجمانی بھی کرتے ہیں۔ کہتے ہیں:

اے صفت و ذات میں تجھ کو ظہور و خفا
چشم سر و چشم سر حسن پہ تیرے فدا
دیکھ کے نورِ جمال سوچ کے کنہِ کمال
مائلِ حیرت نظر، قائلِ حسرت ذکا
باز ہو گرراہِ دید، تو ہے ہر ایک سو پدید
آئینہ خانہ جہاں، حسن تیرا جلوہ زا
تیری محبت کا شور، کچھ نمک افشاں ہے زور
سمجھے ہے اس کا مزا، زخمِ دلِ اولیا

واصلِ دریا ہو گر، قطرہ کو پھر کیا نظر
تجھ میں ہوئے جب فنا، پھر ہے بقا در بقا
لکھوں ہوں وحدت کی شاں مطلع ثانی میں یاں
اے کہ! ترے نام سے زینتِ ہر ابتدا ۳۷؎

''مطلع ثانی'' کے اشعار میں اللہ تعالیٰ کے حضور اس طرح مناجات کرتے ہیں:

تیری ثنا کا کہاں ہو سکے احصا کہ ہاں
جب کہ نہ احصیٰ کرے ناطقۂ مصطفی

آپ حالتِ سجدہ میں فرماتے تھے:

لا احصی ثناءً علیک کما اثنیت علی نفسک

اے اللہ میں تیری ایسی ثنا نہیں کر سکا جیسی تو خود اپنی ثنا کرتا ہے۔(مسلم شریف)

مناجات میں ممنونؔ کہتے ہیں کہ بے شک تو سمیع و بصیر ہے، سب جانتا ہے مگر ہم انسانوں کو تو تجھ سے مانگنے میں الگ ہی لطف آتا ہے۔ مناجات کے دلکش اشعار دیکھئے:

واقفِ اسرار تو کاشفِ اسرار تو
کیا تری درگاہ میں حاجتِ عرض و دعا
ایک سا تجھ پر عیاں، حال سکوت و بیاں
لیک تجھے عرض سے، آپ ہے آتا مزا
یہ جو ہے ممنونؔ ترا، بندۂ دل خوں ترا
تجھ سے ہی چاہے تجھے، کس سے کرے التجا
پرتوِ لایزال، دولتِ دیدِ جمال
کر اسی آئینہ سے، اس کو الٰہی عطا
تو نہ کرے گر قبول کس سے کہیں ہم ملول
انت لنا المرتجیٰ، انت لنا الملتجیٰ ۳۸؎

فصل دوم:

شعرائے دبستان دلی کی شاعری میں حمد و مناجات

دبستانِ دہلی جسے عموماً میر و سودا کے دور سے پہچانا جاتا ہے اور اسے اردو شاعری کا عہد زرّیںؔ قرار دیا جاتا ہے، اس اعتبار سے لائق مطالعہ ہے کہ اگرچہ اس دور میں ہمیں باقاعدہ حمد و مناجات نظر نہیں آتی البتہ جزوی طور پر اس کا پرتو دکھائی دیتا ہے۔ حمد یہ شاعری مختلف اصناف میں بھی ملتی ہے اور کبھی دیوان کے آغاز میں اور کبھی

غزلیات وقصائد ومثنویات کے بیچ بیچ میں بھی حمد کے عناصر مل جاتے ہیں۔مگر اس کے ساتھ باقاعدہ حمد ومناجات کے آغاز کے ابتدائی نقوش بھی ہمیں اس دور میں نظر آتے ہیں مثلاً قائمؔ چاند پوری کی مناجات۔ اسی طرح شاہ نصیرؔکی مسدس کا عنوان ہی ''مسدس درحمد باری تعالیٰ'' ہے۔غمگینؔ دہلوی کی شاعری میں بھی حمد ومناجات بعنوان پائی جاتی ہے۔گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اردو حمد ومناجات کا باقاعدہ آغاز دبستان دہلی سے ہوتا ہے۔

۹۔ مرزا محمد رفیع سودا (۱۷۱۳ء۔۱۷۸۱ء) سوداؔ، شاہجہان آباد میں پیدا ہوئے۔ سوداؔ کی تعلیم وتربیت دہلی ہی میں ہوئی۔ شاعری میں حاتمؔ وآرزوؔ کی شاگردی اختیار کی۔ ان ہی کے کہنے پر فارسی ترک کر کے اردو میں شعر کہنے شروع کر دیے اور اس میں اس قدر مشق بہم پہنچائی کہ بقول رام بابوسکینہ ''اقلیم سخن وری کے شہنشاہ، اردو کے خاقانیؔ وانوریؔ، سپہر شاعری کے درخشندہ تارے بلکہ آفتاب'' بن گئے تھے۔ شاہ عالم ثانی کے زمانے میں ان کی اردو شاعری عروج پر تھی۔۱۷۴۹ء میں احمد شاہ ابدالی اور مرہٹوں کے پیہم حملوں سے دہلی اجڑ گئی تو تمام باکمال شعرا نے اس شہر کو خیر باد کہا۔سوداؔ بھی اس نازک وقت میں پہلے فرخ آباد گئے جہاں ان کی خوب مدارات ہوئی۔ پھر وہاں سے فیض آباد اور بعد ازاں لکھنؤ تشریف لے گئے۔ یہاں ان کو معاشی فراغت نصیب ہوئی اور یہیں لمبی عمر پاک کر ۱۷۸۱ء میں انتقال فرمایا۔

سوداؔ کی تصانیف میں اردو غزلیات کا دیوان، چالیس سے زاید قصائد، بیس سے زائد مثنویات،مخمسات، قطعات، رباعیات، ترکیب بند، ترجیع بند، واسوخت، مسدس، مرثیے اور سلام شامل ہیں۔

> ''سوداؔ نے ایہام گوئی کے خلاف مرزا مظہر جان جاناں کی تحریک میں شدومد سے شرکت کی۔ انھوں نے اردو غزل کو تنوع، زورِ بیان، فنی پختگی اور تکنیکی ہنر مندی بخشی۔ اردو میں ہجویہ و طنزیہ شاعری کی نہ صرف بنیاد ڈالی بلکہ ایک وسیع عمارت کھڑی کر دی۔سوداؔ کا کلام اپنے عہد کا آئینہ دار ہے۔شعر وشاعری کو ایک باقاعدہ فن سمجھ کر اسلوب وہیئت، زبان و بندش،غرض شعر کے ظاہری حسن پر پوری توجہ اور ساتھ ہی معنی آفرینی، تازہ مضامین کی تلاش، نازک خیالی اور تخیلی تصویر کاری کی روش کو اردو شاعری میں روشناس کرانے کا سہرا سودا ہی کے سر ہے۔''۳۹؎

دیگر اصنافِ شعری کی نسبت سوداؔ کے یہاں غزل میں حمدیہ کلام بہت کم نظر آتا ہے، شاید اس کی وجہ

بقول شیخ چاند یہ ہے کہ سوداؔ کا معشوق انسان ہے۔شیخ چاند کہتے ہیں:

''عشق و محبت کا باعث حسن و جمال ہے۔سوداؔ کی غزلوں میں یہ حسن کہیں کہیں اس بے زوال حسن کا نشان دیتا ہے۔جس کو شاعر کی نہایت تیز جمالی نظر دیکھ سکتی ہے۔لیکن اکثر جگہ حسن سے شاعر کی مراد انسانی قدو قامت اور خط و خال کی موزونیت ہے......اس کا معشوق انسان ہے جس کا حسن بھی انسانی ہے۔معشوق بھی وہ جس کی تصویر فارسی کی غیر صوفیانہ شاعری میں نظر آتی ہے اس کے خصائص و لوازم وہی ہیں جو فارسی غزل کے معشوق کے ہیں۔سوداؔ کے معشوق کو اسی نظر سے دیکھنا چاہیے۔جس کو معشوقِ حقیقی اور حسن بے زوال کو جلوے دیکھتے ہیں ، وہ خواجہ دردؔ کے دیوان میں دیکھے۔'' ۴۰؎

یہاں شیخ چاند کی اس رائے سے عدم اتفاق کیا جا سکتا ہے۔کیونکہ اگرچہ ان کے یہاں باقاعدہ حمدیہ اشعار غزل کے آغاز میں نہیں ہیں۔مگر دیوان کے مطالعے سے تلاش کیے جا سکتے ہیں۔ذیل میں چند حمدیہ اشعار مثالاً پیش کیے جاتے ہیں:

مقدور نہیں اس کی تجلی کے بیاں کا
جوں شمع، سراپا ہو اگر صرف زباں کا
پردے کو تعین کے درِ دل سے اٹھا دے
رکھتا ہے ابھی پل میں طلسمات جہاں کا ۴۱؎

غیر کے پاس یہ اپنا ہی گماں ہے کہ نہیں
جلوہ گر یار مرا ورنہ کہاں ہے کہ نہیں
مہر ہر ذرے میں مجھکو ہی نظر آتا ہے
تم بھی ٹک دیکھوتو صاحب نظراں ہے کہ نہیں ۴۲؎

قصائد سے حمدیہ اشعار کی مثالیں ملاحظہ ہوں:

ہوا جب کفر ثابت، ہے وہ تمغائے مسلمانی
نہ ٹوٹی شیخ سے زنارِ تسبیحِ سلیمانی ۴۳؎

اٹھ گیا بہمن و دے کا چمنستاں سے عمل
تیغ اردی نے کیا ملکِ خزاں مستاصل
سجدۂ شکر میں ہے شاخِ ثمردار ہر ایک
دیکھ کر باغِ جہاں میں کرمِ عزوجل ۴۴؎

غزلیات اور قصائد سے حمد یہ اشعار کی ان مختصر مثالوں کے علاوہ سوداؔ کی شاعری میں طویل حمد و مناجات کی مثال بھی ملتی ہے جو ان کی مثنوی ''قصۂ عشق پسرِ شیشہ گر بہ زرگر پسر''، میں ''بیانِ توحید'' کے عنوان سے ہے۔ یہاں معبودِ حقیقی سے عشق کی سرشاری و سرمستی ان کے قلم سے پھوٹتی ہے اور وہ جا بجا آیاتِ الٰہی کا مشاہدہ کرتے ہیں:

مرا دل نام پر اس کے ہے شیدا — کیا ہے جس نے حسن و عشق پیدا
یہ جلوہ حسن کا ہے گل میں اُس سے — اثر ہے نالۂ بلبل میں اُس سے
دلوں کا عاشقوں کے محرم راز — ادا و ناز کا خوباں کے دم ساز
کہیں نورِ چراغ خانہ ہے وہ — کہیں سوزِ دل پروانہ ہے وہ
کسو کے دل میں پاتا ہوں اسے درد — کسی سینے میں تاثیرِ دم سرد
ہر اک جا وہ بہ اندازِ دگر ہے — گہر میں آب و پتھر میں شرر ہے
نظر بھر دیکھ گر ہے تجھ کو فہمید — ہر اک ذرے میں جھمکے ہے وہ خورشید
چراغِ دیر کعبے سے نہیں دور — یہ دونوں روشن ازیک عالم نور
غرض وہ کیا ہے جو اُس سے جدا ہو — نہیں وہ شے جو اُس کے ماسوا ہو
ثنا ہو کس زباں سے اُس کی ہیہات — قلم کو پھیریئے سوئے مناجات ۴۵؎

اب وہ مناجات کے ۱۵ اشعار میں انتہائی پر سوز لب و لہجے میں اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے دولتِ عشق و محبت، دلِ گداز اور شعر و سخن میں نیک نامی کے لیے دعا گو ہیں:

خدایا دے تو اپنے عشق کا درد — عنایت کر دل گرم و دم سرد
محبت کا دے اپنے داغ دل پر — بغیر از شمع ہے تاریک یہ گھر
خمِ دل میں شرابِ درد بھردے — پیالے چشم کے لب ریز کر دے
تعشق میں کر اپنے اس قدر غرق — نہ مجھ سے کفر و دیں میں ہو سکے فرق
عطا میرے تئیں کر یا الٰہی — جنوں کی مملکت کی پادشاہی

زباں سے وہ سخن کر دے سر انجام — رہے محشر تلک جس سے مرا نام
بسانِ شمع یہ دل آب کر دے — گداز تن سے لذت یاب کر دے ۴۶؎

اور اب دیکھیے کہ حمد کے بعد مناجات کے اشعار لکھ کر سودا پھر حمد گوئی کے خواہاں ہیں اور یہ شعر درج کر کے دوبارہ تحمیدِ الٰہی میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ اردو شاعری میں اپنے رنگ کی یہ منفرد مثال ہے:

رواں رکھ تو مرے خامے کو دن رات
لکھوں تا حمد میں بعد از مناجات ۴۷؎

اور اب مزید حمدیہ اشعار کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

تری حمد اے چمن آرا کہاں ہو — اگر جوں سرتاپا زباں ہو
ثنا سننے کو تیری گل ہوا گوش — دہن میں سو زباں غنچے کے خاموش
ترے بارِ کرم سے شاخ ہے خم — بھرے ہے بلبلِ بستان ترا دم ۴۸؎

اللہ تعالیٰ کی نعمت ہائے رنگا رنگ اور احسانات بے پایا کا اعتراف کرتے ہیں:

رکھے ہے کام میں جب تک زباں تر — نمک گاہے چکھاوے ، گاہ شکر
برائے پوششِ تن بھی بہ ہر حال — کبھو کمّل اڑھاتا ہے کبھو شال
ہمارے واسطے اے ربِ معبود — کرم ماں باپ سے تیرا ہے افزود
ترے احساں بیاں کیا ہم سے ہوویں — رہے بیدار تو، بندے جو سوویں
رکھے ہے گرم جب ہو موسم برد — پڑے گرمی تو دے ہے گوشۂ سرد
سخن سننے کو تونے بخشے ہیں گوش — سمجھنے کو دیا ہے فہم اور ہوش
غرض کیا کیا کرم ہم پر ہے تیرا — شفیعِ حشر پیغمبرؐ ہے تیرا ۴۹؎

مندرجہ بالا اشعار میں سوداؔ نے درج ذیل آیات قرآنی سے استفادہ کیا ہے:

★لاتاخذہ سنۃ ولا نوم (۲۵۵:۳)

ترجمہ: نہ اسے نیند آتی ہے اور نہ اونگھ

★وَھُوَ الَّذِیۡ اَنۡشَاَ لَکُمُ السَّمۡعَ وَ الۡاَبۡصَارَ وَ الۡاَفۡئِدَۃَ قَلِیۡلًا مَّا تَشۡکُرُوۡنَ (۲۳/۷۸)

ترجمہ: وہی ہے جس نے تمہارے لئے کان اور آنکھیں اور دل پیدا کئے لیکن تم میں سے کم ہیں جو شکر گزار ہوں۔

سوداؔ کی رباعیات میں بھی حمد کے دلکش نمونے ملتے ہیں۔ مثال کے طور پر ذیل کی دو رباعیات ملاحظہ ہوں:

میں دیر و حرم ڈھونڈ کے یارو ہارا
دونوں میں نہ پایا اسے جز اندھیارا
دل داغ سے روشن ہوا جس دم جوں شمع
اپنا تن و جاں اپنے قدم پر وارا ۵۰؎

اے دوست تجھے دل میں تو پاتا ہوں سرور
آنکھوں میں تری ذات کو دیکھوں ہوں نور
تجھ کنہ کو لیکن نہ کبھو پہنچا فہم
اے این ہمہ نزدیک تو کتنا ہے دور ۵۱؎

ایک اور رباعی میں اللہ تعالیٰ کے لیے ''خاوند'' کا لفظ استعمال کرتے ہیں: نیز صنعتِ تلمیح کی خوبی بھی ملاحظہ ہو:

خاوند وہ ایسا ہے کہ عالم کو دے
دارا کو نہ تنہا نہ فقط جم کو دے
پہنچا کے بہم دیکھ تو کیا کیا نعمت
کھاوے نہ اوسے آپ وہ اور ہم کو دے ۵۲؎

۱۰۔ ولی اللّٰہ محب (م۔۱۷۹۲ء۔۱۷۹۴ء) شیخ ولی اللہ محب، سوداؔ، میرؔ اور دردؔ کے ہم عصر تھے۔ سوداؔ کے شاگرد تھے اور ان سے بڑی عقیدت رکھتے تھے۔ محبؔ کے سال ولادت کا تعین نہیں ہے۔ ان کا آبائی وطن ہندوستان ہی تھا۔ ان کی تعلیم و تربیت کے بارے میں بھی تمام تذکرہ نویس خاموش ہیں۔ ان کی غزلیات سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اثنا عشری تھے۔ بعض اشعار سے ان کا تعلق صوفیانہ مسلک سے معلوم ہوتا ہے۔ دہلی میں ان کے احباب میں قدرت اللہ قاسمؔ، مرزا عظیم بیگ اور انشاء اللہ خان انشاؔ تھے۔ دلی کے حالات خراب ہو جانے پر فرخ آباد چلے گئے تھے۔ ڈاکٹر شگفتہ زکریا کی تحقیق کے مطابق ان کا سال وفات ۱۷۹۲ء تا ۱۷۹۴ء تسلیم کیا جانا چاہیے۔ ۵۳؎

محبؔ کے ہاں عام روایتی موضوعاتِ غزل ہیں۔تصوف کے روایتی شعر بھی محبؔ کے ہاں خاصی تعداد میں موجود ہیں۔عام روایات کے مطابق دیوان کا آغاز حمد سے ہوتا ہے۔ جو روانی اسلوب،تشبیہات اور صنائع لفظی سے آراستہ ہے:

اے خالق اکبر بشری تاب و تواں کا
کب حوصلہ ہے تیری ستائش کے بیاں کا
جلوے سے ترے نور کے ہے خاک کو یہ قدر
جھمکے ہے ہر اک ذرے میں خورشید جہاں کا
آگے ترے مکھڑے کے یہ صورت ہوئی دل کی
جوں روشنیٔ ماہ سے احوال کتاں کا
جوں نقشِ نگین، ثبت سویدا میں ہے دل کے
کس طرح نہ ہو نام ترا ورد زباں کا ۵۴؎

محب کے دیوان میں جا بجا حمد یہ اشعار ملتے ہیں۔جن میں معرفتِ الٰہی،توکل برخدا اورعشقِ الٰہی کے مضامین ہیں :مثلاً

بشر کیا کر سکے دریافت ماہیت خدائی کی
نہیں ہے دخل واں مطلق تخیل اور تعقل کا
تعین کا اگر پردہ نہ ہووے دیدۂ دل پر
تو پھر جلوہ نظر آنے لگے ہر جزو میں کل کا ۵۵؎

ناخدا ہے خدا تو خوف نہ کر
اے محبؔ اپنے تو سفینے کا ۵۶؎

ذکر ہر آن آن ہے تیرا
رات دن مجھ کو دھیان ہے تیرا
چاہے آ دل میں چاہے آنکھوں میں
جان یہ سب مکان ہے تیرا

چاہے عزت دے چاہے ذلت دے
یہ سیاہ رو ندان ہے تیرا
جوں نگیں روسیاہ ہوں لیکن
دل میں نام و نشان ہے تیرا
دست بردار ہم تو ہیں سب سے
دین و دل مال و جان ہے تیرا ۵۷۔

درج ذیل آیات قرآنی، محب کے کلام میں نگینوں کی مانند جڑی ہوئی ہیں۔ اِس سے محبؔ کی قرآن فہمی اور تعلیمات دینی کے شعور کی آگہی بھی ہوتی ہے۔

★ وَ تُعِزُّ مَنۡ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنۡ تَشَآءُ (۳/۲۶)

ترجمہ: اور وہ (اللہ) جس کو چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔

★ قُلۡ اِنَّ صَلَاتِیۡ وَ نُسُکِیۡ وَ مَحۡیَایَ وَ مَمَاتِیۡ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ (۶/۱۶۲)

ترجمہ: کہہ دو کہ میری نماز، میری قربانیاں، میرا جینا اور میرا مرنا، سب رب العالمین کے لیے ہے۔

۱۱۔ میر تقی میر (۱۷۲۲ء۔۱۸۱۰ء) محمد تقی نام، میرؔ تخلص ۱۷۲۲ء میں اکبر آباد میں پیدا ہوئے۔ بعد ازاں دلی چلے آئے اور دلّی ہی کو اپنا مسکن بنایا۔ سیاسی انتشار کے سبب اخیر عمر میں ۱۷۸۲ء لکھنؤ چلے گئے اور وہیں ۱۸۱۰ء میں انتقال ہوا۔

میرؔ کے والد محمد علی، متقی ایک صوفی منش، درد مند آدمی تھے۔ میرؔ کی تربیت میں ان کے والد کی صوفیانہ شخصیت کا عکس جھلکتا ہے۔ میرؔ نے اپنی خودنوشت، ''ذکرِ میر'' میں اپنے والد اور والد کے مرید امان اللہ کا ذکر بڑی عقیدت سے کیا ہے۔ میرؔ کے کلام میں حزن وغم کا موضوع کثرت سے ملتا ہے، اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ اس وقت سلطنت مغلیہ کا چراغ ٹمٹما رہا تھا اور ہر طرف یاس کا عالم تھا۔ انھوں نے اپنی آنکھوں سے نادر شاہ کا قتلِ عام، احمد شاہ درانی کا حملہ، مرہٹوں، جاٹوں اور روہیلوں کی غارت گری اور نامعلوم کیا کیا دیکھا۔ ان کے شہر آشوب اور مثنویات ان کے عہد کے پر آشوب حالات کے بہترین ماخذ ہیں۔ ذاتی زندگی کے حوادث اور اجتماعی درد وغم نے ان کی دل شکستگی کو غم پسندی بلکہ ایذا پسندی کی شکل دے دی تھی۔ محمد حسین آزادؔ نے ''آب حیات''

میں بہت سے واقعات لکھے ہیں جن سے ان کی نازک مزاجی اور بددماغی مترشح ہوتی ہے۔ میرؔ کے ''کلیات نظم'' میں اکثر مروّجہ اصنافِ سخن موجود ہیں ۔ چھ اردو دیوان، ۳۵ مثنویات، قصائد، غزل، مراثی، رباعیات، مثلثات، مخمسات، مسدسات، قطعات، ترکیب بند، ترجیع بند، واسوخت، تضمینات وغیرہ۔ علاوہ ازیں ایک فارسی دیوان بھی موجود ہے۔

ڈاکٹر سید عبداللہ میرؔ کے افکار پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''یہ مسلم ہے کہ میرؔ غالب حد تک احساسات کے شاعر ہیں مگر یہ سمجھنا غلط ہوگا کہ ان کے یہاں فکری عنصر موجود نہیں ان کے افکار کی ایک فہرست مرتب کی جا سکتی ہے۔ میرؔ کے افکار کا ایک حصہ وہ ہے جو رسمی ہے یعنی عام صوفیانہ فکر کے مطابق ہے۔'' ۵۸؎

میرؔ کے افکار کی یہی صوفیانہ فکر ان کی حمد گوئی میں بھی مترشح ہے۔ صنعت سے صانع کا تصور اور مظاہر فطرت سے فاطر السموت والارض کا عرفان اس کا خصوصی اسلوب ہے۔ ''کلیات میر'' جلد اول کی پہلی غزل:

تھا مستعار حسن سے اس کے جو نور تھا
خورشید میں بھی اس ہی کا ذرہ ظہور تھا
پہنچا جو آپ کو تو میں پہنچا خدا کے تئیں
معلوم اب ہوا کہ بہت میں بھی دور تھا ۵۹؎

کا دوسرا شعر حدیث نبویؐ ،من عرف نفسہٗ فقد عرب ربہٗ کی ترجمانی کرتا ہے۔ ''کلیات میر'' جلد دوم کی پہلی غزل بھی حمدیہ ہے۔

ہر ذی حیات کا ہے سبب جو حیات کا
نکلے ہے جی ہی اُس کے لیے کائنات کا
بکھرے ہے زلف اس رخِ عالم فروز پر
ورنہ بناؤ ہووے نہ دن اور رات کا
مستہلک اس کے عشق کے جانے ہیں قدر مرگ
عیسٰی و خضر کو ہے مزا کب وفات کا

اور غزل کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

اشجار خامہ ہوویں جو آبِ سیہ بحار
لکھنا نہ تو بھی ہو سکے اُس کی صفات کا

جس کا مضمون سورۃ لقمان کی آیت نمبر ۲۷ کے مفہوم سے مستعار ہے:

وَلَوْ اَنَّ مَافِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّ الْبَحْرُ یَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ اِنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ○

ترجمہ: اور اگر بن جائیں جتنے بھی ہیں زمین میں درخت، قلم اور سمندر ہو اس کی سیاہی اور اس کے ساتھ ہوں مزید سات سمندر بھی تو نہ ختم ہوں اللہ کی باتیں۔ بے شک اللہ ہے زبردست بڑی حکمت والا۔ (القمان۔۲۷)

اسی غزل سے حمد کا ایک اور دلکش شعر ملاحظہ ہو: جو متصوفانہ حمد کی ذیل میں آتا ہے:

اس کے فروغِ حسن سے جھمکے ہے سب میں نور
شمع حرم ہو یا کہ دیا سومنات کا ۶۰؎

جلد سوم کی پہلی غزل کا حرف پہلا شعر حمد یہ ہے:

میرے مالک نے مرے حق میں یہ احسان کیا
خاک نا چیز تھا میں، سو مجھے انسان کیا ۶۱؎

جلد چہارم کی پہلی غزم سے دو حمد یہ شعر ملاحظہ ہوں:

کرتا ہوں اللہ اللہ، درویش ہوں سدا
سرمایۂ توکل یاں نام ہے خدا کا
یہ دو ہی صورتیں ہیں یا منعکس ہے عالم
یا عالم آئنہ ہے اُس یار خود نما کا ۶۲؎

عشق کی تعریف میں بھی 'حمد' مضمر ہے۔ فرماتے ہیں:

لوگ بہت پوچھا کرتے ہیں کیا کہیے میاں، کیا ہے عشق
کچھ کہتے ہیں سرِ الٰہی ، کچھ کہتے ہیں خدا ہے عشق ۶۳؎

میرؔ کے نزدیک حمد الٰہی کی توفیق بھی ،صرف ذات ایزدی ہی دیتی ہے، ہر کہہ ومہ کو اس کی مجال کہاں:

واجب کا ہو نہ ممکن مصدر صفت ثنا کا
قدرت سے اس کے لب پر نام آوے ہے خدا کا
۶۴؎

۱۲۔ خواجہ میر درد (پ۲۱۔۱۷۲۰ء) نام خواجہ میر، تخلص درد تھا جو انھوں نے اپنے مرشد اور والد کے تخلص عندلیبؔ کی رعایت سے رکھا۔ دردؔ دہلی میں پیدا ہوئے۔ یہ عہدِ محمد شاہی تھا۔ دردؔ نے جملہ علوم شرعیہ کی تحصیل کی۔ دردؔ عہد جوانی میں فوج میں تھے مگر ۲۹ برس کی عمر میں سپاہیانہ لباس اتارا اور یہ کہہ کر:

دردؔ درویش ہوں مری تعظیم
خلق کرتی ہے کہہ کہ یا اللہ ۶۵؎

درویشانہ لباس زیب تن کیا۔ باپ کے سفر آخرت اختیار کرنے پر ان کے سجادہ نشین بنے۔ دردؔ کی شاعری کا بنیادی محرک تصوف ہے۔ بقول ڈاکٹر فرمان فتحپوری:

''ان کا اصل کمال ہمارے نزدیک صوفی ہونے میں نہیں بلکہ تصوف کو شعر کا رنگ دینے میں ہے۔ دردؔ اردو کے پہلے صوفی شاعر ہیں اور اردو شاعری میں انھی کے ہاتھوں تصوف کی بعض صحت مند روایتیں اول اول داخل ہوئی ہیں۔'' ۶۶؎

ڈاکٹر گراہم بیلی (Grahame Bailey) ہسٹری آف اردو لٹریچر، میں میر دردؔ کے متعلق لکھتے ہیں:

"Mir Dard was a Sufi who wrote only religious lyrics and other poems of that type." ۶۷؎

دردؔ کی چھوٹی بڑی تصانیف کی تعداد بارہ ہے۔ اسرار الصلوٰۃ، واردات، علم الکتاب، نالۂ درد، آہ سرد، شمع محفل، دردِ دل، حرمتِ غنا، واقعات درد، سوزِ دل، دیوان فارسی اور دیوانِ اردو۔

دردؔ کے مختصر سے دیوان اردو میں بلحاظِ موضوعات سب کچھ ہے۔ اس میں عشق مجازی کی نیرنگیاں بھی ہیں اور خالق حقیقی سے بے مثال مہر و محبت کی مثالیں بھی۔ دردؔ اپنے اردو دیوان کی ابتدا ہی حمد سے کرتے ہیں:

مقدور ہمیں کب ترے وصفوں کے رقم کا
حقا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا
اس مسندِ عزت پہ کہ تو جلوہ نما ہے
کیا تاب گزر ہووے تعقل کے قدم کا

بستے ہیں ترے سایے میں سب شیخ و برہمن
آباد ہے تجھ سے ہی تو گھر دیر و حرم کا
ہے خوف اگر جی میں تو ہے تیرے غضب سے
اور دل میں بھروسا ہے تو ہے تیرے کرم کا ۶۸؎

ڈاکٹر نفیس اقبال، اپنی کتاب ''اردو شاعری میں تصوف میرؔ، سوداؔ اور دردؔ کے عہد میں، دردؔ کے کلام میں وجودِ حقیقی کے مظاہر کی اس طرح نشاندہی کرتی ہیں:

''دردؔ کے نزدیک زمین، آسمان اور کائنات کی ہر شے میں اسی ذات واحد کی جلوہ ریزی نظر آتی ہے۔ اس ذاتِ واحد کے سوا کوئی دوسرا وجودِ حقیقی نہیں ہے۔ اسی وجودِ حقیقی سے کائنات کا وجود قائم ہے۔ وہی اول ہے، وہی آخر ہے اور وہی ظاہر ہے اور وہی باطن ہے۔ کائنات میں ہر طرف اس کے مظاہر نظر آتے ہیں اور انسان بھی اس کا ایک مظہر ہے۔'' ۶۹؎

ذیل کے حمدیہ اشعار ڈاکٹر صاحبہ کی مذکورہ رائے کی تائید میں پیش کیے جاتے ہیں:

ماھیتوں کو روشن کرتا ہے نور تیرا
اعیان ہیں مظاہر، ظاہر ظہور تیرا
ہے جلوہ گاہ تیرا، کیا غیب کیا شہادت
یاں بھی شہود تیرا، واں بھی حضور تیرا ۷۰؎

مدرسہ یا دیر تھا یا کعبہ یا بت خانہ تھا
ہم سبھی مہمان تھے واں تو ہی صاحب خانہ تھا ۷۱؎

ڈھونڈے ہے تجھے تمام عالم
ہر چند کہ تو کہاں نہیں ہے ۷۲؎

عشق الٰہی سے سرشار، دردؔ کے دل میں اگر کوئی تمنا ہے تو فقط اس کی۔ اسے ہر طرف اپنا محبوب ہی دکھائی دیتا ہے۔ صرف اسی کا ہی دل ہے جس میں عشق الٰہی سما سکتا ہے۔ درد کہتے ہیں:

تمنا ہے تیری اگر ہے تمنا
تری آرزو ہے اگر آرزو ہے

نظر میرے دل کی پڑی درد کس پر
جدھر دیکھتا ہوں ادھر تو ہی تو ہے ۷۳؎

ارض و سما کہاں تیری وسعت کو پا سکے
میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے
وحدت میں تیری حرف دوئی کا نہ آ سکے
آئینہ کیا مجال تجھے منہ دکھا سکے
یارب یہ کیا طلسم ہے ادراک و فہم یاں
دوڑے ہزار آپ سے باہر نہ جا سکے ۷۴؎

دردؔ اپنی رباعیات میں بھی، ایک ایک حرفِ توحید میں جانے کتنے ہی ورق پڑھتے ہیں اور اس طرح تحمیدِ الٰہی کرتے ہیں:

جب سے توحید کا سبق پڑھتا ہوں
ہر حرف میں کتنے ہی ورق پڑھتا ہوں
اس علم کی انتہا سمجھنا آگے
اے دردؔ ابھی تو نامِ حق پڑھتا ہوں ۷۵؎

جہاں تک کلامِ دردؔ میں مناجات کا تعلق ہے، شاعر کمال معصومیت اور مان سے جو اسے اپنے معبودِ برحق سے ہے۔ کہتا ہے:

مجھے در سے اپنے تو ٹالے ہے، یہ بتا مجھے تو کہاں نہیں
کوئی اور بھی ہے ترے سوا تو اگر نہیں تو جہاں نہیں ۷۶؎

اور دردؔ کی دعا وہی ہے جو درویش کامل کی ہوسکتی ہے۔ یعنی یہ کہ وہ رضائے الٰہی میں راضی ہیں۔ اسی لیے کہتے ہیں:

نہ مطلب ہے گدائی سے نہ یہ خواہش کہ شاہی ہو
الٰہی ہو وہی جو کچھ کہ مرضی الٰہی ہو ۷۷؎

۱۳۔ قائم چاندپوری (۱۷۲۲ء۔۱۷۹۳ء) نام محمد قیام الدین، چاند پور ضلع بجنور میں ۲۳۔۱۷۲۲ء کے درمیان پیدا ہوئے۔ قائم کی زندگی کا آخری دور رام پور میں گزرا جہاں ان کی ذات، اہل ذوق و اربابِ فن کا

مرجع بن گئی۔ قائمؔ کے تلامذہ کے کئی سلسلے چلے اور اس طرح ان کی بدولت رام پور کے شعری دبستان کی بنیاد پڑی۔

مجلس ترقی ادب کے زیر اہتمام ''کلیات قائم'' شائع ہو چکا ہے جسے اقتدا حسن نے مرتب کیا ہے۔ اس میں غزلیات کے علاوہ رباعیات، قطعات، مخمسات، مسدسات، ترجیع بند، قصائد، مثنویات ،سلام و مراثی شامل ہیں۔ قائمؔ کی شاعری میں میرؔ کی داخلیت اور سوداؔ کی خارجیت کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ یہی حسین امتزاج ہمیں قائم کی حمدیہ شاعری میں بھی ملتا ہے:

ہرگز نہیں مقدور تری حمد زباں کا
برہان ہے دعوے کی مرے عجزبیاں کا
جب تک کہ ہے تو ہم ہیں ترے ساتھ ہمیشہ
جوں موج کہ نِت لازمہ ہے آب رواں کا
اے عشق مرے دوش پہ تو بوجھ رکھ اپنا
ہر سر متحمل نہیں اس بار گراں کا
پوشیدہ ہے جوں بو وہ ہر اک رنگ میں قائم
دیکھے تو اگر غور سے گل زار جہاں کا ۷۸؎

مذکورہ بالا اشعار میں سے دوسرے اور چوتھے شعر میں قائمؔ نے دلکش تشبیہات سے مضمون انفرادیت پیدا کردی ہے۔ تیسرے شعر میں قرآن سے استفادہ کیا ہے۔

چونکہ تصوف، اس دور کا پسندیدہ موضوع تھا۔ اس لیے قائم کی مذکورہ بالا حمد میں بھی، وحدت الوجودی فلسفے کی رو سے حمد الٰہی کی گئی ہے۔ اپنی مثنوی ''جذب الفت''، یا مثنوی ''مسمّٰی بہ عشق گدا'' میں قائمؔ اس طرح حمد نگاری کرتے ہیں:

بنام آنکہ عشق آموز دل ہے — چراغ افروز شمعِ سوزِ دل ہے
عطا کی گل کو اُن نے شکلِ زیبا — کیا بلبل کو اُن نے ناشکیبا
جہاں ہو اس کا غم ہنگامہ پرواز — ہے ماتم کے تئیں شادی پہ واں ناز
لگا موسیٰ سے تاخاروخس طور — ہیں اُس کے شوقِ نظارہ سے معمور
۷۹؎

وحدت الوجودی فلسفے پر مبنی، حمد کے اشعار ملاحظہ ہوں:

ہے ہر ذرہ میں یاں پنہاں وہ خورشید   تو اس دھوکے میں ہے یہ عمر وہ زید
جو کچھ دیکھے ہے تیں عالم میں موجود   ہے اس کی بود سے ان سب کی بہبود
نہ ہو اس سے اگر ذرے کو تائید   اُسے کیا روکہ چاہیے وصلِ خورشید
تنک نسبت کر اپنی اس سے معلوم   کہ ہو رمزِ حقیقت تجھ کو مفہوم ۸۰؎

اسی مثنوی کی مناجات میں قائم اللہ تعالیٰ سے عشق و معرفت الٰہی کے طلبگار ہیں۔ کہتے ہیں:

الٰہی شعلہ زن کر آتشِ دل   تپ دل دے بقدرِ خواہشِ دل
دے وہ دل ہو جو نیشِ غم سے معمور   مشبک سر بسر جوں شانِ زنبور
کرامت کر وہ عشق آتش انگیز   بنے ہر استخواں میرے سے گل ریز
ہمیشہ جوں رگِ تاکِ بریدہ   ہو آنسو تا سرِ مژگاں رسیدہ
کر ایسا مشتعل داغِ جدائی   ہو روشن جس سے شمعِ آشنائی
کھلے دل پر بریں ساں بابِ توفیق   کہ بے پردہ عیاں ہو، روئے تحقیق

۸۱؎

مذکورہ بالا مناجات میں قائمؔ نے تشبیہات کے برمحل اور موزوں، برمحل استعمال سے اشعار کی شان دوبالا کر دی ہے۔

۱۴۔ سید محمد میر سوز (۱۷۲۳ء......۱۷۹۸ء)

فقیری کی طلب تھی مجھ کو طفلی سے مرے خالق
یہ کب مانگا تھا تجھ سے یا الٰہی مجھ کو شاعر کر ۸۲؎

بچپن سے درویشی کے آرزومند، میر سوز، ۱۷۲۳ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ۸۳؎ درسی علوم کے علاوہ فنون سپہ گری کی تربیت حاصل کی۔ تیراندازی اور گھڑسواری کے ماہر تھے۔ فن خوش نویسی میں کمال حاصل تھا۔ محمد شاہی دور میں گھر گھر شاعری کا چرچا تھا۔ سوزؔ بھی عنفوان شباب ہی میں شعر گوئی کی طرف مائل ہوئے۔ پہلے میرؔ اور بعد ازاں سوزؔ تخلص اختیار کیا۔ احمد شاہ کی معزولی کے بعد ترک وطن پر مجبور ہوئے۔ پہلے فرخ آباد اور بعد ازاں لکھنو گئے۔ نواب آصف الدولہ نے ان سے تلمذ اختیار کیا۔ سال وفات ۱۷۹۸ء ہے۔

تمام تذکرہ نگاروں نے سوزؔ کی خوش مزاجی کی تعریف کی ہے۔ ان کی شعر خوانی کا انداز بھی بڑا نرالا تھا۔

آزادؔ نے ''آبِ حیات'' میں ان کی اداکاری کی پوری تصویر کھینچ کے رکھ دی ہے۔ چونچلا پن، چھیڑ چھاڑ، سوزؔ کی عشقیہ شاعری کے اجزائے ترکیبی ہیں۔ اس کے باوصف ان کے کلام میں مذہب وتصوف اور سوز و گداز کے عناصر بھی نظر آتے ہیں۔ جہاں تک ان کی حمدیہ شاعری کا تعلق ہے عام شعری روایت کے مطابق سوزؔ بھی اپنے دیوان کا آغاز حمد سے کرتے ہیں مگر ان کی اس بسم اللہ، میں بھی انفرادیت ہے:

سردیوان پر اپنے جو بسم اللہ میں لکھتا
بجائے مدِ بسم اللہ مدِّ آہ میں لکھتا
خدا دیتا اگر مجھ کو زباں توحید کہنے کی
تو لا کر سب الوہیت کو الا اللہ میں لکھتا ۸۴؎

ایک اور حمد، سوداؔ کی زمین میں ہے۔جس میں تحمید الٰہی میں عجز بیانی اور کوتاہ لسانی کا احساس ہے:

جز شکر قلم صفحے پہ خلاق جہاں کا
چاہے جو کرے وصف تو کیا منھ ہے زباں کا
پہنچے ہے خیال اس کے کوئی وصف تک اپنا
واں دخل فرشتے کے نہیں وہم و گماں کا
ہر موبہ تنِ خلقتِ خاکی جو زباں ہو
مقدور کسے ہے ترے احساں کے بیاں کا ۸۵؎

مندرجہ بالا اشعار میں سوزؔ نے سورۃ الکھف کی درج ذیل آیت

قل لو کان البحر......الخ سے ملتا جلتا مفہوم بیان کیا ہے۔ کہ اگر انسان کے جسم کا ایک ایک بال بھی اپنی زبان سے تحمیدِ الٰہی میں مگن ہو۔ تو بھی اس کے احسانات کو بیان کرنے سے قاصر ہے۔

سوز اللہ تعالیٰ کے غفار الذنوب ہونے کا اقرار کرتے ہیں اور اسے ہی 'داتا' قرار دیتے ہیں:

شرائط اپنے میں اسلام میں ہر گز نہیں پاتا
جو اس پر بھی گنہ بخشے تو اس کا نام ہے داتا ۸۶؎

سوز کے یہاں جو اشعار دعا و مناجات کے رنگ میں ہیں ان میں شکوہ بھی ہے اور استمداد و استعانت بھی:

دل کے ہاتھوں سے جگر تو جل گیا میرے خدا
دل دیا ہے یا کہ کامِ اژدہا میرے خدا
میں ترا مخلوق ہوں مجھ کو کبھی آ گاہ کر
اے خرد بخش، اے کریم، اے کبریا میرے خدا
انبیا کو علم بخشا، اولیا عارف ہوئے
میں اُٹکر لیس تھوتھا رہ گیا میرے خدا
مرتبہ تو اہلِ عرفاں نے اٹھایا شعر سے
سوزؔ کیوں باقی رہا یہ کیا ہوا میرے خدا ۸۷؎

۱۵۔ خواجہ میر اثر(۱۷۳۵ء......۱۷۹۴ء)میر اثرؔ ،خواجہ میر دردؔ کے چھوٹے بھائی، شاگرد اور جانشین تھے۔ آخری عمر میں خواجہ میر دردؔ کا یہ فرمانا کہ:

تا قیامت نہیں مٹنے کا دل عالم سے
دردؔ ہم اپنے عوض چھوڑے اثر جاتے ہیں ۸۸؎

جہاں اثرؔ کے صاحبِ کمال ہونے کا ثبوت ہے، وہاں اس حقیقت کا غماز بھی ہے کہ اس خاندانِ صاحب نظراں میں سجادہ نشینی کوئی موروثی چیز نہیں تھی۔ اگر یہ محض رسم ہوتی تو خواجہ دردؔ کے صاحبزادے ان کے جانشین قرار پاتے۔

''میر اثرؔ کا نام محمد میر تخلص اثرؔ تھا انھوں نے اپنا تخلص اپنے والد کے تخلص عندلیبؔ اور بھائی کے تخلص دردؔ کی وجہ سے اثرؔ رکھا۔ آپ ۱۱۴۸ھ/ ۱۷۳۵ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ میر دردؔ سے اکتساب علم کیا۔ علم تصوف، موسیقی اور تاریخ گوئی پر عبور اور علمِ ریاضی میں درک رکھتے تھے۔''

۸۹؎

اثرؔ کی تصنیفات میں مثنوی خواب و خیال، ''مثنوی بیان واقع'' اور ''دیوان اثر'' ان کے ادبی کارنامے ہیں۔ سب سے پہلے ہم مثنوی خواب و خیال، میں حمد یہ شاعری پر اظہار خیال کرتے ہیں۔

جس طرح اثرؔ، دردؔ کی تربیت میں رہ کر یگانہ روز گار بنے اور ان کے روحانی جذب و کیف میں درد کی بدولت رفعت پیدا ہوئی۔ اس طرح ان کے ذوقِ شعری کو بھی تحریک دردؔ ہی سے ملی۔ مثنوی کے آغاز میں انھوں

نے بیان کیا ہے کہ ایک موقع پر خواجہ میر دردؔ نے مثنوی کے انداز میں سوشعر کہہ ڈالے۔ میں نے سنے تو مجھے بہت پسند آئے۔ میں نے مانگ لیے اور اس پر کچھ اور کہنے کی اجازت چاہی۔اجازت ملنے پر اور شعر کہے یہاں تک کہ تین ہزار شعر کی مثنوی تیار ہوگئی۔

مثنوی ''خواب و خیال'' میں کوئی قصہ کہانی یا عشقیہ داستان نہیں ہے یہ اپنی نوعیت کی ایسی مثنوی ہے جو کسی مسلسل داستان کے نہ ہونے کے باوجود بھی مثنوی کی خصوصیات رکھتی ہے۔مثنوی کی بنیاد ایک عشق خیز اور رومان انگیز واقعے پر رکھی گئی ہے۔مگر اثرؔ عشق مجازی کے عاشق پر اثرات اور اس کے ہولناک انجام کے پیش نظر خدا سے مناجات کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

ہونا یا رب کسو کا دل بے تاب — نہیں دنیا میں اور ایسا عذاب
آہ یارب کسو سے دل نہ لگے — تجھ سوا اب کسو سے دل نہ لگے
بس مناجات سے یہی ہے غرض — کسی دشمن کو بھی نہ ہو یہ مرض ۹۰؎

اور اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اصل عشق، عشق الٰہی ہے:

ساری دنیا کو خوب دیکھا آہ — ہے محبت، محبت اللہ
جس سے قائم ہے آسمان و زمیں — جس سے آوے دلوں میں صدق و یقیں
قابلِ عشق ذات اس کی ہے — برتر از گفت بات اس کی ہے ۹۱؎

اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اس انداز میں کرتے ہیں:

صرف اللہ ہی یار اپنا ہے — بس وہی دوستدار اپنا ہے
نہیں مجھ کو کسی سے کچھ سروکار — کبھو دیکھا نہیں یہ کاروبار
دیکھوں کس کو میں از برائے خدا — نظر آتا نہیں سوائے خدا
کس کو دیکھوں کروں میں کس پہ نگاہ — سب طرف جلوہ گر ہے وجہ اللہ
وحدہٗ لا شریک لہ ہے وہی — کیجئے جس طرف نگہ ہے وہی ۹۲؎

''دیوان اثرؔ'' کی ابتدا ہی حمد سے ہوتی ہے۔اثر کہتے ہیں:

احوال کھلا نہ ابتدا کا — معلوم ہوا نہ انتہا کا
با ایں جہل و بے شعوری — کیا ذکر کرے کوئی خدا کا
عرفانِ اتم ہے عجزِ عرفان — تعریف قصور ہے ثنا کا

اللہ کی بس کہے محمدؐ مظہر ہے وہ ذات کبریا کا ۹۳؎

ایک اور حمد میں ذات وصفاتِ الٰہی بیان کرتے ہوئے، اس کے فضل واکرام کے طلبگار ہیں:

نہ ضد کوئی نے ند ترے اوصاف و شیم کا وہ ہست نہیں تو کہ مقابل ہو عدم کا
کیا کہہ کے بیاں کیجئے تری ذات و صفت کو واں تو نہ گزر نام و نشاں کا نہ علم کا
کیا تیرے دوام اور بقا کی کہے حادث اس تن کی عبادت سے ہے اطلاق قدم کا
ہم عاصی گنہگاروں کو بس دونوں جہاں میں صرف ایک ٹھکانہ ہے ترے فضل و کرم کا
۹۴؎

متفرق حمدیہ اشعار جن میں متصوفانہ خیالات بھی ملتے ہیں، پیش کیے جاتے ہیں:

جوں عکس مرا کہاں ٹھکانہ ترے جلوے سے جلوہ گر ہوں ۹۵؎

تجھ سوا کوئی جلوہ گر ہی نہیں پر ہمیں آہ کچھ نظر ہی نہیں ۹۶؎

تیری صفات سے نہ رہا کام کچھ مجھے بس تیری صرف دوستی بالذات رہ گئی
۹۷؎

نسبت مجھے آہ تجھ سے کیا ہے بندہ بندہ خدا، خدا ہے ۹۸؎

اور اثرؔ کی ایک دلکش حمدیہ رباعی پر موضوع کو تمام کیا جاتا ہے۔

مجھ کو تو صرف آسرا تیرا ہے
میں تیرا ہوں بس اور تو میرا ہے
یک گوشہ چشم ہی کفایت ہے مجھے
تیرا تھوڑا بھی فضل بہتیرا ہے ۹۹؎

۱۶۔ شاہ نصیر الدین نصیر (۱۷۶۱ء......۱۸۳۸ء) شاہ نصیر الدین عرف میاں کلّو خاص دہلی کے رہنے والے تھے۔ تاریخ پیدائش بقول ڈاکٹر شمس الدین صدیقی اندازاً ۱۷۶۱ء بنتی ہے ۱۰۰؎ شاہ نصیرؔ کو ان کے والد نے بڑے نازونعم سے پالا تھا اور تعلیم و تربیت کے لیے ادیب اور استاد مقرر کئے۔ والد کے انتقال کے بعد انھیں ریختہ گوئی کا شوق ہوا۔ ۱۰۱؎ بقول آزادؔ کہ وہ کتابی علم میں کماحقہٗ کامیاب نہ ہوئے لیکن طبیعت شعر سے

ایسی مناسب واقع ہوئی تھی کہ بڑے بڑے ذی استعداد اور مشّاق شاعر مشاعروں میں منہ دیکھتے رہ جاتے تھے۔''۱۰۲؎

شاہ عالم کے زمانے میں شاہ نصیرؔ کی دربار میں رسائی ہوگئی۔ جب دہلی میں انگریزی حکومت ہو گئی (۱۸۰۳ء) تو شاہ نصیرؔ حیدر آباد دکن چلے گئے اور وہاں ۱۸۳۸ء میں وفات پائی۔ ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزادؔ صاحب فتحپوری لکھتے ہیں:۔

''دہلی کے میاں نصیر الدین نصیرؔ سنگلاخ زمین اور مشکل ردیف و قافیہ نظم کرنے میں ید طولیٰ رکھتے ہیں اور اسی باعث مشہور بھی ہیں لیکن حمد کے میدان میں ان کے یہاں توحید و معرفت کے مضامین میں تنوع اور رنگا رنگی ہے جو ندرت وعقیدت کے لحاظ سے نہ صرف بصیرت افروز ہے بلکہ جذباتِ عشق کی صحیح ترجمانی کی وجہ سے قاری کے دل کی تاریک گہرائیوں میں سرور وکیف کی ایک شمع بھی روشن کر دیتی ہے'' ۱۰۳؎

شاہ نصیر کی ''مسدس در حمد باری تعالیٰ'' میں روانی کے ساتھ ساتھ نغمگیت بھی ہے۔ یہ مسدس ۱۲ بند پر مشتمل ہے اور اس کا تیسرا شعر، ٹیپ کا ہے۔ پہلا بند فارسی میں ہے۔نصیرؔ کہتے ہیں:

یہ کائنات بھی آئینہ ہے، وہ آئینہ ساز
اسی کا عکس ہے اس میں بصد کرشمہ و ناز
رہا نہیں کسی صورت سے دیکھ پنہاں راز
ترے ہے پیشِ نظر ذاتِ گنجِ مخفی باز
جمالِ اوست بہر شش جہت تماشا کن
خدا نقاب ندارد، تو دیدہ پیدا کن

وہ لامکاں ہے، اگرچہ اسی کے سب ہیں مکاں
ظہورِ جلوۂ معبود جا بجا ہے عیاں
کروں ہوں مسئلہ وحدتِ وجود بیاں
اُس ایک دانے سے ہے دیکھ قرصِ ہر دو جہاں
جمالِ اوست بہر شش جہت تماشا کن
خدا نقاب ندارد، تو دیدہ پیدا کن ۱۰۴؎

نصیر مندرجہ بالا اشعار میں حمد میں مسئلہ وحدتِ وجود بیان کرنے کا خود بھی اعتراف کرتے ہیں اور یہ امر ان کی حمدیہ شاعری کے حوالے سے نمایاں نظر آتا ہے۔

۱۷۔ شیخ محمد ابراہیم ذوق (۱۷۸۸ء۔۱۸۵۴ء) شیخ محمد ابراہیم نام اور ذوقؔ تخلص تھا۔ ان کے والد کا نام شیخ محمد رمضان تھا ان کے آباؤ اجداد کھتری تھے اور اس بنا پر نومسلم شیخ کہلاتے تھے۔

ذوق طبعاً درویش منش اور قناعت پسند تھے۔ ان کی زندگی زہد و تقویٰ سے عبادت تھی۔ انھیں تصوف سے خاص لگاؤ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے کلام میں جہاں تہاں صوفیانہ مضامین اور ناصحانہ انداز نظر آتا ہے۔مگر یہ امر تعجب انگیز ہے کہ باوجو مذہبی رجحان رکھنے کے ذوقؔ کے کلام میں حمد و نعت و منقبت میں ان کا کوئی مکمل قصیدہ موجود نہیں۔ بقول ڈاکٹر ملک حسن اختر:

> ''یہ بات تعجب انگیز ہے کہ ذوقؔ مذہب سے وابستگی اور قصیدے کا ذوق رکھنے کے باوجود حمد و نعت میں کوئی مکمل قصیدہ نہ کہہ سکے اور اپنے قصیدوں کو صرف اکبر شاہ اور بہادر شاہ کی مدح تک ہی محدود رکھا۔'' ۱۰۵؎

''دیوان ذوقؔ''، مرتبہ ڈاکٹر تنویر احمد علوی میں پہلی غزل کا پہلا شعر تحمید ایزدی میں ہے۔

ہوا حمدِ خدا میں دل جو مصروف رقم میرا
الف الحمد کا سا بن گیا گویا قلم میرا ۱۰۶؎

ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط نے ذوقؔ کے اس شعر میں آیہ قرآنی سے استفادہ کی نشاندہی کی ہے:

سب کو دیکھا اُس سے اور اس کو نہ دیکھا جوں نگاہ
وہ رہا آنکھوں میں اور آنکھوں سے پنہاں ہی رہا
۱۰۷؎

آیت مبارکہ درج ذیل ہے:

لاتدرکه الابصار و هو یدرک الابصار و هو اللطیف الخبیر (۶/ ۱۰۳)

ترجمہ: ''آنکھیں اسے پا نہیں سکتیں اور وہ آنکھوں کو پا سکتا ہے۔ وہ لطیف و خبیر ہے۔

متصوفانہ حمد پر مبنی درج ذیل شعر دیکھیے:

دانہ، خرمن ہے ہمیں قطرہ ہے دریا ہم کو

آئے ہے جُز میں نظر کل کا تماشا ہم کو ۱۰۸؎

چشم کو بے پردہ ہو کس طرح نظارہ نصیب
جب کہ وہ پردہ نشین پردہ کرے ادراک سے ۱۰۹؎

اپنے گناہوں کا اعتراف اس طرح کرتے ہیں:

وہ ہوں میں پرمعاصی سوختہ سوزِ ندامت سے
حذر دوزخ کرے جس کے شرارِ سنگِ تربت سے

ان کے نزدیک حماد کی اہم خوبی، اخلاص وحسن نیت ہے۔ کہتے ہیں:

دم تکبیر اٹھائے دو جہاں سے ہاتھ یک باری
نمازیں عشق کی ہم نے ادا کیں حسنِ نیت سے ۱۱۰؎

اور دعا کرتے ہیں خدائے رحمن و رحیم سے کہ:

ذوقؔ عاصی ہے تو اس کا خاتمہ کیجو بخیر
یا الٰہی اپنے ختم المرسلیں کے واسطے ۱۱۱؎

اللہ تعالیٰ کی عظمت و بڑائی و بزرگی کو عاجزی سے تسلیم کرتے ہیں:

کیا فائدہ فکرِ بیش و کم سے ہو گا
ہم کیا ہیں جو کوئی کام ہم سے ہو گا
جو کچھ کہ ہوا ہوا کرم سے تیرے
جو کچھ ہو گا ترے کرم سے ہو گا ۱۱۲؎

عالم نباتات کی خوش نمائی دیکھ کر انھیں آیات الٰہی یاد آتی ہیں:

؎ جوش روئیدگی سبزہ پہ یاد آتی ہے
آیت انبتہ اللہ نباتاً حسناً ۱۱۳؎

حمد ونعت، دونوں پر مشتمل دلکش شعر دیکھیے:

نام کو اللہ اکبر، کیا ترے تاثیر ہے
ہر اذاں میں شامل اور داخل بہر تکبیر ہے ۱۱۴؎

ایک مثنوی کے ابتدائی اشعار میں قدرتِ قادرِ مطلق کو اس طرح سراہتے ہیں:

چاہیے نام اس کا اے خامہ		زینت نامہ زیبِ سر نامہ
فلک اس کی نمونہ قدرت کا		یک قلم داں ہزار صنعت کا
رخِ قرطاس کو صفائی دی		اور سیاہی کو روشنائی دی
دیا قمری کو مصرع نالہ		مصرع قدِسرو پر بالا ۱۱۵؎

مختصراً ہم کہہ سکتے ہیں کہ ذوق نے اگرچہ با قاعدہ حمد نہیں کہی۔مگر ان کے کلام میں عقائد مذہبی بالخصوص توحید، رسالت، آخرت اور اخلاق کا گہرا تصور پایا جاتا ہے۔

۱۸۔ مرزا اسد اللّٰہ خان غالب (۱۷۹۷ء......۱۸۶۹ء) مرزا غالبؔ ترکی النسل تھے۔ ان کے دادا شاہ عالم ثانی کے زمانے میں سمرقند سے دہلی آئے۔ والد عبداللہ بیگ کی وفات کے بعد، غالب کی پرورش کا بار ان کے چچا نصر اللہ بیگ پر آن پڑا۔ غالب شادی کے بعد آگرے سے دہلی چلے آئے اور وہیں مستقل قیام رہا۔ غالبؔ کو قدرت نے صرف شاعری ہی کے لیے پیدا کیا تھا۔ ابتداً فارسی شاعری کی طرف توجہ کی۔ پہلے اسدؔ اور بعد ازاں غالبؔ تخلص اختیار کیا۔ ان کا اردو کلام پہلی بار ۱۸۴۱ء میں شائع ہوا۔ان کی یادگار تصانیف میں پنج آہنگ، مہر نیم روز، دستنبو، قاطع برہان، درفش کاویانی،عود ہندی اور اردوئے معلیٰ ہیں۔

غالب کے بعض نقادوں نے ان کی فکری آزدہ روی کی داستان کو یہاں تک طول دیا ہے کہ اس کے قلابے دین بیزاری اور الحاد دوستی سے ملا دیے ہیں، حالانکہ حقیقت یہ نہ تھی بلکہ بقول مولانا حالی:

> ”مرزا اسلام کی حقیقت پر نہایت پختہ یقین رکھتے تھے اور توحیدِ وجودی کو اسلام کا اصل اصول اور رکنِ رکین جانتے تھے اگرچہ وہ بظاہر اہلِ حال سے نہ تھے مگر جیسا کہ کہا گیا ہے ”من احب شیأا اکثر ذکرہ“ توحیدِ وجودی ان کی شاعری کا عنصر بن گئی تھی۔ اس مضمون کو انھوں نے جس قدر اصنافِ سخن میں بیان کیا ہے غالباً نظیریؔ اور بیدلؔ کے بعد کسی نے نہیں بیان کیا...... مرزا باوجودیکہ احکامِ ظاہری کے بہت کم پابند تھے ۔لیکن مسلمانوں کی ذلت کی کوئی بات سن پاتے تھے تو ان کو سخت رنج ہوتا تھا۔ ایک روز میرے سامنے اس قسم کے ایک واقعہ پر نہایت افسوس کرتے تھے اور کہتے تھے کہ مجھ میں کوئی بات مسلمانی کی نہیں ہے پھر میں نہیں جانتا کہ مسلمانوں کی ذلت پر مجھ کو کیوں اس قدر رنج اور تاسف ہوتا ہے۔“ ۱۱۶؎

غالب مذہباً شیعہ تھے اور تفضیلی عقیدہ رکھتے تھے۔ ان کے اکثر سوانح نگاروں نے لکھا ہے کہ ان میں مذہبی تعصب نام کو نہ تھا۔ ان کے دوستوں اور شاگردوں میں ہر مذہب و ملت اور ہر مسلک کے لوگ تھے۔ وہ صوفیانہ عقائد رکھتے تھے اور وحدت الوجود اور نظریۂ جبر کے ماننے والے تھے۔ اپنے ان عقائد کو انھوں نے جا بجا بیان کیا ہے مثلاً علاؤ الدین خان علائی کے نام ایک خط (مرقومہ ۲۷ جولائی ۱۸۶۲ء) میں لکھتے ہیں:

''مشرک وہ ہیں جو وجود کو واجب و ممکن میں مشترک جانتے ہیں۔ مشرک وہ ہیں جو مسیلمہ کو نبوت میں خاتم المرسلین کا شریک گردانتے ہیں۔ مشرک وہ ہیں جو نومسلموں کو ابو الائمہ کا ہمسر مانتے ہیں۔ دوزخ ان لوگوں کے واسطے ہے۔ میں موحدِ خالص اور مومنِ کامل ہوں۔ زبان سے لا الہ الا للہ کہتا ہوں اور دل میں لا موجود الا اللہ، لا موثر فی الوجود الا اللہ سمجھے ہوا ہوں۔'' ۱۱۷ ؎

علائی ہی کو ایک اور خط (مرقومہ ۶ اگست ۱۸۶۲ء) میں لکھتے ہیں:

''میرا مذہب بخلاف عقیدۂ قدریہ، جبر ہے'' ۱۱۸ ؎

غالبؔ کے مذہبی اور صوفیانہ معتقدات پر غالبؔ کے نقادوں نے سیر حاصل بحثیں کی ہیں، مگر ان تمام مباحث کا خلاصہ ڈاکٹر تحسین فراقی کے الفاظ میں اس طرح بیان کیا جا سکتا ہے:

''بہر حال توحیدِ وجودی کا بیان ہو یا حقیقتِ رسالت کا بیان، ان دونوں کے ذکر سے غالب کی تحریر میں عجیب سرجوشیدگی، والہیت، سرمستی اور سپردگی پیدا ہو جاتی ہے۔'' ۱۱۹ ؎

یہ والہیت، سرمستی اور سپردگی کی کیفیت غالبؔ کے فارسی حمدیہ کلام میں بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے۔ اردو کلام میں کوئی باقاعدہ حمد و مناجات نظر نہیں آتی۔ البتہ کلام میں جابجا وحدت الوجودی فلسفے سے متعلق یا دوسرے الفاظ میں یوں کہیے کہ متصوفانہ حمدیہ اشعار ضرور ملتے ہیں۔ ان کی زندگی کا بیش تر حصہ شانۂ سخن سے اپنے فارسی کلام کی زلفیں سنوارنے میں گزرا۔ افتخار احمد مدنی نے اپنے مضمون بعنوان ''غالب کی شاعری میں حمد و نعت کی جلوہ گری'' میں بڑے دلچسپ انداز میں غالبؔ کی اردو شاعری سے بے نیازی کا تذکرہ کیا ہے۔ کہتے ہیں:

''غالب کی اردو شاعری اگر ان سے وہ گلہ کرے جو بچاری امراؤ بیگم کو زندگی بھر رہا تو شاید یہ کچھ بے جا نہ ہو۔ نہ وہ اس نیک بخت کے کہنے سے کبھی روزے نماز کی طرف مائل ہوئے اور

نہ انھیں اپنی اردو شاعری کے دامن کو حمد و نعت سے پر کرنے کا خیال آیا۔ اگر اس ضمن میں کچھ شعر کہے بھی تو ایسے کہ خط لکھ کر جتلانا پڑا کہ انھیں حمد و نعت میں سمجھا جائے اور اس طرح وہ اپنے اشعار کی شرح لکھنے کے پر پیچ کاروبار کا خود اہتمام کر گئے۔'' ۱۲۰؎

غالبؔ جو روش عام سے ہٹ کر چلنے کا دعویٰ کرتے ہیں، دیوان اردو کے آغاز میں بھی منفرد شاعر ہونے کا ثبوت دیتے ہیں۔ غالب کی انفرادیت ان کے کلام میں ہر جگہ ہے، جب انھوں نے مرثیہ لکھا تو عام سطح سے ہٹ کر اچھوتا انداز اختیار کیا، غزل کہی تو منفرد رنگ میں، کسی کی مدح کی تو آسمان سے بھی اوپر لے گئے، انکساری کا اظہار کیا تو تحت الثریٰ میں پہنچ گئے، روشِ عام سے نفرت میں وہ بے مثل تھے۔ اور جب دیوان کا آغاز حمدیہ شعر سے کیا تو دردؔ یا ذوقؔ کی طرح نہیں بلکہ لفظ نقش سے کیا، جس کی سو سو طرح توضیحات کی جا سکتی ہیں۔ اس شعر کا مخاطب خدا ہے، مگر یہ فلسفیانہ حمد کا حامل شعر ہے۔ غالب حمد کے ساتھ ساتھ خدا سے خوبصورتی کے ساتھ احتجاج بھی کرتے ہیں اور صرف اپنے غم کا ذکر نہیں کرتے بلکہ ساری مخلوق کے نمائندے کی حیثیت سے شکوہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں:

نقش فریادی ہے کس کی شوخیِ تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکرِ تصویر کا ۱۲۱؎

غالبؔ کی متصوفانہ حمد سے، جس میں فلسفہ اور استدلال کا انداز نمایاں ہے، چند مثالیں درج کی جاتی ہیں:

دل ہر قطرہ ہے ساز انا البحر
ہم اس کے ہیں، ہمارا پوچھنا کیا ۱۲۲؎

اسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا
جو دوئی کی بو بھی ہوتی تو کہیں دوچار ہوتا ۱۲۳؎

جب کہ تجھ بن نہیں کوئی موجود
پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے ۱۲۴؎

دہر جز جلوۂ یکتائی معشوق نہیں
ہم کہاں ہوتے اگر حسن نہ ہوتا خودبیں ۱۲۵؎

اصل شہود و شاہد و مشہود ایک ہے
حیراں ہوں پھر مشاہدہ ہے کس حساب میں ۱۲۶؎

ہے مشتمل وجودِ صور پر نمودِ بحر
یاں کیا دھرا ہے قطرہ وموج و حباب میں ۱۲۷؎

اقبالؔ کی طرح غالبؔ بھی اپنے کلام میں اللہ تعالیٰ سے شکوہ کناں ہوتے ہیں۔ اقبال امتِ مسلمہ کی وجہ سے شکوہ کرتے ہیں، غالب کے یہاں شکوے کی وجہ اجتماعی کے ساتھ ذاتی بھی ہے۔ غالبؔ کہتے ہیں:

کیا وہ نمرود کی خدائی تھی
بندگی میں مرا بھلا نہ ہوا ۱۲۸؎

زندگی اپنی جب اس شکل سے گزری غالبؔ
ہم بھی کیا یاد کریں گے کہ خدا رکھتے تھے ۱۲۹؎

مگر کلامِ غالبؔ میں ہمیں ایسے مایوس کن اشعار کی زیادہ تعداد نہیں ملتی۔ مجموعی طور پر وہ رحمت حق سے مایوس نہیں ہیں۔ بلکہ ستائش اور صلے سے بے نیاز ہوکر، اللہ کی عبادت کے قابل ہیں کہ وہ معبود برحق ہے:

طاعت میں تار رہے نہ مئے وا نگبیں کی لاگ
دوزخ میں ڈال دو کوئی لے کر بہشت کو ۱۳۰؎

ڈاکٹر سید تقی عابدی کے بقول:

''غالب کے فارسی اور اردو کلام میں حمدیہ مفرد اشعار کی کمی نہیں جو زیادہ تر شوخ اور طنزیہ ہیں اور صفت ایہام وابداع سے ان کے ظاہری معنی اور باطنی معانی میں فرق ہے لیکن سب میں کمالِ ربوبیت اور تحقیرِ بندگی نمایاں ہے۔'' ۱۳۱؎

۱۹۔ مومن خان مومن (۱۸۰۰ء......۱۸۵۱ء) مومن خان نام اور مومنؔ تخلص تھا۔ ۱۸۰۰ء میں دہلی کے کوچہ چیلاں میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد حکیم غلام نبی خاں مغلیہ خاندان کے شاہی طبیبوں میں سے تھے۔ مولانا شاہ عبدالعزیزؒ اور شاہ عبدالقادرؒ سے عربی، فارسی، حدیث، فقہ، منطق و معانی پڑھا۔ باپ سے طب اور چچا سے نجوم سیکھا۔ شطرنج اور موسیقی کے رسیا تھے۔ ان کے شروع کا کلام ان کی جوانی اور آزادہ روی کے زمانے کا

ہے اور عاشقانہ رنگ میں ڈوبا ہوا ہے مگر آخری عمر کا کلام بہت متین، سنجیدہ اور پختہ ہے۔مومنؔ نے اپنی تصانیف میں ایک دیوان، جس مین چھ مثنویاں اور دیگر اصنافِ سخن شامل ہیں، یادگار چھوڑا۔ غالبؔ کی طرح مومنؔ بھی ایک انفرادیت کے مالک ہیں۔ ان کے کلام میں نازک خیالی اور بلند پروازی پائی جاتی ہے۔ یہی چیز ان کو دبستان لکھنؤ سے ممتاز کرتی ہے۔ بقول نور الحسن ہاشمی:

''ان کی مشکل پسند اور جدت طراز طبیعت کسی شعبے میں بھی تقلید کرنا عار سمجھتی تھی۔ عقائد میں حسنِ عقیدت اور جوشِ مذہب بہت ہے اور یہ ان کے ماحول اور تربیت کا نتیجہ ہے۔'' ۱۳۲؎

مومنؔ کی حمدیہ شاعری فلسفیانہ وحکیمانہ ہے۔ چونکہ وہ کئی علوم وفنون کے ماہر تھے اس لیے ان کے کلام میں بھی منطق و فلسفہ، حکمت و نجوم وہیئت کی تراکیب ملتی ہیں۔ دیوان سے حمد کا نمونہ ملاحظہ ہو:

نہ کیوں کر مطلعٔ دیواں ہو مطلع مہرِ وحدت کا
کہ ہاتھ آیا ہے روشن مصرع انگشتِ شہادت کا
سرشکِ اعترافِ عجز نے الماس ریزی کی
جگر صد پارہ ہے اندیشۂ خوں گشتہ طاقت کا
غضب سے تیرے ڈرتا ہوں، رضا کی تیرے خواہش ہے
نہ میں بے زار دوزخ سے، نہ میں مشتاق جنت کا

اسی غزل میں دعا کے بھی چند شعر ہیں:

خدایا ہاتھ اٹھاؤں عرضِ مطلب سے بھلا کیوں کر
کہ ہے دستِ دعا میں گوشۂ دامانِ اجابت کا
عنایت کر مجھے آشوب گاہِ حشر غم اک دل
کہ جس کا ہر نفس ہم نغمہ ہو شورِ قیامت کا
فروغِ جلوۂ توحید کو وہ برقِ جولاں کر
کہ خرمن پھونک دیوے ہستیٔ اہلِ ضلالت کا ۱۳۳؎

مومنؔ نے تقریباً ہر صنف میں تحمید الٰہی کی ہے۔ اپنے معروف قصیدے الحمد لواہب العطایا، میں اللہ تعالیٰ کے احسانات بیکراں پر شکر گزار مومنؔ تاریخ عالم سے انبیاء کرام کی مثالیں بھی پیش کرتے ہیں۔

الحمد لواہب العطایا اس شور نے کیا مزا چکھایا

والشکر لصانع البرایا جس نے ہمیں آدمی بنایا
احسان ہیں اس کے کیا گراں بار سرسبع شداد کا جھکایا
......نے عقل بسیط اس کا پر تو نے نور مجرد اس کا سایا
سبحانک یا الہ عالم عالم ترا عجز نے دکھایا
ہر جائے ہے ترا جلوہ لیکن دیکھا تو کہیں نظر نہ آیا
......اللہ رے تیری بے نیازی یعقوب کو مدتوں رلایا
یوسف ؑ سے عزیز کو کئی سال زندانِ عزیز میں پھنسایا
یاں شعلے کو سرکشی کی کیا تاب ابلیس کو خاک میں ملایا ۱۳۴؎

اس کے بعد مومن اعترافِ گناہ کرتے ہیں۔جس میں دکھ، افسوس اور پچھتاوے کے جذبات غالب نظر آتے ہیں:

اللہ غم بتاں میں یک چند بے فائدہ جان کو کھپایا
حاصل نہ ہوا سوا ندامت کس غم کو خاک میں ملایا
کتنی ہی قضا ہوئیں نمازیں پر سر کو نہ پانوں سے اٹھایا
آیا نہ کبھی خیال حج کا تلوا سو بار گر کھجایا
نیت ہی تھی توڑنے کی گویا گر اس نے نماز میں ستایا
واعظ کی کبھی نہ کوئی مانی کتنا ہی عذاب سے ڈرایا
اللہ مرے گناہ بے حد وہ ہیں کہ شمار کو تھکایا

اب مومن اللہ تعالیٰ سے صراطِ مستقیم کی دعا کرتے ہیں۔ یہاں بھی تلمیحات سے کام لیتے ہیں:

وہ عشق دے جس کا نام اسلام وہ شیوہ نبیؐ نے جو بتایا
مجکو بھی بچالے جیسے تونے یوسف کو گناہ سے بچایا
وہ رفعتِ حال دے کہ جس نے منصور کو دار پر چڑھایا
اس کا مرے دل پہ ایک پر تو جس شعلے نے طور کو جلایا
مومنؔ کہے کس سے حال آکر ہے کون ترے سوا خدایا ۱۳۵؎

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا ہے کہ اخیر عمر میں مومنؔ تائب ہوکر واقعی مومنؔ بننے کے لیے کوشاں تھے۔ اس لیے ان کے کلام میں بھی بالخصوص ''مثنوی جہادیہ'' میں مومن کی دعائیں ملاحظہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں

مومن انتہائی عاجزی و انکساری اور تضرع وخشوع وخضوع کے ساتھ دعا گو ہیں:

الٰہی مجھے بھی شہادت نصیب ۔۔۔ یہ افضل سے افضل عبادت نصیب
الٰہی اگرچہ ہوں میں تیرہ کار ۔۔۔ پہ تیرے کرم کا ہوں امیدوار
تو اپنی عنایت سے توفیق دے ۔۔۔ عروجِ شہید اور صدیق دے
یہ دعوت ہو مقبول درگاہ میں ۔۔۔ مری جاں فدا ہو تیری راہ میں
میں گنجِ شہیداں میں مسرور ہوں ۔۔۔ اسی فوج کے ساتھ محشور ہوں ۱۳۶؎

۲۰۔ بہادر شاہ ظفر (۱۷۷۵ء۔۱۸۶۲ء) مغل سلطنت کے آخری تاجدار، تاجدارِ سخن بھی تھے۔ شاعرانہ طبیعت رکھتے تھے۔شہزادگی کے زمانے ہی میں شعر وسخن کی مشق شروع کر دی تھی۔نصیرؔ، ذوقؔ اور غالبؔ کو ان کی استادی کا فخر حاصل تھا۔ظفر کی تمام زندگی مصائب و آلام و حادثات کا شکار رہی۔ اگرچہ انھوں نے بیس برس تک حکومت کی، لیکن برائے نام۔ انھیں صرف تخت پر بیٹھے رہنے کی اجازت تھی۔عملاً سارا اقتدار انگریزوں کے ہاتھ تھا۔۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد وہ رہی سہی بات بھی ختم ہوگئی۔ وہ ماخوذ ہوئے اور اوائل ۱۸۵۸ء میں رنگون جلا وطن کے دیے گئے ۔ جہاں اس بدنصیب بادشاہ نے دنیا کے نشیب وفراز دیکھ کر چار سال کے بعد ۱۸۶۲ء میں بڑی کس مپرسی کے عالم میں انتقال کیا۔

بہادر شاہ ظفرؔ ایک پُر گو شاعر تھے۔ چنانچہ ۱۸۵۸ء سے قبل تک ان کے چار دیوان شائع ہو چکے تھے۔ ان کا ضخیم کلیات تیس ہزار اشعار کے لگ بھگ اشعار پر مشتمل ہے اور اس میں حمد و نعت ، سلام، مرثیہ، مسدس، مخمس، قطعات و رباعیات سب شامل ہیں۔ ان کے حمدیہ کلام میں اللہ تعالیٰ کی بزرگی و کبریائی اور اس کی قدرت کاملہ کے مضامین ملتے ہیں:

مقدرو کس کو حمدِ خدائے جلیل کا
اس جا پہ بے زباں ہے دہن قال و قلیل کا
پانی میں اس نے راہبری کی کلیمؑ کی
آتش میں وہ ہوا چمن آرا خلیلؑ کا
بلوایا اپنے دوست کو اس نے وہاں جہاں
مقدور پر زدن نہ ہوا جبرئیل کا
کیا پائے کنہِ ذات کو اس کے کوئی ظفرؔ

واں عقل کا نہ دخل، نہ ہرگز دلیل کا ۱۳۷؎

اللہ کی قدرت کاملہ اور خلاقی و صناعی کے مظاہر جا بجا ہیں، مگر اس کے دیکھنے اور تلاشنے کے لیے بصارت نہیں، بصیرت درکار ہے۔ ظفر کہتے ہیں:

جو عرش سے ہے فرش تلک سب اسی میں ہے — دیکھ آنکھ کھول کر
کیا کیا نہیں ہے اس میں کہ سب کچھ اسی میں ہے — پر چاہئے نظر
دل اپنا پہلے زنگ کدورت سے صاف کر — مانند آئینہ
پھر تو بغور دیکھ کہ آئینہ میں ہے — کیا حسن جلوہ گر
کیوں کعبہ و کنشت میں سر مارتا ہے تو — سرگرمِ جستجو
تو جس کو ڈھونڈتا ہے چھپا وہ تجھی میں ہے — پر تو ہے بے خبر
ہے خود پرست پوچھتا کیا ہے خدا کی راہ — ہے وہ بہت قریب
گم کردہ راہ آپ تو اپنی خودی میں ہے — اس سے ہے دور تر

۱۳۸؎

جب ہم بہادر شاہ ظفر کے کلام میں دعا و مناجات ڈھونڈتے ہیں تو ہمیں پتا چلتا ہے کہ

''سلاطین ہند میں سب سے بدنصیب، یاس و حرماں میں گھرا ہوا بادشاہ بہادر شاہ ظفرؔ ہے۔ اس کی نوا میں سوز اور نا امیدی کا گہرا رنگ ہے۔ حزن و ملال سے پُر وہ اپنی آہیں جب بارگاہ الٰہی میں پیش کرتا ہے تو دعا میں فسردگی اور یاسیت کی جھلک صاف دکھائی دینے لگتی ہے۔''۱۳۹؎

یا مجھے افسر شاہانہ بنایا ہوتا
یا مرا تاج گدایانہ بنایا ہوتا
خاکساری کے لیے گرچہ بنایا ہوتا
کاش خاک در جانانہ بنایا ہوتا
نشۂ عشق کا گر ظرف دیا تھا مجھ کو
عمر کا تنگ نہ پیمانہ بنایا ہوتا

روز معمورۂ دنیا میں خرابی ہے ظفرؔ
ایسی بستی کو تو ویرانہ بنایا ہوتا ۱۴۰؎

غم و اندووہ کے اس طوفان میں بھی بہادر شاہ ظفرؔ، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے۔ ان کا دل پر درد اور چشم پرنم ہے، اشکوں کا دریا متواتر آنکھوں سے بہتا رہتا ہے۔ مگر شکوہ و شکایت زبان پر نہیں لاتے بلکہ اپنی ایک مخمس میں فرماتے ہیں:

بلا سے گر نہیں کوئی رفیق و آشنا میرا خدا پر دھیان ہے میرا نگہباں ہے خدا میرا
خدا آساں کرے گا گو ہے مشکل مدعا میرا خدا حامی ہے میرا اور خدا مشکل کشا میرا
خدا دارم چہ غم دارم خدا دارم چہ غم دارم ۱۴۱؎

۱۷ بند پر مشتمل ایک حمدیہ مخمس، جس کے تین مصرعے اردو اور دو فارسی زبان میں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات اس طرح بیان کرتے ہیں:

نہ پرستش کا تو محتاج ، نہ محتاج عبادت نہ اعانت تجھے درکار کسو کی نہ حمایت
نہ شراکت ہے کسی سے، نہ کسی سے ہے قرابت نہ نیازت بولادت نہ بفرزند تو حاجت
تو جلیل الجبروتی، تو امیر الامرائی

جسے تو چاہے امیری دے، جسے چاہے فقیری جسے تو چاہے بزرگی دے، جسے چاہے حقیری
کرم و عفو سے کیونکر نہ کرے عذر پذیری تو کریمی، تو رحیمی، تو سمیعی، تو بصیری
تو معزی، تو مذلی، ملک العرش بجائی ۱۴۲؎

مذکورہ بالا مخمس کے پہلے بند کو پڑھ کر سورۃ الاخلاص ذہن میں آتی ہے اور دوسرے مخمس میں بہادر شاہ ظفر نے درج ذیل قرآنی آیات سے استفادہ کیا ہے:

اللّٰھُمَّ مٰلِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآئُ وَ تَنْزِ عُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآئُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآئُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآئُ بِیَدِکَ الْخَیر (۳/۲۶)

ترجمہ: اے ہمارے رب تو مالک الملک ہے۔ جسے چاہتا ہے ملک دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔ سب بھلائی تیرے ہی ہاتھ میں ہے۔

حمدیہ مخمس کے بعد مناجاتیہ مخمس ۱۵ بند لیے ہوئے ہے۔ جس میں ایک بادشاہ وقت، شاہنشاہ دو عالم کے

سامنے انتہائی عجز و نیاز کا اظہار کرتا ہے۔ بالخصوص پہلے بند کے آخری دو مصرعے ہمیں ظفر کی بے چارگی کا شدت سے احساس دلاتے ہیں جس میں وہ کہتے ہیں۔

الٰہی واقفی از حال زارم
تومی دانی کہ جز تو کس ندارم ۱۴۳؎

ظفرؔ اپنے گناہوں کا اعتراف بھی کرتے ہیں اور اپنی تنہائی اور بے چارگی اور بے بسی کا احوال عرض کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں:

مکاں تاریک میں تنہا و بے زور جو کوئی پاس ہے تو مار یا مور
سنے کون آہ نالے کا مرے شور الٰہی در شب منزل گہہِ گور
تو لطف خویش گرداں غمگسارم

نشے میں میں تو ہوں غفلت کے سرمست مرے درپے ہیں دو دشمن قوی دست
کہاں جاؤں کروں میں کس طرف جست الٰہی نفس و شیطاں در کمین است
زتقوائے عبادت کن حصارم ۱۴۴؎

۲۱۔ نواب مصطفی خان شیفتہ (۱۸۰۲ء......۱۸۶۹ء) نواب مصطفی خاں نام تھا۔ فارسی میں حسرتیؔ اور اردو میں شیفتہؔ تخلص کرتے تھے۔ ۱۸۰۲ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام نواب مرتضیٰ تھا۔ شیفتہ نے عربی، فارسی، حدیث، فقہ اور دیگر علوم کی تحصیل اساتذۂ وقت سے کی۔ بڑے عابد و زاہد اور عالم باعمل تھے۔ سلسلۂ نقشبندیہ سے بیعت تھے۔ شاعری سے فطری مناسبت تھی۔ اولاً مومنؔ بعد ازاں غالبؔ کے شاگرد ہوئے ان کے کلام میں دونوں کا رنگ پایا جاتا ہے۔ اکیس برس کی عمر میں دیوان ترتیب دیا۔ مولانا حالیؔ نے بھی ان سے بڑا فیض حاصل کیا ہے۔ ان کے کلام میں اخلاق و تصوف کے مضامین ملتے ہیں۔ اشعار اگرچہ بہت اعلیٰ درجے کے نہیں ہیں۔ لیکن زبان صاف، سادہ اور دلکش ہے۔ ''دیوانِ شیفتہ'' کا آغاز ہی حمدیہ غزل سے ہوتا ہے جس میں دعا بھی شامل ہے، قرآنی مضامینِ حمد بھی اور صنائع لفظی کی خوبصورتیاں بھی۔ کہتے ہیں:

خواہاں ہوں بوئے باغِ تنزہ شمیم کا
یارب ادھر بھی بھیج دے جھونکا نسیم کا
تیرے گدا کو سلطنت جم سے کیا کہ ذوق
ہے کاسۂ شکستہ میں جامِ دو نیم کا

تیری نسیمِ لطف سے گل کو شگفتگی
وابستہ تیرے حکم پہ چلنا نسیم کا
واجب کی حکمت آئے گی ممکن کی عقل میں
کتنا دماغ ہے خلل آگیں حکیم کا
گر تیرے شوق میں ہیں یہی بے قراریاں
لے لوں گا بوسہ پایۂ عرشِ عظیم کا
طاقت اگر نہیں تو نہ ہو یاس کس لئے
وابستۂ سبب ہے کرم کب کریم کا؟
اے شیفتہؔ عذابِ جہنم سے کیا مجھے
میں امتی ہوں نار و جناں کے قسیم کا ۱۴۵؎

۲۲۔ محمود **بیگ** راحت (پ ۱۸۱۰ء) محمود بیگ راحتؔ، مومن خان مومنؔ کے شاگرد تھے۔ ان کی مثنوی 'ہشت عدل' جناب گوہر نوشاہی نے مرتب کی ہے۔ 'ہشت عدل' کے ابتدائی حمدیہ اشعار میں اللہ کی قدرت اور انسان کو اس کی جود و عطا کی تعریف اسی طرح کرتے ہیں:

حمد کیجئے ایسے شاہنشاہ کی
جس نے مشت خاک رشک ماہ کی
لعبت خاکی کو وہ رتبہ دیا
سجدہ آدم کو فرشتوں نے کیا
عقل اور ادراک اور وہم و تمیز
صورت و سیرت، سخن، ایک ایک چیز
ایسی ایسی دی ہے مشت خاک کو
پاک کیسا کر دیا ناپاک کو ۱۲۶؎

۲۳۔ مرزا جان طپش دہلوی (م ۱۸۱۳ء) ابتدائی حالات نامعلوم ہیں۔ ان کی معروف کتاب ''شمس البیان فی مصطلحات الہندوستان'' ۱۷۹۲ء کو مرشد آباد میں مکمل ہوئی اس زمانے میں دلی ویران ہو چکی تھی۔ طپشؔ بھی دلّی چھوڑ کر مرزا جواں بخت جہاندار شاہ کے ساتھ لکھنو آئے اور وہاں سے بنارس آ گئے جہاندار شاہ کی وفات کے بعد ڈھاکہ چلے گئے اور نواب شمس الدولہ کے متوسل ہو گئے۔ شمس الامرا کو جب انگریزوں نے

آصف الدولہ کے جانشین نواب وزیر اعلی خاں کی حمایت کرنے پر کلکتہ میں قید کر دیا تو طپش بھی قید ہوئے اور نو سال بعد رہائی پا کر کلکتہ میں ۱۸۱۳ء میں وفات پائی۔

طپش کی مثنوی ''بہادر دانش'' جناب خلیل الرحمن داؤدی نے مرتب کی ہے۔ اس کے آغاز میں حسبِ روایت حمدیہ اشعار ہیں ۔۲۰ اشعار پر مشتمل اس حمد میں ۹ اشعار میں طپش نے اس خلاق دو جہاں کی خلاقیتِ بے مثل کی مثالیں پیش کی ہیں۔ طپش کہتے ہیں:

بیاں کیا کروں حمدِ پروردگار — کہ عجزِ بیاں سے ہوں بس شرم سار
کہ طاقت کہاں اس قدر نطق کو — جو تحمید اس کی سر انجام ہو

حمد میں متصوفانہ مضامین بھی ہیں:

زہے جلوۂ قدرت کردگار — کہ ہر ایک پنہاں میں ہے آشکار
ہر اک آشکارا میں پھر ہے نہاں — زہے وہ نہاں و زہے وہ عیاں
جہاں دیکھیے واں وہ موجود ہے — وہی شاہد اور ووہی مشہود ہے

کائنات کے ذرے ذرے میں اس کی آیات ہیں جو ہمیں اس کی خالق کی یاد دلاتی ہیں:

رخ مہر و ماہ اس نے تاباں کیا — کتاں اور ذرے کو نگراں کیا
شرر کو چھپایا ہر اک سنگ میں — نہاں بوئے گل کی ہر اک رنگ میں
گل و شمع کو اس نے بخشی نمود — دیا مرغ و پروانے کو بھی وجود ۱۴۷؎

۲۴۔ راسخ عظیم آبادی (م ۱۸۲۲ء) نام شیخ غلام علی، تخلص راسخ کے اجداد کا وطن دہلی تھا۔ مگر راسخ کی پیدائش خاص عظیم آباد پٹنہ یا اس کے قصبے ''سائیں'' میں ہوئی۔ مرزا محمد علی فدوی کے تلامذہ میں سے تھے۔ وہ اٹھارویں صدی کے نصف آخر اور انیسویں صدی کے ربع اول کے اہم اردو شاعروں میں شمار ہوتے ہیں۔ ان کے کلام میں سادگی بھی ہے اور تصوف کا مذاق بھی۔ دیوان کا آغاز نعتیہ قصیدے سے ہوتا ہے۔ ان کا دیوان خدا بخش اوری اینٹل پبلک لائبریری، پٹنہ سے شائع ہوا ہے۔ ان کی حمدیہ شاعری میں مناجات کا رنگ بھی ہے۔ کہتے ہیں:

ہر چند ہوں یا رب میں سراپا تقصیر
شایاں ہوں اسکے [کذا] جو کچھ تعزیر
سر گرم ہوں پر عذر گنہ کا دل سے

کر عذر میرا قبول ای عذر پذیر ۱۴۸؎

ایک اور رباعی میں یوں دعا گو ہیں:

یارب نہ کرے گردشِ گردوں پامال
آفات سے محفوظ رہوں میں مہ و سال
ہوں دائرہ حفظ میں تیرے مجکو
تو دائرہ حفظ سے مجھ کو نہ نکال ۱۴۹؎

۲۵۔ غمگین دہلوی (۱۷۵۲ء۔۱۸۵۱ء) حضرت میر سید علی غمگین عرف حضرت جی الملقب بہ خدا نما ۱۷۵۳ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ ان کا تعلق صوفیا کے خاندان سے تھا ان کے موروث اعلیٰ خواجہ احمد قادریؒ ۱۰۰۰ھ میں ہندوستان آئے۔ ان کے والد میر سید محمد آصف جاہ صفدر شکوہ کے دستِ راست تھے اور مہاراجہ سندھیا نے دہلی میں ان کو اپنا سفیر مقرر کیا تھا۔ بارہ برس کے تھے کہ والد وفات پا گئے۔ عمِ محترم کے سایے میں ناز ونعم کے ساتھ پلے بڑھے۔ ان کی ۱۵ تصانیف کا علم ہوا ہے۔ جن میں دو بعنوان ''مکاشفات الاسرار'' اور'' مخزن الاسرار'' ہیں جو رباعیات اور غزلیات کے دیوان ہیں۔

مکاشفات الاسرار، جو رباعیات پر مشتمل ہے، سرتا پا دیوانِ تصوف ہے۔ اس کا آغاز 'بسم اللہ' کی شرح سے ہوتا ہے۔ عنوان ہے: ''مجلاً'' درشرح بسم اللہ گوید''

بسم اللہ میں سب کچھ ہے جو کہ قرآن میں ہے
قرآن میں وہ ہے جو کہ انسان میں ہے
ان سب میں ہے، وہ نقطۂ 'با' میں ہے
غمگیںؔ عارف کے بس وہی جان میں ہے ۱۵۰؎

ایک اور رباعی میں بڑی خوبصورتی اور صراحت سے حمد کی اقسام بیان کرتے ہیں۔

غمگیںؔ سہ طرح سے ہے حمد عالی
قولی ہے، فعلی ہے اور ہے بس حالی
یعنی ہے زبانی، جسمی، روحی اے یار
منظور بیاں ہے مجھے اجمالی ۱۵۱؎

ایک اور رباعی میں غمگیںؔ خدائے بزرگ و برتر کو حمد و ثنا سے منزہ قرار دیتے ہیں اور بڑی دلکش تاویل

کرتے ہیں:

غمگینؔ تری حمد سے منزہ ہے خدا
تو سمجھے ہے میں کروں ہوں توصیف و ثنا
جو حمد کے اس کی یار تو کرتا ہے
یہ تیری ہی حمد ہے وہ ہے اس سے ورا ۱۵۲؎

مخزن الاسرار (دیوان غزلیات) کی ابتدا ان اشعار سے ہے:

ظاہر و باطن ہے حمد و نعت ہر انسان کا
ہائے کیا مطلع ہے غمگیںؔ اپنے اس دیوان کا
دم بدم جس کی نئی ہو شان اے واعظ بتا
ہو بیاں کس شان سے بتلا اب اس کی شان کا

مذکورہ بالا شعر میں آیۂ قرآنی کل یوم ھو فی شان (۲۹:۵۵)

سے استفادہ کیا گیا ہے۔ آگے چل کر دیدارِ الٰہی سے محرومی پر حسرت بھرے لہجے میں کہتے ہیں:

رو برو ہے پر اسے دیکھا نہیں جاتا ہے آہ
کیا کہوں میں حال اپنے حسرت و ارمان کا ۱۵۴؎

۲۶۔ قربان علی **بیگ** سالک (۱۸۲۴ء......۱۸۸۰ء) قربان علی خاں، ۱۸۲۴ء میں مرزا عالم بیگ خاں کے یہاں حیدر آباد میں پیدا ہوئے۔ ۱۸۳۰ء میں والد کے ہمراہ دہلی چلے گئے۔ پہلے مومنؔ کے شاگرد ہوئے، اس وقت قربان تخلص کرتے تھے، مومن کی وفات کے بعد غالبؔ کے شاگرد ہوئے اور سالک تخلص اختیار کیا۔ جنگ آزادی کے بعد الور میں وکیل ہو گئے تھے۔ وہیں ۱۸۸۰ء میں انتقال کیا۔ ۱۵۴؎

سالکؔ کے کلام میں بھی حمدیہ عناصر پائے جاتے ہیں۔ وہ حمد کہتے ہوئے عقلی دلائل و براہین سے کام لیتے ہیں ۔ ان کے قصائد میں پہلا قصیدہ ہی حمدیہ ہے۔ کہتے ہیں:

جب خامہ مرا حمد نگاری کو جھکا ہو
تسلیم کو پھر کیوں نہ فلک اور دوتا ہو

کیا ہے وہ ترے دائرہ حمد سے خارج
خودبیں کوئی اپنا ہی اگر مدح سرا ہو

گھیرا ہے تری ذات نے کونین کویاں تک
گو تجھ سے جدا ہو کوئی، لیکن نہ جدا ہو

آنکھیں ہوں تو پھر کر کوئی پھر تجھ سے کدھر جائے
تو سامنے ہو منہ کے، جدھر کوئی پھرا ہو

گر غم ہو تیرا ، اشک بنے گوہر غلطاں
گریاد ہو تیری تو نفس غالیہ سا ہو ۱۵۵؎

اس قصیدے کے آخر میں دعائیہ اشعار بھی ہیں ان کی خصوصیت یہ ہے کہ ہر مصرعے میں شاعر ایک دعا کرتا ہے۔ کہتا ہے۔

دے مجھ کو وہ نالہ کہ تری راہِ طلب میں
گم کردہ رہوں کے لیے آوازِ درا ہو

وہ غم دے کہ جس غم پہ کروں عیش تصدق
وہ درد دے اپنا کہ جو درماں سے سوا ہو

وہ عمر دے مجھ کو کہ تری یاد میں گزرے
وہ موت دے مجھ کو کہ خضر جس پہ فدا ہو

مل جائیں عناصر میں پس از مرگ عناصر
ہر جزو ہو کل، گر تری الفت میں فنا ہو

جو کام رضا پر ہوتری، ہے وہی بہتر
سالکؔ کی دعا ہے کہ بُرا ہو نہ بھلا ہو ۱۵۶؎

مذکورہ بالا دعا کے ایک ایک شعر سے ان کی خدا سے محبت،وارفتگی وشیفتگی اور راضی بر رضائے الٰہی ہونے کے جذبات اُمڈتے دکھائی دیتے ہیں۔

۲۷۔ میر مہدی مجروح (۱۸۳۳ء۔۱۹۰۳ء) میر مہدی حسین نام، مجروح تخلص کرتے تھے۔ بقول مالک رام ۱۸۳۳ء کے لگ بھگ پیدا ہوئے اور بروز جمعہ ۱۵ مئی ۱۹۰۳ء وفات پائی۔ ان کے والد میر حسین فگار دہلی کے رہنے والے تھے اور خود بھی شاعر تھے۔ مجروحؔ، غالبؔ کے چہیتے شاگردوں میں سے تھے اور

ان کی غالبؔ سے خط کتابت بھی رہی۔ جنگ آزادی کے بعد مدتوں پانی پت میں رہے۔ پھر الور اور آخر میں رام پور میں زندگی کسی قدر راحت سے بسر کی۔ ۱۳۱۶ھ میں ایک دیوان ''مظہر معانی'' کے نام سے شائع ہوا۔ ان کی زبان میں صفائی، سادگی اور محاورہ بندی پائی جاتی ہے۔ وہ اپنی ہر نئی ردیف کی ابتدا حمد و نعت یا منقبت سے کرتے ہیں۔ مجروح، اپنی حمدیہ شاعری میں واقعی حسن و عشق ازلی کے زخم خوردہ اور مجروح دکھائی دیتے ہیں۔ ان کا کلام خدا تعالیٰ سے ان کی بے پایاں محبت کا آئینہ دار ہے۔ وہ ستائش وصلے کی تمنا سے بے نیاز، اپنا آپ اپنے معبودِ اصلی کے حوالے کرتے ہیں۔ یہاں ان کے کلام میں صدق وخلوص واضح دکھائی دیتا ہے:

فاتحِ کارِ جہاں نام ہے یزداں تیرا
قاطعِ شرک ہے اوّل ہی سے پیماں تیرا
جنت و کوثر و طوبیٰ و قصور و انہار
کچھ نہیں مانگتا وہ جو کہ ہے خواہاں تیرا
طور و موسیٰ کی حقیقت پہ نہیں کرتے نظر
دیکھنا کیا ہی سمجھ رکھا ہے آساں تیرا

مذکورہ بالا اشعار میں تلمیحات کے برمحل استعمال نے بھی اشعار کے حسن میں اضافہ کیا ہے۔ مگر یہ شعر دیکھیے شاعر والہانہ انداز میں راضی برضائے الٰہی ہو کر کہتا ہے:

میں رضا مند ہوں تو دوزخ و جنت جو دے
ایک ہے عدل ترا، دوسرا احساں تیرا

مذکورہ شعر میں مجروحؔ نے صنعت لف ونشر مرتب کا بھی اہتمام کیا ہے۔ مقطع میں کہتے ہیں:

مایۂ نطق زباں ہے سو عطا ہے تیری
کون سے منہ سے ہو مجروحؔ ثنا خواں تیرا ۱۵۷ے

حمد کے ایک اور شعر میں، صنعتِ تضاد کے استعمال سے، شعر کے مضمون میں کس درجہ رفعت پیدا ہوگئی ہے۔ کہتے ہیں:

مجھے درپیش ہے توصیفِ وحدت
مرکب سے کروں اس کو رقم کیا

آیت قرآنی سے استفادہ اس طرح کرتے ہیں:

یہاں لاتقنطوا ورد زباں ہے
گناہوں کی فراوانی کا غم کیا
زباں مجروحؔ کی اور حمد باری
سمائے گا بھلا قطرہ میں یم کیا ۱۵۸؎

رباعیات میں مجروحؔ اس غفور الرحیم اور ستار العیوب سے اس طرح دعا کرتے ہیں:

یا رب تو گناہوں کو چھپانا میرے
اس حال زبوں پہ رحم کھانا میرے
محشر میں نہ ہو گی منہ دکھانے کی جگہ
جو میں نے کہا منہ پہ نہ لانا میرے ۱۵۹؎

اسباب ہیں ایسے کہ پراگندہ ہوں
اور شرمِ معاصی سے سرافگندہ ہوں
یا ارحم الراحمین کرم کی ہو نگاہ
گو غرق گنہ ہوں پر ترا بندہ ہوں ۱۶۰؎

فصل سوم:

شعرائے دبستان لکھنؤ کی حمد و مناجات نگاری

جیسا کہ ہم دیکھ آئے ہیں کہ دبستانِ دلّی میں حمد و مناجات آہستہ آہستہ ایک صنف کی شکل میں سامنے آ رہی ہے۔ اسی طرح دبستانِ لکھنؤ، جو اپنی مزاج میں لکھنویت، خارجیت اور تصنع کی حامل ہے، اپنے اوصافِ مذکورہ کے باوجود حمدیہ شاعری میں داخلیت رکھتی ہے۔ شعرائے لکھنو کی شاعری میں حمد و مناجات مختلف صورتوں میں جلوہ گر ہوتی دکھائی دیتی ہے۔ مثلاً مثنویات کے آغاز میں، پھر مثنوی کے ہر باب کے آغاز میں بھی یہ روایت ملتی ہے۔ مثنوی کا خاتمہ مناجات پر کرنے کی روایت بھی ہے۔ اسی طرح وہ حمد جو پہلے صرف چند اشعار پر مشتمل تھی۔ اس دور میں طویل حمدیہ اشعار میں بدل جاتی ہے۔ ان تمام خصوصیات کی تفصیل جاننے کے لیے ہم شعرائے دبستان لکھنؤ کی حمدیہ و مناجاتیہ شاعری کا جائزہ پیش کرتے ہیں۔

۲۸۔ میر حسن (۱۷۴۱ء۔۱۷۸۶ء) میر حسن (غلام حسن) سادات ہرات میں سے تھے۔ ان کے موروث اعلیٰ میر امامی موسوی بعہدِ شاہجہان وارِدِ دہلی ہوئے۔ والد کا نام میر غلام حسین ضاحک تھا۔ میر ضاحک صاحبِ دیوان تھے۔ اور سوداؔ کے ہم عصر تھے۔ میر حسن کے بیٹے میر خلیقؔ اور پوتے مشہور مرثیہ نگار میر انیسؔ ہیں۔ ان کا ننھیالی تعلق حضرت بندہ نواز گیسو درازؒ کے خاندان سے تھا۔

''تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند''، جلد دوم میں ڈاکٹر وحید قریشی کے مضمون 'میر حسن' کے مطابق آپ ۱۷۴۱ء میں دلّی میں پیدا ہوئے بچپن سے ہی موزوں طبع تھے۔ آغازِ جوانی میں دلی کے سیاسی حالات کے ہاتھوں مجبور ہو کر والد کے ہمراہ اودھ کا رخ کیا۔ اور فیض آباد میں مقیم ہوئے۔ آصف الدولہ کے عہد میں لکھنؤ چلے گئے اور وہیں ۱۷۸۶ء میں انتقال فرمایا۔

میر حسنؔ کا کل شعری سرمایہ ایک دیوان (جس میں چھ قصیدے، غزلیات اور رباعیات شامل ہیں) بارہ مثنویوں اور ایک تذکرے (تذکرہ شعرائے اردو) پر مشتمل ہے۔ میر حسنؔ کی مثنویات میں تین مثنویات اپنے موضوع، فن اور اسلوب بیان کی وجہ سے بہت معروف ہوئیں اور وہ ''سحرا لبیان''، ''گلزار ارم'' اور ''رموز العارفین

’’ہیں۔

ان تین مثنویوں میں سے بھی ’’سحر البیان‘‘ لاجواب اور بے عدیل ہے۔ زبان و بیان کے لحاظ سے اردو کی کوئی مثنوی اس کا مقابلہ نہیں کرسکتی ۔ اس کا ہر مصرع لا جواب اور ہر شعر انتخاب ہے۔

ذیل میں اسی بے نظیر مثنوی سے حمد کے اشعار نقل کیے جاتے ہیں جن میں توحیدِ الٰہی کے اقرار اور ذات و صفات خدائے بزرگ و برتر کو رواں شعری اسلوب سے مزین کیا گیا ہے:

کروں پہلے توحید یزداں رقم　　جھکا جس کے سجدے کو اوّل قلم
سرِ لوح پر رکھ بیاض جبیں　　کہا دوسرا کوئی تجھ سا نہیں
قلم پھر شہادت کی انگلی اُٹھا　　ہوا حرف زن یوں کہ رَبّ العُلا
نہیں کوئی تیرا نہ ہو گا شریک　　تری ذات ہے وحدہٗ لا شریک
پرستش کے قابل ہے تو اے کریم　　کہ ہے ذات تیری غفور الرحیم ۱۶۱؎

اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے۔ کعبہ و دوزخ اسی کے ہیں۔ وہ دین و دنیا کا مالک ہے۔ ہر شے پر وہی قادر ہے۔ میر حسنؔ، بڑے سادہ اور سلیس انداز میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کی صراحت کرتے ہیں:

اُسی سے ہے کعبہ، اسی سے کنشت　　اُسی کا ہے دوزخ، اسی کا بہشت
جسے چاہے جنت میں دیوے مقام　　جسے چاہے دوزخ میں رکھے مدام
وہ ہے مالک ملکِ دنیا و دیں　　ہے قبضے میں اُس کے زمان و زمین ۱۶۲؎

جب جب کچھ اسی کے ہاتھ ہے تو پھر دعا بھی اسی قاضی الحاجات سے ہے’’مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات‘‘ میں اپنے گناہوں کی مغفرت، غمِ آل احمد اور اپنے اور اپنے محسنین کے لیے بھی دعا گو ہیں:

الٰہی میں بندہ گنہگار ہوں　　گناہوں سے اپنے گراں بار ہوں
مجھے بخشیو میرے پروردگار　　کہ تو ہے کریم اور آمرزگار
جو غم ہو تو ہو آلِ احمدؐ کا غم　　سوا اس الم کے نہ ہو کچھ الم
کسی سے نہ کرنی پڑے التجا　　تو کر خود بخود میری حاجت روا
صحیح اور سالم سدا مجھ کو رکھ　　خوشی سے ہمیشہ خدا مجھ کو رکھ
مری آل و اولاد کو شاد رکھ　　مرے دوستوں کو تو آباد رکھ
میں کھاتا ہوں جن کا نمک اے کریم　　سدا رحم کر اُن پہ تو اے رحیم

جیوں آبرو اور حرمت کے ساتھ رہوں میں عزیزوں میں عزت کے ساتھ ۱۶۳؎

مثنوی ''رموز العارفین'' تصوف کے موضوع پر ہے جس میں وہ عارف کو صفات الٰہی سے روشناس کرانے کے بعد حق کی طرف آنے کی تلقین کرتے ہیں اور معرفت کے اسرار بتاتے ہیں:

ہے سزا وارِ ثنا وہ کردگار
جس نے کی وحدت سے کثرت آشکار
ایک دانے سے عیاں خرمن کیا
ایک شعلے سے جہاں روشن کیا ۱۶۴؎

ناحق اور حق کو ذرا پہچان تو
دل سے آ حق کی طرف کو، مان تو
بے مدد حق کے نہیں ہے گرچہ کام
پر بھلا تو جہد کرتا رہ مدام
ہے وہ ایزد لائق حمد و سپاس
دل دیا عارف کو جس نے حق شناس
جس کو چاہا اس کو کھینچا اپنی طرف
پر اُسے جس کو دیا تھا اتنا ظرف
کھینچ اپنی سمت **للّٰھی** کیا
ملکِ عرفاں کی طرف راہی کیا
اپنا طالب جس کو جانا اور حبیب
معرفت کی دولت اس کو کی نصیب ۱۶۵؎

مثنوی ''گلزار ارم'' میں ان کا قلم یوں تحمید الٰہی کرتا ہے:

خداوندا کہوں میں کیا زبانی
کھلا ہے تجھ پہ سب رازِ نہانی
دلوں کے بھید سے ہے تو ہی آگاہ
تو ہی اس درد کا محرم ہے واللہ

ثنا و حمد تیری کب بیاں ہو
بجائے ہر بُن مو گر زباں ہو ۱۶۶؎

مثنوی ''در وصف ِ قصر جواہر'' میں ''حمد و ثنائے خالق دنیا و دیں و ثنائے صانع دیوانِ عرش بریں'' کے عنوان سے مفصل حمد کہی ہے، جس میں عرش بریں کی تخلیق کے مراحل بیان کیے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی بے مثال کاریگری کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے۔ آخر میں فرماتے ہیں:

ہے سجدے کے لائق وہ یزدان پاک
میں صنعت گری پر ہوں اس کی ہلاک
یہ کرنی اُسی کی ہے اور کس کا کام
یہاں موم ہے کار سنگِ رخام
کرے کون ایجاد یہ بے ستوں
یہاں تیشۂ عقل ہے سرنگوں
مگر فہم میں اتنا آتا ہے یاں
کہ احمدؐ کی خاطر بنا یہ مکاں ۱۶۷؎

کرے کون ایجاد یہ بے ستوں کا اشارہ درج ذیل آیات قرآنی کی طرف ہے:

۱۔ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا (۳۱/۱۰)

اس نے آسمانوں کو بغیر ستون کے پیدا کیا جنھیں تم دیکھتے ہو۔

۲۔ اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا (۱۳/۲)

اللہ وہ ہے جس نے بے ستون آسمان اونچے کیے جنھیں تم دیکھ رہے ہو۔

۲۹۔ غلام ہمدانی مصحفی (۱۷۴۷ء۔۱۸۲۴ء) غلام ہمدانی مصحفؔی اردو شعرا کی طویل فہرست میں صف ِ اول میں شمار کیے جاتے ہیں۔ وہ میر و سودؔا کے ہم عصر تھے۔ انھوں نے دہلی کے دبستان شاعری کی شعری روایات میں آنکھ کھولی اور آخری زمانہ اس دور میں گزارا جب سیاسی زوال اور تہذیبی انتشار کے باعث دہلی کی مرکزیت ختم ہو رہی تھی اور اودھ، لکھنؤ اور بعد ازاں رام پور جیسے نئے مرکز تشکیل پا رہے تھے۔

مصحفؔی کی ولادت (۱۷۴۷ء) امروہہ میں ہوئی۔ بعد ازاں دلی آ گئے۔ دلّی آنے سے پہلے ان کی

شاعری کا آغاز ہو چکا تھا۔ جسے دلی کی شاعرانہ محفلوں اور مشاعروں نے پروان چڑھایا۔ جب دلّی پر احمد شاہ ابدلی کے حملوں کے بعد انتشار کی فضا پروان چڑھی تو مصحفی نے بھی اس عہد کے دیگر اکابرین فن کی طرح لکھنؤ کا رخ کیا۔ مصحفی نے لکھنؤ میں چار نوابوں کا عہد دیکھا۔ یہ زمانہ لکھنوی تہذیب و معاشرت کے عروج اور لکھنؤ میں ایک نئے دبستان شعر و ادب کے قیام کا تھا۔ یہاں مصحفی کو انشاء اللہ خان کے ساتھ شعری معرکے کا سامنا کرنا پڑا۔ اخیر عمر میں مصحفی گوشہ نشین ہو گئے۔ مصحفی کی ادبی یادگاران کے آٹھ دیوان اردو، تین تذکرے، فارسی و عربی نثر و نظم کا مجموعہ ''مجمع الفوائد'' ہے۔

مصحفی کے آٹھ دواین شعری کے مطالعے سے یہ حیرت انگیز امر ہمارے سامنے آتا ہے کہ مصحفی کے ہاں با قاعدہ ایک بھی حمد نہیں لکھی گئی ہاں اردو دیوان میں جا بجا خدا کے بارے میں ان کے تصورات سے ضرور آگاہی ملتی ہے۔ نیز ان کی رباعیات میں سے بعض میں خالص حمد ملتی ہے۔ مثلاً

بس جزئ و کلی سے وہی ماہر ہے
نیک و بدِ بندہ اُس پہ سب ظاہر ہے
شان اس کی گہے رحیم و گہ قاہر ہے
اللہ جو چاہے سو کرے، قادر ہے ۱۶۸؎

بعض جگہ متصوفانہ حمدیہ اشعار بھی ہیں:

تو ہستی باری کے تئیں یوں پہچان
یعنی کہ وجود اپنا، وجود اس کا جان
جب تجھ پہ یہ اثبات ہوا سب حق ہے
پھر آوے نظر میں غیر حق ، کیا امکان ۱۶۹؎

وہ تقدیر کے حوالے سے فلسفۂ جبر کے قائل معلوم ہوتے ہیں، اسی لیے کہتے ہیں:

گاہے مکدر گہ بہ صفا رہتے ہیں
گہ سب میں گہے سب سے جدا رہتے ہیں
ہم لوگ کچھ اختیار اپنے میں نہیں
جس طرح سے رکھتا ہے خدا، رہتے ہیں ۱۷۰؎

مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ مصحفی کی حمدیہ شاعری سے ان کی محبت و وارفتگی اور خدا تعالیٰ سے ان کے

قلبی لگاؤ کا اظہار ہوتا ہے۔

۳۰۔ انشاء اللّٰہ خان انشا (۱۷۵۶ء......۱۸۱۸ء) انشاء اردو ادب میں ایک روشن مینار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کا نام انشآ اللہ خان، تخلص انشا تھا۔ ان کی پیدائش مرشد آباد میں بعہد نواب سراج الدولہ (۱۷۵۶ء......۱۷۵۷ء) ہوئی۔ انشآ اپنے اہل خانہ کے ہمراہ آٹھ نو برس کی عمر میں فیض آباد آ گئے۔

انشآ نے بچپن ہی میں صرف ونحو اور منطق میں مہارت حاصل کی علم طب تو انھیں ورثے میں ملا تھا۔ اردو اور فارسی نیز عربی پر انشاء کو اتنا عبور حاصل ہو گیا تھا کہ وہ ان زبانوں میں شعر کہہ لیتے تھے۔ مختلف علوم وفنون میں انشا کی لیاقت و مہارت بلاشبہ ان کی غیر معمولی ذہانت اور خداداد صلاحیتوں کا ثبوت ہے تاہم اس میں ان کے خاندانی ماحول اور فیض آباد کی فضا کو بھی بڑا دخل ہے۔ انشآ کے شعری کارناموں میں ان کے دیوان، قصائد اور ہجو کے علاوہ ان کی دو اہم نثری کتابیں ''کہانی رانی کیتکی اور کنور اودے بھان کی، اور دریائے لطافت، بھی ان کی یادگار ہیں۔

لکھنؤ میں غیر سنجیدہ فضا کے انشآ پر گہرے اثرات مرتب ہوئے۔ اُس پر مستزاد نواب سعادت علی خان کی دوستی و رفاقت نے انشآ کے کلام کی فطری شوخی وظرافت کو رکاکت و ابتذال سے جا ملایا۔ اس طرح انشآ جیسے جوہر قابل کے لیے نواب کی مصاحبت سمِ قاتل ثابت ہوئی۔ بے تابؔ نے ایک حد تک صحیح کہا تھا کہ

''انشآ کے فضل و کمال کو شاعری نے کھویا اور شاعری کو سعادت علی خاں کی مصاحبت نے ڈبویا۔''[۱۷۱]

مگر جب ہم انشآ کے کلام میں ان کے مذہبی رجحانات بالخصوص حمد کی تلاش کرتے ہیں تو ہمیں یہ دیکھ کر خوشگوار حیرت ہوتی ہے کہ ان کی دیگر شاعری کے برعکس حمد میں ان کا قلم بارگاہِ الٰہی میں عقیدت سے سجدہ ریز ہے:

صنما بربِ کریم یاں ترے ہیں ہر ایک یہ مبتلا
کہ اگر الست بربکم تو ابھی کہے تو کہیں بلا
ہوسِ جمالِ حبیب ہو تجھے کچھ دلا تو کلیم وش
نہ وہ لن ترانی اُدھر کی سن ارنی ہی کہنے پہ جی چلا
وہ جو محوِ مست نظارہ ہیں یہی آہ بھر کے کہیں ہیں وہ

کہ اُسی تجلیٔ نور نے ہمیں مثلِ طور دیا جلا
یہ جو کہیے کعبے میں ہے فقط یہ غلط ہے محض اسی نمط
جدھر آنکھ اُٹھا کے نظر کروں نظر آئے مجھ کو وہ برملا ۱۷۲؎

اپنی ایک طویل غزل میں انشاؔ جا بجا 'قرآنی آیات' کے حوالے لاتے ہیں اور اس طرح حمد الٰہی کرتے ہیں:

جو شش قلزمِ احد دیکھو
دیکھو دیکھو یہ جزر و مد دیکھو

جملہ اشیائے کائنات کے بیچ
ہر طرف جلوۂ صمد دیکھو

آیۂ ''اینما تولوا'' کا
ماحصل خوب کر کے کد دیکھو

پڑھو آگے ''فثم وجہ اللہ''
یعنی اس قول کی سند دیکھو''

بس ''ید اللہ فوق ایدیھم''
چپکے سے پڑھ لو، ان کو جد دیکھو ۱۷۳؎

ایک حمدیہ قصیدے کا مطلع یہ ہے۔

اے خداوندِ مہ و مہر و ثریا و شفق
لمعۂ نور سے ہے تیرے جہاں کو رونق ۱۷۴؎

'یا معبودؔ' کی ردیف لیے ہوئے ایک غزل میں وہ کہتے ہیں:

نفیٔ اثبات کے شاغل جو قلندر ہیں سو وہ
اپنی گردن کو نہیں پاتے ہیں خم یا معبود
سدرہ تک آن تو پہنچا ہوں ولے قصد ہے یہ
کہ بڑھوں اور بھی دوچار قدم یا معبود ۱۷۵؎

۳۱۔ قلندر بخش جرأت(۱۷۴۹ء......۱۸۰۹ء) نام قلندر بخش، تخلص جرأتؔ، دہلی کے رہنے والے تھے لیکن انقلاب زمانہ کے ہاتھوں کم عمری میں اپنے والدین کے ہمراہ فیض آباد پہنچے۔ اور ان کی پرورش وہیں

ہوئی۔ جرأتؔ نے موسیقی و نجوم اور دیگر فنون لطیفہ کے علوم سیکھے۔ انھیں شعر وسخن سے فطری لگاؤ تھا۔ ان کی شعر گوئی کا آغاز فیض آباد سے ہوا۔ جہاں مرزا جعفر علی حسرتؔ کی شہرت تھی۔ جرأتؔ بھی ان کے شاگرد ہوئے۔ فیض آباد سے جرأتؔ لکھنؤ چلے گئے۔ جرأتؔ کی زندگی کا ایک اندوہناک واقعہ ان کا بصارت سے محروم ہوجانا ہے۔ جرأت کی زندگی مالی پریشانیوں میں گزری۔ ۱۸۰۹ء میں لکھنو میں انتقال کیا۔ جراتؔ کی یادگار ان کا کلیات ہے جس میں غزلیات، مثنویات، رباعیات، واسوخت، سلام، مرثیے، ہفت بند، ترجیع بند، مخمس اور مسدس شامل ہیں۔ جرأتؔ کا کلام معاملہ بندی کی وجہ سے اپنے دور میں بازاری شاعری اور چوما چاٹی کی شاعری، کے اعزازات کا حامل قرار پایا لیکن مرزا شوقؔ کی طرح جرأتؔ کے یہاں ''صرف جنسیات کے کھلے دفتر ہی نہیں بلکہ محمود جذبات اور کیفیاتِ قلبی کی مطہر ترجمانی بھی ان کے یہاں کی گئی ہے ایسے مواقع پر جرأتؔ حدِ احترام کا لحاظ رکھتے ہیں۔ اخلاقی اعتبار سے یہاں ان کا مسلمان پن، زندہ ہوجاتا ہے۔'' ۱۷۶؎ جراتؔ کی حمد ملاحظہ ہو:

گر کیجئے ارادہ تری قدرت کے رقم کا
تو پہلے ہی سر سجدے میں جھک جائے قلم کا
جو پائے اسے دل ہی میں اے شیخ و برہمن
نے دیر کا طالب وہ رہے پھر نہ حرم کا
کیا جانے کدھر بہہ گئے خاروخسِ عصیاں
ایسا ہی بندھا تار ترے ابر کرم کا ۱۷۷؎

درج ذیل حمدیہ اشعار ''کلیات جرأتؔ'' (مرتبہ) اقتدا حسن کے پہلے صفحے کی زینت ہیں۔

نالۂ موزوں سے مصرع آہ کا چسپاں ہوا
زور یہ پر درد اپنا مطلع دیواں ہوا
جس نے دیکھا آکے یہ آئینہ خانہ دہر کا
فی الحقیقت بس وہ اپنا آپ ہی حیراں ہوا ۱۷۸؎

ان اشعار میں بالواسطہ طور پر قدرت الٰہی کو جرأتؔ نے سراہا ہے۔ ایک مقام پر جرأتؔ انتہائی دردمند لب و لہجے میں اللہ تعالیٰ کے حضور اپنا احوال قلبی بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

در پئے عمر رفتہ ہوں یا رب
ہر دم از خود گزشتہ ہوں یا رب

کیا ہوں مقبولِ طبع اہلِ سخن
ایک مضمونِ بستہ ہوں یا رب

پانی پانی ہو جس کو دیکھ جحیم
سوزِ غم سے وہ تفتہ ہوں یا رب ۱۷۹؎

۳۲۔ سعادت یار خاں رنگین (۱۷۵۷ء......۱۸۳۵ء) دبستان لکھنؤ کے اہم شاعر رنگینؔ، ۱۷۵۷ء میں سرہند میں پیدا ہوئے۔ والد طہماس بیگ، دربار شاہی سے منسلک رہے اور امیرانہ ٹھاٹھ باٹھ رکھتے تھے۔ رنگینؔ نے اپنے والد سے فن سپاہ گری اور شہسواری میں مہارت حاصل کی۔ رنگینؔ، اسم بامسمّٰی تھے۔ اور انھیں جہان گردی کا بہت شوق تھا۔ اس لیے بھرت پور، لکھنؤ مرشد آباد، ڈھاکہ، گوالیار، کلکتہ، باندہ غرض جگہ جگہ جہان گردی اورحصول روز گار کے لیے قیام کیا۔ ۱۸۳۵ء میں باندے میں انتقال کیا۔

رنگینؔ نے پندرہ برس کی عمر میں شاعری شروع کر دی تھی۔ اور طویل عمر پائی تھی۔ ایک طویل عرصے تک مشقِ سخن کی۔ رنگین کی علمی لیاقت اور زبان دانی کا اندازہ ان کے کلام سے بخوبی کیا جا سکتا ہے۔ وہ قرآن، حدیث اور علومِ شریعہ سے بھی شغف رکھتے تھے اور خاندان میں تصوف کا بھی کچھ عمل دخل تھا۔ اس لیے ان کے کلام میں بعض ایسی چیزیں بھی مل جاتی ہیں جو اعلیٰ درجے کی صوفیانہ اورحکیمانہ ہیں بقول ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی:

''ان کے مجموعۂ کلام میں ایسی مستقل تصانیف موجود ہیں جو اعلیٰ درجے کی حکیمانہ اورصوفیانہ ہیں ان میں وہ خاص طور پر مولانا روم کی مثنوی سے متاثر معلوم ہوتے ہیں۔'' ۱۸۰؎

رنگینؔ کثیر التصانیف تھے۔ مگر ایک ''دیوان ریختی''، فارسی نثر میں ''مجالس رنگین'' اور'' فرس نامہ'' کے علاوہ رنگین کا مطبوعہ کلام نایاب ہے۔ البتہ ان کے قلمی نسخے دستیاب ہوئے ہیں۔ ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی نے اپنی تصنیف ''لکھنؤ کا دبستان شاعری'' میں جو رنگین کی شاعری کے نمونے درج کیے ہیں۔ یہ نمونے لکھنؤ کی لکھنویت کے آئینہ دار ہیں۔ ان سے شاعر کی قادر الکلامی، پختہ مشقی، طبیعت کی روانی اور شوخی و بذلہ سنجی بھی جھلکتی ہے۔ ہزل گوئی اور فحش نگاری کی مثالیں بھی بکثرت ملتی ہیں۔ مگر اس سب کے باوجود جب وہ حمد نگاری کرتے ہیں تو پہلے اپنی زبان دھوتے ہیں، پھر حمد کہتے ہیں:

دھو کے زبانِ رنگین کہہ دے   حمد کریم کی سب سے پہلے

کیونکہ وہ خلاق جہاں کا — واقف ہے پنہاں و عیاں کا
سب مخلوق ہیں خالق ہے وہ — سب کا دائم رازق ہے وہ ۱۸۱؎

مندرجہ بالا حمدیہ اشعار 'مثلث رنگین' کے آخری تیسری حصے سے لیے گئے ہیں۔ مجموعہ ''شش جہت رنگین''، کا ''چوتھا حصہ چہار یمن رنگین''، کے نام سے موسوم ہے، جو ایک ہزار اشعار پر مشتمل ہے۔ اس کے آغاز میں جو حمدیہ اشعار ہیں ان میں صفات الٰہی کے حوالے سے، اللہ تعالیٰ کی تعریف کی گئی ہے:

اے گلشنِ دو جہاں کے خالق — وے والی وانس و جاں کے رازق
خالق ہے تو ہی کریم ہے تو — قادر ہے تو ہی قدیم ہے تو
ہے باغ سو کیا یہ تیری وحدت — ہیں اس میں شجر یہ سارے کثرت ۱۸۲؎

رنگینؔ کی تصانیف کا ایک اور مجموعہ 'سبع سیارہ رنگین' کے نام سے موسوم ہے۔ اس مثنوی میں شروع سے آخر تک تجنیس اور تجنیس مرکب کی صنعت کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ پہلا حمدیہ شعر ملاحظہ ہو:

حمد کہنے کی تجھے جب بار ہو
جب کہ تجھ پہ رحمتِ جبار ہو ۱۸۳؎

ادارہ ترقی ادب، کراچی نے رنگین کی مثنوی ''مسدس رنگین'' شائع کی ہے۔ جس میں ہمارے لیے مثنوی اور مسدس کا پیوند باعث حیرت ہوتا ہے۔ مثنوی کے آغاز میں ۲۲ اشعار پر مشتمل حمد ہے۔ جس میں وہ خالقِ کائنات کی بے مثل صناعی پر حمد خواں ہیں۔ انسان کو آیاتِ الٰہی پر غور وفکر کی دعوت دیتے ہیں۔ آخر میں اس کی صمدیت اور قادریت کلی کی حمد بیان کرتے ہیں۔

ہے سزا وار حمد کے وہ خدا — جس نے پیدا کئے ہیں ارض و سما
وہی بے شک سبھوں کا خالق ہے — وہی بے شبہ سب کا رازق ہے
خوب ہر چیز کو تو چھان کے دیکھ — میری خاطر خدا کو مان کے دیکھ
بے ستوں ہے بپایہ خیمۂ عرش — اور زمیں کا بچھا ہے اس میں فرش
سائباں اس کا ابر ہے یہ عیاں — اور قناتیں ہیں اس کی کوہ گراں ۱۸۴؎

کوہ گراں کے لیے 'قناتیں' لفظ کا استعمال ہمیں اس آیہ قرآنی کی یاد دلاتا ہے۔

والجبال اوتادا (۷۸/۷)

ترجمہ: اور پہاڑوں کو (زمین میں) گاڑھا ہے۔

آگے چل کر اللہ تعالیٰ کی بے نیازی کی اس طرح تعریف کرتے ہیں:

خالق اپنا خدا ہے جس کا نام ہے ہمیشہ سے اور رہے گا مدام
کچھ کسی کی نہیں اسے پروا کہ برا کون، کون ہے اچھا
جس کے سر پر وہ چاہے تاج دھرے دم میں چاہے جسے خراب کرے
جس کو چاہے کرے وہ تخت عطا جس غنی کو وہ چاہے کر دے گدا ۱۸۵ ؎

یہ اشعار بھی سورہ آل عمران کی درج ذیل آیت کی تفسیر ہیں:

تُؤْتِی الْمُلْکَ مَنْ تَشَآءُ وَ تَنْزِعُ الْمُلْکَ مِمَّنْ تَشَآءُ وَ تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ بِیَدِکَ الْخَیْرُ اِنَّکَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْر ۳)۲٦:۵)

ترجمہ: اے اللہ، اے مالک الملک تو جسے چاہے سلطنت دیتا ہے اور جس سے چاہتا ہے ملک چھین لیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلت دیتا ہے۔ تیرے ہاتھ میں خیر ہی خیر ہے۔ بے شک تو ہر شے پر قادر ہے۔

ریختی کی صنف جو منسوب ہی رنگینؔ سے ہے اور معروف بھی۔ اس میں بھی رنگینؔ نسوانی زبان میں حمد کہتے ہیں:

واری ترے جاؤں میں خالق ہے تو خلقت کا
کیا مجھ سے بیان ذرہ ہوئے تیری قدرت کا
کچھ مجھ کو گناہوں کا خطرہ نہیں محشر میں
چھوڑوں گی نہ میں دامن خاتونِ قیامت کا
تو وہ ہے جواں جس نے پھر کر کے زلیخا کو
یوسف کو کیا مفتوں اس چاند سی صورت کا
پہلو سی گئی واں تک تھا رابعہ بصری کو
یہ شوق دیا تونے کعبہ کی زیارت کا
موسیٰ کو جو پالا تھا فرعون کی بی بی نے
پھر کیوں نہ پڑے اس پر پرتو تری رحمت کا
اور حضرت عیسیٰ کو بن باپ کیا پیدا

مریم کا مرے والی شاہد ہے تو عصمت کا
قربان ترے مجھ سے اور میری دوگانہ سے
بھر عمر رہے رشتہ باہم یہ محبت کا
اب آٹھ پہر تجھ سے مانگوں ہوں دعا یہ میں
بندی کو پڑے ہو کا رنگیںؔ کی نہ چاہت کا ۱۸۶؎

غرض رنگیںؔ نے ہر ہر صنف میں یہاں تک کہ ریختی کی صنف جو ناپسندیدہ صنف قرار پاتی تھی، اس کے ذریعے بھی حمدیہ مضامین بیان کئے ہیں۔

۳۳۔ نظیر اکبر آبادی (۱۷۳۵ء......۱۸۳۰ء) نظیرؔ اکبر آبادی کا اصل نام سید ولی محمد تھا۔ والد کا نام سید محمد فاروق تھا۔ نظیر دہلی میں پیدا ہوئے تھے، جہاں بائیس سال تک قیام رہا۔ لیکن نادر شاہ اور احمد شاہ ابدالی کے حملوں کے بعد دہلی چھوڑ کر انھوں نے آگرے میں سکونت اختیار کر لی اور وہیں ۱۸۳۰ء میں وفات پائی۔ ۱۸۷؎

نظیرؔ فطرتاً آزاد منش انسان تھے اور جس طرح وہ زندگی کے دیگر امور میں معاشرے کے عائد کردہ قوانین سے بے نیاز تھے، اسی طرح انھوں نے شاعری کے میدان میں بھی اپنی راہ آپ بنائی۔ نظیرؔ کے کلام کو ان کے عہد کے عوام میں تو مقبولیت ملی مگر خواص کی طرف سے پذیرائی نہ ہوئی۔ حالی نے لکھا ہے:

''نظیرؔ اکبر آبادی نے شاید میر انیس سے بھی زیادہ الفاظ استعمال کیے ہیں، مگر ان کی زبان کو اہل زبان کم مانتے ہیں۔'' ۱۸۸؎

دراصل نظیرؔ اپنی شاعری میں اکبر آباد کے محاورے کے پابند ہیں۔ دہلی یا لکھنؤ کے نہیں ہیں۔ نظیرؔ کا ذخیرۂ الفاظ وافر متنوع ہے، نیز الفاظ کی موڑ توڑ، ساخت اور تصرف میں وہ اپنے ہم عصروں اور مابعد سب پر سبقت لے گئے ہیں۔

نظیرؔ جدید نظم گوئی کے بانی ہیں۔ انھوں نے اس دور میں نظم کا انتخاب کیا جب قصیدہ و غزل کی حکمرانی تھی اور یہ دونوں اصناف امرا اور خواص تک محدود تھیں۔ نظیرؔ نے عوامی مسائل پر نظمیں لکھیں اور عوامی شاعر کہلائے۔ ان کے یہاں ذخیرۂ الفاظ کے تنوع کی طرح موضوعات کا بھی بے حد تنوع ہے ان میں دینی شاعری کے مختلف عنوانات بھی ملتے ہیں۔ وہ اپنی حمدیہ شاعری میں اللہ تعالیٰ کی بے نظیر خلاقیت کو بیان کرنے کے لیے اپنے ماحول وا، موسموں

فضا، پرندوں، دریاؤں، پہاڑوں اور حیوانات وطیور سے مثالیں بیان کرتے ہیں اور ان مثالوں سے عوام الناس کا اخلاق سنوارنے اور تبلیغ و ہدایت کا کام لینے کی بھی کوشش کرتے ہیں۔''غزلیات دیوان نظیرؔ اردو'' کا آغاز جس غزل سے ہوتا ہے، اس میں حضرت ابراہیمؑ کے حوالے سے ایک واقعہ بیان کرنے کے بعد حمد کے تین اشعار ملتے ہیں۔نظیر کہتے ہیں:

ایک دن آ گے خلیلؑ اللہ کے اک شخص نے　　یک بیک آ کر لیا منھ سے جو نام اللہ کا
اس خلیلؑ اللہ نے سنتے ہی آ کر شوق میں　　سب دیا اس کو جو تھا اسباب عزو جاہ کا
اور کہا اے شخص پھر بہر خدا یہ نام لے　　میں بجاں مشتاق ہوں اس اسم خاطر خواہ کا
گروہ لیتا نام پھر اللہ کا تو بالیقیں　　جی نکل جاتا وہیں حضرت خلیل اللہ کا
حاصل اس کہنے کا اس کی چاہ کچھ آساں نہیں　　جب کوئی ایسا ہو جب لے نام اس کا چاہ کا
دی ہمیں اُس نے **نفخت** فیہ من روحی سے جان　　مال بھی ہم کو دیا عرفاں کی رسم وراہ کا

اس میں کیا طاقت جو مالک ہو کوئی بت اے نظیرؔ
جان بھی اللہ کی اور مال بھی اللہ کا ۱۸۹؎

نظیرؔ نے دی ہمیں اس نے **نفخت** فیہ من روحی سے جان میں قرآن کریم کی آیت مبارکہ:

اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّی خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِینٍ (71) فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوحِی فَقَعُوْا لَہٗ سَاجِدِیْنَ٥　　(۳۸/۷۱۔۷۲)

ترجمہ: جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی سے ایک بشر پیدا کرنے والا ہوں پھر جب میں اسے مکمل کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونکوں تو اس کے آگے سربسجود ہوجانا'' سے استفادہ کیا ہے۔ ایک اور مقام پر انسان کی ہستی کو اس کی نیستی پر ترجیح دیتے ہوئے احسان الٰہی پر یوں شکر گزار ہوتے ہیں:

نیست رہتے ہم تو یہ سیریں کہاں سے دیکھتے
یہ فقط احسان ہے اس ذاتِ پاکِ ہست کا ۱۹۰؎

یہاں ہست اور نیست کے متضاد الفاظ کے برمحل استعمال سے شاعر نے صفت تضاد کو بھی شعر میں جگہ دی ہے۔حصہ غزل ہی کے ایک اور شعر کے مقطع میں کہتے ہیں:

نظیرؔ اس کے فضل و کرم پر نظر رکھ
فقل حسبی اللہ نعم الو کیلا ۱۹۱؎

نظیرؔ نے اپنی نظموں میں اتنی کثرت سے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا ہے اور نوع بہ نوع مثالیں دے کر اس کی وحدانیت اور حقانیت بیان کی ہے کہ ہم بلا شک و شبہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اردو کی کلاسیکی شاعری میں اس قدر زیادہ اور متنوع مثالیں، اردو نظم میں ہمیں نظیرؔ کے علاوہ اور کہیں نہیں ملتیں۔انھوں نے نظم کی ہر صنف میں اس موضوع پر سیر حاصل اشعار کہے ہیں۔ چاہے وہ مخمس ہو یا مسدس، یا مسدس ترجیع بند یا ترکیب بند، وہ خدائے بزرگ برتر کی ہر جگہ تحمید کرتے ہیں۔ یہاں ہم نظیرؔ کی نظموں سے چند مثالیں پیش کرتے ہیں۔نظم کا عنوان ''نظیرؔ محراب عبادت میں''

الٰہی تو غفار ہے اور رحیم　　الٰہی تو فیاض ہے اور کریم
نہ تیرا شریک اور نہ تیرا سہیم　　مقدس، معلّٰے، منزہ، عظیم
تری ذات والا ہے یکتا قدیم ۱۹۲؎

''اے برتر از خیال و قیاس و گمان ما'' کے عنوان سے نظم میں کہتے ہیں:

یکتائی ہے تیرے تئیں، ہمسر ترا کوئی نہیں　　ہے تو ہی رب العالمین، اور تو ہی خیر الراحمیں
ہے یہ نظیرؔ عصیاں قریں، جانے ہے با صدق و یقیں　　لے آسماں سے تا زمیں، ہیں سب عباد و تابعیں
ہوگی تیرے ہی فضل سے ہر جا مری کھوٹی کھری ۷؎

''ھو اللہ الخالق الباری المصور لہ الاسماء الحسنیٰ'' میں نظیرؔ کی لفظیات کی فراوانی دیکھنے کے لائق ہے۔

اس ارض و سما کے عرصے میں یہ جتنا کھُچم کھچا ہے
یہ ٹھاٹھ تجھی نے باندھی ہے یہ رنگ تجھی نے رچا ہے
حیوان، پکھیرو، نرناری، کیا بوڑھا، بالک، بچا ہے
دانا، بینا، ہوش بھرا، کیا بھولا، ناداں، کچا ہے
کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے

پھلواری، باڑی، باغ، چمن ہے سب کو یاد تیری ہی بھلی
تو مالی والی رکھوالی کیا برچھ پھلی، کیا پیڑ بلی
کوئی مالا پھیرے کوئی سمرن ہے سب کے دل میں یاد ڈھلی

کیا چوٹی جڑ، کیا پھل کونپل، کیا ٹہنی پتا، کلی کلی
کل عالم تیری یاد کرے تو صاحب سب کا سچا ہے ۱۹۴؎

مسدس ترجیع بند کی شکل میں ''چڑیوں کی تسبیح'' کے ذیلی عنوان میں آیت مبارکہ درج کی ہے۔

''وان من شئی الا یسبح یحمدہ ولکن لا یفقھون تسبیحھم''

کہتے ہیں:

وقت سحر کی روحیں کیا کیا ہوں ہوں ہوں ہوں کرتی ہیں
ہوں ہوں ہوں ہوں کر کر ذکر کن اور فیکون کرتی ہیں
مرغے بولے ککڑوں ککڑوں مرغیاں کوں کوں کرتی ہیں
طوطیاں بھی سب یاد میں اس کی بھتوں بھتوں کرتی ہیں
سانجھ سویرے چڑیاں مل کر چوں چوں چوں چوں کرتی ہیں
چوں چوں چوں چوں چوں چوں کیا؟ سب بے چوں بے چوں کرتی ہیں۔
۱۹۵؎

اس نظم میں نظیرؔ کلام الٰہی سے بسم اللہ، سبحان اللہ، الآن کما کان، کل من علیھا فان، کے علاوہ رحمان، قدیر اور منان کے اسمائے الٰہی ومفاہیم سے بھی مستفید کرتے نظر آتے ہیں۔

''تلقینِ توحید'' کا ذیلی عنوان ''خدا کی خدائی تمام خدائی سے ظاہر ہے''، اس میں اللہ تعالیٰ کو دَلبر، کہتے ہوئے اسے ہر جگہ ڈھونڈنے کا مشورہ دیتے ہیں:

تنہا نہ اسے اپنے دل تنگ میں پہچان ہر باغ میں، ہر دشت میں، ہر سنگ میں پہچان
بے رنگ میں، بارنگ میں، نیرنگ میں پہچان منزل، میں مقامات میں، فرسنگ میں پہچان
ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان
نت روم میں اور ہند میں اور زنگ میں پہچان ہر راہ میں، ہر ساتھ میں، ہر سنگ میں پہچان
ہر عزم، ارادے میں، ہر آہنگ میں پہچان ہر دھوم میں، ہر صلح میں، ہر جنگ میں پہچان
ہر آن میں ہر بات میں ہر ڈھنگ میں پہچان
عاشق ہے تو دلبر کو ہر اک رنگ میں پہچان ۱۹۶؎

نظیرؔ کی منظومات کا ایک معتدبہ حصہ اخلاقی موضوعات پر مشتمل نظموں کا ہے ان میں بھی نظیر انسان کو ایک

اللہ سے لو لگانے کا مشورہ دیتے نظر آتے ہیں۔ ''توکل'' نظم کا ذیلی عنوان ہے۔

نہ کس می دہاند نہ کس می دہد
خدا می دہاند خدا می دہد

کہتے ہیں:

گروہ دلایا چاہے تو دشمن سے لا دلائے
اور جو نہ دے تو دوست بھی پھر اپنا منہ چھپائے
بن حکم اس کے روٹی کا ٹکڑا نہ ہاتھ آئے
گر چلّو پانی مانگو تو ہر گز نہ کوئی پلائے
غیر از خدا کس میں قدرت جو ہاتھ اٹھائے
مقدور کیا کسی کا وہی دے وہی دلائے ۱۹۷ے

مذکورہ بالا اشعار نظیرؔ کی شاعری میں توحید خالص کے مضامین کی ترجمانی بھی کرتے ہیں اور سہل ممتنع کی بھی دلکش مثال ہیں۔

۳۴۔ خواجہ حیدر علی آتش (۱۷۷۸ء۔۱۸۴۶ء) آتشؔ، خواجہ حیدر علی ۱۷۷۸ء میں فیض آباد میں پیدا ہوئے۔ جوانی سے پہلے والد انتقال کر گئے۔ اس لیے تعلیم و تربیت ناقص رہی، تذکرہ نگاروں کے مطابق جوانی میں بانکے اور شورہ پشت مشہور تھے۔ تیغ زنی بھی سیکھی۔ بات بات پر تلوار کھینچ لیتے۔ جب تک جوانی رہی، بانکپن اور شوریدہ سری کا سلسلہ جاری رہا جب یہ آندھی اتری تو اور ہی رنگ نظر آتا ہے۔ اب درویشی اور فقیری کا دور شروع ہوا۔ درویشی، قناعت اور توکل کے مضامین شاعری میں بھی در آئے ۔ نہ کسی کی تعریف میں قصیدہ نگاری کی اور نہ کسی رئیس و امیر کے دروازے پر گئے۔ اخیر عمر میں بینائی جاتی رہی۔ ۱۸۴۶ء میں آتشؔ نے انتقال فرمایا، آتشؔ کی شاعری کی بنیاد جذبات، احساسات اور کیفیات پر ہے۔ سادگی زبان و بیان کی سحر کاری اپنی جگہ ان میں احساس کی شدت بھی ہے۔ درد، سوز و گداز اور تڑپ بھی۔ غزل کی یہ وہی روایت ہے جس کے چراغ کو آتشؔ نے لکھنویت کی خارجیت پسندی کی آندھی میں بھی جلائے رکھا۔

جہاں تک حمدیہ شاعری کا تعلق ہے آتشؔ کے ہاں باقاعدہ حمد گوئی نہیں ہے البتہ جزوی طور پر کلام میں

حمدیہ و دعائیہ مضامین ملتے ہیں۔ بالخصوص ذات و صفات ایزدی کے حوالے سے اخلاق پر مبنی نصائح ملتے ہیں۔ فنا کے مضامین بکثرت ہیں۔ قناعت، توکل اور عالی حوصلگی اور دعا و شکر کے مضامین نظر آتے ہیں۔ ان کے یہاں نہ تو دبستانِ دہلی کا غم و اندوہ اور مایوسی ہے اور نہ ہی دبستانِ لکھنؤ کی خارجیت پسندی۔ بلکہ رجائیت اور نشاط افزا شاعری ہے ایک متوازن اسلوب کی حامل شاعری میں حمدیہ مضامین سموئے ہوئے ہیں۔ ذیل میں ان کے دیوان سے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

حباب آسا میں دم بھرتا ہوں تیری آشنائی کا
نہایت غم ہے اس قطرے کو دریا کی جدائی کا ۱۹۸؎

باغِ عالم کا ہر اک گل ہے خدا کی قدرت
باغباں کون ہے اس کا یہ چمن ہے کس کا ۱۹۹؎

چشمِ بینا بھی عطا کی دلِ آگہ بھی دیا
مرے اللہ نے مجھ پر کئے احساں کیا کیا ۲۰۰؎

دین و دنیا کا طلب گار ہنوز آتشؔ ہے
یہ گدا سائلِ نقد دو جہاں ہے کہ جو تھا ۲۰۱؎

اس شعر میں آتشؔ نے نبی اکرمؐ کی دعا ''ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الاخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار'' سے مضمون اخذ کیا ہے۔

جو چاہے سو مانگ آتش درگاہ الٰہی سے
محروم کبھی پھرتا دیکھا نہیں سائل کو ۲۰۲؎

خوشا وہ دل کہ ہو جس دل میں آرزو تیری
خوشا دماغ جسے تازہ رکھے بو تیری ۲۰۳؎

کرے جس قدر شکر نعمت وہ کم ہے
مزے لوٹتی ہے زباں کیسے کیسے ۲۰۴؎

باغِ عالم میں یہی اپنی دعا ہے ہر صبح
رہیں سر سبز شجر پھولنے پھلنے والے ۲۰۵؎

۳۵۔ پنڈت دیا شنکر نسیم (۱۸۱۱ء......۱۸۴۵ء)اب ہم ایک ایسے شاعر کی حمدیہ شاعری کا تذکرہ کریں گے جو غیر مسلم ہے لیکن شاعر کا بحیثیت شاعر کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ جب وہ شعر کہتا ہے تو نہ مسلمان رہتا ہے اور نہ ہندو۔ وہ صداقت، سچائی اور دینِ فطرت کی بات کرتا ہے۔ وہ دینِ فطرت جہاں انسان کے ذہن میں اللہ کے تصور سوائے قادرِ مطلق، ذات وحدہٗ، لاشریک لہٗ کے سوا اور کوئی نہیں ہوتا۔

ہماری مراد دیا شنکر نسیمؔ سے ہے۔ پنڈت گنگا پرشاد کول کے بیٹے، خواجہ حیدر علی آتشؔ کے شاگرد اور لکھنؤ کے رہنے والے تھے۔ ان کا نام ان کی معروف مثنوی ''گلزار نسیم'' کے باعث زندہ و پائندہ چلا آتا ہے۔ انھوں نے بچپن و جوانی میں اردو و فارسی کی تعلیم حاصل کی تھی شاعری سے فطری لگاؤ تھا۔ ''نوجوانی میں شاعری شروع کی اور غزل میں اسی رنگ کی پیروی کی جو اس وقت سارے لکھنؤ پر چھایا ہوا تھا اور جس کے موجد ناسخ تھے'' ۲۰۶؎

دیا شنکر نسیم کی دو تصانیف ہیں۔ ایک ''دیوانِ نسیم'' اور دوسری مثنوی ''گلزارِ نسیم'' دیوانِ نسیم بہت مختصر ہے۔ اس میں مکمل و نامکمل غزلوں کی تعداد کم و بیش ۸۴ ہے۔ نسیم کی مثنوی اور غزلیہ شاعری پر بجائے آتشؔ کے ناسخؔ کے اثرات زیادہ دکھائی دیتے ہیں۔

''مثنوی گلزارِ نسیم'' کا آغاز اس دور کی شعری روایات کے عین مطابق حمد سے ہوتا ہے۔ مسلمانوں کی دیکھا دیکھی اور تقلید روایت شعری میں ہندو شعرا بھی اپنے دوا دین کا آغاز بسم اللہ الرحمن الرحیم سے کیا کرتے تھے۔ کیونکہ غیر مسلم بھی ان کلمات کو اپنے حق میں باعث خیر سمجھتے تھے۔ یہ بات شعر و ادب کی کتابوں تک محدود نہیں بلکہ ان کی مذہبی نوعیت کی کتب نظم و نثر بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔

نسیمؔ کے حمدیہ اشعار میں پیروی رؤایت کے ساتھ جذبہ وعقیدت کی کارفرمائی بھی ان اشعار میں صاف دکھائی دیتی ہے:

ہر شاخ میں ہے شگوفہ کاری ثمرہ ہے قلم کا حمد باری
کرتا ہے یہ دو زباں سے یکسر حمدِ حق و مدحت پیمبرؐ ۲؎

اللہ تعالیٰ سے مثنوی کی مقبولیت اور اپنے قلم کی روانی و خوش بیانی کے لیے اس طرح دعا کرتے ہیں:

یارب مرے خامے کو زبان دے　　منقار ہزار داستاں دے
افسانہ گل بکاؤلی کا　　افسوں ہو بہار عاشقی کا
خوبی سے کرے دلوں کو تسخیر　　نیرنگِ نسیم باغِ کشمیر
جو نکتہ لکھوں کہیں نہ حرف آئے　　مرکز پہ کشش مری پہنچ جائے ۲۰۸؎

نسیمؔ نے یہ مثنوی صرف پچیس برس کی عمر میں کہی تھی جب مثنوی کی شہرت روز بروز افزوں تر ہوئی تو نسیمؔ نے اسے چھ سال بعد چھپوایا اور تاریخ اشاعت نظم کی جس میں اللہ تعالیٰ کا شکر اس طرح ادا کیا:

اے خالق کردگار شکراً　　شُکراً شُکراً ہزار شُکراً ۲۰۹؎

جناب محترم طاہر سلطانی نے ''اذان دیر'' کے عنوان سے غیر مسلم شعرا کے حمدیہ کلام و کوائف پر مشتمل مجموعہ ترتیب دیا ہے۔ جس میں نسیمؔ کی ایک ایسی حمد پیش کی ہے۔ جو اسلامی تصورات الٰہ و تلمیحات اسلامی سے مزین ہے۔ یہاں اس کے چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں:

ہر اک مقام میں ہے جلوۂ خدائے غفور
کسی جگہ وہ نمایاں کسی جگہ مستور
اسی کے حسن سے تاباں ہوئے ہیں شمس و قمر
اسی کے نور سے روشن ہوا ہے شعلۂ طور
غرض وہ روحِ مجرد ہر ایک جسم میں ہے
ہر ایک ذرے میں ہے اس بسیطِ کل کا ظہور ۲۱۰؎

ان حمدیہ اشعار میں جو ایک غیر مسلم کے قلم کا شاہکار ہیں اور عام مسلمان شعرا کی حمدیہ اشعار میں کوئی فرق و امتیاز ڈھونڈنا ناممکن ہے۔ نسیم اللہ تعالیٰ کے لیے 'خدائے غفور' کی ترکیب استعمال کر کے اس کی صفت غفار کی توضیح کرتے ہیں۔ 'شعلہ طور' خالص اسلامی تلمیح ہے۔ 'فردوس و حور' کا تصور بھی اسلامی نظریہ حیات بعد الموت کا ہے۔ آخری شعر میں تصوف کے موضوع 'وحدت الوجود' کو اس طرح سمیٹا ہے کہ کوزے میں دریا بند کر دیا ہے۔ غرض پوری کی پوری حمد اسلامی اندازِ فکر کی حامل ہے۔

۳۶۔ میر انیس (۱۸۰۱ء...... ۱۸۷۴ء) اردو میں مرثیہ گوئی کی گزشتہ تاریخ سے قطع نظر دبستان لکھنؤ میں جو چار مرثیہ نگار یعنی ضمیرؔ، خلیقؔ، دلگیرؔ اور فصیحؔ گزرے ہیں۔ وہ گویا اس صنفِ سخن کے عناصر اربع ہیں جن سے فی الحقیقت طرزِ جدید کے مرثیے کی بنیاد پڑی۔ ان بزرگوں نے گویا میر انیسؔ اور مرزا دبیرؔ کے لیے جن کے

ہاتھوں مرثیہ ترقی کر کے بامِ عروج پر پہنچ گیا۔ میدان ہموار کر دیا تھا۔

ڈاکٹر فرمان فتحپوری نے اپنی کتاب ''میر انیسؔ۔ حیات و شاعری'' میں انیسؔ کا سال پیدائش ۱۸۰۱ء سے ۱۸۰۵ء کے درمیان قرار دیا ہے اور تاریخ وفات ۱۸۷۴ء دی ہے۔۲۱۱؎ انیس فیض آباد میں پیدا ہوئے اور وہیں ان کی ساری تعلیم و تربیت ہوئی علوم متداولہ و مروجہ کے حصول میں مشق بہم پہنچائی۔ شعر گوئی کا شوق وراثت میں پایا تھا۔ بقول آزادؔ ان کے والد میر خلیقؔ نے ان کی غزل سن کر، مرثیہ کہنے کی تلقین کی۔ باپ کے اشارے پر ان کی ساری توجہ مرثیے اور سلام کی طرف ہو گئی اور زمانہ نو مشقی کے چند برسوں کو چھوڑ کر ان کی ساری عمر مدحِ اہل بیت میں صرف ہوئی۔ انیسؔ کا مرثیہ اس خاکہ سے عبارت ہے کہ جس میں چہرہ ،سراپا، رخصت، آمد، رجز، جنگ، شہادت اور بین اجزائے ترکیبی کی حیثیت رکھتے ہیں۔ مرثیے کی یہی روایت انیسؔ کو وراثت میں ملی تھی ۔میر ضمیرؔ نے مرثیہ کو جس مقام پر چھوڑا تھا۔ میر انیسؔ نے اس کی معنوی عظمت کو اپنے متخیلہ ،فصاحت اور قدرتِ بیان کی زبردست قوتوں سے آگے بڑھایا۔ میر انیسؔ کا اہم کارنامہ یہ تھا کہ اس نے مرثیے کی روایت کو فنی عظمت سے ہم کنار کیا۔''۲۱۲؎

میر انیسؔ نے اپنے مرثیوں میں منظر نگاری کا حق خوب ادا کیا ہے اور جہاں وہ مناظرِ فطرت کی دلکشیاں بیان کرتے ہیں وہیں بالواسطہ حمد الٰہی بھی ان کے کلام سے مترشح ہوتی ہیں۔ مثلاً

قربان صنعتِ قلمِ آفریدگار تھی ہر ورق پہ صنعت ترصیع آشکار
عاجز ہے فکرتِ شعرائے ہنر شعار ان صنعتوں کو پائے کہاں عقلِ سادہ کار
عالم تھا محو قدرتِ ربِ عباد پر
مینا کیا تھا وادیٔ مینو سواد پر

وہ قمریوں کا چار طرف سرو کے ہجوم کو کو کا شور نالۂ حق سرہ کی دھوم
سبحان ربنا کی صدا تھی علی العموم جاری تھے وہ جوان کی عبادت کے تھے رسوم
کچھ گل فقط نہ کرتے تھے ربِ علا کی حمد
ہر خار کو بھی نوکِ زباں تھی خدا کی حمد

چیونٹی بھی ہاتھ اٹھا کے یہ کہتی تھی بار بار اے دانہ کش ضعیفوں کے رازق ترے نثار
یا حی یا قدیر کی تھی ہر طرف پکار تہلیل تھی کہیں کہیں تسبیح کِردگار

طائر ہوا میں محو ہرن سبزہ زار میں
جنگل کے شیر گونج رہے تھے کچھار میں ۲۱۳؎

شاعری کے باب میں آرائش زبان، اس عہد کے لکھنو کا تقاضا تھا۔ مناسبت لفظی، ضلع جگت، ایہام گوئی اور حاضر جوابی کے ماحول میں انیسؔ بھی اللہ رب العزت سے 'اعجاز بیانی' مانگتے ہیں:

یارب چمنِ نظم کو گلزارِ ارم کر
اے ابرِ کرم! خشک زراعت پہ کرم کر
تو فیض کا مبدا ہے، توجہ کوئی دم کر
گم نام کو اعجاز بیانوں میں رقم کر
جب تک یہ چمک مہر کے پرتو سے نہ جائے
اقلیمِ سخن میرے قلم رو سے نہ جائے ۲۱۴؎

ایک اور مقام پر اس طرح دعا کرتے ہیں کہ مجھے شبیرؑ کی ثنا خوانی کی توفیق عطا کر اور بجائے دولتِ دنیا کے، دولت درویشی و فقر عطا کر۔ کہتے ہیں:

یارب مری فریاد میں تاثیر عطا کر — بلبل بھی پھڑک جائے وہ تقریر عطا کر
دولت کے عوض فقر کی جاگیر عطا کر — توفیقِ ثنا خوانی شبیرؑ عطا کر
دعویٰ نہ سخن کا ہے نہ اعجاز بیاں ہوں
تو عالم و دانا ہے کہ میں ہیچمداں ہوں ۲۱۵؎

۳۷۔ مرزا دبیر (۱۸۰۳ء......۱۸۷۵ء) مرزا سلامت علی متخلص بہ دبیرؔ ۱۸۰۳ء میں دہلی میں پیدا ہوئے۔ والد کا نام مرزا غلام حسین تھا۔ دہلی کی تباہی و بربادی کے بعد مرزا دبیرؔ کے والد دہلی سے لکھنو آ گئے۔ بعد میں جب دہلی میں امن و امان ہوا تو پھر دہلی واپس چلے گئے۔ دبیرؔ کو شعرو شاعری سے فطری مناسبت تھی اور انھوں نے بچپن ہی سے شعر کہنا شروع کر دیا تھا۔ خصوصاً مرثیہ گوئی کے بڑے دلدادہ تھے اور آخر اسی میں ان کا حقیقی جوہر آشکار ہوا۔ وہ اس وقت کے مشہور مرثیہ گو میر ضمیرؔ کے شاگرد ہوئے اور تھوڑے ہی عرصے میں اپنی ذہانت اور طباعی سے استادی کے درجے پر پہنچ گئے۔ لکھنؤ کے اکثر امیر و رئیس ان کے شاگرد تھے۔ انیسؔ و دبیرؔ ہم عصر تھے اور ان میں معاصرانہ چشمک تھی۔ اس عہد کا لکھنو بھی سخن شناس اور باذوق تھا دونوں کے کمال شاعری

نے لکھنو کے باذوقوں کو دو حصوں میں بانٹ لیا۔ آدھے انیسیے ہو گئے اور آدھے دبیریئے۔

بقول آزادؔ دبیرؔ نے کم سے کم ۳ ہزار مرثیہ لکھا ہو گا۔ سلاموں اور نوحوں اور رباعیوں کا کچھ شمار نہیں۲۱۶۔ دبیرؔ کے مراثی میں منظر نگاری، تشبیہات و استعارات، مضمون آفرینی، خیال آفرینی اور کلام میں عالمانہ شان ملتی ہے۔ دبیرؔ کے کلام میں اگرچہ کوئی باقاعدہ حمد تو نہیں ملتی مگر اپنے مراثی میں جا بجا وہ قدرتِ الٰہی اور صناعی کے معترف ہیں۔ نیز انھیں اپنے کلام کو آیات قرآنی اور عربی اشعار سے مزین کرنے کا بھی شوق ہے۔ ذیل میں ان کے مراثی سے چند حمدیہ اشعار کی مثالیں درج کی جاتی ہیں:

میں بندہ تو خدا، میں ذلیل، تو جلیل　　احساں ترے کثیر، اطاعت مری قلیل
بے کس ہوں، بے وطن ہوں، نہ یاور ہے، نہ کفیل　　پیکِ اجل سناتا ہے آواز الرحیل
ہیہات دستِ صبر نہ پائے ثبات ہے
پروردگار شرم مری تیرے ہات ہے ۲۱۷۔

وہ کون ہے بدی سے جو نیکی بدل کرے
سودا مگر یہ خالق ِ عزوجل کرے ۲۱۸۔

ضعفِ بصر ہے اور سفر اپنا دراز ہے
پر تو پلک نواز ہے اور کار ساز ہے ۲۱۹۔

اور دعا و مناجات کا انداز ملاحظہ ہو کہ بجائے عدل کے فضل الٰہی کے طلبگار ہیں:

اے وائے گر تو بندے پہ قہر و غضب کرے　　یعنی عذاب کے لیے مجھ کو طلب کرے
نانا شفاعت آ کے نواسے کی کب کرے　　ہرگز مری مدد نہ امیرِ عرب کرے
اعمال نامہ پڑھ کے مرا بخش دیجیو
یارب نہ عدل کیجیو تو فضل کیجیو ۲۲۰۔

ایک اور مقام پر دبیرؔ، اپنے غیر منقوط مرثیے میں آلِ علیؑ و رسولؐ کے لیے اس طرح دعا کرتے ہیں:

اللہ سدا حوصلہ عمّو کا سوا ہو
اس عہدۂ عمدہ کا صلہ عمدہ عطا ہو
آل اسد اللہ کا ہر کام روا ہو

سوکھا ہوا ہر دوحہ محمدؐ کا ہرا ہو
ہو دردِ حسد عسکرِ مکّار کو حاصل
آرام ہو سردار و علمدار کو حاصل ۲۲۱؎

۳۸۔ مرزا شوق لکھنوی (۱۷۸۳ء......۱۸۷۱ء) حکیم تصدق حسین خان عرف نواب مرزا شوقؔ کے والد اور چچا نوابان اودھ کے دربار میں بڑا اثر و رسوخ رکھتے تھے۔ حکمت ان کا خاندانی پیشہ تھا۔ شوق کی مقبولیت کا سبب ان کی مثنویاں 'فریب عشق'، 'بہار عشق' اور 'زہر عشق' ہے۔ ایک اور مثنوی لذتِ عشق، کو بھی شوق سے منسوب کر دیا گیا ہے جو اصل میں ان کے بھانجے آغا حسن نظم کی تصنیف ہے۔'' ۲۲۲؎ شوقؔ خالص لکھنوی شاعر ہیں۔ اخلاقی نقطۂ نظر سے ان کی مثنویاں قابل گرفت سمجھی گئی ہیں لیکن اس میں شک نہیں کہ زور بیان، لطف زبان اور اثر آفرینی کے علاوہ جو ان کی مسلمہ خصوصیات ہیں، یہ مثنویاں اپنے عہد کی لکھنوی تہذیب و معاشرت کی بڑی جیتی جاگتی تصویریں ہیں۔

مرزا شوقؔ کی مثنویات اگرچہ خالصتاً عشقیہ مثنویات کی ذیل میں آتی ہیں، مگر ان کا آغاز بھی قدیم رواج کے مطابق حمد سے ہوتا ہے۔ شوقؔ کی حمدیں، اللہ تعالیٰ سے ان کی والہانہ محبت کے علاوہ ان کے دینی شعور کی بھی ترجمان ہیں۔ بالخصوص وہ اشعار جو معرفت الٰہی سے متعلق ہیں، ان میں شوق نے انسان کی عجز بیانی کا ذکر بڑے مؤثر انداز میں کیا ہے۔

مثنوی فریب عشق:

اے قلم پہلے لکھ تو بسم اللہ — بعدہ لا الہ الا اللہ
بعد احمد کی مدح کر تحریر — کہ وہ دنیا میں ہے خدا کا وزیر
پایا آدم نے ہے اسی سے شرف — تاج فرق پیمبرانِ سلف ۲۲۳؎

مثنوی ''بہار عشق'':

کس زبان سے کروں صفات خدا — کیا بشر سمجھے کنہِ ذاتِ خدا
جب نبیؐ یوں کہے کہ اے مالک — ما عرفناک حق معرفتک
کوئی الفت نہ بے وفا سے کرے — عشق کرنا ہے تو خدا سے کرے
وہی اول میں ہے، وہی آخر — وہی باطن میں ہے وہی ظاہر ۲۲۴؎

مثنوی 'زہرِ عشق' میں ان کا قلم اس طرح حمد سرائی کرتا ہے:

لکھ قلم پہلے حمدِ ربِ ودود ۔۔۔ کہ ہر اک جا پہ ہے وہی موجود
ذاتِ معبود جاودانی ہے ۔۔۔ باقی جو کچھ کہ ہے وہ فانی ہے
ہمسر اس کا نہیں ندیم نہیں ۔۔۔ سب ہیں حادث کوئی قدیم نہیں ۲۲۵؎

اس کے بعد بہت سے اشعار دنیا کے بے ثبات اور فانی ہونے کے موضوع پر ہیں۔ شوقؔ ان حمدیہ اشعار میں ''آیات قرآنی'' سے بھی مدد لیتے ہیں مثلاً بعدہٗ لا الہٰ الا اللہ۔ کل من علیھا فان۔ اور حدیث اکرمؐ ماعرفناک حق معرفتک، کی وضاحت بھی کرتے ہیں۔ اس سے ہمیں ان کے قرآن و حدیث سے تعلق اور شغفِ دینی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

اگر یہاں مثنوی ''لذت عشق'' کے حمدیہ اشعار کا بھی سرسری ذکر کر دیا جائے تو کچھ بے جا نہ ہوگا۔ اگرچہ جدید تحقیق کے مطابق یہ شوقؔ کے بھانجے کی تصنیف ہے۔ اسی نسبت سے ذیل میں ''لذت عشق'' کے چند حمدیہ اشعار درج کیے جاتے ہیں۔ جن میں آغا حسن نظمؔ نے قدرتِ الٰہیہ کی تعریف اس انداز میں کی ہے:

لکھوں پہلے حمدِ خدائے قدیم ۔۔۔ کہ ہے نام جس کا غفور الرحیم
وہ چاہے تو قطرے کو دریا کرے ۔۔۔ سمندر کو چاہے تو قطرہ کرے
اسی نے بنائے مہ و آفتاب ۔۔۔ گلوں کو دیا رنگ موتی کو آب
پئے سرو قمری کو پیدا کیا ۔۔۔ گلِ تر پہ بلبل کو شیدا کیا
کھلے گر بشر پر در معرفت ۔۔۔ تو ہر برگ ہے دفتر معرفت ۲۲۶؎

آخری شعر ہمیں سعدیؔ کا یہ شعر یاد دلاتا ہے:

برگ درختان سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار

۳۹۔ الٰہی بخش خان معروف (م ۱۸۲۷ء) نواب الٰہی بخش خاں معروف، شاہ نصیرؔ کے شاگرد تھے۔ معروف کے پوتے میرزا غلام فخر الدین کی شادی غالب کی بھتیجی (یوسف کی بیٹی) سے ہوئی تھی۔ معروفؔ والی لوہارو و فیروز پور تھے۔ ان کے دیوان سے جو حمد دستیاب ہوئی ہے۔ اس میں دلکش تشبیہات و تلمیحات کے استعمال نے حمدیہ اشعار کے صوری حسن میں اضافہ پیدا کر دیا ہے۔ معروفؔ کہتے ہیں۔

بجز الحمد للہ اہلِ دیں کا

کہاں منہ وصف رب العالمیں کا
کہاں جوں شمعِ فانوسی چُھپے ہے
فروغِ حُسن اُس پردہ نشیں کا

پڑے کیونکر نہ اس کا عکس اس میں
دل آئینہ ہے، اس روئے حسیں کا
سلیماںؑ کی ہوا باندھی تھی جس نے
وہی رازق ہے مورِ دانہ چیں کا ۲۲۷؎

۴۰۔ میر وزیر علی صبا لکھنوی (۱۸۰۵ء......۱۸۵۵ء) میر وزیر علی صبا، میر بندہ علی لکھنوی کے بیٹے اور خواجہ حیدر علی آتش کے نامور شاگرد تھے۔ فارسی و عربی، صرف ونحو، منطق و طب کی تعلیم کے علاوہ شرح ملا تک تحصیل علم کیا۔ صبؔا یار باش، دوست نوا اور بہت خوش خلق تھے۔ فراخ دل اور وسیع النظر تھے۔ مالی اعتبار سے بڑی فراغت کی زندگی گزاری۔ صبؔا کی شعری یادگار ان کا ''دیوانِ صبا'' اور مثنوی ''صیدیہ'' ہے۔ وزیر علی صبؔا نے جب شعر گوئی شروع کی تو لکھنو کی فضا میں چاروں طرف بلند پردازی اور مضمون بندی کا رنگ چھایا ہوا تھا۔ اس طرز جدید کے موجود امام بخش ناسخؔ تھے۔ ''اس دور کے ہر شاعر کے اندر رنگ ناسخؔ موجود تھا'' ۲۲۸؎

صبؔا کی وجہ شہرت ان کی غزلیات سے زیادہ ''مثنوی صیدیہ'' کی وجہ سے ہے۔ ''مثنوی صیدیہ'' کی سبب تالیف اس شکار کی تفصیل ہے جسے نواب الدولہ بہادر اور نواب واجدؔ علی شاہ کے وزیر اعظم نواب احمد علی خاں نے کھیلا تھا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی نے اس مثنوی کی بابت بڑی دلچسپ رائے دی ہے کہا:

''یہ مثنوی ایک شکار کا بیان ہے جسے ایک غیر شکاری نے فرمایش پر نظم کر کے محفوظ کر دیا ہے'' ۲۲۹؎

ذیل میں 'مثنوی صیدیہ' کی حمد درج کی جاتی ہے، جس میں لکھنویت کا تکلف بھی ہے اور کہیں کہیں سلاست بھی نظر آتی ہے:

بنے کلک شیر نیستانِ حمد | رقم ہو جو وصفِ بیابانِ حمد
مگر یہ نہیں ہے جمالِ قلم | کہ فرسودگی ہے مآلِ قلم
بھرا خانہ صنع سے نقشِ کُن | ہوئے گلبن دہر کے بیخ و بُن

اسی سے ہے ارض و سما کی نمود کریم و رحیم و غفور ودود
اسی کے لیے چرخ چکر میں ہے وہی ہر جگہ بحر میں بر میں ہے
اسی نور کا ہر جگہ ہے ظہور کہیں شمعِ محفل کہیں برقِ طور
م آل سرو کارِ ہستی وہی بہارِ چمن زارِ ہستی وہی ۲۳۰؎

مثنوی کے آخر میں مناجات کے بھی تین اشعار ہیں جن پر صبؔا لکھنوی مثنوی کو تمام کرتے ہیں اور اپنے ممدوحین کے لیے دعا کرتے ہیں:

صبؔا اب نہیں طول دینے کا کام
دعا پر تو کر مثنوی کو تمام
رکھے ان کو سر سبز پروردگار
کہ جن کی بدولت یہ دیکھی بہار
درخشاں رہے مہر اقبال و جاہ
زحل کی طرح ہو عدو روسیاہ ۲۳۱؎

۴۱۔ محمد بخش مہجور (۱۸۶۵ء م) محمد بخش نام، مہجور تخلص، حکیم خیر اللہ کے بیٹے اور میاں قلندر بخش جرأتؔ کے شاگرد تھے۔ نوجوانی ہی سے شعر گوئی کی طرف طبیعت مائل تھی۔ اسی زمانے میں جرأتؔ کی شاگردی اختیار کی جس پر وہ فخر کرتے تھے۔ مہجورؔ حج بیت اللہ کے لیے ۱۲۴۰ھ میں تشریف لے گئے اور وہیں وفات پائی۔ مہجورؔ شاعری اور نثر دونوں پر قدرت رکھتے تھے۔ان کی یادگار تصانیف ا۔انشائے گلشن نو بہار، ۲) انشائے چار چمن (جونا پید ہے) (۳) انشائے نورتن (۴) دیوان مہجورؔ (نایاب ہے) ہیں۔

مہجورؔ کی ''نورتن''، مختلف حکایات کا مجموعہ ہے۔اپنے اندازِ بیان اور مختصر و دل چسپ قصوں پر مشتمل ہونے کے باعث''نورتن'' بہت مقبول ہوئی اور مہجورؔ کی پہچان بن گئی۔ نورتن کے آغاز میں مہجورؔ نے حمد و نعت اور مناجات بھی کہی ہے۔ اگرچہ 'نورتن' نثری کتاب ہے اور ہمارے موضوعِ مقالہ کے دائرے میں نہیں آتی۔ تاہم اس میں شامل حمدیہ اور مناجاتیہ سرمایہ براہ راست ہمارے موضوع سے متعلق ہے، اس لیے مہجور کی شاعری سے یہ انتخاب یہاں شامل کیا جا رہا ہے۔ حمدیہ رباعی میں اللہ تعالیٰ سے اپنی محبت کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

اک عیش و طرب کا مبتلا ہے جگ میں
گلزار پہ جی سے اک فدا ہے جگ میں

میں اُس پہ فدا ہوں جان و دل سے مہجوؔر
جس کا جلوہ یہ ہو رہا ہے جگ میں ۲۳۲؎

مناجات میں مہجوؔر اللہ تعالیٰ سے متاعِ دولت دنیا نہیں مانگتے۔ بلکہ اس کا عشق مانگتے ہیں۔ دیگر شعرا کی طرح وہ دولتِ سخن تک کے طلب گار نہیں ہیں، بلکہ اپنے جرم وعصیاں کا اعتراف کرتے ہوئے اس ستار العیوب سے پردہ پوشی کی دعا کرتے ہیں:

تری درگاہ میں اے ذات باری
بہ دل میری یہی ہے خواست گاری

کہ اس قالب میں جب تک دم میں دم ہو
ہر اک دم یاں سے تیاری بہم ہو

کوئی دم یاد سے غافل نہ ہوں میں
سدا اس یاد سے شاداں رہوں میں

جہاں کی یاد کر دل سے فراموش
کر اپنے عشق میں دن رات مدہوش

یہاں پہنچ کر مہجوؔر اللہ تعالیٰ کو اس کی خدائی اور بندے سے ہمہ وقت تعلق کا واسطہ دیتے ہیں:

اگرچہ واقعی تو وہ خدا ہے
کہ بندے سے نہیں اک دم جدا ہے

ولے چشم حقیقت میں ہیں ہم کور
بظاہر گرچہ ہیں کہنے کو منہ زور

خداوندا مرے جرم و خطا کو
بہ دامانِ عطا تو ڈھانپ **لیجو**

تری دگاہ میں از بہرِ حاجات
مری مقبول ہووے یہ مناجات ۲۳۳؎

مہجوؔر کے سادہ اور رواں اسلوب میں کہے گئے ان اشعار سے بجا طور پر ہم مہجوؔر کے نایاب دیوان کی قدروقیمت کا اندازہ بھی کر سکتے ہیں۔

۴۔شمالی ہند کی شاعری میں حمد و مناجات نگاری کا جائزہ

شمالی ہند میں شاعری کی ابتدا صوفیائے کرام کی مذہبی شاعری سے ہوئی۔ ان کی شاعری ایک خاص مقصد کی پابند تھی۔ جو اصلاح عوام وخواص پر مبنی تھا۔ اس لیے ان کی حمدیہ شاعری باقاعدہ کسی صنف کا روپ نہ دھار سکی اور ان کے ہاں ہمیں اس کے عناصر ہی ملتے ہیں۔ ہمیں ان کی حمدیہ شاعری میں شعر و ادب کے معیار کو متعین کرنے کی بھی کوشش نہیں کرنی چاہیے بلکہ اس امر کو ملحوظ رکھنا چاہیے کہ ان کی شاعری، حمد کی اولین شکل ہے اور ہمارے لیے خیر و برکت کا ایک خزانہ ہے۔ میرؔ وسوداؔ کے دور میں خود تصوف اس عہد کا ایک تخلیقی استعارہ تھا۔ اس لیے اس دور کی حمدیہ شاعری پر بھی متصوفانہ مضامین کے اثرات صاف دکھائی دیتے ہیں۔

سیاسی اعتبار سے دیکھا جائے تو میرؔ وسوداؔ اور غالبؔ و مومنؔ کا دور، عہدِ زوال تھا۔ سلطنتِ ہندوستان کی وحدت پارہ پارہ ہو چکی تھی۔ بچی کھچی دولت وثروت کے حصول کے لیے مسلمانوں میں باہم جنگ و جدل کا بازار گرم تھا۔ نفسی نفسی کا دور تھا۔ اس عہد پر ملال میں شعرائے کرام نے گھبرا کر تصوف اور مذہبی شاعری میں پناہ تلاش کی۔ اس لیے ہمیں اس دور کی حمدیہ شاعری میں داخلیت، گداز، تضرع، عاجزی اور دردمندی کے جذبات بکثرت ملتے ہیں اور یہ صورت حال صرف اہلِ دلی تک محدود نہ تھی بلکہ شعرائے لکھنؤ کے معروف مبتذل شعرا بھی جب حمد کہتے تھے تو ان کے یہاں بھی یہی کیفیاتِ قلبی، ان کے قلم سے مترشح ہوتی تھیں۔

اس دور کی حمدیہ مناجاتیہ شاعری کے مضامین تصوف کے ساتھ قرآن و حدیث کی لفظیات، مفاہیم اور فکر کو بھی اپنے دامن میں لیے ہوئے ہیں۔ حمدیہ شاعری میں بعض شعرا (مثلاً مومن) اپنے علمی تخصص کا اظہار بھی کرتے ہیں اور کہیں ہمیں فکر و فلسفہ (مثلاً غالبؔ، ذوقؔ کے ہاں) کی کارفرمائی بھی نظر آتی ہے۔

حمد و مناجات اس عہد کی ہر صنف کو اپنا مرکز بنائے ہوئے ہے۔ وہ مثنویات ہوں، قصائد ہوں، غزل ہو یا قطعات و رباعیات، ہر صنف کو شعرائے کرام نے حمد و مناجات کے درہائے ثمین سے مالا مال کر دیا ہے۔

حوالے

۱،۲۔ نائب حسین نقوی، مرتب: اردو کی دو قدیم مثنویاں،لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع اول ۱۹۷۰ء ،ص ۴۷

۳۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۰۳، ۱۰۴

۴۔ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ھند ، ج ۱،ص ۲۶۳

۵۔ ابو سید نور الدین: تاریخ ادبیات اردو (حصہ دوم) لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ۱۹۹۷ء،ص ۷۷ ۴

۶۔ فائز دہلوی: فائز دھلوی اور دیوان فائز،(مرتبہ) مسعود حسن رضوی، ادیب سید، علی گڑھ : انجمن ترقی اردو، ۱۹۶۵ء ،ص ۲۲۳،۲۲۶

۷۔ مذکورہ حوالہ،ص ۶۰

۸۔ ابو الکلام قاسمی، مرتب: انتخاب کلام انعام اللہ خاں یقین، لکھنؤ: اتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۹۳ء ص ۱۰

۹۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۵

۱۰۔ مذکورہ حوالہ،ص ۵۲

۱۱۔ مذکورہ حوالہ ،ص ۵۴

۱۲۔ مذکورہ حوالہ ،ص ۴۷

۱۳۔ مذکورہ حوالہ ،ص ۵۶

۱۴۔ مذکورہ حوالہ ،ص ۴۷

۱۵۔ مذکورہ حوالہ،ص ۷۰

۱۶۔ مذکورہ حوالہ،ص ۵۹

۱۷۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر: تاریخ ادب اردو، ج۱، ص۶۴۹

۱۸۔ غلام قادر شاہ: رمز العشق، (مرتبہ) گوہر نوشاہی، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۲ء، ص۳۵

۱۹۔ علی محمد خان، ڈاکٹر: لاہور کا دبستان شاعری، لاہور: مقبول اکیڈمی، ۱۹۹۲ء، ص۹۵

۱۹۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر: تاریخ ادب اردو، ج۱، ص۳۱۰، ۳۱۲

۲۰۔ مذکورہ حوالہ، ص۳۱۶، ۳۱۷

۲۱۔ شاہ تراب علی تراب: کلیات تراب، لکھنؤ: مطبع نول کشور، طبع چہارم ۱۸۸۰ء، ص۶

۲۲۔ مذکورہ حوالہ، ص۱۹

۲۳۔ مذکورہ حوالہ، ۲۳

۲۴۔ مذکورہ حوالہ، ص۱۷۵

۲۵۔ مذکورہ حوالہ، ص۲۵۱

۲۶۔ مذکورہ حوالہ، ص۳۳۳

۲۷۔ شیخ ظہور الدین: انتخاب حاتم (دیوان قدیم)، (مرتبہ) مولوی عبدالحق، ڈاکٹر، دہلی: جمال پرنٹنگ پریس، ۱۹۷۷ء، ص۸۷

۲۸۔ مذکورہ حوالہ، ص۱۷۱

۲۹۔ مذکورہ حوالہ، ص۱۷۳

۳۰۔ مذکورہ حوالہ، ص۱۷۴

۳۱۔ حاتم، شیخ ظہور الدین: (انتخاب دیوان قدیم) (مرتبہ) پروفیسر عبدالحق، لاہور: مغربی پاکستان اکیڈمی، ۲۰۱۰، ص۱۰۷

۳۲۔ محمد باقر آگاہ، ہشت بہشت، بمبئی: مطبع گلزار حسنی، ۱۳۱۹ھ، دیباچہ ص۷

۳۳۔ مذکورہ حوالہ، ص۶

۳۴۔ مذکورہ حوالہ، ص۸

۳۵۔ مذکورہ حوالہ، ص۲۴۲

۳۶۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۸

۳۷۔ مذکورہ حوالہ،ص ۳۳

۳۸۔ مذکورہ حوالہ،ص ۵۰

۳۸۔ ممنون، میر نظام الدین دہلوی: کلیات ممنون ،لاہور: الوقار پبلی کیشنز،۱۹۹۶ء ،ص ۱

۳۸۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲

۳۹۔ شمس الدین صدیقی، ڈاکٹر: مرزا محمد رفیع سودا(مضمون) مشمولہ، تاریخ ادبیات مسلمانانِ پاکستان وھند، ج ۲،لاہور: پنجاب یونیورسٹی ،طبع دوم ۲۰۰۹ء،ص ۹۱،۹۰

۴۰۔ شیخ چاند: سودا، دکن: انجمن ترقی اردو،۱۹۳۶ء ،ص ۱۳۱، ۱۳۳

۴۱۔ سودا : کلیات سودا، ج ۱،(مرتبہ)شمس الدین صدیقی ، ڈاکٹر، لاہور: مجلس ترقی ادب، س ن،ص ۳۵

۴۲۔ مذکورہ حوالہ،ص ۳۱۸، ۳۱۹

۴۳۔ مذکورہ حوالہ، ج ۲،ص ۳

۴۴۔ مذکورہ حوالہ،ص ۵۵

۴۵۔ محمد رفیع سودا: کلیات سودا، ج ۲، (مرتبہ) محمد شمس الدین صدیقی، ڈاکٹر، لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع اول، ۱۹۸۴ء ص ۳، ۴، ۵

۴۶۔ مذکورہ حوالہ،ص ۵، ۶

۴۷۔ مذکورہ حوالہ،ص ۶

۴۸۔ مذکورہ حوالہ،ص ۷۔۱۰

۴۹۔ کلیات سودا، ج ۴،ص ۲۳۶

۵۰۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۴۱

۵۱۔ محمد رفیع سودا: کلیات سودا،لکھنؤ: مطبع نول کشور،س ن،ص ۳۰۵

۵۳۔ شگفتہ زکریا، ڈاکٹر: (مقدمہ) دیوان ولی اللہ محب، لاہور: سنگت پبلشرز،۱۹۹۹ء،ص ۲۱

۵۴۔ محبؔ : دیوان ولی اللہ محب،ص ۳۵

۵۵۔ مذکورہ حوالہ،ص ۵۰

۵۶۔ مذکورہ حوالہ،ص ۵۳

۵۷۔ مذکورہ حوالہ،ص ۵۴،۵۵

۵۸۔ سید عبداللہ: میر تقی میر،مضمون،مشمولہ: تاریخ ادبیات مسلمانان پاک و ہند ،ج ۲،ص ۱۰۵

۵۹۔ میر تقی میر: کلیات میر ، ج۱، (مرتبہ) کلب علی خاں فائق، لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع دوم ۱۹۹۱ء،ص ۱

۶۰۔ کلیات میر ، ج ۲،ص ۱

۶۱۔ مذکورہ حوالہ،ج ۳،ص ۲۹

۶۲۔ مذکورہ حوالہ،ج ۳، دیوان چہارم،ص ۲۴۳

۶۳۔ مذکورہ حوالہ،ص ۳۰۸

۶۴۔ کلیات میر ، ج ۳،ص ۳۰

۶۵۔ خواجہ میر درد: دیوان میر درد،(مرتبہ) کلب علی خاں فائق، لاہور : آئینہ ادب، طبع اول ۱۹۸۸ء، ص ۱۱۰

۶۶۔ فرمان فتحپوری: مقدمہ،دیوان میر درد،ص ۱۱

۶۷۔ T. Grahamae Bailey, A History of Urdu literature Calcutta: Association Press, 1932. P.50,51

۶۸۔ دیوان میر درد،ص ۳۵

۶۹۔ نفیس اقبال، ڈاکٹر: اردو شاعری میں تصوف، میر سودا اور درد کے عہد میں، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،طبع اول ۲۰۰۷ء،ص ۲۷۵

۷۰۔ دیوان میر درد،ص ۳۶

۷۱۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۳۶

۷۲۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۳۰

۷۳۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۱۹

۷۴۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۶۵

۷۵۔ مذکورہ حوالہ،ص ۹۳

۷۶۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۰۴

۷۸۔ قائم چاند پوری: کلیات قائم،(مرتبہ) اقتدا حسن، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۵ء،ص ا

۷۹۔ الناظر ،لکھنؤ،ستمبر، اکتوبر ۱۹۳۷ء،ص ا

۸۰۔ مذکورہ حوالہ،ص ا،۲

۸۱۔ مذکورہ حوالہ،ص ا

۸۲۔ میر سوز: کلیات میر سوز، ج ا ،(مرتبہ) زاہد منیر عامر، ڈاکٹر، لاہور: مجلس ترقی ادب،اشاعت اول ۲۰۰۷ء، ص ۳۵۰

۸۳۔ افتخار احمد صدیقی، ڈاکٹر: سوز ،مشمولہ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ھند، ج ۲،ص ۱۴۶

۸۴۔ کلیات سوز ،ج ا،ص ۱۹۹

۸۵۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۲۹

۸۶۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۰۱

۸۷۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۱۶

۸۸۔ میر درد دیوان میر درد،ص ۱۲

۸۹۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر: تاریخ ادب اردو، ج ۲، لاہور: مجلس ترقی ادب،طبع دوم ۱۹۸۷ء،ص ۸۰۰

۹۰۔ میر اثر: مثنوی خواب و خیال،(مرتبہ) مولوی عبدالحق،اورنگ آباد،دکن: انجمن اردو پریس ۱۹۲۶ء،ص ۳

۹۱۔ مذکورہ حوالہ،ص ۴

۹۲۔ مذکورہ حوالہ،ص ۷

۹۳۔ اثر، دیوان اثر (مرتبہ) کامل قریشی، ڈاکٹر، نئی دہلی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۷۸ء،ص ۱۷۷

۹۴۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۷۹

۹۵۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۹۹

۹۶۔ مذکورہ حوالہ،ص۲۰۱

۹۷۔ مذکورہ حوالہ،ص۲۱۹

۹۸۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۳۴

۹۹۔ مذکورہ حوالہ،ص۲۶۵

۱۰۱۔ شمس الدین صدیقی، ڈاکٹر: شاہ نصیر دہلوی، مشمولہ، تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند، ج ۳، لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۲۰۱۰ء، ص۱۱۰

۱۰۲۔ آزاد، محمد حسین: آبِ حیات، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء، ص۳۲۸

۱۰۳۔ محمد اسمٰعیل آزاد صاحب فتحپوری ، ڈاکٹر: اردو کی حمدیہ شاعری کا جائزہ، (مضمون) مشمولہ، معارف، ۱۹۹۰ء، ص۲۸۷، ۲۸۸

۱۰۴۔ شاہ نصیر الدین نصیر: کلیات نصیر، (مرتبہ) تنویر احمد علوی ، ڈاکٹر، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۸۸ء ص۱۷۷، ۱۷۸

۱۰۵۔ ملک حسن اختر، ڈاکٹر: تاریخ ادب اردو، لاہور: ابلاغ طبع دوم ۱۹۹۶ء، ص۲۲۰

۱۰۶۔ ذوق، شیخ محمد ابراہیم: کلیات ذوق(اُردو) (مرتبہ) تنویر احمد علوی، ڈاکٹر، لاہور: مکتبہ شعر و ادب، ۱۹۸۸ء، ص۷۰

۱۰۷۔ مذکورہ حوالہ،ص۸۲

۱۰۸۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۶۳

۱۰۹۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۸۴

۱۱۰۔ مذکورہ حوالہ،ص۱۹۶

۱۱۱۔ مذکورہ حوالہ،ص۲۵۲

۱۱۲۔ مذکورہ حوالہ،ص۲۷۰

۱۱۳۔۱۱۴ مذکورہ حوالہ،ص۳۴۶

۱۱۵۔ مذکورہ حوالہ،ص۲۷۱

۱۱۶۔ الطاف حسین حالی:یادگار غالب،علی گڑھ:مطبع ریاضِ ہند،س ن،ص ۶۷،۶۸

۱۱۷۔ غالب اسد اللہ خان: خطوطِ غالب (مرتبہ)، غلام رسول، مہر، لاہور: پنجاب یونیورسٹی،۱۹۶۹ء ص ۲۷۸،۲۷۹

۱۱۸۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۸۱

۱۱۹۔ تحسین فراقی، ڈاکٹر: مہر نیم روز اور غالب کا دینی شعور(مضمون) مشمولہ، سہ ماہی سیارہ، لاہور، اشاعت خاص ۲۸،ص ۵۵، بابت جون ۱۹۸۹ء

۱۲۰۔ افتخار احمد مدنی، غالب کی شاعری میں حمد و نعت کی جلوہ گری ، (مضمون) مشمولہ مفیض، حمد نمبر، ج ۷، شمارہ، ۲۳،۳۰، ۱۹۹۷ء، گوجرانوالہ: ص ۱۲۹

۱۲۱۔ غالب، اسد اللہ خان: دیوان غالب،(مرتبہ) حامد علی خان، مولانا، لاہور: الفیصل ناشران، ۱۹۹۵ء،ص ۱

۱۲۲۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۰

۱۲۳۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۹

۱۲۴۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۳۱

۱۲۵۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۹۱

۱۲۶،۱۲۷۔ مذکورہ حوالہ،ص ۸۰

۱۲۸۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۴

۱۲۹۔ مذکورہ حوالہ،ص ۹۷

۱۳۰۔ مذکورہ حوالہ،ص ۹۱

۱۳۱۔ تقی عابدی، سید ڈاکٹر: غالب، دیوان نعت و منقبت، نئی دہلی: شاہد پبلی کیشنز، طباعت اوّل ۲۰۰۶ء، ص ۹۱

۱۳۲۔ نور الحسن ہاشمی، ڈاکٹر: دھلی کا دبستان شاعری، لاہور: بک ٹاک،طبع اول ۱۹۹۱ء،ص ۲۳۹

۱۳۳۔ طاہر سلطانی:(مرتب) خزینۂ حمد، کراچی: ادارہ چمنستان حمد ونعت ٹرسٹ، طبع اول ۱۹۹۶ء،ص ۴۳۳

۱۳۴۔ مومن خان مومن: کلیاتِ مومن، لاہور: مکتبہ شعر و ادب، س ن،ص ۸

۱۳۵۔ مذکورہ حوالہ،ص۱۱۰۹

۱۳۶۔ مذکورہ حوالہ،ص۴۱۹

۱۳۷۔ خزینۂ حمد، (مرتبہ) طاہر سلطانی،ص۳۶۱

۱۳۸۔ بہادر شاہ ظفر: نوائے ظفر (مرتبہ) خلیل الرحمن اعظمی، علی گڑھ: انجمن ترقی اردو ہند، س ن ص۷۹

۱۳۹۔ یحییٰ نشیط، سید، ڈاکٹر: اردو میں حمد و مناجات،ص۱۷۹

۱۴۰۔ **نوائے ظفر**،ص۶۴

۱۴۱۔ ابوظفر سراج الدین بہادر شاہ: کلیات ظفر، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۴ء،ص۴۱۷

۱۴۲۔ مذکورہ حوالہ،ص۴۲۸

۱۴۳۔ مذکورہ حوالہ،ص۴۲۹

۱۴۴۔ مذکورہ حوالہ،ص۴۳۱

۱۴۵۔ شیفتہ، نواب مصطفی خان: دیوان شیفتہ، (مرتبہ) فرصت صبا، لاہور: خیام پبلشرز، ۱۹۸۴ء،ص۱۹، ۲۰

۱۴۶۔ راحت، محمود بیگ: مثنوی ھشت عدل (مرتبہ) گوہر نوشاہی، لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع اول ۱۹۷۱ء، ص۲۳

۱۴۷۔ طپش، مرزا جان: بہارِ دانش، (مرتبہ) خلیل الرحمن داؤدی، لاہور: مجلس ترقی ادب طبع اول ۱۹۶۳ء ،ص۱

۱۴۸۔ راسخ عظیم آبادی: دیوان راسخ، پٹنہ: خدا بخش اوری اینٹل لائبریری، ۱۹۹۶ء،ص۱۰

۱۴۹۔ مذکورہ حوالہ،ص۱۱۰

۱۵۰۔۱۵۱۔۱۵۲۔ مطالعۂ حضرت غمگین دھلوی: (مرتبہ) محمد یونس خالدی، علی گڑھ: انجمن ترقی اردو، ۱۹۶۳ء،ص۴۳

۱۵۴۔ نورالحسن ہاشمی، ڈاکٹر: دلی کا دبستان شاعری، لاہور: بک ٹاک، ۱۹۹۱ء،ص۲۶۱

۱۵۵۔ سالک، قربان علی بیگ: کلیات سالک، (مرتبہ) کلب علی خاں فائق، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۶ء، ص۷۵، ۷۶

۱۵۶۔ مذکورہ حوالہ،ص۸۰

۱۵۷۔ مجروح، میر مہدی: دیوان مجروح، لاہور: مطبع کریمی، س ن،ص۱،۲

۱۵۸۔ مذکورہ حوالہ،ص ۳

۱۵۹۔ مذکورہ حوالہ،ص۱۹۹

۱۶۰۔ مذکورہ حوالہ،ص۲۰۰

۱۶۱۔ میر حسن دہلوی: سحر البیان، (مرتبہ) سلیم عبداللہ، کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۵۵ء،ص۱۷

۱۶۲۔ مذکورہ حوالہ،ص۱۸

۱۶۳۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۲

۱۶۴۔ میر حسن دہلوی: مثنویات حسن، (مرتبہ) وحید قریشی، ڈاکٹر، لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع اول۱۹۶۶ء، ص۵۵

۱۶۵۔ مذکورہ حوالہ،ص۵۶،۵۷

۱۶۶۔ مذکورہ حوالہ،ص۱۷۵

۱۶۷۔ مذکورہ حوالہ،ص۲۲۹،۲۳۲

۱۷۰۔ مصحفی ، غلام ہمدانی: کلیاتِ مصحفی ،ج۳(مرتبہ)نور الحسن نقوی، ڈاکٹر، لاہور:مجلس ترقی ادب،۱۹۶۹ء ،ص۴۰۸

۱۷۱۔ مذکورہ حوالہ،ص۴۱۰

۱۷۲۔ مذکورہ حوالہ،ص۴۰۶

۱۷۱۔ محمد حسین آزاد:آب حیات، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۵۴ء،ص۲۸۱

۱۷۲۔ انشاء اللہ خان انشا: کلیات انشاء، ج۱،(مرتبہ) خلیل الرحمن داؤدی، لاہور :مجلس ترقی ادب،۱۹۶۹ء، ص۱،۲

۱۷۳۔ مذکورہ حوالہ،ص۲۹۷

۱۷۴۔ انشاء اللہ خان انشا :کلام انشا(مرتبہ) مرزا محمد عسکری بی۔ اے و محمد رفیع فاضل دیو بند الہ آباد،

اُتر پردیش: ہندوستانی اکیڈمی، ۱۹۵۲ء، ص ۲۹۰

۱۷۵۔ مذکورہ حوالہ، ص ۷۷، ۷۸

۱۷۶۔ یحییٰ نشیط، سید، ڈاکٹر: اردو میں حمد و مناجات، ص ۶۸

۱۷۷۔ جرأت، قلندر بخش: کلیات جرات، (مرتبہ) اقتدا حسن، ڈاکٹر، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۸ء، ص ۲۰۶

۱۷۸۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱

۱۷۹۔ مذکورہ حوالہ، ص ۲۵۵

۱۸۰۔ ابواللیث صدیقی، ڈاکٹر: لکھنؤ کا دبستان شاعری، کراچی: غضنفر اکیڈمی، س ن، ص ۳۴۴

۱۸۱۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۷۳، ۳۷۲

۱۸۲۔ مذکورہ حوالہ، ص ۳۷۲

۱۸۳۔ مذکورہ حوالہ، ص ۳۸۳

۱۸۴۔۱۸۵ رنگین، میرزا سعادت یارخان: مثنوی مسدس رنگین، کراچی: ادارہ ترقی ادب، ۱۹۵۲ء، ص ۱۷

۱۸۶۔ لکھنؤ کا دبستان شاعری، ص ۳۹۲

۱۸۷۔ محمد صادق، ڈاکٹر: نظیر اکبر آبادی (مضمون) مشمولہ تاریخ ادبیات مسلمانان و پاکستان و ھند، ج ۲، ص ۱۶۴

۱۸۸۔ حالی، الطاف حسین: مقدمہ شعر و شاعری، (مرتبہ) وحید قریشی، ڈاکٹر، لاہور: نیا ادارہ، ۱۹۵۳ء، ص ۲۶۶

۱۸۹۔ نظیر اکبر آبادی: کلیات نظیر، (مرتبہ)، عبدالباری آسی، لاہور: مکتبہ شعر و ادب، بارھواں ایڈیشن، س، ن ص ۱

۱۹۰۔ مذکورہ حوالہ، ص ۷

۱۹۱۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۹

۱۹۲۔ مذکورہ حوالہ، ص ۳۷۲

۱۹۳۔ مذکورہ حوالہ،ص ۴۷۳

۱۹۴۔ مذکورہ حوالہ،ص ۴۷۳،۴۷۵

۱۹۵۔ مذکورہ حوالہ،ص ۴۷۸

۱۹۶۔ مذکورہ حوالہ،ص ۶۱۹

۱۹۷۔ مذکورہ حوالہ،ص ۶۱۶

۱۹۸۔ آتش، خواجہ حیدرعلی، دیوان آتش (مرتبہ) آغا اشرف، لاہور: دبستان ادب، س ن، ص ۱۶

۱۹۹۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۵

۲۰۰۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۶

۲۰۱۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۷

۲۰۲۔ مذکورہ حوالہ،ص ۴۷

۲۰۳۔ مذکورہ حوالہ،ص ۶۷

۲۰۴۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۱۰

۲۰۵۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۱۱

۲۰۶۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر: تاریخ ادب اردو، ج ۳، لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع اول ۲۰۰۶ء، ص ۹۰۶

۲۰۷۔ نسیم لکھنوی، پنڈت دیا شنکر: مثنوی گلزارِ نسیم (مرتبہ) رفیق حسین، ڈاکٹر، الہ آباد: رام نرائن لعل بینی مادھو بک سیلر و پبلشر، دوسرا ایڈیشن ۱۹۶۹ء، ص ۵۹

۲۰۸۔ مذکورہ حوالہ،ص ۶۰،۶۱

۲۰۹۔ رفیق حسین، ڈاکٹر: (مقدمہ) مثنوی گلزار نسیم

۲۱۰۔ طاہر سلطانی، مرتب، اذان دیر، کراچی: چمنستان حمد ونعت، اشاعت اول ۱۹۹۷ء، ص ۱۴۱

۲۱۱۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر: میر انیس، حیات اور شاعری، کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۷۶ء، ص ۳۱

۲۱۲۔ تبسم کاشمیری، ڈاکٹر: اردو ادب کی تاریخ، ص ۸۱۰

۲۱۳۔ انیس، میر ببر علی: انیس کے مرثیے، ج ۲، (مرتبہ) صالحہ عابد حسین، لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۸۶ء، ص ۳۰۹

۲۱۴۔ انیس، میر ببر علی: منتخب مراثی انیس (مرتبہ) سید مرتضیٰ حسین فاضل، لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع اول ۱۹۷۴ء، ص ۲۵

۲۱۵۔ انیس کے مرثیے، ج ۲

۲۱۶۔ محمد حسین آزاد: آبِ حیات، ص ۴۲۸

۲۱۷، ۲۱۸۔ مرزا دبیر: جواھر دبیر (مرتبہ) مرتضیٰ حسین فاضل لکھنوی، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۶ء، ص ۴۱۴

۲۱۹۔ مذکورہ حوالہ، ص ۴۱۳

۲۲۰۔ مذکورہ حوالہ، ص ۴۱۵

۲۲۱۔ مرزا دبیر: طالع مہر۔ کلام دبیر، ج ۳ (مرتبہ) سید تقی عابدی، ڈاکٹر، لاہور: چغتائی پبلشرز، س ن، ص ۱۶۷

۲۲۲۔ تاریخ ادب اردو، ج ۳، ص ۹۳۳

۲۲۳۔ شوق لکھنوی، مرزا: مثنویات شوق، (مرتبہ) رشید حسن خان، نئی دہلی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۹۸ء، ص ۱۶۱

۲۲۴۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۸۶

۲۲۵۔ مذکورہ حوالہ، ص ۲۳۴

۲۲۶۔ شوق لکھنوی: مثنوی لذت عشق، لکھنؤ: ہندوستانی پریس، س ن، ص ۱

۲۲۷۔ معروف، الٰہی بخش: دیوان معروف، بدایوں: نظامی پریس، طبع اول، ۱۹۳۵ء، ص ۱

۲۲۸۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر: تاریخ ادب اردو، ج ۳، ص ۸۸۳

۲۲۹۔ مذکورہ حوالہ، ص ۸۸۲

۲۳۰۔ صبا لکھنوی، میر وزیر علی: صیدیہ (مرتبہ) مولانا ابو البلاغ علاء الدین خاوری، لاہور: مطبع کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس، ۱۳۴۳ھ، ص ۷۷

۲۳۱۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۴۰

۲۳۲۔ محمد بخش مہجور: نورتن، (مرتبہ) خلیل الرحمن داؤدی، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۲ء، ص ۲

۲۳۳۔ مذکورہ حوالہ، ص ۲، ۳

باب چہارم:

اردو شاعری میں حمد و مناجات

جنگ آزادی (۱۸۵۷ء) سے آزادی (۱۹۴۷ء) تک

ا۔ سیاسی و معاشرتی پس منظر

ب۔ فہرست شعرائے کرام

۱ نظامؔ شاہ رام پوری، سید

۲ امداد اللہ تھانوی مہاجرؔ مکی، حاجی

۳ امیرؔ مینائی

۴ ڈپٹی نذیرؔ احمد

۵ مرزا داغؔ دہلوی

۶ مولانا بخش قلقؔ میرٹھی

۷ الطاف حسین حالیؔ، مولانا

۸ محمد اسمٰعیلؔ میرٹھی

۹ اکبرؔ الہ آبادی

۱۰ شادؔ عظیم آبادی

۱۱ امداد امام اثرؔ

۱۲ نظمؔ طباطبائی

۱۳ ریاضؔ خیر آبادی

۱۴ شوقؔ قدوائی، منشی احمد علی

۱۵ احمدؔ رضا خان بریلوی، مولانا

۱۶ حکیم جعفر علی بیمارؔ

۱۷ بےنظیرؔ شاہ وارثی قادری

۱۸ جلیل مانکؔ پوری، نواب فصاحت جنگ

۱۹ خوشی محمد ناظرؔ

۲۰ مولانا ظفرؔ علی خان

۲۱ غلام بھیک نیرنگؔ

۲۲ بیدمؔ وارثی

۲۳ شاطرؔ مدراسی

۲۴ علامہ اقبالؔ

۲۵ مولانا محمد علی جوہرؔ

۲۶ فانیؔ بدایونی

۲۷ حافظؔ پیلی بھیتی قاضی خلیل الدین

۲۸ حسرتؔ موہانی، مولانا

۲۹ اصغرؔ گونڈوی

۳۰ یاسؔ یگانہ چنگیزی

۳۱ تلوک چند محرومؔ

۳۲ جگرؔ مراد آبادی

۳۳ جوشؔ ملیح آبادی

۳۴ فاخرؔ ہریانوی

۳۵ اسدؔ ملتانی

۳۶ نظیرؔ لدھیانوی، اصغر حسین خان

۳۷ عندلیبؔ شادانی، ڈاکٹر

۳۸ صباؔ اکبر آبادی

۳۹ قمرؔ میرٹھی، ڈاکٹر

۴۰ الف۔ دین۔ نفیسؔ

۴۱ اثرؔ زبیری لکھنوی

۴۲ ناظمؔ، سید محمد ناظر حسین

۴۳ عاجزؔ، محمد عبدالصمد

۴۴ ضامنؔ کنتوری

۴۵ حبیبؔ کنتوری

ج۔ جائزہ

۱۔سیاسی و معاشرتی پس منظر:

انیسویں صدی کے نصف اول میں نہ صرف ہندوستان کے تاجور اور جہانگیر، گردش تقدیر سے موردِ عتاب ہوئے بلکہ پوری دنیا میں انقلاب کی لہروں نے شورش برپا کر دی۔ ہندوستان کی صورت حال اور بھی دگرگوں تھی مسلمان قوم جو آتش بجاں تھی، آن کی آن میں مٹی کا ڈھیر بن گئی اور بہادر شاہ ظفرؔ، آخری تاجدارِ ہندوستان کو کہنا پڑا کہ

بیٹھا ہے جو کہ سایۂ دیوار یار میں
فرماں روائے کشورِ ہندوستان ہے

اس صورت حال کے پس منظر میں بہت سے اسباب وعلل تھے مگر ان سب سے قطع نظر ہم اس کے ردِعمل کی طرف نگاہ دوڑاتے ہیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ تین طرح کے متصادم رویے ہمارے سامنے آتے ہیں۔ پہلا ردِعمل تو تقدیر پر ایمان کی صورت میں سامنے آیا کہ مسلمانانِ ہندوستان کے ایک گروہ نے اس صورت حال کو قسمت کا لکھا سمجھ کر قبول کر لیا۔ دوسرا ردِعمل یہ تھا کہ بطور ایک زندہ قوم کے ہمیں اسی راکھ سے وہ چنگاریاں چننی ہیں جو ہمیں پھر سے آتش بجاں کر سکیں۔ اپنی شیرازہ بندی کے لیے ہمیں وہی راہ اپنانی ہے جس پر حاکمانِ وقت (انگریز) چلے اور یوں یہ گروہِ مسلمانان چلوتم ادھر کو ہوا ہو جدھر کی کے مصداق فرنگی استعمار کے علمی راستے پر گامزن ہوا۔ مگر خذما صفا ودع ما کدر، کے اصول کے پیش نظر اپنی امت کو علومِ نافع اور غیر نافع میں تمیز وتفریق سے آگاہ کرتا رہا۔ یہ گروہ حامیانِ سرسید اور ان کے رفقائے کار کا تھا۔ تیسرا ردِعمل مذہب کی انتہائی پناہ کی شکل میں سامنے آیا اور ہندوستان کا مذہبی طبقہ بالخصوص علمائے دین نے اپنی تحریک جہاد کے عمل کو تیز تر کر دیا۔ دینی مزاج رکھنے والے شعرا نے اپنی منظومات اور حمد ومناجات سے تعلق باللہ پر زور دیا۔

اسی دور میں جنگِ عظیم اوّل بپا ہوئی، جس کے اثرات کی زد میں کئی اسلامی ممالک آئے یہاں تک کہ

مسلمانوں کا مرکزِ خلافت بھی پارہ پارہ ہو گیا۔ خلافت کے تحفظ کے لیے ہندوستان کے مسلمان جسدِ واحد بن گئے اور بہت دلکش اور پر تاثیر منظومات بحوالہ حمد و مناجات اس دور کا سرمایہ بنیں علی گڑھ تحریک کے زیر اثر ہمارے یہاں مقصدی ادب پیدا ہوا۔ اور ایسی شاعری معرضِ وجود میں آ ئی جس سے خدا اور رسول خداؐ سے مسلمانوں کا تعلق مضبوط تر ہو سکے۔ حالیؔ، شبلیؔ، آزادؔ، ڈپٹی نذیرؔ احمد نے سنجیدگی کے ساتھ مذہب کا دامن ہاتھ میں لیا تو اکبرؔ نے طنز و مزاح سے احیائے ملی کی کوشش کی۔ اس دور کی مناجاتیہ شاعری میں بالخصوص استمداد کا رنگ نمایاں ہے۔ اور اردو کی حمدیہ و مناجاتیہ شاعری میں اس عہد کا آشوب نظر آتا ہے۔

عالمگیر کے عہدِ حکومت میں سلطنت کی حدود تو دور دور تک پھیل گئیں لیکن اس وسیع سلطنت کو استحکام نصیب نہ ہوا۔ ریاست رام پور کے معرضِ وجود میں آنے کا سبب ۱۱۸۸ھ میں نواب شجاع الدولہ اور نواب حافظ الملک (روہیل کھنڈ کی حکمرانی پر) کی لڑائی بنی۔ دونوں میں سے کوئی بھی شکست قبول کرنے پر تیار نہ تھا۔ آخر انگریزی فوج کے سربراہ کرنل چیمپیئن کی معرفت صلح ہوئی۔ نواب فیض اللہ خان کی ریاست بحال رہی۔ بقیہ رؤسا کے علاقے اودھ میں شامل ہوئے۔ فیض اللہ خان کا پہلا صدر مقام ریاست شاہ آباد تھا۔ اب نئے دارالریاست کی ضرورت محسوس ہوئی اس مقصد کے لیے رام پورہ گاؤں کو چنا گیا۔ جو قدیم بستی ہونے کی وجہ سے دوسرے دیہات سے ممتاز تھا۔ یہاں فیض اللہ خاں نے قلعے کی بنیاد ڈالی، جامع مسجد کی بنیاد رکھی ۔ روہیلوں کے دور میں جو علما، فضلا اور مشائخ روہیل کھنڈ آکر مقیم ہو چکے تھے۔ انھیں یہاں جمع کیا۔ اودھ سے بھی اہل علم یہاں اکٹھے ہو گئے ۔ اس طرح نئی ریاست رام پور کی بنیاد پڑی۔

۱۔ سید نظام شاہ (۱۸۲۳ء ۔ ۱۸۷۲ء) کے پردادا، سید محمد شاہ اس زمانے میں رام پور آ گئے ۔ ان کے خاندان کو سرکاری طرف سے وظیفہ ملتا تھا۔ سید نظامؔ شاہ نے دستور زمانہ کے مطابق عربی، فارسی اور علوم دینی کی تعلیم حاصل کی۔ سرکار رامپور میں اسپ سوار کی ملازمت اختیار کی۔ الٰہی بخش بیارؔ کے شاعری میں شاگرد ہوئے اور نواب یوسف علی خاں ناظمؔ کے بھی شاگرد تھے۔ ان کی مدح میں قصائد بھی لکھے۔ نظامؔ اپنے دور کے مقبول و پسندیدہ شاعر تھے۔ اور اس زمانے کے رام پور میں ان کا طوطی بولتا تھا۔ ان کا دیوان ان کی وفات کے بعد نواب کلب علی خان کے حکم سے مرتب ہوا۔ جہاں تک ان کی شاعری میں حمد و مناجات کا تعلق ہے تو ان کے کلیات کا آغاز بھی حسب روایت حمد سے ہوتا ہے۔

اگر خود نما وہ خود آرا نہ ہوتا

یہ نیرنگ قدرت ہویدا نہ ہوتا ا؎

''قصیدہ نورسیدہ درصنائع و بدائع'' میں دعا کے اشعار کا رنگ ملاحظہ ہو:

جلوہ گر مطلعِ امید سے ہے مہرِ مراد
صبح کا وقت ہے دروازۂ رحمت ہے کھلا

صدقِ نیّت سے بدرگاہِ مجیب الدعوات
رکھ کے سجدے میں سرعجز کر اس طرح دعا

اے خداوندِ سماوات و شہنشاہ زمین
مالک کون و مکاں، صاحب عرش اعلیٰ

کر عنایت مرے ممدوح کو عمرِ ابدی
خضر سے بڑھ کے میسر ہو اسے طولِ بقا ۲؎

مجموعی طور پر نظاؔم کی شاعری حسن وعشق سے کچھ بڑھ کر معاملہ بندی کی شاعری ہے اور اس میں مذہبیت واسلامیت کی گنجائش بہت کم ہے۔

۲۔ حاجی امداد اللّٰہ تھانوی مہاجرؔ مکی (۱۸۹۹ء) معروف صوفی شاعر ہیں۔ان کی حمد میں مظاہرِ قدرت کے حوالے سے معرفت الٰہی کے مضامین ہیں۔ خدا کی ذات وصفات،عبدیت و عاجزی کا اظہار ملتا ہے۔ جا بجا مغفرت کی طلب کرتے نظر آتے ہیں۔ ان کی حمدیہ ومناجاتیہ شاعری ان کے ذاتی محسوسات کی آئینہ دار ہیں۔ ان کے کلام میں غزلیں بھی ہیں اور نعتیہ غزلیں بھی۔ عبدالملک عتیق نے ''مناجات اولیا''، میں ان کی نومناجاتیں شامل کی ہیں۔حمد کا نمونہ مثنوی ''تحفۃ العشاق'' سے درج ذیل ہے۔

حمدِ بے حد ہے سزاوارِ احد
ہیں احد میں محو سب محدود و حد
حمد ہے اُس کو جو خود موجود ہے
اور سوا اس کے جو ہے نابود ہے
حمد اس کو ہے کہ بے شان و نشاں
وحدت اپنی کی ہے کثرت سے عیاں
حمد ہے اس کو کہ باصد زیبِ فر
ہر زماں ہر شان میں ہے جلوہ گر ۳؎

حمد میں عجز و تضرع اور استمداد کا پہلو نمایاں ہے۔ کہتے ہیں:

آہ و زاری سے اٹھا دستِ دُعا
مانگتا ہوں تجھ سے تجھ کو اے خدا

تجھ کو ہی تجھ سے طلب کرتا ہوں میں
اور کی خواہش نہ اب کرتا ہوں میں
نے گدائی، تاجداری چاہیے
پر ترے کوچے کی خواری چاہیے [۴]

۳۔ امیر مینائی (۱۸۲۹ء......۱۹۰۰ء) امیر احمد مینائیؔ، لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ فرنگی محل سے درس نظامیہ کیا۔ علم نجوم، جفر اور طب بھی حاصل کیا۔ عربی و فارسی پر مکمل دسترس تھی۔ ان کا خاندانی ماحول درویشی و پرہیز گاری میں رچا ہوا تھا۔ حضرت امیر شاہ کے حلقۂ ارادت میں آ کر ان میں ذوقِ تصوف پیدا ہوا اور اخلاق کا دینی پہلو غالب آیا، دوسرے محسنؔ کاکوروی کے اثرات نے بھی ان پر رنگ جمایا۔ سلطنت اودھ کے خاتمے کے بعد آپ نے رام پور کا رخ کیا۔ اور وہیں اپنی زندگی کا بیشتر حصہ گزارا۔ اس لئے بھی اور کلام میں رام پوری شعرا کی خصوصیات کی وجہ سے بھی ہم انھیں شعرائے رام پور میں شمار کرتے ہیں۔ امیرؔ مینائی کی بے شمار تصانیف شعر و نثر ہیں۔ ''مراۃ الغیب'' اور ''صنم خانۂ عشق'' (دیوانِ غزلیات) ''محامد خاتم النبین'' (نعتیہ دیوان) ''نورِ تجلی'' اور ''ابر کرم'' (مثنویات) ''ذکر شاہ انبیا'' (مولود شریف) ''صبح ازل'' (بیان ولادت حضور اکرمؐ) ''شام ابد'' (مسدس، وفات النبیؐ)۔

امیرؔ مینائی کا کلام اعلیٰ خیالات، فصاحت و بلاغت، روانی و سلاست، توازنِ الفاظ اور نزاکتِ خیال کے لیے مشہور ہے۔ دبستانِ لکھنؤ کے اثرات بھی صاف دکھائی دیتے ہیں۔ مثنوی ''مراۃ الغیب'' سے چند حمدیہ اشعار ملاحظہ ہوں:

کچھ غم نہیں جو پیش ہو دفتر قصور کا
عنوانِ نامہ نام ہے ربِ غفور کا
ہمت ہے شرط، راہِ خدا ہے کھلی ہوئی
پہنچا وہ جس نے قصد کیا راہ دور کا

محروم اس کے خوانِ تجلی سے کون ہے
حصہ ہر ایک آنکھ نے پایا ہے نور کا
کتنے ہی یا کریم ادھر سے اُدھر گئے
لطف و غضب میں فاصلہ تھا کتنی دور کا ۵؎

محامد خاتم النبیینؐ، کے دیباچے میں دو شعر حمد یہ ہیں:

کرے حمد رب ہے یہ کس کی زبان
نبیؐ کو ہے اقرارِ عجز بیاں
یہاں طاقتِ نطق پاتا نہیں
کہ کوزے میں دریا سماتا نہیں ۶؎

''صنم خانۂ عشق'' کا آغاز بھی حمد سے ہوتا ہے۔ ان کی حمدیہ شاعری کو بجا طور پر متصوفانہ حمد سے تعبیر کیا جاسکتا ہے:

یہ آفتاب ہے گرم اس کی کبریائی کا
کہ ذرہ ذرہ ہے آئینہ خود نمائی کا
پکارتا ہے یہ انداز و ناز توبہ شکن
کہ آئے وہ جسے دعویٰ ہو پارسائی کا
پسند ہے اسے چوکھٹ پر اپنی سجدۂ عجز
ستارہ اوج پہ ہے داغِ جبہ سائی کا

حمد میں پندو نصائح سے بھی کام لیتے ہیں۔ تلمیحات اور محاورات کے استعمال نے ان کی حمد کو دلکش اسلوب عطا کیا ہے۔ کہتے ہیں:

رہ طلب میں ادب ہی سے سرفرازی ہے
مزہ کلیم سے پوچھو برہنہ پائی کا
خدا خدا جو کرے اور خودی کا دم بھی بھرے
بڑا فریبی ہے جھوٹا ہے وہ خدائی کا
بشر سے حمدِ الٰہی امیرؔ کیا ممکن
پہاڑ اٹھائے کہاں حوصلہ یہ رائی کا ۷؎

آخر میں ان کی معروف حمد، درج کی جاتی ہے جو بڑے رواں اسلوب میں مضامین معرفت کی عمدہ مثال ہے:

دوسرا کون ہے، جہاں تو ہے | کون جانے تجھے کہاں تو ہے
لاکھ پردوں میں ہے تو بے پردہ | سو نشانوں پہ بے نشاں تو ہے
تو ہی خلوت میں تو ہے جلوت میں | کہیں پنہاں، کہیں عیاں تو ہے
نہیں تیرے سوا یہاں کوئی | میزباں تو ہے، میہماں تو ہے
نہ مکاں میں نہ لامکاں میں کچھ | جلوہ فرما یہاں وہاں تو ہے
محرم راز تو بہت ہیں امیرؔ | جس کو کہتے ہیں رازداں تو ہے ۸؎

۴۔ڈپٹی نذیر احمد(۱۸۳۰ء......۱۹۱۲ء)والد کا نام مولوی سعادت علی۔ بجنور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم والد سے حاصل کی۔ چودہ برس کی عمر میں ان کے والد ان کو دہلی لائے اور مسجد اورنگ آبادی سے تحصیل علم کیا۔۱۸۴۶ء میں دہلی کالج داخل ہوئے۔۱۸۵۷ء کے ہنگامے میں ایک انگریز عورت کی جان بچانے کے صلے ڈپٹی انسپکٹر مدارس الٰہ آباد بنا دیے گئے۔۱۸۷۷ء میں سرسید کی وساطت سے حیدر آباد پہنچ گئے اور ترقی کرتے کرتے بورڈ آف ریونیو کے ممبر بن گئے۔۱۸۹۷ء میں شمس العلما کا خطاب پایا۔۳ مئی ۱۹۱۲ء کو خالقِ حقیقی سے جا ملے ان کی تصانیف میں ناول بھی ہیں، مذہبی کتب بھی، تاریخ بھی اور قانونی کتب بھی ہیں۔ ان کا شعری مجموعہ ''نظم بے نظیر'' کے نام سے شائع ہوا۔ حال ہی میں ڈاکٹر محمد ہارون قادر نے ان کا کلیات ''کلیات نظم نذیر احمد'' کے نام سے مرتب کیا ہے۔

ڈپٹی نذیر احمد کا کلیات حمد و مناجات کے درہائے ثمین سے مزین ہے۔تحریک علی گڑھ کے رکن رکین اور بے حد حساس دل و دماغ کے حامل ہونے کے سبب مسلمانوں کی پستی، زوال اور غفلت شعاریاں انھیں بار بار بارگاہِ الٰہی میں عاجزی و انکساری سے دعا کرنے پر مجبور کر دیتی ہیں۔''سرسید کی وفات پر'' کے عنوان سے ڈپٹی صاحب نے جو مرثیہ لکھا ہے۔اس میں پہلے مسلمانوں کی بدتر معاشی صورتحال کی تصویر کشی کرتے ہیں:

الٰہی تو تو دانائے نہان و آشکارا ہے
نہیں پوشیدہ تجھ سے جس طرح اپنا گزارا ہے
نہ آمد ہے تجارت کی نہ خدمت کا سہارا ہے

نہ معتدبہ زمین داری میں کچھ حصہ ہمارا ہے
ہماری کاہلی ہر چند کچھ کرنے نہیں دیتی
یہ رزاقی ہے تیری جو ہمیں مرنے نہیں دیتی ۹؎

آخری مصرعے میں اللہ تعالیٰ کی رزاقی پر شاعر کے تیقن سے اس کے کامل جذبۂ ایمان کا اظہار ہوتا ہے۔

اسی مرثیے میں مسلمانوں کی عظمت رفتہ کو یاد کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے وہی ثروت وسطوت مانگتے ہیں، جس کی بنیاد توفیق مسلمانی تھی:

الٰہی دے مسلمانوں کو توفیق مسلمانی
کہ پھر آجائے کشتِ مردۂ اسلام میں پانی
دلوں میں ان کے اپنے مہر سے ایسا تصوف کر
وہی جیسا کیا تھا وقت ِ قرن اول و ثانی ۱۰؎

کلیات کا آغاز، حسب روایت حمد سے ہوتا ہے۔ ڈپٹی صاحب عربی زبان پر مہارت نامہ رکھتے تھے۔ نیز قرآن و حدیث سے ان کو خصوصی شغف تھا۔ ان کی حمدیہ شاعری میں جا بجا احادیث اور قرآنی آیات کے ٹکڑے جواہر ہائے آب دار کی طرح جڑے ہوئے نظر آئے ہیں:

تعریف خدا کو ہے مسلّم — پیدا کیا جس نے کن سے عالم
دی نطق کی آدمی کو قوت — بخشا اس کو شرف کا خلعت
مہرومہ و آسمان و انجم — حیوان و پری و دیو مردم
سب کا ہے وہی بنانے والا — ''ما اعظم شانہٗ تعالیٰ''
انساں سے ہو، حمد اس کی کیا خاک — احمد نے کہا ہے ''ماعرفناک'' ۱۱؎

''مناجات بدرگاہ رسولؐ اللہ'' میں نبیؐ آخر الزماں سے دعائیں کرتے ہوئے کہتے ہیں:

تیری خدمت میں شافع امت
عرضِ حاجت کی کچھ نہیں حاجت
قرب میں چاہتا ہوں حضرت کا
میں نہیں خواست گار جنت کا
حور و غلماں مجھے نہیں درکار
آرزومندان کے ہوں ابرار

......رحم فرماؤ آپؐ رحمت ہیں
آپؐ پشت و پناہِ امت ہیں
مجھ کو کامل وثوق ہے تم پر
تم سے حق نے کہا ہے لاتنھر''

آخری مصرع میں سورۃ الضحیٰ کی مندرجہ ذیل آیت کی طرف اشارہ ہے۔

وَاَمَّا السَّائِلَ فَلَا تَنْھَرَ (الضحیٰ۔۱۰)

''اور جب کوئی سوالی تم سے سوال کرے تو اسے نہ جھڑکو''

مذکورہ بالا اشعار میں رسول اکرمؐ کے لیے طرزِ تخاطب میں کہیں آپ' اور کہیں 'تم' کا استعمال کھٹکتا ہے۔مزید کہتے ہیں:

صرف اتنا ہی عرض کرتا ہوں
زیادہ ابرام سے بھی ڈرتا ہوں
مخلصی بخشئے خرابی سے
کہیں کہہ دیجیے شتابی سے
ہم نے کی سب معاف بے ادبی
''سبقت رحمتی علیٰ غضبی''۱۲؎

آخر میں ایک دعائیہ مسدس کے چند اشعار پر'آمین' کہتے ہوئے ہم ڈپٹی نذیر احمد کی حمدیہ دعائیہ شاعری کے مختصر جائزے کا اختتام کرتے ہیں:

توفیق کارِ نیک ہمیں اے کریم دے
دل میں صلاح دے ہمیں طبعِ سلیم دے
شوقِ سلوک جادۂ مستقیم دے
ایمان درمیانۂ امید و بیم دے
ہم کو نہیں ہے بحث عذاب و ثواب سے
تیری رضا ملے ہمیں تیری جناب سے

اٹھ جائے دل کی آنکھ سے اسباب کا حجاب
دنیا دکھائی دینے لگے نقشِ سطحِ آب
ذرّے میں رونما ہو حقیقت کا آفتاب

لاریب فیہ ہو خبر ذلک الکتاب☆

☆الم○ذلک الکتب لاریب فیه (البقرہ۔1) کی طرف اشارہ ہے۔

کھل جائے اصل راز حیات و ممات کا
ہو ایک حال ماضی و مستقبلات کا ۱۳؎

۵۔مرزا داغ دہلوی (۱۸۳۱ء......۱۹۰۵ء) نواب مرزا داغ دہلوی ۲۵ مئی ۱۸۳۱ء کو وزیر بیگم عرف چھوٹی بیگم کے بطن سے پیدا ہوئے جو والی فیروز پور جھرکہ نواب شمس الدین احمد خان کی داشتہ تھیں۔ ان کی پھانسی کے بعد وہ اپنی خالہ کے ساتھ رام پور چلے آئے اور جب ان کی والدہ چھوٹی بیگم ولی عہد مرزا فخرو سے وابستہ ہو کر لال قلعہ آئیں تو انہوں نے داغؔ کو شہزادانہ تعلیم و تربیت کی غرض سے یہاں بلا لیا۔ یہاں انھوں نے ماہرین فن سے خطاطی، خوش نویسی، فن سپہ گری، تیراندازی، گھڑ سواری سیکھی اور یہیں شعر وسخن میں انھوں نے استاد ذوقؔ کی شاگردی اختیار کی۔ دہلی کے حالات خراب ہونے پر انھوں نے دوبارہ رام پور کا رخ کیا۔ جہاں انھوں نے اپنی زندگی کے ۳۱ سال برس کئے۔ اسی لئے شعرائے رام پور کا جب بھی ذکر آتا ہے، مرزا داغ دہلوی کا نام ان میں سرفہرست ہوتا ہے۔ رام پور میں نواب یوسف علی خان ناظمؔ اور نواب کلب علی خاں نوابؔ بھی شاعر تھے، جن کی سرپرستی میں داغ نے رام پور میں ایک طویل عرصہ گزارا تھا اور جہاں اسیرؔ لکھنوی، منیرؔ شکوہ آبادی، جلالؔ لکھنوی، تسلیمؔ لکھنوی اور امیرؔ مینائی جیسے شاعر مقابلے پر موجود تھے، جن کے دواوین سے ایک ہی زمین میں کہی ہوئی غزلیں تلاش کی جا سکتی ہیں۔ اس ماحول میں رہ کر داغؔ نے اس دور کی روایتی اور محبوب شاعری جس میں زبان کی صفائی اور روزمرہ کو اہمیت دی جاتی تھی، کو اپنی شاعری میں سمو دیا تھا۔

جہاں تک داغؔ کی حمدیہ شاعری کا تعلق ہے۔ ان کے یہاں باقاعدہ حمد نگاری تو نظر نہیں آتی البتہ ان کے کلام میں جزوی حمد و مناجات ملتی ہے۔ یہاں آ کر ان کی شوخئ بیان، لباس ادب واحترام میں ملبوس ہو جاتی ہے:

برنگِ بوئے گل ہے ہر نفس یادِ الٰہی میں
قیامت تک بھرے گی دم نسیمِ صبح دم میرا
مجھے آباد کرتا ہے، مجھے برباد کرتا ہے

خدایا دین و دنیا میں کرم تیرا ستم میرا
تری بندہ نوازی، ہفت کشور بخش دیتی ہے
جو تو میرا، جہاں میرا، عرب میرا ، عجم میرا

اسی غزل میں دعا یوں کرتے ہیں۔

الٰہی کعبۂ تسلیم میں یوں باریابی ہو
بڑھے لبیک کہہ کر پیشتر سب سے قدم میرا
الٰہی نقش ہو کلمہ رسولؐ اللہ کا دل پر
چلے کونین میں نام محمدؐ سے درم میرا ۱۴؎

ایک اور حمدیہ غزل میں ،بڑے صدق اخلاص کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور قدرت کاملہ اور فیض وکرم کا اعتراف کرتے ہیں :

یہاں بھی تو ،وہاں بھی تو ،زمیں تیری ،فلک تیرا
کہیں ہم نے پتہ پایا نہ ہرگز آج تک تیرا
صفات وذات میں یکتا ہے تو اے واحدِ مطلق
نہ کوئی تیرا ثانی ہے نہ کوئی مشترک تیرا
ترے فیض وکرم سے نارونور آپس میں یک دل ہیں
ثناگر یک زباں ہر ایک ہے جن وملک تیرا

مذکورہ بالا شعر میں صفت لف ونشر مرتب کا استعمال بڑے ہی دلاویز اور دلکش انداز میں کیا گیا ہے۔اور آخر میں دعا کرتے ہیں:

دعا یہ ہے کہ وقت مرگ اس کی مشکل آساں ہو
زباں پر داغؔ کے نام آئے یا رب یک بیک تیرا ۱۵؎

داغ کا دعائیہ انداز سہل ممتنع کی عمدہ مثال ہے۔مثلاً

یارب ہے بخش دینا بندے کو کام تیرا
محروم رہ نہ جائے کل یہ غلام تیرا ۱۶؎

کسی بندے کو دردِ عشق نہ دے

واسطہ اپنی کبریائی کا ۱۷؎

داغؔ جن کی ساری عمر ''عشق بتاں'' میں کٹی یوں لگتا ہے کہ آخری عمر میں فریضۂ حج کے بعد 'مناجات و دعا' میں مصروف ہو گئے۔ بقول ان کے

وہ گئے دن جو رہے یاد بتوں کی اے داغؔ
رات بھر اب تو گزرتی ہے مناجاتوں میں ۱۸؎

وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کی امید نہیں بلکہ یقین کامل رکھتے ہیں:

مری بندگی سے مرے جرم افزوں
ترے قہر سے تیری رحمت زیادہ ۱۹؎

امید اس کی ذات سے اے داغ چاہیے
سب منحصر ہے رحمتِ پروردگار پر ۲۰؎

ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں:

''ہر مسلمان خدا کو کریم اور رحیم جان کر یہ یقین رکھتا ہے کہ اس کی نجات لازمی ہے مگر داغؔ جب یہی بات کہتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ انھیں اس بات پر ایسا پختہ عقیدہ ہے جو ڈھلملانے والے آدمی کو میسر نہیں ہے۔ مثلاً یہ دو شعر پڑھیے:

کہہ دیں گے ہم تو داورِ محشر سے صاف صاف
اچھوں کو دل نے پیار کیا، ہم نے کیا کیا

وہ کریم کیا نہیں ہے، وہ رحیم کیا نہیں ہے
کبھی داغ بھول کر بھی نہ غمِ نجات رکھنا

ان اشعار سے داغؔ کی شخصیت، ان کے انداز فکر ونظر اور ان کے عقیدے کی انفرادیت سامنے آجاتی ہے۔۲۱؎

''مہتاب داغؔ''، مرتبہ کلب علی خان فائق میں پہلی غزل حمدیہ و نعتیہ مضامین پر مشتمل ہے۔ داغؔ کیسے راسخ العقیدہ ہیں، ان اشعار سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے:

میں کلمہ گو ہوں خاص خدا اور رسولؐ کا
آتا ہے بامِ عرش سے مژدہ قبول کا

ذیل کے شعر میں صنعتِ تضاد کی کارفرمائی دیکھیے:

وہ پاک بے نیاز ہے تجسیم سے بری
محتاجِ فوق و تحت، نہ وہ عرض و طول کا
انسان سے بیان ہوں کیوں کر صفات ذات
ایسا کہاں ہے ذہن ظلوم و جہول کا ۲۲؎

آخری شعر میں 'ظلوم وجہول' کے الفاظ ہمیں درج ذیل آیۂ قرآنی کی یاد دلاتے ہیں۔

اِنَّہٗ کان ظَلُوماً جھُوْلاً (۷۸/۳۳)

ترجمہ: بے شک انسان ظالم اور جاہل ہے۔

۶۔ مولا بخش قلق میرٹھی (۱۸۳۲ء......۱۸۸۰ء) حکیم غلام محمد مولیٰ عرف مولا بخش قلقؔ اردو غزل گوئی کے آخری دور میں بہت بلند مقام رکھتے ہیں۔ ان کے ہم عصروں میں ممنونؔ، شیفتہؔ، نسیمؔ دہلوی، سالکؔ مجروحؔ ممتاز ہیں۔ میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم وہیں پائی پھر دہلی کالج داخل ہوئے۔ انگریزی، فارسی سیکھی۔ مومنؔ کی شاگردی میں تھے۔۱۸۵۷ء کے بعد واپس میرٹھ آ گئے۔ اور فارسی کے استاد مقرر ہوئے اور مرتے دم تک اسی مدرسے سے وابستہ رہے۔۱۸۸۰ء میں وفات پائی۔کلب علی خاں نے ''کلیات قلقؔ' مرتب کیا۔ اس میں ان کی نظموں کا مجموعہ ''جواہر منظوم'' شامل نہیں ہے۔

کلام میں شامل پہلی غزل قدیم رنگ کی ہے۔فلسفیانہ حمد کی ذیل میں آتی ہے۔قلقؔ کہتے ہیں۔

جس روز حرفِ عشق ہم آہنگِ صور تھا
اے مشتِ خاک تجھ کو تامل ضرور تھا
رکھتا ہے تیرا دور سدا نادر اتفاق
مے خانے میں وظیفۂ ربی غفور تھا
بے التفاتیوں سے غرض التفات تھا
وتنا ہی تو قریب تھا جتنا کہ دور تھا
دیکھا تو ہر طرح سے ہے بندہ قصوروار

تھا مختصر گناہ ترحم وفور تھا ۲۳؎

ڈاکٹر جمیل جالبی نے قلقؔ کی مذہبی شاعری پر درج ذیل تبصرہ کیا ہے:

''دوسرا رجحان جو ان کی غزلوں اور دوسری اصنافِ سخن میں نظر آتا ہے، وہ مذہبی عقائد پر بے باکانہ اظہار ہے جو اس قدر کھل کر اسے دور میں کسی دوسرے شاعر کے ہاں مشکل سے ملے گا۔'' ۲۴؎

ڈاکٹر جمیل جالبی اپنے اس دعوے میں حق بجانب ہیں۔ ذیل میں ان کے دعوے کی تائید میں درج ذیل رباعیات پیش کی جاتی ہیں:

دروازے پہ تیرے ہی مروں گا یارب
کیا بیمِ جہنم، نہ ڈروں گا یارب
گستاخئ عذر دور، عصیاں معیوب
توبہ یہ ہے کہ توبہ نہ کروں گا یارب ۲۵؎

وہ عام شعرا کی طرح اللہ کے حضور گڑگڑا کر، عاجزی سے دعا نہیں کرتے بلکہ اس کی رحیمی و کریمی پر بڑا مان رکھتے ہیں اور اللہ کو اس کے صفاتِ حسنہ یاد دلا کر دعا کرتے ہیں:

بندہ پرور تو خود قدیمی ہے خدا
اور لطف سے دشمن لئیمی ہے خدا
پر کافر ذات ہے زمانہ سارا
امید رحیمی و کریمی ہے خدا ۲۶؎

کہتا ہوں خدا لگتی عقیدے کے خلاف
ہے تیرا خطا وار سزاوار معاف
ہے رحم ہی شایان خدائی تجھ کو
انصاف یہی ہے کہ نہ کرنا انصاف ۲۷؎

اخیر عمر میں قلقؔ کو سل کا مرض ہو گیا تھا اور اس کے ہاتھوں انھوں نے بہت تکلیف اٹھائی۔ ایک رباعی میں شفا کے لیے دعا گو ہیں:

اے قادرِ مطلق! بہ طفیل لولاک

دے مجھ کو شفا مرض سے کر دے تن پاک

ناچیز ہے کس چیز سے شایان عذاب
جان تیری ہے اور جسم ہے سرمایہ خاک ۲۸۔

۷۔ مولانا الطاف حسین حالی (۱۸۳۷ء...... ۱۹۱۴ء) حالی ۱۸۳۷ء میں پانی پت میں پیدا ہوئے۔انھوں نے پانی پت میں رہتے ہوئے قرآن پاک حفظ کیا، قرأت سیکھی اور مولوی جعفر علی سے فارسی پڑھی۔ مولوی جعفر علی کی صحبت میں حالی کو شعر و شاعری کا ذوق پیدا ہوا۔ اس زمانے میں دہلی میں غالبؔ ، آزردہ، ذوق، صہبائیؔ اور شیفتہؔ کی بڑی دھوم تھی۔ حالیؔ نے غالبؔ کی شاگردی اختیار کی۔۱۸۵۷ء کے ہنگاموں میں اپنے وطن پانی پت لوٹے اور چار سال منطق ، حدیث اور تفسیر کا علم حاصل کیا۔۱۸۶۹ء میں حالیؔ لاہور پہنچ کر پنجاب بک ڈپو سے منسلک ہو گئے۔ چار سال بعد وہ لاہور سے واپس دہلی چلے گئے اور اینگلو عربک اسکول سے بطور استاد منسلک ہو گئے۔ اس زمانے میں سر سید نے مسلمانان ہند کی معاشی و معاشرتی زندگی کی اصلاح کے لیے تحریک شروع کی۔ حالیؔ نے جو ایک مصلح کی نظر اور درد مند دل رکھتے تھے سر سید کی اس تحریک کو لبیک کہا اور تن من دھن سے اس میں مصروف ہو گئے۔ ۱۹۰۴ء میں انھیں شمس العلما کا خطاب ملا۔مختصر علالت کے بعد ۱۹۱۴ء میں پانی پت میں وفات پائی۔

مولانا حالیؔ کے تین بے مثال شاہکار ہیں۔''مقدمہ شعرو شاعری''،'' مسدس حالی'' اور'' دیوان حالی''۔ مقدمہ شعرو شاعری، سے ایک طرف تو مولانا کی تنقیدی بصیرت کی عکاسی ہوتی ہے اور دوسری طرف ان کی اردو نثر کا اعلیٰ نمونہ سامنے آتا ہے اور ان کے منفرد اسلوب تحریر سے آگاہی ہوتی ہے۔ جبکہ مسدس اور دیوان ان کے شعری کارنامے ہیں۔مولانا کی 'مسدس' کو قبول عام اور حیات دوام نصیب ہوا جس کی ایک وجہ اس کا موضوع اور دوسرے اس کا اسلوب ہے۔بقول مولوی عبدالحق:

> ''مسدس حالی'' زندہ جاوید کتابوں میں سے ہے۔ اس کی درد بھری آواز ہمیشہ دلوں کو تڑپاتی رہے گی اور اس کے درد مندانہ اقوال دلوں میں گھر کیے بغیر نہ رہیں گے ادب کے رسیا اس سے ادبیت کے گر سیکھیں گے اور اخلاق کے بندے اس میں بے بہا جواہر پائیں گے جن

سے دوسری کا نیں خالی ہیں۔''۲۹؎

مسدس میں حالیؔ نے نبی اکرمؐ کی زبانی اس طرح توحید وتحمید الٰہی کی ہے:

کہ ہے ذاتِ واحد عبادت کے لائق
زباں اور دل کی شہادت کے لائق
اسی کے ہیں فرماں اطاعت کے لائق
اسی کی ہے سرکار خدمت کے لائق
لگاؤ تو لو اس سے اپنی لگاؤ
جھکاؤ تو سر اس کے آگے جھکاؤ ۳۰؎

وہی ایک ہے جس کو دائم بقا ہے
جہاں کی وراثت اسی کو سزا ہے
سوا اس کے انجام سب کا فنا ہے
نہ کوئی رہے گا نہ کوئی رہا ہے
مسافر یہاں ہیں فقیر اور غنی سب
غلام اور آزاد ہیں رفتنی سب ۳۱؎

''دیوانِ حالیؔ'' کی ابتدا دو حمدوں سے ہوتی ہے۔ حالیؔ کے خیال میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس دنیا کے نافرمان، خیرہ وسرکش، ناشکر گزار، امیر ورئیس، درویش وفقیر کسی کو بھی بن اسے تسلیم کیے پارا نہیں۔ اور یہی اعتراف انسان کی عبدیت کی دلیل ہے۔ اس لیے بندوں کے دلوں پر اللہ کی حکومت کی یہ دلیل ہے کہ وہ اللہ کے سوا نہ تو کسی کی حمد سرائی کر سکتے ہیں اور نہ اس کے سوا کسی کو بزرگ و برتر مان کر اس کے آگے ہاتھ پھیلا سکتے ہیں۔ بقول حالیؔ:

قبضہ ہو دلوں پر کیا اور اس سے سوا تیرا
اک بندۂ نافرماں ہے حمد سرا تیرا
عظمت تری مانے بن کچھ بن نہیں آتی یاں
ہیں خیرہ و سرکش بھی دم بھرتے سدا تیرا
تو ہی نظر آتا ہے ہر شے پر محیط ان کو
جو رنج و مصیبت میں کرتے ہیں گلا تیرا

نشہ میں وہ احساں کے سرشار ہیں اور بے خود
جو شکر نہیں کرتے نعمت پہ ادا تیرا ۳۲؎

اللہ تعالیٰ کا کمال و جلال، ازل سے تا بہ ابد کامل و باقی ہے۔ بڑے بڑے صاحب علم اس کی ہیبت میں مبتلا ہیں حالی کہتے ہیں:

کامل ہے جو ازل سے وہ ہے کمال تیرا
باقی ہے جو ابد تک وہ ہے جلال تیرا
ہے عارفوں کو حیرت اور منکروں کو سکتہ
ہر دل پہ چھا رہا ہے رعبِ جمال تیرا
پھندے سے تیرے کیونکر جائے نکل کے کوئی
پھیلا ہوا ہی ہر سو عالم میں جال تیرا ۳۳؎

موخر الذکر شعر میں قرآن پاک کی اس آیت مبارکہ کی طرف اشارہ ہے **ان استطعتم ان تنفذو امن اقطار السمٰوٰت والارض فانفذوا** (الرحمن:۳۳)

ترجمہ: اگر تم کو قدرت ہے کہ آسمانوں اور زمین کی حدود سے کہیں باہر نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ۔

اسی حمد کے ایک اور انتہائی پر اثر شعر میں صنعت لف ونشر کے برمحل استعمال سے شعر کے صوری حسن میں مزید اضافہ کرتے ہیں:

دل ہو کہ جان، تجھ سے کیونکر عزیز رکھیے
دل ہے سو چیز تیری، جاں ہے سو مال تیرا ۳۴؎

باقاعدہ حمد کے علاوہ دیوان میں بھی جا بجا حمد و مناجات کے مضامین ملتے ہیں:

نہیں محدود بخششیں تیری
زاہدوں پر نہ پارساؤں پر
حق سے درخواست عفو کی حالیؔ
کیجیے کس منہ سے ان خطاؤں پر ۳۵؎

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمانیت اور فلسفہ جبر و قدر پر اس طرح اظہار خیال کرتے ہیں:

سلوک ہیں تیرے سب سے یکساں وہ گبرو ترسا ہوں یا مسلماں

نہ ان سے کچھ تیرا بیر پایا نہ ان سے کچھ تیرا پیار دیکھا

سپر بھی دی تو نے، تیغ بھی دی مگر دیے ہاتھ باندھ سب کے
جنھیں تھا یاں اختیار سب کچھ انھیں بھی بے اختیار دیکھا۔ ۳۶؎

مذکورہ بالا اشعار میں ترسا، مسلمان، بیر، پیار، اختیار اور بے اختیار متضاد الفاظ ہیں۔ کلام حالؔی میں ہمیں صنعتِ تضاد اور دیگر صنائع کا برمحل استعمال بھی ملتا ہے۔ اب ہم حالؔی کی رباعیات پر نظر کرتے ہیں تو سب سے پہلے حالی کی معروف رباعی ہمارے سامنے آتی ہے۔

ہندو نے صنم میں جلوہ پایا تیرا
آتش پہ مغاں نے راگ گایا تیرا
دہری نے کیا دہر سے تعبیر تجھے
انکار کسی سے بن نہ آیا تیرا ۳۷؎

ایک اور دلکش رباعی میں محبتِ خدا کو ماں کی محبت سے تشبیہ دی ہے۔ کہتے ہیں:

جب مایوسی دلوں پہ چھا جاتی ہے
دشمن سے بھی نام تیرا جپواتی ہے
ممکن ہے کہ سکھ بھول جائیں اطفال
لیکن انھیں دکھ میں ماں ہی یاد آتی ہے ۳۸؎

حالؔی نے بچوں کے لیے بھی حمدیہ نظمیں لکھی ہیں۔ نظم ''خدا کی شان'' کا اسلوب طفلانہ ادب کے تقاضوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے آساں اور سادہ ہے۔

اے زمیں آسمان کے مالک — ساری دنیا جہاں کے مالک
تیرے قبضے میں سب خدائی ہے — تیرے ہی واسطے بڑائی ہے
تو ہی ہے سب کا پالنے والا — کام سب کے نکالنے والا
کیں سدا تو نے مشکلیں آسان — تیری مشکل کشائی کے قرباں ۳۹؎

حالی کی مناجاتیں یا مناجاتیہ شاعری بھی ان کی شاعری کا اہم پہلو ہے بالخصوص ''عرض حال المعروف مناجات حالی بحضور محبوب باری صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم'' اور مناجات بیوہ، اردو کی مناجاتی شاعری کا بیش بہا سرمایہ

ہیں۔ اوّل الذکر مناجات کے آغاز میں انتہائی درد بھرے اور پر سوز انداز میں ملتِ اسلامیہ پر آشوب حالات کی تصویر کشی کرتے ہیں:

اے خاصۂ خاصان رُسل وقتِ دُعا ہے — امت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے
جو دین بڑی شان سے نکلا تھا وطن سے — پردیس میں وہ آج غریب الغربا ہے
وہ دین ہوئی بزم جہاں جس سے چراغاں — اب اُس کی مجالس میں نہ بتی نہ دیا ہے
وہ دین کہ تھا شرک سے عالم کا نگہبان — اب اسکا نگہبان اگر ہے تو خدا ہے ۴۰؎

پھر اشعار کا ایک طویل سلسلے میں امت کی زبوں حالی پر نوحہ کناں ہیں آخر میں کہتے ہیں:

کر حق سے دعا امت مرحوم کے حق میں — خطروں میں بہت جس کا جہاز آکے گھرا ہے
امتِ میں تری نیک بھی ہیں بد بھی ہیں لیکن — دلدادہ ترا ایک سے ایک اُن میں سوا ہے
ہم نیک ہیں یا بد ہیں پر آخر ہیں تمہارے — نسبت بہت اچھی ہے اگر حال بُرا ہے
تدبیر سنبھلنے کی ہمارے نہیں کوئی — ہاں ایک دُعا تیری کہ مقبولِ خدا ہے ۴۱؎

۸۔ محمد اسمٰعیل میرٹھی (۱۸۴۴ء......۱۹۱۷ء) محمد اسمٰعیل میرٹھی ۱۲ نومبر ۱۸۴۴ء کو میرٹھ میں پیدا ہوئے اور یکم نومبر ۱۹۱۷ء کو میرٹھ ہی میں وفات پائی۔ ابتدائی تعلیم کے بعد ہی انھوں نے ۱۰ جولائی ۱۸۶۰ء کو سولہ سال کی عمر میں محکمۂ تعلیم کے دفتر میں ملازمت اختیار کر لی اور اسی سال ان کی شاعری کا بھی آغاز ہوا۔ بحیثیت مجموعی وہ ساری عمر درس و تدریس سے وابستہ رہے۔ ان کی بیشتر شاعری درسی نوعیت کی تھی، جو تربیت اِطفال کے مقصد و مدعا کو پیش نظر رکھتے ہوئے کی گئی۔ ان کے تمام درسی قاعدے اب ان کے ’’ کلیات اسمٰعیل‘‘ میں محفوظ ہیں۔

سر سید احمد خان کی تحریکِ علی گڑھ سے متاثر ہونے والوں میں حالؔی کے ساتھ اسمٰعیل میرٹھی کا نام بھی لیا جاتا ہے۔اگر سر سید اور حالی کو محرک کہا جائے تو اسمٰعیل میرٹھی پورے طور پر معلم کے دائرے میں آتے ہیں۔

اسمٰعیل میرٹھی کی حمدیہ شاعری کی خاص بات یہ ہے کہ انھوں نے مناظر فطرت، اشیائے کائنات، موسموں ، حیوانات اور اخلاقی نظموں کے ذریعے خدا کی شانِ تخلیق بیان کی ہے اور صنعت سے صانع اور مخلوق سے خالق تک رسائی کا شعور دیا ہے۔ ان کی نظمیں آسان، سہل اور عام فہم زبان میں ہیں۔ اس سادہ اسلوب کی وجہ ان کا معلم اطفال ہونا ہے۔ بقول جالبی صاحب:

''اسمٰعیل میرٹھی کا ہدف متوسط طبقے کے بچے ہیں وہ شاعری کے ذریعے بھی معلم کا کردار ادا کرتے ہیں اور بڑھتی ہوئی عمر کے بچوں کے کردار کو بنانے ، سنوارنے کا کام انجام دیتے ہیں''۴۲؎

''حیات وکلیات اسمٰعیل'' میں مثنویات ،قصائد ،قطعات ،غزلیات ، رباعیات و متفرقات پائے جاتے ہیں اور تقریباً ہر صنف میں انھوں نے معبودِ حقیقی کی حمد سرائی کی ہے۔''کلیات اسمٰعیل'' کا آغاز مثنویات سے ہوتا ہے۔ پہلی مثنوی بعنوان'' صنائع الٰہی'' کے عنوان سے ہے۔ اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہو کر اس کی صناعانہ کاریگری کے مختلف مظاہر کی تحمید کرتے ہیں۔

خدایا نہیں کوئی تیرے سوا | اگر تو نہ ہوتا تو ہوتا ہی کیا
تصورّ تری ذات کا ہے محال | کسے یہ سکت اور کہاں یہ مجال
اگر تیری قدرت کی کاریگری | نہ کرتی سمجھ بوجھ کی رہبری
تو وہ سر پٹکتی ہی رہتی مدام | طلب میں بھٹکتی ہی رہتی مدام
بنائی ہے تونے یہ کیا خوب چھت | کہ ہے سارے عالم کی جس میں کھپت
عجب ہے یہ خیمہ رسن ہے نہ چوب | ہمیشہ مصفّا ہے بے رُفت و روب
نہ در ہے، نہ، منظر، نہ کوئی شگاف | ادھر سے اُدھر تک ہے میدان صاف
جھرو کا، نہ کھڑکی، نہ در ہے، نہ چھید | عجب تیری قدرت عجب تیرے بھید
کہین جوڑ ہے اور نہ پیوند ہے | جدھر دیکھیے اُس طرف بند ہے
بنایا ہے کیا دستِ قدت نے گول | چُرس ہے نہ جھری نہ سلوٹ نہ جھول ۴۳؎

اسمٰعیل میرٹھی کے مندرجہ بالا اشعار پر کلام الٰہی کے اثرات ملاحظہ ہوں۔ یہ آیات الٰہی ملاحظہ کیجئے۔

مَا تَرٰی فِیۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ ؕ فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ ہَلۡ تَرٰی مِنۡ فُطُوۡرٍ ۞ ثُمَّ ارۡجِعِ الۡبَصَرَ کَرَّتَیۡنِ یَنۡقَلِبۡ اِلَیۡکَ الۡبَصَرُ خَاسِئًا وَّ ہُوَ حَسِیۡرٌ ۞

ترجمہ: تو رحمن کی پیدائش میں بے ضابطگی نہیں دیکھتا پھر نظر دوڑا، کہیں کچھ فتور نظر آتا ہے، پھر بار بار نظر کر، آخر تیری نظر ناکام اور تھکی ہوئی لوٹے گی۔ (۶۷/ ۴۔۳)

مزید کہتے ہیں:

یہ تارے جو ہیں آتے جاتے ہوئے
چمکتے ہوئے جگمگاتے ہوئے
چراغ ایسے روشن جو بن تیل ہیں
یہ تیری ہی قدرت کے سب کھیل ہیں
یہ لعل و گہر جو ہیں بکھرے ہوئے
زمیں سے بھی ہیں ان میں اکثر بڑے
نظر میں جو اتنے سے آتے ہیں یہ
بہت دور چکر لگاتے ہیں یہ
پڑے اپنے چکر میں ہیں گھومتے
ترے حکم کے ذوق میں جھومتے
یہ قائم ہیں تیری ہی تقدیر سے
بندھے ہیں بہم سخت زنجیر سے[۴۴]

بقول اسمٰعیل میرٹھی اجرامِ فلکی اللہ تعالیٰ کے حکم کے پابند ہیں۔ یہاں بھی مولانا درج ذیل آیت قرآنی سے مستفید ہوئے ہیں:

لَا الشَّمْسُ یَنْبَغِی لَهَا اَنْ تُدْرِکَ الْقَمَرَ وَلَا الَّیْلُ سَابِقُ النَّهَارِ وَکُلٌّ فِیْ فَلَکٍ یَّسْبَحُوْنَ٥

ترجمہ: نہ تو آفتاب سے بن پڑتا ہے کہ چاند کو جالے اور نہ رات دن سے پہلے آسکتی ہے سب اپنے مدار میں تیر رہے ہیں۔ (۳۶/۴۰)

اور دور جدید کی سائنس اور ماہرین اجرامِ فلکی جن نئی دنیاؤں کی تلاش میں ہیں۔ اسمٰعیل کتنے ہی برس پیشتر، ان احکامات کو قدرت الٰہی سے کچھ بعید تصور نہیں کرتے۔ اور کہتے ہیں:

نہیں تیری قدرت سے کچھ یہ بعید
کہ ہو ہر ستارہ جہان جدید
نہیں تیرے لطف و کرم سے عجب
کہ ہو اس جہاں میں بھی مخلوق سب
ہو گرمی بھی، سردی بھی، برسات بھی
اندھیرا اجالا بھی دن رات بھی
ہو سر پر اسی طور سے آسماں
ہو پاؤں کے نیچے زمین بھی وہاں
فلک پر ستارے بھی ہوں جلوہ گر
وہاں بھی ہو دوران شمس و قمر[۴۵]

مثنوی ''خدا کی قدرت'' میں باغِ عالم کی کلیاں، پھول، پرند چرند، رات دن، چار موسم، پھل، میوے، اونٹ، بیل گھوڑے اور خود انسان کے وجود میں اللہ تعالیٰ کی کاریگری دیکھتے ہیں۔ اور چالیس اشعار پر مشتمل اس مثنوی کے آخر میں اللہ تعالیٰ کی شانِ صنعت کی غرض و غایت بیان کرتے ہیں:

روشن آنکھیں بنائیں دو دو
قدرت کی بہار دیکھنے کو
دو ہونٹ دیے کہ منہ سے بولیں
شُکر اس کا کریں زبان کھولیں
ہر شے اس نے بنائی نادر

بے شک ہے خدا قوی و قادر ۴۶؎

''حمد باری تعالیٰ'' کے عنوان سے رقم طراز ہیں:

خدایا اوّل و آخر بھی تو ہے		خدایا باطن و ظاہر بھی تو ہے
وہ اول تو کہ ہے آخر سے آخر		وہ آخر تو کہ ہے اول سے فاخر
نہیں اوّل کو آخر سے جدائی		ورائے عقل ہے تیری خدائی
جو آخر ہے وہی اوّل بھی تھا تو		وہی جو آج ہے سوکل بھی تھا تو
......احد ہے تو نہیں زنہار معدود		صمد ہے تو نہ والد ہے نہ مولود ۴۷؎

آخری شعر سے سورۃ الاخلاص کے معانی معاً ذہن میں آتے ہیں۔

''مثنوی فی العقائد'' اور مثنوی 'شمع ہدایت' کے بھی بیشتر بلکہ بیشتر سے بھی زیادہ اشعار حمد خداوندی کی ذیل میں آتے ہیں۔''یاد الٰہی'' سے ''اسماء الحسنی'' کی تعریف پر مبنی شعر دیکھیے:

اُسے جس نام سے چاہے کرو یاد		کہ نام اس کا ہے سب ناموں کی بنیاد
وہ اچھا اور اس کا نام اچھا		خود اچھا، بات اچھی، کام اچھا ۴۸؎

غزلیات میں سے ذیل کی غزل، حصہ غزلیات کا سرآغاز بھی ہے اور ایک طویل عرصے تک نصابی کتب کا حصہ بنی رہی ہے۔ اس کی وجہ سے بھی یہ غزل بالخصوص اور اسمٰعیل کی شاعری بالعموم آج بھی مقبول ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

تعریف اس خدا کی جس نے جہاں بنایا		کیسی زمیں بنائی، کیا آسمان بنایا
پاٶں تلے بچھایا کیا خوب فرش خاکی		اور سر پہ لاجوردی اک سائباں بنایا
......آب رواں کے اندر مچھلی بنائی تو نے		مچھلی کے تیرنے کو آبِ رواں بنایا

ہر چیز سے ہے تیری کاریگری ٹپکتی
یہ کارخانہ تو نے کب رائیگاں بنایا ۴۹؎

رباعیات سے حمد کی مثال ملاحظہ ہو:

اے بار خدا کہ عالم آرا تو ہے		دانائے نہان و آشکارا تو ہے
ہر شخص کو ہے تیرے کرم کی امید		ہر قوم کا آسرا سہارا تو ہے ۵۰؎

اسمٰعیلؔ کے کلام میں بڑے پر سوز و دل گداز مضامین سے مملو مضامین مناجات میں نظر آتے ہیں۔ آغاز

طویل حمدیہ اشعار سے کرتے ہیں۔ اور یہ طریق کار بھی دعا کے آداب میں سے ہے، جو ہمیں ہمارے نبی اکرمؐ نے سکھایا ہے۔ ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط لکھتے ہیں:

''مناجاتوں میں اسماعیلؔ میرٹھی حمدیہ اشعار اکثر بڑی تعداد میں پیش کرتے چلے جاتے ہیں اور اپنا مدعا اللہ العالمین کی بارگاہ میں صرف چند لفظوں میں بیان کردیتے ہیں۔'' ۵۱؎

یہاں ہم ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط کی اس عالمانہ رائے سے بصد ادب و احترام، اختلاف کا اظہار کرتے ہیں۔ اوّل تو یہ کہ آدابِ دعا میں پہلا ادب ہی دعا سے حمد و ثنا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے۔(راوی حضرت فضالہ بن عبیدؓ ہیں)

ترجمہ: نبی اکرمؐ نے ایک آدمی کو دعا مانگتے ہوئے سنا، اس نے دعا میں نبیؐ پر درود نہیں پڑھا تھا۔ آپؐ نے فرمایا: اس آدمی نے جلدی کی۔ پھر آپؐ نے اسے بلایا اور اس سے یا اس کے علاوہ کسی اور آدمی سے کہا۔ جب تم میں سے کوئی نماز پڑھے تو اسے چاہیے کہ اپنی دعا کی ابتدا اللہ کی حمد و ثناء سے کرے۔ پھر نبی اکرمؐ پر درود بھیجے، پھر اس کے بعد وہ جو دعا چاہے مانگ لے۔''

(جامع الترمذی، الدعوات، باب فی ایجاب الدعاء بتقدیم الحمد............الخ

ح: ۳۴۷۷ و سنن ابی داؤد، الوتر، باب الدعا، ح: ۱۴۸۱)

اس حدیث سے پتا چلتا ہے کہ نبی کریمؐ نے حمد و ثنا اور درود کے بغیر دعا مانگنے والے کی دعا کو عجلت قرار دیا ہے۔ کیونکہ اس نے اللہ تعالیٰ سے قرب کا وسیلہ اختیار کرنے سے پہلے ہی سوال کر دیا۔ گویا دعا سے قبل حمد یہ اشعار اگر کثرت سے بھی ہیں تو بے محل نہیں ہیں۔ دوسرے یہ کہ مولانا اپنا اصل مدعا اللہ العالمین کی بارگاہ میں صرف چند لفظوں میں بیان نہیں کر دیتے بلکہ جس مناجات کا انھوں نے اپنی کتاب میں حوالہ دیا ہے صرف اسی مناجات میں سے ۸۰(اسّی) اشعار دعا پر مشتمل ہیں۔ اسمٰعیلؔ میرٹھی آغاز حمدِ الٰہی سے اس طور کرتے ہیں:

خداوند گارا، جہازِ جہاں — ہے تیری مشیت کی رو میں رواں
سمندر ہے قدرت کا تیری بڑا — اور اُس بحر میں یہ سفینہ پڑا
......تو ہی اُس سفینے کا ہے ناخدا — ہمارے تردّد سے ہوتا ہے کیا

جو ملاح تو ہے تو گھبرائیں کیوں نگہبان تُو ہے تو چلائیں کیوں ۵۲؎

اللہ تعالیٰ کی صفتِ ربوبیت اور روؤفیت جو انسان کی ننھی سی جان کو بچپن سے لے کر جوانی اور پھر بڑھاپے تک پالتی ہے، کی تعریف کرتے ہیں۔ ماں باپ اس کا عطا کردہ ایک بے مثال تحفہ ہیں۔ مگر انسان کیسا ناشکرا اور قدر ناشناس ہے کہ نعمات الٰہی کو ''ثمناً قلیلاً'' کے عوض بیچ ڈالتا ہے۔ کس قدر خوبصورت طریقے سے اسمٰعیل اس مفہوم کو شعر کا لباس پہناتے ہیں:

دیے بے بہا لعل ہم نے فضول
عوض میں لیا کیا؟ یہی خاک دھول
جواہر دیے، سنگ ریزے لیے
نکمّے کیے، کام جتنے کیے ۵۳؎

دعا کرتے ہوئے تضرع وعاجزی کے ساتھ ساتھ یقین کی دولت بھی ان کے ہمراہ چلتی ہے:

خدایا! نہیں کوئی جائے پناہ مگر تیرا در اور تری بارگاہ
خدایا! کوئی یار و یاور نہیں مگر تو کہ موجود ہے ہر کہیں
خدایا! نہیں ہے کوئی دستگیر مگر تو کہ ہے تو سمیع و بصیر
خدایا! نہیں ہے کوئی غم گسار مگر تو کہ ہے سب کا پروردگار ۵۴؎

ان کی دعاؤں کی فہرست میں غمِ عشق، الفت اللہ، حمایتِ خدا، فضلِ ربانی، بیداری و ہوشیاری، دولتِ یقین، نگاہِ کامل، خوئے تسلیم، توکل، صبر، حسنِ نیت واخلاص، پرشوق عزم، استقلالِ کامل، رضائے الٰہی، معرفتِ الٰہی، ذکر و یادِ خدا غرض کون سی دعا ہے جس کے وہ صدقِ دل سے طلبگار نہیں؟

اور آخر میں اپنی رضا کو خدا کی رضا میں مدغم کرتے ہوئے کہتے ہیں:

خدایا مری خواہشوں پر نہ جا جو تیری رضا ہے وہی ہے بجا
تقاضا مرا سخت معیوب ہے جو مرضی ہے تیری وہی خوب ہے ۵۵؎

۹۔ اکبر الٰہ آبادی (۱۸۴۵ء......۱۹۲۱ء) اکبرؔ الٰہ آبادی جن کا اصل نام سید اکبر حسین اکبر تھا۔ الٰہ آباد کے ایک قصبے 'بارہ' میں پیدا ہوئے۔ باپ کا نام سید تفضّل حسین تھا۔ جنھیں علومِ مشرقیہ پر کافی دسترس تھی اور اکبرؔ کی ابتدائی تعلیم انھی کی زیرنگرانی گھر پر ہوئی اور اکبرؔ نے جو کچھ انگریزی سیکھی وہ بذات خود سیکھی۔ عملی زندگی کا آغاز بحیثیت کلرک کیا مگر ذاتی محنت اور مسلسل تحصیل علم سے ڈسٹرکٹ اینڈ سیشن جج کے عہدے پر فائز

ہوئے۔۱۸۹۸ء میں ادبی خدمات کے صلے میں خان بہادر کا خطاب ملا۔ اکبر کو اپنی زندگی کے آخری دس سالوں میں پے درپے صدمات کا سامنا کرنا پڑا۔ بیوی کا انتقال، چھوٹے بیٹے کی وفات ، طویل علالت دیکھ کر بالآخر ۱۹۲۱ء میں الہ آباد میں فوت ہوئے اور وہیں مدفون ہوئے۔

طبیعت اس تصور سے بہت مایوس ہوتی ہے
کہ بے یادِ خدا بھی زندگی محسوس ہوتی ہے؟ ۵۶؎

کہنے والے اکبؔر الہ آبادی کو مذہب سے گہرا اور شدید فطری لگاؤ تھا۔ ان کے کلام میں معیار اور مقدار دونوں حوالوں سے اللہ کا ذکر، اس کی یاد، اس کی زندگی میں اہمیت اور دیگر موضوعات اس کثرت سے ہیں کہ میں کس کو ترک کروں کس کا انتخاب کروں کی صورت پیدا ہو جاتی ہے۔

مذہب سے فطری لگاؤ کے علاوہ اکبؔر کا تصوف کی طرف بھی شروع ہی سے رجحان رہا۔ اکبؔر کی رائے میں اسلام سراسر تصوف ہے۔ اکبؔر مغربی تہذیب کو بھی ایک صوفی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں اس لیے انھیں اس کی کوتاہیوں کا شدت سے احساس ہے۔ پھر تصوف اور اعتقادیات کا اخلاقیات سے بھی براہ راست تعلق ہے اور جب اکبؔر نے دیکھا کہ خدا سے دوری، انگریزی تعلیم، مذہب سے بیگانگی، فلسفہ اور سائنس کی ترقی اور حصول مقام و دولت کی ہوس، مسلمانوں کو ان کے ارفع مقام سے گرا رہی ہے تو انھوں نے اپنی شاعری کو ذریعہ اصلاح بنایا۔ اس لیے بھی ان کی شاعری میں اصلاح و دینی موضوعات سنجیدہ اور مزاحیہ دونوں رنگ میں نظر آتے ہیں۔ ذیل میں ہم اکبؔر کی شاعری سے حمدیہ و دعایہ رنگ کے حامل اشعار پیش کرتے ہیں:

کہو کرے گا حفاظت مری خدا میرا
رہوں جو حق پہ مخالف کریں گے کیا میرا
خدا کے در سے اگر میں نہیں ہوں بیگانہ
تو ذرہ ذرہ عالم ہے آشنا میرا
غرور انھیں ہے تو مجھ کو بھی ناز ہے اکبؔر
سوا خدا کے سب ان کا ہے اور خدا میرا ۵۷؎

تیرے الفاظ نے کر رکھے ہیں پیدا دفتر

ورنہ کچھ بھی نہیں اللہ کی قدرت کے سوا ۵۸؎

نہ خلق اس کی خبر لیتی نہ عقل اس کی مدد کرتی
خدا جب تک کسی کا حافظ و ناصر نہیں ہوتا ۵۹؎

حواس و ہوش گم ہیں بحرِ عرفان الٰہی میں
یہی دریا ہے جس میں موج کو ساحل نہیں ملتا ۶۰؎

تعلیمِ مذہبی کا خلاصہ یہی تو ہے
سب مل گیا اسے جسے اللہ مل گیا ۶۱؎

نظامِ عالم بتا رہا ہے کہ ہے اک اس کا بنانے والا
ظہورِ آدم دکھا رہا ہے کہ دل میں ہے کوئی آنے والا
نسیمِ مستانہ چل رہی ہے چمن میں پھررت بدل رہی ہے
صدا یہ دل سے نکل رہی ہے وہی ہے یہ گل کھلانے والا ۶۲؎

نہ بھول اِنَّ مَعَ الْعُسرِ یُسراً اے اکبرؔ
خدا سکون بھی دے گا اس اضطرار کے بعد ۶۳؎

سچ ہے کسی کی شان یہ اے نازنیں نہیں
تو ہر جگہ ہے جلوہ گر اور پھر کہیں نہیں ۶۴؎

مری ہستی ہے خود شاہد وجودِ ذات باری کی
دلیل ایسی ہے یہ جو عمر بھر رد ہو نہیں سکتی ۶۵؎

لب آشنائے دعا ہوں نہ ماسوا کے لیے
پکاریے جو خدا کو تو بس خدا کے لیے ۶۶؎

تمہاری بخشوں سے میرے شبہے خدا کی ہستی میں کم نہ ہوتے
مگر یہ بات آ گئی سمجھ میں خدا نہ ہوتا تو ہم نے ہوتے ۶۷؎

مندرجہ بالا اشعار میں سے ہر ایک شعر سے خدا کی قدرت، عطا، طاقت وقوت، اقتدار، غرض تمام صفات الٰہی پر اکبرؔ کے غیر متزلزل ایمان کا پتا چلتا ہے۔ اکبرؔ کا اندازِ دعا اور مضامینِ دعا بھی خوب منفرد ہیں:

پراگندہ بہت ہے دل مرا دنیا کے دھندوں سے
چھڑا دے مجھ کو یارب نوکری کے سخت پھندوں سے
غلامانہ طریقوں پر مجھے مجبور کرتے ہیں
خدایا بے نیازی دے مجھے ان خود پسندوں سے
یہ خواہش ہے کہ ذکرِ حق سے دل تازہ رہے ہر دم
خداوندا ملا دے مجھ کو اپنے نیک بندوں سے ۶۸؎

رباعیات وقطعات میں بھی اکبر نے تحمید الٰہی کی ہے۔ ملاحظہ ہو:

کہنے کو تو شاہ سب ہیں مہراج ہیں سب — مالک دولت کے، مالک تاج ہیں سب
لیکن کھولو جو چشمِ تحقیق اکبرؔ — بے بس ہیں سب، خدا کے محتاج ہیں سب ۶۹؎

تری معین فقط ہے خدا کی ذات اے دوست — خدا گواہ کہ پکی یہی ہے بات اے دوست
طلب مدد کی نہیں ان سے جو ہیں خود محتاج — طلب مدد کی ہے بالصبر و الصلوٰۃ اے دوست
۷۰؎

۱۰۔ شادؔ عظیم آبادی (۱۸۴۶ء......۱۹۲۷ء) سید علی محمد متخلص بہ شادؔ کے والد سید عباس مرزا الٰہ آباد کے رہنے والے تھے لیکن چودہ پندرہ برس کی عمر میں عظیم آباد چلے گئے۔ شادؔ کی تعلیم وتربیت کے لیے بڑی محنت صرف کی گئی۔ شادؔ نے عربی، فارسی اردو ادب، اسلامی علوم اور دنیا کے دیگر بڑے مذاہب کا بھی مطالعہ کیا۔ ان کی پوری عمر اردو ادب کی خدمت میں گزری۔

شادؔ کی غزلوں کا دیوان ان کے عزیز شاگرد حیدرؔ عظیم آبادی نے ''نغمۂ الہام'' کے نام سے ۱۹۳۸ء میں شائع کیا۔ شادؔ کے کلام میں اخلاق ، فلسفہ اور توحید کا عنصر غالب ہے۔ان کی شاعری اعتدال وتوازن کی شاعری ہے۔ ڈاکٹر سید محمد یحییٰ نشیط لکھتے ہیں:

ان کے حمدیہ اشعار ایک طرف حسنِ عقیدت اور ایمان ویقین کے وہ گلہائے معطر ہیں جن کی خوشبوئے کیف زا سے گلشنِ معرفتِ الٰہیہ مہک اٹھتا ہے تو دوسری طرف حسنِ بلاغت، دلاویز انداز بیان، چستی بندش، صفائی زبان، جدتِ تخیل اور متانت وسنجیدگی سے ان کی شاعر مملو نظر آتی ہے۔خمارِ وحدت کی سرشاری اس حمد میں نمایاں ہے۔

میکدے میں تو ہے یکتا ساقیا
انما اللہ الٰہا واحدا
کم عطاش دیدہ شان برکفت
انت ساقیھم و خیر ساقیا '' ۱؎

کلام شاد (حصہ اوّل) کا آغاز حمدیہ غزل سے ہوتا ہے:

کوئی پہنچا نہ تا مقصود سبحان الذی اسرا
کھلا آئینہ دار لوکشف پر سرِ ما اوحا ۲؎

مذکورہ بالا شعر کے پہلے مصرع میں شاد نے واقعہ معراج سے متعلقہ قرآنی آیت کا مختصر حوالہ دیا ہے۔ آیت مبارکہ یہ ہے۔

سُبۡحٰنَ الَّذِیۡۤ اَسۡرٰی بِعَبۡدِہٖ لَیۡلًا مِّنَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اِلَی الۡمَسۡجِدِ الۡاَقۡصَا الَّذِیۡ بٰرَکۡنَا حَوۡلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنۡ اٰیٰتِنَا ؕ (۱۷/۱)

ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جو اپنے بندے کو راتوں رات مجد حرام سے مسجد اقصیٰ تک، جس کے گرداگرد کو ہم نے برکت دی ہے، لے گیا تاکہ ہم اسے بعض نشانیاں دکھلائیں۔

غزلیات کی طرح رباعیات میں بھی شادؔ کی حمدیہ شاعری ، ان کے حسنِ عقیدت اور ایمان ومحبت کی غمازؔ ہے۔ کہتے ہیں:

اللہ پر بالطبع بشر مائل ہے

ہر حال میں مطمئن اسی پر دل ہے
مشکل ہے کہ ثابت ہو دلیلوں سے خدا
انکار تو اس سے بھی سوا مشکل ہے ۷۳؎

زاہدوں پر نکتہ چینی کرتے ہوئے، حمدِ الٰہی بے حساب کرنے پر اصرار کرتے ہیں:

کیا مفت کا زاہدوں نے الزام لیا
تسبیح کے دانوں سے عبث کام لیا
یہ نام تو وہ ہے جسے بے گنتی لیں
کیا لطف جو گن گن کے ترا نام لیا ۷۴؎

ایک اور رباعی میں اس سے ملتے جلتے موضوع پر یوں اظہارِ خیال کرتے ہیں:

معبود سے جس وقت تلک دوری ہے
جو فعل ہے معنوی نہیں صوری ہے
لالچ سے بہشت کی عبادت کرتا
اے شادؔ عبادت نہیں، مزدوری ہے ۷۵؎

خدائے واحد وصمد کی تحمید وشکر ادا کرنا بندے کے لیے ناممکن کی حد تک مشکل ہے:

حمدِ حق و وصفِ کبریا مشکل ہے
قادر ہو طبیعت رسا مشکل ہے
تعریف کا درجہ تو بڑا ہے درجہ
بندے سے ہو شکر اس کا ادا مشکل ہے ۷۶؎

۱۱۔ امداد امام اثر (۱۸۴۹ء......۱۹۳۴ء) شمس العلماء خان بہادر سید امام اثر، سالار پور پٹنہ (بہار) میں پیدا ہوئے ان کے آباؤ اجداد پہلے مغلوں کے دربار اور پھر سلطنت انگلیشیہ سے منسلک رہے۔ انھوں نے لائق اور فاضل اساتذہ سے مختلف علوم وفنون کی تعلیم حاصل کی۔ ۱۹۳۴ء میں انتقال ہوا۔

امداد امام اثر کی طبیعت میں ایک تنوع تھا۔ یہ بات ان کی مختلف الموضوع تصانیف مثلاً ''کتاب الاثمار''، ''کیمیائے زراعت''، ''ہدیۂ قیصریہ''، ''معیار الحق'' اور ''کاشف الحقائق'' سے ثابت ہوتی ہے۔ ان کا شعری مجموعہ ''دیوان اثر'' دوبار ان کی زندگی ہی میں شائع ہوا۔

امداد امام اثرؔ کی طبیعت کی طرح ان کے دیوان میں بھی شعری موضوعات متنوع ہیں۔ دیوان کا آغاز جس حمد سے ہوتا ہے، اس میں نعت ومنقبت کے اشعار بھی ہیں۔حمدیہ اشعار میں سے انتخاب ملاحظہ ہو:

مزین مدّبسم اللہ سے مطلع ہے دیواں کا
الٰہی ہو اثر میرے بیاں میں حسنِ قرآں کا
نمود شکلِ ہستی کن فکاں کی کارسازی سے
ظہورِ ہر دو عالم ہے اشارہ تیرے فرماں کا

وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کو سراہتے ہوئے، تلمیحات اسلامی سے مدد لیتے ہیں:

توانا کرنے والا ناتواں کو دستِ خالق ہے
جو آنکھیں ہوں کرے کوئی تماشا پیرِ کنعاںؑ کا
تغافل اس کا رستم کو بنا دے زال سے بدتر
توجہ اس کی بخشے مور کو رتبہ سلیماںؑ کا ۷۷؎

ان کے دیوانِ شعری سے حمد وشکر کے مضامین پر مبنی اشعار ملاحظہ ہوں:

خدا کی خدائی ہمیشہ رہے گی
جو ہوتا رہا ہے، وہ ہوتا رہے گا ۷۸؎

آتی ہے میکدے پہ گھٹا جھوم جھوم کر
زاہد نشانِ رحمت غفارؔ دیکھنا
محشر میں بل پہ رحمت داور کی زاہدو
کیا اینڈتے پھریں گے گنہگار دیکھنا ۷۹؎

وہ نعمتیں ہیں تیری خدایا کہ وجد ہوتا ہے جس سے دل کو
رہے گی فرطِ طرب سے رقصاں دہن میں جب تک زباں رہے گی ۸۰؎

’دعا‘ کے موضوع پر کئی مقامات پر اظہار خیال کرتے ہیں۔ ان کے فلسفۂ دعا میں بھی انفرادیت ہے:

دنیا طلب کا شیوہ ہاتھوں کا ہے اٹھانا

دل میں خدا کو رکھ کر کیا ہو دعا کی خواہش
ہم نے اثرؔ سنا ہے اہل رضا کو کہتے
اپنی وہی ہے خواہش جو ہے خدا کی خواہش ۸۱؎

'دعا' کے آداب اس طرح بتاتے ہیں:

بندہ صفت ہو وقتِ دعا سر سے پاؤں تک
ہو جا نیاز پیشِ خدا سر سے پاؤں تک ۸۲؎

اس نیاز مندی کے باوجود، قبولیت دعا بھی اس کی رضا پر منحصر ہے۔ بقول اثرؔ:

شاعر کے اختیار میں لطفِ سخن نہیں
حسن قبول ہاتھ ہے پروردگار کے ۸۳؎

۱۲۔ **نظم** طباطبائی (۱۸۵۲ء...... ۱۹۳۳ء) علی حیدر نظم طباطبائی ۱۸۵۲ء میں لکھنؤ میں پیدا ہوئے۔ عربی اور فارسی پر عبور تھا۔ مٹیا برج کلکتے میں اودھ کے جلا وطن شہزادوں کے اتالیق رہے پھر حیدر آباد (دکن) میں بس گئے۔ پہلے عربی اور فارسی کے استاد رہے پھر دارالترجمہ سے وابستہ ہوئے۔ ۱۹۳۳ء میں وفات پائی۔ قدیم رنگ میں غزلیں کہتے تھے مگر گرے کی ''ایلیجی'' کا بہت کامیاب ترجمہ کیا ہے۔ چند اور نظمیں بھی متفرق موضوعات پر لکھی ہیں۔ دیوانِ غالبؔ کے مشہور شارح بھی ہیں۔ دیوان نظم طباطبائی کا آغاز حمد سے ہوتا ہے۔ آپ آیات الٰہی کو حمدِ الٰہی میں منظوم کرتے ہیں مثلاً الست بربکم قالوا بلٰی (القرآن) اور نحن اقرب الیه من حبل الورید (القرآن) کے مفاہیم ذیل کے اشعار میں ملاحظہ ہوں:

ترے جلوے کے آگے اپنی ہستی کو فنا پایا
یہ پیغامِ اجل ہم نے دمِ قالوا بلیٰ پایا
کیا پائے طلب کو قطع تو دستِ دعا پایا
خدائی بھر سے ہم نے ہاتھ کھینچا تو خدا پایا
رگِ گردن سے اقرب آسماں کے ماورا پایا
نہ پہچانا کبھی ہم نے اوسے اور بارہا پایا
جسے ہودید کی حسرت سنبھلنا اس کا مشکل ہے
کلیم اللہ نے بھی مثلِ نرگس کے عصا پایا ۸۴؎

آخری شعر میں شاعر نے صنعتِ حسن التعلیل سے کام لیتے ہوئے، عصائے موسوی کی جو توضیح کی ہے، وہ قابلِ داد ہے۔

غزلیات میں جا بجا حمدیہ موضوعات میں متصوفانہ رنگ غالب نظر آتا ہے۔ ذیل کی مثالیں ملاحظہ ہوں:

سوا جلوہ کے تیرے اور میرے دل میں کیا ہوتا
سمجھتا اس کو بت خانہ جو نقشِ ماسوا ہوتا
تجھے یکتا سمجھ کر نازِ یکتائی اٹھاتا ہوں
وگرنہ میں بتا دیتا جو کوئی دوسرا ہوتا ۸۵؎

واعظ و عارف تو خدا کا دیدار کیا کرتے، ان کے نزدیک موسیٰؑ نے بھی کماحقہٗ خدا کو نہیں دیکھا۔ یہاں تلمیح کی دلکشی ملاحظہ ہو:

واعظ نے درِ کعبۂ عرفاں نہیں دیکھا
عارف نے صنم خانۂ امکاں نہیں دیکھا
جی بھر کے ابھی جلوۂ جاناں نہیں دیکھا
تم نے اسے اے موسیٔ عمراں نہیں دیکھا ۸۶؎

۱۳۔ ریاض خیر آبادی (۱۸۵۳ء......۱۹۳۴ء) سید ریاض احمد خیر آبادی متخلص بہ ریاضؔ، خیر آباد ضلع سیتا پور میں پیدا ہوئے۔ ان کے والد سید طفیل احمد اپنے عہد کے بڑے عالم تھے۔ ابتدائی تعلیم والد سے حاصل کی۔ بعد ازاں گورکھ پور چلے گئے۔ ریاضؔ، اسیرؔ اور امیرؔ مینائی کے شاگرد رہے۔ انھوں نے بہت سے اخبارات نکالے۔ ان کا مجموعۂ کلام ان کی وفات (۱۹۳۴ء) کے بعد ''ریاضِ رضواں'' کے نام سے شائع ہوا۔

ریاضؔ خمریات کے بادشاہ ہیں۔ زندگی بھر جام و مینا کی تصویریں الفاظ کے ذریعے بناتے رہے۔ مگر کبھی شراب کا ایک قطرہ تک نہ پیا، بلکہ انتہائی متشرع زندگی گزاری۔ اور مے پی کے بھی ذِکرِ خدا کرتے رہے:

پی کے مے ذکرِ خدا، شکرِ خدا، یادِ خدا
ہے ہمارے واسطے شغلِ مئے و مینا ثواب ۸۷؎

جس طرح وہ نشۂ مے میں خدا کو یاد کرتے ہیں، اسی طرح عالمِ ہوش میں بھی اس کے جلوے تلاشتے ہیں:

تھوڑی سی بصارت ہو، تھوڑی سی بصیرت ہو
ہر شے میں ریاضؔ اس کا جلوا نظر آتا ہے ۸۸؎

وہ اللہ تعالیٰ کی ناراضی سے بھی ڈرتے ہیں اور کثرتِ گناہ سے شرم سار بھی ہیں:

کافر حسیں بلا سے خفا ہیں ہوا کریں
ہم سے خفا ریاضؔ ہمارا خدا نہ ہو ۸۹؎

شرمِ گنہ سے حشر میں جایا نہ جائے گا
ہم سے تو منہ خدا کو دکھایا نہ جائے گا ۹۰؎

''آتشِ گل'' کی ابتدا ذیل کے حمدیہ اشعار سے کرتے ہیں:

مالک مرے! کار ساز ہے تو — مالک مرے! بے نیاز ہے تو
ہے شرک سے پاک ذات تیری — سب سے بالا ہے بات تیری
چودہ طبق ارض و سما کے — ذرے میں سما جائیں حکم پا کے ۹۱؎

ریاضؔ، رحمتِ الٰہی سے کبھی مایوس نہیں ہوتے بلکہ یوں دعا کرتے ہیں:

جو ناممکن ہے، آساں ہے تری شانِ کریمی سے
خدایا کیا ترے فضل و کرم سے ہو نہیں سکتا
ریاضؔ اک بندۂ عاصی ہوں پھر بھی میں یہ کہتا ہوں
رہوں محروم میں اس کے کرم سے ہو نہیں سکتا ۹۲؎

ایک اور مقام پر یوں عشق و بے خودی کے طلب گار ہیں:

درماں کی طرح تڑپ مزا دے
یارب مجھے دردِ لادوا دے
سب میکدے ہیں اس سے خالی
دل کو مرے بیخودی خدا دے ۹۳؎

۱۴۔ منشی احمد علی شوق قدوائی (۱۸۵۳ء......۱۹۲۸ء) احمد علی شوقؔ قدوائی، شاعری میں اسیرؔ لکھنوی کے شاگرد تھے۔ آپ قصبہ جگور میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم 'بدایوں' اور بعد ازاں 'رام پور' میں حاصل کی۔ چار تصانیف آپ کی یادگار ہیں۔''ترانۂ شوق'' ۱۸۸۷ء میں منظرِ عام پر آئی۔''قاسم و زہرہ'' ۱۹۱۵ء،''عالمِ خیال'' اور''گنجینہ'' کا سنہ اشاعت نامعلوم ہے۔

مثنوی 'ترانۂ شوق' کی ابتدا روایت کے مطابق حمد، نعت اور مناجات سے ہوتی ہے۔ ان کا حمدیہ کلام

دیاشنکرنسیم کی طرح صنائع بدائع کے تکلفات سے مزین ہے۔ اور اُسی بحر میں بھی لکھی گئی ہے۔

اللہ کی حمد ہے زبان پر ہے آج دماغ آسمان پر
وصف اس کی لکھیں جو لکھنے والے کونین کے دو ورق ہوں کالے
دی منھ کو زباں، زباں کو تقریر پتلی کو نظر، نظر کو تسخیر
گردوں کو قمر، قمر کو ہالہ پہلو کو جگر، جگر کو نالہ
کھانے کو دہن ، دہن کو کھانا دانے کو شجر، شجر کو دانہ
پانی کو بھنور، بھنور کو چکر دریا کو صدف، صدف کو گوہر
شب کو کیا روز، روز کو شب لب کو دیے حرف، حرف کو لب
خامہ یہ تھکا کہ رک گیا ہے سرلوح پہ رکھ کے جھک گیا ہے ۹۴؎

'مناجات بدگاہ قاضی الحاجات' بھی ان کے لکھنوی اسلوب کی آئینہ دار ہے اور بڑے منفرد انداز میں پہلے اپنے طرزِ خط کی دلکشی کی دعا کرتے ہیں۔ پھر مضامینِ عالیہ کی رفعت و بلندی کے لیے تشبیہاتی و استعاراتی انداز میں دعا کرتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

رکھ لے بات اے خدا سخن کی دے خامہ کو نوک بانکپن کی
خط میں ہو سوادِ شامِ کاکل سطروں سے بچھا ہو دام کاکل
ہوں دائرے گیسوؤں کے گھونگھر یا دیدۂ نیم بازِ دلبر
بالا رہے شان الف کی قد سے محرابِ حرم خجل ہو مد سے
ہر صفحہ کتاب کا فلک ہو نقطوں میں ستاروں کی چمک ہو

مضامینِ شعر کی دعا کرتے ہوئے ہر ہر شعر میں تشبیہ لاتے ہیں:

مضمونِ لطیف ہو سخن میں معشوق نفیس پیرھن میں
معنی یوں لفظ میں ہوں مستور جیسے پتلی میں آنکھ کا نور

شہرت و ناموری کی دعا میں بھی تشبیہاتی انداز ہے۔

شہرت مری یوں ہو اہلِ فن میں یا قوت کی کان ہے دہن میں
ہو میرے سخن کو پڑھ کے یہ حال پڑھنے والے کے ہونٹ ہوں لال
......دیکھے جو بیان کی روانی سوکھے بحرِ رواں کا پانی
گہرا ہو یہ رنگ شاعری کا رنگِ لبِ سرخ ٹھہرے پھیکا

اس نسخے کو کیمیا پہ ہو فوق سرمہ ہو یہ بہر دیدۂ شوقؔ ۹۵؎

شوقؔ قدوائی کی یگانۂ روز گار تصنیف 'گنجینۂ' ہے۔ جو ان کے شاگرد عیش رام پوری نے مرتب کی۔ اس مثنوی کی خاص صفت یہ ہے کہ اس میں سینس اینڈ ریلیجن (Sense and Religion) یعنی علم طبیعات اور مذہب میں ذاتِ الٰہی کا اثبات ، عقلی دلائل و براہین کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اس طویل مثنوی میں وہ پہلے تو عقل کی مدح بھر پور انداز میں کرتے ہیں۔ کہتے ہیں:

جو مذہب کی رگوں میں سینس خونِ علم دوڑائے
تو وہ قوت سے اوہامِ جہالت پر ظفر پائے
نظر گردوربیں ہو اور عمق تک وہ پہنچ جائے
تو خود اسلام بن کر سینس اس کے سامنے آئے ۹۶؎

ان کی مذکورہ مثنوی کے حمد یہ اشعار میں جا بجا قرآنی آیات کے حوالے نظر آتے ہیں۔ یہاں پر چند اشعار اور ان سے متعلقہ آیات بطور مثال درج کی جاتی ہیں۔ ان سے شوقؔ قدوائی کی قرآن فہمی اور شعورِ دینی کا اظہار ہوتا ہے۔

خدا کہتا ہے دیکھو جانبِ آیات ربانی ہوا میں اپنی قدرت سے سما و ارض کا بانی
وہ کہتا ہے کہ دانشور خدا کا ذکر کرتے ہیں سماو ارض کی پیدائشوں پر فکر کرتے ہیں ۹۷؎

اور یہ آیات دیکھیے:

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ★الَّذِیۡنَ یَذۡکُرُوۡنَ اللّٰهَ قِیٰمًا وَّ قُعُوۡدًا وَّ عَلٰی جُنُوۡبِهِمۡ وَ یَتَفَکَّرُوۡنَ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ رَبَّنَا مَا خَلَقۡتَ هٰذَا بَاطِلًا سُبۡحٰنَکَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ★ (۳/۱۹۰۔۱۹۱)

ترجمہ: یقینا آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش اور شب و روز کے اختلاف میں ان لوگوں کے واسطے نشانیاں ہیں جو کھڑے، بیٹھے اور کروٹوں پر خدا کا ذکر کرتے ہیں اور آسمانوں اور زمینوں کی پیدائش پر فکر کرتے ہیں اے پروردگار تو نے ان کو بیکار پیدا نہیں کیا۔ پس محفوظ رکھ ہم کو عذاب دوزخ سے۔

مزید کہتے ہیں:

خدا برسائے پانی اور رہو تم بے خبر اس سے — اسی پانی سے جیتے ہو نہیں واقف مگر اس سے
اسی سے پیڑ پیدا ہو کے کیا کیا رنگ لاتے ہیں — ہری ہوتی ہیں شاخیں پھول آتے ہیں پھل آتے ہیں
مواشی پھرتے ہیں طاقت انھیں اشجار سے پاکر — وہ جیتے ہیں غذائیں اپنی برگ و بار سے پاکر ۹۸؎

اور یہ آیت ملاحظہ ہو:

هُوَ الَّذِیْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّ مِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ٥ (۱۶/ ۱۰)

ترجمہ: وہ وہی تو ہے جس نے تمہارے لیے آسمان سے پانی اتارا۔ اُسے تم پیتے ہو اور اس سے وہ درخت بھی پرورش پاتے ہیں جن میں تم (مویشیوں کو) چراتے ہو۔

کہیں رفعت پہاڑوں کی دکھاتا ہے خدا تم کو
کہیں کرتا ہے بحر اور کشتیوں سے آشنا تم کو ۹۹؎

اس شعر میں تین آیات کی طرف اشارہ ہے۔

1-اَللّٰهُ الَّذِیْ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوْنَهَا (۳۱/ ۲)

''اس نے آسمانوں کو بغیر ستوں کے پیدا کیا جنھیں تم دیکھتے ہو''

2-وَ هُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْكُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِيًّا (۱۶/ ۱۴)

ترجمہ: ''اسی نے تمہارے لیے سمندر کو تسخیر کیا کہ اس میں سے تازہ گوشت کھاؤ۔

3-اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِیْ فِی الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِه (۳۱/ ۳۱)

ترجمہ: کیا تم نے نہیں دیکھا کہ سمندر میں کشتیاں خدا کے فضل سے چلتی ہیں کہ وہ تمہیں کچھ اپنی قدرتیں دکھائے۔

کہیں کہتا ہے دیکھو چرغ کی زینت یہ تارے ہیں
کہیں کہتا ہے تاروں کو کہ یہ رہبر تمہارے ہیں ۱۰۰؎

اس شعر میں بھی دو آیات سے مفہوم اخذ کیا گیا ہے:

1-وَ زَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيْحَ (۴۱/ ۱۲)

ہم نے نیچے والے آسمان کو قندیلوں سے روشن کیا۔

2-وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِیْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ (۶/ ۹۷)

اس نے تمہارے لیے ستارے بنائے تا کہ زمین اور دریا کی تاریکیوں میں ان سے راہ پاؤ۔

شوقؔ قدوائی بلا مبالغہ درجنوں مثالیں دینے کے بعد فرماتے ہیں۔اور خلاصۂ کلام یوں پیش کرتے ہیں:

کتاب صنعت خالق ہے ہرموجود شے بے شک
سبق لے کر یہ سمجھو تم کہ صانع کوئی ہے بے شک

جو صانع کو سمجھ لو دل سے تو وہ خالقِ یکتا
سوا اللہ کے واللہ کوئی ہو نہیں ہو سکتا ۱۰۱؎

۱۵۔ مولانا احمد رضا خان بریلوی(۱۸۵۶ء......۱۹۲۱ء) مولانا احمد رضاؔ خان بریلوی، شعرائے بریلی میں نمائندہ دینی، علمی اور ادبی شخصیت کے حامل تھے۔ آپ کی نعتیہ شاعری اور سلام کثرت سے جلسوں میں پڑھے جاتے ہیں اور بہت مقبول و معروف ہیں۔آپ کی زبان و بیان میں برجستگی اور روانی کے ساتھ ساتھ عشق وعقیدت اور دردمندی بھی ہے۔ آپ کا مجموعۂ کلام''حدائق بخشش'' کے نام سے ۱۳۲۵ھ میں منظرِ عام پر آیا۔ بنیادی طور پر یہ نعتیہ مجموعہ ہے۔مگر حمد و مناجات بھی نعت کے ساتھ ساتھ جلوہ گر ہے۔ اگرچہ''حدائق بخشش'' کا آغاز کسی حمد کے ساتھ نہیں ہوتا، مگر خود رسول اکرمؐ کا وجود اقدس، حمدِ الٰہی کا جواز ہے۔ اسی لئے وہ کہتے ہیں:

وہی رب ہے جس نے تجھ کو ہمہ تن کرم بنایا
ہمیں بھیک مانگنے کو ترا آستاں بتایا
تجھے حمد ہے خدایا ۱۰۲؎

اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل اور یقین کا سرمایہ، ان کی نعتوں کی دلکشی میں اضافے کا سبب ہے:

نہ ہو مایوس آتی ہے صدا گور غریباں سے
نبی اُمّت کا حامی ہے، خدا بندوں کا والی ہے

زمیں تپتی، کٹیلی راہ، بھاری بوجھ، گھائل پاؤں
مصیبت جھیلنے والے ترا اللہ والی ہے ۱۰۳؎

کیوں رضا کڑھتے ہو، ہنستے اٹھو

جب وہ غفار ہے، کیا ہونا ہے ۱۰۴؎

''مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات'' کے عنوان سے جو مناجات ان کے قلم کا شکار ہے،وہ بے پناہ شہرت ومقبولیت کی حامل ہے۔ اس مناجات میں مولانا نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں نبی اکرم ﷺ کے وسیلے سے دنیا وآخرت کی مشکلات دور کرنے کے لیے دعائیں کی ہیں۔ کہتے ہیں:

یا الٰہی ہر جگہ تیری عطا کا ساتھ ہو
جب پڑے مشکل، شہِ مشکل کشا کا ساتھ ہو
یا الٰہی گورِ تیرہ کی جب آئے سخت رات
ان کے پیارے مُنھ کی صبحِ جاں فزا کا ساتھ ہو
یا الٰہی جب زبانیں باہر آئیں پیاس سے
صاحبِ کوثر شہ جود و عطا کا ساتھ ہو
یا الٰہی رنگ لائیں جب مرے بے باکیاں
ان کی نیچی نیچی نظروں کی حیا کا ساتھ ہو ۱۰۵؎

۱۶۔ **حکیم** جعفر علی بیمار (۱۸۵۷ء......۱۹۲۵ء) حاجی حکیم جعفر علی بیمآر ،ناظم صرفخاص ریاست کپورتھلہ مارچ ۱۸۵۷ء کو کپورتھلہ میں پیدا ہوئے۔ گورنمنٹ کالج۔ لاہور سے بی۔ اے کیا۔طبی تعلیم بھی حاصل کی۔ رندھیر ہائی سکول کپورتھلہ کے ہیڈ ماسٹر اور مہاراجہ کپورتھلہ کے اتالیق مقرر ہوئے اور بعد ازاں مہاراجہ کے ناظم محلات ہو گئے۔حکیم صاحب کو انگریزی، اردو،فارسی،عربی اور فرانسیسی زبان پر پورا عبور حاصل تھا۔آپ نے فرانسیسی زبان کے مشہور ناول ''ملیتا'' کا اردو میں ترجمہ کیا۔شاعری میں آپ مولانا محمد حسنین آزآد کے تلامذہ میں سے تھے اور ان ہی کے رنگ میں شعر کہتے تھے۔ایک شعر میں آزاد کی شاگردی پر فخر کرتے ہیں:

اک زمانہ تھا کہ پابندِ تعلق میں بھی تھا
اب تو میں آزاد ہوں شاگرد ہوں آزآد کا

حکیم صاحب نے اپنے احباب کے اصرار پر مثنوی ''زرجعفری'' لکھی جو اپنی خوبیوں کے باعث بے حد مقبول ہوئی۔ قاری محمد حسین، مثنوی اور صاحبِ مثنوی کے تعارف میں لکھتے ہیں:

''مثنوی ''زرجعفری'' میں سلاست، روانی اور سادگی بیان سے گلزار کھلا دیا۔تصنع اور آورد کا نام نہیں۔ آمد ہی آمد ہے۔ ان کے تمام کلام میں جذبات، حقیقت اور تخیل کا نہایت مناسب

امتزاج ملتا ہے۔ ثقیل الفاظ سے احتراز کرتے ہوئے نہایت لطافت کے ساتھ حالات و واقعات کی تصویر کھینچ دیتے ہیں''۔۱۰۶؎

کل بہتر صفحات پر مشتمل اس مثنوی کے آغاز میں حمد و نعت روایتاً ہے۔ حمدیہ اشعار، اللہ تعالیٰ کی بے نظیر صنّاعانہ شان کی مدح میں ہیں۔ عناصرِ کائنات، جمادات و نباتات، فلکیات، سب اس کی تخلیق کے مظاہر ہیں۔ بیمارؔ لکھتے ہیں:

لکھوں سب سے پہلے میں حمد خدا
ہوالابتدا و ہوالانتہا
خداوندِ نام و خداوند جاے
خداوندِ روزی دہ و رہنماے

مزید کہتے ہیں:

کیا اس نے ہم پر یہ احساں بڑا
کہ خورشید پیدا فلک پر کیا
اگر یہ نہ ہوتا نہ چلتی ہوا
نہ پانی برستا نہ آتی گھٹا
نہ سبزہ ہی جنگل میں آتا نظر
نہ گلشن میں پھل پھول لاتا شجر ۱۰۷؎

جعفر علی بیمارؔ کے مندرجہ بالا اشعار میں، اس آیت قرآنی کے مضامین صاف نظر آتے ہیں:

''اللہ وہ ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا اور پھر اس سے ہر قسم کی روئیدگی اگائی اور پھر اس میں سے ہم نے سبزہ نکالا جس سے ہم گتھے ہوئے دانے نکالتے ہیں اور کھجور کا گابھے میں کچھ لٹکتے ہیں اور انگور کے باغ اور زیتون اور انار نکالتے ہیں ہم شکل اور جدا جُدا۔ اس کے پھل کی طرف دیکھو جب وہ نکلتا ہے اور اس کا پکنا دیکھو۔ اس میں مومنین کے لیے نشانیاں ہیں۔

(۶/۹۹)

''مناجات بدرگاہ قاضی الحاجات'' میں اللہ تعالیٰ سے بس اتنے رزق کی دعا کرتے ہیں جو زندگی گزارنے

کے لیے بہت ضروری ہو۔ یعنی قوت لا یموت، رکھتا ہو۔ کہتے ہیں:

یہی ہے شب و روز میری دعا
مرے حال پر رحم کر اے خدا
نجاؤں کہیں تیرے در کے سوا
خوشامد درامد سے مجکو بچا
طمع کچھ زیادہ نہیں ہے مجھے
گزارے کو تھوڑا ہی سا چاہیے
رہی ہو مری زندگی جس قدر
الٰہی وہ عزلت میں جائے گزر ۱۰۸؎

۱۷۔بے نظیر شاہ وارثی قادری(۱۸۶۳ء......۱۹۳۲ء) کڑا مانک پور ضلع الہ آباد میں پیدا ہوئے۔ کچھ عرصہ حیدر آباد دکن میں بھی رہے۔ امیر مینائی کے شاگرد تھے۔ بےنظیرؔ ریاست رام پور کے درباری شاعر تھے۔ اس لئے ہم انھیں شعرائے رام پور میں شمار کرتے ہیں۔ ان کی مثنوی 'الکلام' کے دو حصے ہیں۔ پہلا ''جواہر بےنظیر' اور دوسرا 'کتابِ مبین' عبدالقادر سروری لکھتے ہیں:

''بےنظیرؔ شاہ ایک مشاق غزل گو بھی ہیں۔ ان کا بہت سا کلام ایک سفر کے دوران میں گم ہو گیا...... بےنظیرؔ شاہ ایک عالم باعمل اور صوفی منش بزرگ ہیں......''الکلام'' ایک متصوفانہ مثنوی ہے جو اشعارے کے پیرائے میں لکھی گئی ہے۔ انسان کے عشق حقیقی تک پہنچنے میں جو مراحل پیش آتے ہیں ان کو ایک فرضی عاشقانہ قصے کی صورت میں بیان کیا گیا ہے۔''۱۰۹؎

''جواہر بےنظیر'' کا آغاز جس حمد سے ہوتا ہے۔ اس کا ہر دوسرا اور بعض اوقات شعر کے دونوں مصرعے عربی میں ہیں:

پلا ساقیا راہِ فضل و کرم
ان الحمد للہِ رب النعم
نہیں کوئی اس کا شریک و کفو
ھُوَ المغنیُ لاَ نظیرَ لہٗ
وہ ہے مالکِ یوم دین و حساب

ھو المستعان الیہِ المآب ۱۱۰؎

بے نظیرؔ شاہ اپنی حمدیہ شاعری میں وجودِ خدا پر قرآنی آیات سے استدلال پیش کرتے ہیں:

خدا کے لیے حمد شایاں ہے سب — یہ قدرت اسی کی نمایاں ہے سب
نہیں بے سبب جب کسی کا ظہور — مسبب ہے اس باب کا بھی ضرور
سپیدہ دمِ صبح عین الفتوح — جلائے قلوب اور تنویرِ روح
نسیمِ سحر کی یہ اٹکھیلیاں — یہ ہر مرغ تسبیح میں تر زباں
یہ شام و سحر سرخ رنگِ شفق — یہ سبعاً شداداً طبق بر طبق
یہ خورشید کا دوپہر کو جلال — مہٗ چار دہ کا کمال و زوال
مطیع اس کے آثار و اطوار بھی — فلک بھی، ثوابت بھی، سیّار بھی ۱۱۱؎

''سبعاً شداداً'' کے الفاظ قرآن پاک کی اس آیت سے ہیں:

وبنینا فوقکم سبعاً شداداً (۷۸/۱۲)

ترجمہ: ہم نے تمہارے اوپر سات مضبوط آسمان بنائے۔

فلک، ثوابت و سیّار اس کے مطیع ہیں، یہ مفہوم بھی قرآن پاک کی درج ذیل آیت سے ہے:

والشمس والقمر والنجوم مسخراتٍ م بامرہٖ ط (۷/۵۴)

ترجمہ: سورج اور چاند اور ستارے اس کے مطیع ہیں۔

وہ وحدت الوجودی مسلک سے تعلق رکھتے تھے۔ ذیل کے اشعار اس کی واضح دلیل ہیں:

یہی حاصل حسن تمییز ہے — محبت ہی عالم میں اک چیز ہے
تماشائے وحدت جو مطلوب ہے — جسے دیکھتا ہوں وہ محبوب ہے
بد و نیک کی اس میں تمییز کیا — ہوا جب یقیں، وہم پھر چیز کیا
اگر عشق ہو، حسن ہی حسن ہے — محبت میں ہر عیب بھی حسن ہے ۱۱۲؎

''مناجات'' میں اپنی ذات سے بے نیاز ہو کر، امتِ مسلمہ کے لیے دعا گو ہیں:

میں ہوں امتِ احمدی ساقیا — ادب کا ہوں میں ملتجی ساقیا
وہ مے دے کہ کامل بنا دے ہمیں — اخوت کا سچا مزا دے ہمیں
یہ اسلام کا گرم بازار ہو — مخالف ہمارا نگوں سار ہو

پھرے جو اسے راہ پر لاؤں میں ''یداللہ'' کا زور دکھلاؤں میں
رہے ایک یارب مرا حال و قال میں بندہ ہوں مالک ہے تو ذوالجلال ۱۱۳؎

''کتابِ مبین'' میں اللہ تعالیٰ سے اس کی حمد سرائی میں وہ بیان مانگتے ہیں جسے سن کر خود خدا وجد میں آ جائے:

عطا حمد میں مجھ کو وہ مجد ہو
ستائش کروں میں تجھے وجد ہو
نہ شوق حرم ہے نہ پروائے دیر
مگر جاں بلب ہوں میں تیرے بغیر
نہ جب تک ہو تو دلبرِ دل نواز
دم تیغ ہے مجھ کو میرا نیاز
تجھے قلبِ ماہیت آسان ہے
کہ ہر شے پہ قادر تو رحمن ہے ۱۱۴؎

مختصراً ہم کہہ سکتے ہیں کہ بے نظیر شاہ قادری کی حمدیہ شاعری خالص اسلامی تصوف کی حامل ہے اور ہمیں ان کے کلام سے ان کی قرآن و شریعت سے محبت کا بھی بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

۱۸۔ نواب فصاحت جنگ جلیل مانک پوری (۱۸۶۴ء......۱۹۴۶ء) حافظ جلیل حسن نام تھا۔ ۱۸۶۴ء میں مانک پور میں پیدا ہوئے اور ۱۹۴۶ء میں وفات پائی۔ امیر مینائی کے شاگرد رشید تھے۔ امیرؔ کی وفات پر قطعۂ تاریخ بھی کہا اور ان کے بارے میں ایک کتاب بعنوان ''کارنامۂ امیر مینائی'' لکھی۔ داغؔ کی وفات کے بعد حیدر آباد دکن میں محبوب علی خاں آصف اور بعد ازاں عثمان علی خان کے بھی استاد رہے۔ ''کائنات جلیل''، مرتبہ علی احمد جلیلی سے ان کی حمد نگاری کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو:

منہ میں گویا ہے زباں حمد الٰہی کے لیے
دل سپاسِ کرم لامتناہی کے لیے
سلطنت اس کی ، زمین اس کی، فلک اس کا ہے
مختصر یہ کہ خدائی ہے خدا ہی کے لیے
در پہ اس قادرِ مطلق کے گدا کا سر کیا

وہ بھی جھکتا ہے جو ہے افسر شاہی کے لیے
حشر ہنگامہ اٹھاتا ہے، دکھا کے کیا خوف
رحمت حق ہے یہاں پشت پناہی کے لیے
آگ میں زندہ، سمندر کو وہی رکھتا ہے
آب میں رزق رساں ہے وہی ماہی کے لیے ۱۱۵؎

''جلوہ اور دید'' کی متصوفانہ اصطلاحات پر ''دیوان دوم'' سے یہ دو شعر ملاحظہ کیجئے: جن سے ان کی حمد میں متصوفانہ رجحان سامنے آتا ہے،

خرمن جاں کے لیے برق ہے جلوہ تیرا
آفریں اس کو جو ہے دیکھنے والا تیرا
دیکھنے پر نہیں کچھ حسن کی شہرت موقوف
گو ہے پردے میں زمانے میں ہے چرچا تیرا ۱۱۶؎

۱۹۔ خوشی محمد ناظر (۱۸۶۹ء...... ۱۹۴۴ء) خوشی محمد ناظرؔ، ہر یہ والہ، ضلع گجرات کے ایک زمیندار گھرانے میں پیدا ہوئے۔ میٹرک میں پنجاب یونیورسٹی میں دوسری پوزیشن حاصل کی۔ علی گڑھ کالج سے بی۔ اے کیا اور الہ آباد یونیورسٹی کی طرف سے تمام مسلمان طلبہ میں اوّل آنے پر طلائی تمغہ اور اقبال میڈل ملا۔ ابتدا میں کشمیر کے ریونیو منسٹر کے پرسنل اسسٹنٹ رہے ریاست کشمیر کے پبلک منسٹر کی حیثیت سے ۱۹۲۳ء میں ریٹائر ہوئے۔ ۱۹۴۴ء میں سری نگر میں انتقال ہوا۔

ان کا مجموعۂ کلام'' نغمہ فردوس'' ان کی زندگی میں دو حصوں میں شائع ہوا۔ حصہ اوّل کی تمہید میں اپنے شعر گوئی کی آغاز سے دور چہارم تک خود ہی تقسیم کی ہے۔ پہلا دور روایتی غزل کا دوسرا قومی شاعری، تیسرا نیچرل شاعری، اور چوتھا درباری شاعری کا ہے۔نغمہ فردوس کا آغاز'' سروشِ غیب'' کے عنوان سے ہوتا ہے۔ پہلی نظم بعنوان'' مناجات'' ہے۔ جہاں وہ اپنی جبینِ نیاز کو خالقِ ذوالمنن کے در پر جھکا کر اپنی بے کسی اور بے نوائی پر ناز کرتے ہیں۔ اور یوں دعا کرتے ہیں:

غمِ ماسوا اسے نجات دے، مجھے اپنے غم کی برات دے
درِ غیر مجھ پہ فراز ہو، فقط ایک در ترا باز ہو

مناجات میں متصوفانہ رنگ بھی ہے:

ہو شہود شاہد راز کا، یہ مٹے طلسم مجاز کا
کبھی اے حقیقتِ منتظر! تیرے رخ سے پردہ جو باز
ہو

آیات قرآنی کے استعمال سے کلام کو مزین کرتے ہیں:

مرا ''حسبی اللہ'' حصار ہو، مرا ''لاتخف'' پہ قرار ہو
ہو مرا مقام بلند تر، جو کمندِ فتنہ دراز ہو ۱۱۷؎

''پیمان الست'' ہمیں ''الست بربکم'' کی یاد دلاتی ہے اور ناظر ''خدا کے ساتھ ہیں'' کی اقرار یہ ردیف میں کہیں متصوفانہ مضامین سے مدد لیتے ہوئے اور کہیں آیات قرآنی سے استمداد لیتے ہوئے، یوں اعلان کرتے ہیں:

پر تو مہر ازل میں ہست وبود اپنی ہے گم
ہم مثالِ قطرۂ شبنم، خدا کے ساتھ ہیں
ذرہ ہو خورشیدِ تاباں سے بھلا کیونکر جدا
ہم خدا کے ساتھ تھے اور ہم خدا کے ساتھ ہیں

ولا تھنوا ولا تحزنوا وانتم الاعلون ان کنتم مومنین (۳/۱۳۹) کی روشنی میں نصرتِ الٰہی کی تائید کرتے ہیں:

سرنگوں قعرِ مذلّت میں رہے باطل پرست
''انتم الاعلون'' کے پرچم خدا کے ساتھ ہیں
شش جہت میں ساری و سائر ہے نورِ ''لم یزلؔ''
صد ہزاراں عرصۂ عالم خدا کے ساتھ ہیں ۱۱۸؎

ناظرؔ صاحب کی معروف ترین نظم بلکہ یوں کہا جائے تو زیادہ بہتر ہوگا کہ ان کا معروف ترین حوالہ جو نظم اختیار کر گئی ہے، وہ ''جوگی'' ہے جو ان کے قیام کشمیر کی یادگار ہے۔ جہاں مناظرِ فطرت کی دلکش رنگینی نے حضرت ناظرؔ کو رنگین نوا کر دیا اور انھوں نے مکالمہ کی صورت میں ''جوگی'' میں نغمۂ حقیقت بیان کرنے کی کوشش کی۔ یہ مکالمہ جوگی اور شاعر کے درمیان ہے۔ ایک مست قلندر جوگی سے، جس نے دنیا تیاگ کر پربت پر ڈیرا ڈالا تھا۔

ناظر یوں سوال کرتے ہیں۔

آبادی سے منہ پھیرا کیوں؟ جنگل میں کیا ہے ڈیرا کیوں؟
ہر محفل میں، ہر منزل میں، ہر دل میں ہے نورِ خدا جوگی
کیا مسجد میں ، کیا مندر میں سب جلوہ ہے ''وجہُ اللہ'' کا
پربت میں، نگر میں، ساگر میں، ہر اترا ہے ہرجا جوگی'' ۱۱۹؎

یہاں فاینما تولوا فثم وجه اللّٰہ (۲/۱۱۵) کی دلیل سے شاعر مدد لیتا ہے۔

وہ جوگی سے درخواست کرتا ہے کہ واپس دیس کو چل اور ہندو مسلم دونوں کو ترانۂ وحدت اس طرح سنا:

یہ مسجد میں اور مندر میں ، ہر روز تنازعہ کیسا ہے
پرمیشر ہے جو ہندو کا، مسلم کا وہی ہے خدا جوگی
دنیا کا ہے سُرجن ہار وہی، معبود وہی، مختار وہی
یہ کعبہ، کلیسا، بت خانہ، سب ڈول اسی نے ڈالے ہیں
وہ سب کا پالن ہارا ہے، یہ کنبہ اُسی کا سارا ہے
یہ پیلے ہیں یا کالے ہیں، سب پیار سے اس نے پالے ہیں
۱۲۰؎

نظم ''جوگی'' ہمیں یاد دلاتی ہے اس دور کی ، جب ہندوستان میں کانگریس 'ہندو مسلم اتحاد' کا نام نہاد راگ الاپ رہی تھی۔ اور دوسری طرف تحریک علی گڑھ کے بانی سر سید احمد خاں، مسلمانوں کو کانگریس سے خبردار کر رہے تھے۔ اس نظم سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ ناظرؔ، جو خود علی گڑھ کے پروردہ تھے، خود بھی ایک زمانے میں کانگریس کی اس تحریک سے متاثر رہے ہوں گے۔ چونکہ ناظرؔ علی گڑھ کالج کے تعلیم یافتہ تھے، اس لئے انھیں اپنی مادر علمی سے بہت محبت تھی۔ اپنے کالج کی روز افزوں ترقی کے لیے بارگاہ الٰہی میں یوں دعا گو ہیں:

یہ دارالعلم محور ہے نظام قوم و ملت کا
بہ بانگِ کوس یہ رازِ نہاں سب پر عیاں کر دے
علی گڑھ میں الٰہی! وہ چراغِ علم روشن کر
ضیا جس کی منور کشورِ ہندوستاں کر دے
بہت سے زیر گردوں زلزلے ہوں گے حوادث کے
تو اس قصرِ مشیّد کو حصار جاوداں کر دے ۱۲۱؎

۲۰۔ مولانا ظفر علی خان (۱۸۷۳ء......۱۹۵۶ء) مولانا ظفر علی خاں کرم آباد (وزیر آباد ضلع گوجرانوالہ) میں پیدا ہوئے۔ علی گڑھ سے اعزاز کے ساتھ بی۔اے کی ڈگری حاصل کی۔ سالہا سال لاہور سے مشہور اخبار ''زمیندار'' نکالتے رہے۔ وہ زبردست خطیب اور سیاست دان تھے۔ تحریک آزادیٔ پاکستان میں ان کی نمایاں خدمات ہیں۔ آپ نے ۱۹۵۶ء میں انتقال فرمایا۔

حالیؔ اور اقبالؔ کے بعد ان کا نام اور کام بہت اہمیت کا حامل ہے۔ ان کی شاعری بیشتر سیاسی اور معاشرتی رنگ کی ہے۔ وہ شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ بے باک ونڈر صحافی بھی تھے۔ ان کی شخصیت کی کئی جہات تھیں۔ بقول ڈاکٹر فرمان فتحپوری:

> ''مولانا ظفرؔعلی خان سچے قسم کے سنی مسلمان، حکومت برطانیہ کے کٹر باغی، ایک تندمزاج سیاسی رہنما، ایک شعلہ بیان مقرر، ایک انقلاب پسند ادیب، ایک ہم گیر شاعر اور آزاد خیال صحافی تھے۔ ان کی تقریر ہو یا تحریر، نثر ہو یا نظم، مذہبی جوش وخروش سے خالی نہ ہوتی تھی۔'' ۱۲۲؎

مولانا ظفر علی خاں کے عہد میں ملّتِ اسلامیہ، سیاسی اور معاشرتی گرداب میں گھری ہوئی تھی۔ اس کا شان وشکوہ قصۂ پارینہ بن چکا تھا۔ اور وہ زوال و انحطاط کا شکار تھی۔ مولانا کا دردمند دل اس صورتحال پر انتہائی رنجیدہ تھا۔ وہ اپنی ملّت کو اس کربناک صورتحال سے نجات دلانے کے خواہاں تھے۔ اسی لیے ان کی حمد ومناجات میں ثنا وتوصیف نگاری کے ساتھ ساتھ ملّی آشوب ایک دلِ زخم خوردہ کی تڑپ کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ وہ جہاں اپنی زبان اور قلم سے سیاسی اور معاشرتی محاذوں پر برسر پیکار تھے، وہیں حمد ومناجات میں استمداد و استغاثہ کی تیغ وسپر سے سرگرم جہاد تھے۔ اپنی نظم ''فرزندانِ توحید کی روش'' مشمولہ 'نگارستان' میں فرماتے ہیں:

قلم سے کام تیغ کا اگر کبھی لیا نہ ہو
تو مجھ سے سیکھ لے یہ فن اور اس میں بے مثال بن ۱۲۳؎

مولانا کا یہ ''بے مثال فن'' ان کے حمدیہ ومناجاتیہ شاعری میں آفتابِ سخن بن کر چمکتا ہے۔ اگرچہ مولانا، حمد کہنے سے اس لیے جھجکتے ہیں کہ یہ وہ امتحان ہے: ۱۲۴؎

اُس امتحان میں جس میں گئے ہوں توڑ قلم
ظہیرؔ و غالبؔ و فیضیؔ و عرفیؔ و خیامؔ ۱۲۴؎

مگر یہ سوچ کر ان کا حوصلہ بڑھتا ہے کہ اس بارگاہ میں حسنِ نیت پر اعمال کا دارو مدار ہے۔ یہ سوچ کر

حمد کا آغاز کرتے ہیں مگر اس عاجزی کے ساتھ کہ:

شہنشہوں کے شہنشہ خدایگان انام
خدائے جل و علا، ذوالجلالِ والاکرام
ہر ایک چیز ہے ممکن مگر نہیں ممکن
کہ تیری حمد کا اک شمّہ ہو سکے ارقام

اللہ تعالیٰ کی صناعی و قدرت کی کئی مثالیں پردۂ ارض و فلک پر نظر آتی ہیں مولانا کا قلمِ جوہر دار، جو نت نئی ردیف وقوافی کے باندھنے میں بے مثال ہے، یہاں بھی اپنے قلم کے جوہر دکھاتا ہوئے، قدرتِ الٰہی کی تحسین وثنا کرتا ہے اور مختصراً کہتا ہے:

نتیجہ یہ کہ خدایا تیری خدائی میں
سمندِ فکر رسا ہے مثالِ کرۂ خام ۱۲۵؎

مولانا کے قلم کی اس روانی کو دیکھ کر یہ کہنے میں ذرا تامّل نہیں ہوتا کہ اُن کی اس نظم ''حمد ذوالجلال'' کا عنوان ''قصیدۂ میمیہ درحمد ذوالجلال'' ہونا چاہیے تھا۔

اسی طرح سوداؔ کے لامیہ قصیدے کی یاد دلانے والی ان کی حمد 'لا الٰہ الا اللہ محمدؐ رسول اللہ' اسی ردیف و قافیے کے ساتھ اس طرح آغاز ہوتی ہے۔

زباں ہے وقف ثنائے خدائے عزّوجل
خدا ہی ہے جو یہ عقدہ ہو زورِ نطق سے حل
نہ نثر ہی کا سلیقہ نہ نظم ہی کا شعور
نہ میں سنائیؔ ثانی نہ ہمسر اخطلؔ
سخنوری سے نہیں ہے مجھے کوئی سروکار
نہ لکھ سکوں میں قصیدہ نہ کہہ سکوں میں غزل
یہی سبب ہے کہ جب قصدِ حمد میں نے کیا
قلم گیا ہے ٹھہر اور زباں گئی ہے مچل
نرالی سب سے ہے لیکن یہ انجمن کہ یہاں
بھری سبوچۂ نیت میں ہے شرابِ عمل
پسند آئی ہے لکنت یہاں بسا اوقات
گیا ہے پاؤں فصاحت کا بار بار پھسل
اسی خیال سے تو بہرِ عرضِ سجدۂ شکر
سروشِ خامہ اگر سر کے بل چلا ہے تو چل ۱۲۶؎

یہاں سے باقاعدہ حمدیہ اشعار کا آغاز ہوتا ہے۔ نظم کے آخری اشعار نعت کے ہیں۔ مولانا جب اللہ تعالیٰ کی حمد سرائی میں محو ہوتے ہیں تو قرآنی آیات نظم کی شکل میں ڈھل کر سامنے آتی جاتی ہیں: مثلاً ذیل کے

اشعار دیکھیے:

خدائے واحد و قہار لا شریک لہٗ
ھود القدیر ھو الاخر و ھو الاول
ازل کی صبح سے بے وقفہ چل رہی ہے یونہی
خدا کے ایک اشارہ پہ کائنات کی کل
نظام دہر میں تحریف ہو نہیں سکتی
محال ہے کہ ہو اس قاعدہ میں ردّو بدل ۱۲۷؎

مئے لا تقنطوا کے نشے میں سرشار رہتا ہوں
سیہ مستوں کو بخشی ہے حیات جاوداں تونے ۱۲۸؎

سپیدہ دم کہ ہوا میں شریک راز انام
سنا سروش سے فلیعبدوا کا میں نے پیام ۱۲۹؎

جس نے ہوالکل اس کو بتایا اس سے خدا بیزار ہوا
ان اللہ غَنِیٌ عنکم اَمرُ اللّٰہِ ھُوَ اَلْمفَعُوْلُ

بجھاتے ہی رہے پھونکوں سے کافر اس کو رہ رہ کر
مگر نور اپنی ساعت پر رہا ہو کر تمام اس کا
نہ جا اس کے تحمل پر کہ ہے بے ڈھب گرفت اس کی
ڈر اس کی دیر گیری سے کہ ہے سخت انتقام اس کا ۱۳۱؎

وہ جس کی شان ہے لیس کمثلہٖ شیٔ
چھپا بھی ہے تو سرا پردۂ ظہور میں ہے ۱۳۲؎

مندرجہ بالا اشعار میں درج ذیل آیات کا مفہوم کیسی دلکشی اور مہارت کے ساتھ سمو دیا گیا ہے۔

(i) قل ھو اللہ احد (۱:۱۱۲)

(ii) للہِ الواحدِ القھار (۱۶:۴۰)

(iii) وهو علٰی کل شئی قدیر (۱۲۰:۵)

(iv) هو الاول والاخر والظاهر والباطن وهو بکل شیءٍ علیم (۳:۵۷)

(v) لا تقنطوا من رحمۃ اللّٰہ (۵۳:۳۹)

(vi) فلیعبدو رب ھذا البیت (۳:۱۰۶)

(vii) یریدون لیطفؤا نور اللّٰہ بافواھھم واللّٰہ متمّ نورہ ولو کرہ الکفرون (۸:۶۱)

(viii) ولا یحسبن الذین کفروا انّما نُملیْ لَھُمْ خیرٌ لِانفسھم ط انما لھم لیزدادوا اثماً ج ولھم عذابٌ مھین (۱۷۸:۳)

(ix) انَّ بَطْشَ رَبِّکَ لَشَدِیْدٌ (۱۲:۸۵)

(x) واللّٰہ عزیزٌ ذو انتقام (۴:۳)

مولانا کی حمدیہ شاعری میں ہمیں ایسے دلکش شعری نمونے بھی ملتے ہیں جہاں کمال کی سلاست و روانی ہے مثلاً

بنائے اپنی حکمت سے زمین و آسماں تو نے
دکھائے اپنی قدرت کے ہمیں کیا کیا نشاں تونے
نہیں موقوف خلاقی تری اس ایک دنیا پر
کئے ہیں ایسے ایسے سیکڑوں پیدا جہاں تونے
جوانی میں جسے بخشی دل آرائی و رعنائی
بڑھاپے میں اسی عارض پہ ڈالیں جھریاں تونے ۱۳۲؎

مندرجہ بالا اشعار میں، زمین، آسمان، ایک، سیکڑوں، جوانی، بڑھاپا باہم متضاد ہیں۔ مولانا نے صنعتِ تضاد کے برمحل استعمال سے اشعار کے صوری حسن میں اضافہ بھی کیا ہے اور اب یہ شعر دیکھیے۔

نہ ہوتی گر خودی ہم میں تو جوتو تھا، وہی ہم تھے
یہ پردہ کس لیے ڈالا ہے یا رب درمیاں تونے؟ ۱۳۳؎

اور غالب کا مشہور شعر:

نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے، نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

بااعتبار مفہوم اور سلاست کے باہم کتنی مماثلت رکھتے ہیں۔ حمد کی طرح مولانا کے یہاں مناجات میں بھی والہانہ جذبات کی فراوانی ہے۔ ان کی کوئی دعا ذاتی نوعیت کی نہیں ہے، بلکہ ملتِ اسلامیہ کی زبوں حالی کا درد دل میں لئے، آہ وزاری کے ساتھ یوں دعا گو ہیں:

تجھ پہ ابراہیمیوں کا حق ہے پہلے سے سوا
نار کو پھر نُور کر، گلخن کو پھر گلزار کر
جو سزا چاہے ہمیں دے لے کہ تو مختار ہے
لیکن اپنوں کو نہ غیروں کی نظروں میں خوار کر
ہند کو بھی اے خدا قید غلامی سے چھڑا
اپنے گھر کا ہم کو بھی مالک بنا مختار کر ۱۳۴؎

'نگارستان' میں ''ملتِ بیضا کی دعا بدرگاہِ مجیب الدعوات'' کے عنوان سے جو مناجات ملتی ہے، اس کا موضوع بھی یہی ہے۔ البتہ یہاں شخصی مناجات نہیں بلکہ اجتماعی مناجات ہے۔ پہلے ملت اسلامیہ کی زبوں حالی کا ذکر بڑی دردمندی سے کرتے ہیں، ان کے گزشتہ شاندار کروفر کو یاد کرتے ہیں اور اب اس مجبور ملّت کا حال یہ ہے کہ:

سر سے پہلے کاٹ لی جاتی ہے ملت کی زباں
منہ پہ آتا ہے جو بھولے سے بھی آزادی کا نام
عمر جن کی ہے درازی میں صد و پنجاہ سال
لے رہی ہے قدرت ان کوتاہیوں کا انتقام ۱۳۵؎

اس کے بعد اس ستارالعیوب وغفارالذنوب سے اس کی صفاتِ حسنہ کے واسطے سے دعا کرتے ہیں:

اپنے بندوں کی خطا کوشی کو یارب بھول جا
اے کہ پہلے دن سے ہے تجھ کو خطا پوشی سے کام
رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَیْنَا موجے ازمینائے خویش
آنکہ کا فوراست روحش آنکہ مشک استش ختام ۱۳۶؎

کبھی شکوہ کا رنگ بھی مناجات میں درآتا ہے:

لقب امۃً وسَطاً دیا جنہیں تیرے فضل نے اے خدا

پس و پیش وراس و چپ آج کیوں، وہی سختیوں میں ہیں مبتلا
نگہِ کرم تری کس لیے ہے ستم زدوں سے پھری ہوئی
ہم اُسی کے ہیں تیرے لطف نے جسے دی نوید و ماقلیٰ ۱۳۷؎

مولانا کے یہاں اگر کبھی کوئی ذاتی مناجات بھی نظر آتی ہے تو اس کا مقصدو مدعا اجتماعی خیر خواہی ہوتا ہے۔ مثلاً ''مناجات'' کے عنوان سے ایک نظم میں اس طرح دعا کرتے ہیں:

الٰہی برق غیرت کی تڑپ مجھ کو عطا کر دے
مجھ آتش زیر پا کو ساتھ ہی آتش نوا کردے
مری تقریرِ سحر آلود میں کر وہ اثر پیدا
کہ اہلِ درد کے حلقوں میں اک محشر بپا کردے
دیا ہے علم اگر تونے تو ساتھ اس کے عمل بھی ہو
کہ شرحِ لیس للانسان الاماسعٰی کر دے
بتا دوں گا کہ خاکِ ہند یوں اکسیر بنتی ہے
مری پلکوں کو جاروبِ حریم مصطفیؐ کردے
یہ ہے پہچان خاصانِ خدا کی ہر زمانے میں
کہ خوش ہو کر خدا ان کو گرفتار بلا کر دے ۱۳۸؎

مولانا ظفر علی خاں کے یہاں مناجات کی ایک قسم'نعتیہ مناجات' کی ہے۔ جس کی مثالیں ہمیں الطاف حسین حالؔی کے ہاں بھی ملتی ہیں۔ وہ نبی اکرمؐ کے توسط سے اللہ تعالیٰ کی درگاہ میں دعا کرتے ہیں۔

''عرض حال بدرگاہ رب العزۃ بتوسط حضور خواجہ دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم'' میں کہتے ہیں:

اے کہ ترا جمال ہے زینت محفلِ حیات
دونوں جہاں کی رونقیں ہیں ترے حسن کی زکوۃ
اے کہ رواں رواں مِرا درد میں ہے بسا ہوا
کس کو ترے سوا سنائیں جا کے ہم اپنی مشکلات
تھام کے پایہ عرش کا کربہ ادب یہ التجا
اے کہ ہے مبداء فیوض ایک فقط تری ہی ذات

بندے بھلے ہوں یا بُرے تُو تو ہے اے خدا کریم
قطع ہو کیوں کریم کا سلسلۂ نوازشات ۱۳۹؎

(''التجا بحضور سرور کائنات'') میں امت کے درد میں کیسی بے قراری اور تڑپ کے ساتھ دعا کرتے ہیں۔

جاگ او یثرب کے میٹھی نیند کے ماتے کہ آج
لٹ رہا ہے آنکھوں آنکھوں میں تری امت کا راج

سر چھپانے کا ٹھکانا بھی انھیں ملتا نہیں
جن کی ہیبت لے چکی ہے ایک عالم سے خراج
اب دوا سے کام کچھ چلتا نہیں بیمار کا
اب تو ہے تیری دعا ہی تیری امت کا علاج ۱۴۰؎

''عرض داشت امت بحضورؐ سرور کون و مکان'' میں امت کی زبانی عرضِ حال بیان کرتے ہیں اور کمال عاجزی و انکساری سے دعا گو ہیں کہ:

تکیہ جس طاقت پہ ہم کو ہے وہ ہے تیری دُعا
جو کہ ہے مقبولِ درگاہ خداوندِ جلیل
ہم بھلے ہیں یا برے تیرے ہی آخر ہیں غلام
ہم کو ہم چشموں میں اے آقا نہ ہونے دے ذلیل
اے شفیع المذنبیں اے رحمۃ اللعالمین
انت کھفی انت ھادی انت لی نعم الوکیل ۱۴۱؎

مختصر یہ کہ مولانا کے کلام میں حمد و مناجات کا ایک معتد بہ ذخیرہ موجود ہے۔

۲۱۔ غلام بھیک نیرنگ (۱۸۷۶ء......۱۹۵۲ء) موضع دورانہ ضلع انبالہ میں تولد ہوئے۔ گورنمنٹ کالج۔ لاہور سے بی۔ اے کی سند حاصل کی۔ پھر یونیورسٹی لاء کالج لاہور سے قانون کی ڈگری حاصل کر کے وکالت شروع کی اور نامور وکلا میں شمار ہوئے۔ رکن مرکزی اسمبلی تھے۔ پاکستان کی پہلی دستور ساز اسمبلی کے رکن تھے۔۱۹۵۲ء میں لاہور میں وفات پائی۔ علامہ اقبال کے قریبی دوستوں میں سے تھے۔شعری مجموعہ'' کلام

نیرنگ'' کے زیرعنوان معین الدین عقیل نے مرتب کر کے شائع کیا۔ معین الدین عقیل لکھتے ہیں:

''میر نیرنگ نے جس ماحول میں آنکھ کھولی ، وہ دینداری اور شعائر اسلام سے عبارت تھا۔ روحانیت اور تصوف کے مشاغل عام تھے...... ان کی زندگی ایک راست باز اور ہمدرد قومی رہنما، پرجوش مذہبی مبلغ ایک پرخلوص اور سچے دوست اور ایک خوش فکر شاعر اور ادیب کا نمونہ پیش کرتی رہی۔'' ۱۴۲؎

ذیل میں ''نعرۂ مستانہ'' کے عنوان سے ان کی حمد کا نمونہ پیش کیا جا رہا ہے جو اپنے اسلوب کی روانی کے ساتھ اندرونی قوافی سے بھی مزین ہے:

تو جا بجا ہے، تو سو بسو ہے
تو کو بکو ہے، تو موبمو ہے
ظاہر بھی تو ہے، مظہر بھی تو ہے
ہر سمت اپنے خود روبرو ہے
جلوہ بھی تیرا، آنکھیں بھی تیری
منظور بھی تو، ناظر بھی تو ہے
دار الحرم میں، بیت الصنم میں
تیری طلب میں اک ہاؤ و ہو ہے
صحنِ چمن میں، جنگل میں، بن میں
تو رنگ و بو ہے، نشوونمو ہے
رمزِ نہاں تو، رازِ عیاں تو
نایاب بھی تو، حاصل بھی تو ہے ۱۴۳؎

مندرجہ بالا اشعار میں سے تیسرے شعر میں صنعت لف ونشر، اور حرم، بیت الصنم، چمن، بن اور نہاں، عیاں میں صنعتِ تضاد کا بھی برمحل استعمال ہے۔

۲۲۔بیدم وارثی (۱۸۷۶ء......۱۹۳۶ء) اٹاوہ ،یوپی میں پیدا ہوئے۔ اردو نعت کے منفرد اور ممتاز شاعر تھے۔ پروفیسر محمد اقبال جاوید نے بجا طور پر فرمایا ہے:

''افسوس کہ بیدم کو ادب میں وہ مقام نہ مل سکا جس کا وہ مستحق تھا۔ نقادوں نے اُسے نظر انداز

کیا کہ وہ صوفی منش تھا اور قوالوں نے اسے لہک لہک کر ہوا میں اُڑا دیا۔'' ۱۴۴؎

'دیوان بیدم' اور مصحف بیدم، ان کی وفات کے بعد منظر عام پر آئے۔ ان کی شاعری صوری و معنوی خوبیوں سے آراستہ ہے۔ نعت کی طرح ان کی حمد یہ شاعری سوز و گداز سے مملو ہے۔

دیکھا اسی کو اس دلِ آشفتہ حال میں
جو آئے وہم میں نہ سمائے خیال میں

اب پہروں اپنے آپ کو پاتا نہیں ہوں میں
کچھ ایسا گم ہوا ہوں کسی کے خیال میں

دعا اس طرح کرتے ہیں:

ناکام کو کامیاب کرنے والے
قطرے کو دُرِ خوشاب کرنے والے
بیدمؔ کی بھی قسمت کا ستارہ چمکا
اے ذرے کو آفتاب کرنے والے ۱۴۵؎

۲۳۔ شاطر مدراسی محمد عبدالرحمن نام، شاطرؔ تخلص، کنیت ابو المعانی تھی۔ مثنوی ''اعجاز عشق'' کی ابتدا ۱۹۰۴ء میں ہوئی اور اسی سال پہلی بار چھپی۔ اس مثنوی کی تعریف حالیؔ، شبلیؔ، اقبالؔ، اکبرؔ اور گرامیؔ نے کی ہے۔ مولانا الطاف حسین حالیؔ کہتے ہیں:

''بلا مبالغہ و بلا تصنع آپ کے بعض شعروں کو دیکھ کر رشک ہوتا ہے کہ کیوں یہ پیرایۂ بیان ہمارے ہاتھ نہ لگا۔ علی الخصوص اس شعر کی تعریف مجھ سے نہیں ہوسکتی۔

بے محل اٹھتا نہیں ہے ایک بھی تیرا قدم
ہے کوئی تجھ پر سوار اے ابلقؔ لیل و نہار

یہی ایک شعر اعلیٰ درجے کی قابلیت شاعری پر دلالت کرنے کے لیے کافی ہے'' ۱۴۶؎

'اعجاز عشق' کا حمد یہ قصیدہ بجا طور پر فلسفیانہ حمد کہلانے کا مستحق ہے۔ شاعر کہتے ہیں:

عشق کا بھڑکے گا جب شعلہ تو جل جائیں گے یار
پردے ہیں ہر چند حائل بیچ میں ستر ہزار

بے محل اٹھتا نہیں ہے ایک بھی تیرا قدم
کوئی ہے تجھ پر سوار اے ابلقِ لیل و نہار
ہیں دلیل و مستدل محتاج اس کے اے حکیم
وہ خدا کیا جو ہو محتاجِ دلیل اے خام کار
نام عدوانِ حدود اللہ کا ہے معصیت
عقل کی زنجیر کو ہر گز نہ توڑ اے ہوشیار
نام لاعلمی کا رکھ لیتے ہیں بخت و اتفاق
ہم پہ جب ہوتے نہیں اسبابِ قدرت آشکار

ملحد اور موحد میں کا فرق 'نیست' اور 'ہست' کی اصطلاحات سے کتنا واضح کر دیتے ہیں:

وہ خدا کو جانتا ہے نیست اور یہ خود کو ہست
بس یہ ملحد اور موحد میں ہے فرق اے ہوشیار

'صنعت حسن التعلیل' سے شعر کو اس طرح باوزن کرتے ہیں:

ناصحِ ناداں نہ گھبرا زلزلے سے اس قدر
خاک کے نیچے کوئی لیتا ہے کروٹ بیقرار

علامہ اقبال نے شاطرؔ کا یہ شعر پسند فرمایا تھا:

ہم خدائی کرتے ہیں تیری بدولت اے خیال
ایک کن سے ہوتے ہیں عالم ہزاروں آشکار

اور صنعتِ تلمیح کی مدد سے عشق خدا کا موضوع کس خوبصورتی سے بیان کرتے ہیں۔

چاہ نے تیری بھی یوسف کو جھنکائے ہیں کنویں
اے زلیخا عشق میں تو ہی نہیں ہے بے قرار ۱۴۷ے

ایک رباعی میں اللہ کی حمد سرائی میں انسان کی عجز بیانی اس طرح بیان کرتے ہیں:

ممکن سے ممتنع ہے واجب کی ثنا
عقل اول نے ماعرفناک کہا
جب وصفِ محمد میں ہیں عقلیں عاجز
شاطرؔ اللہ پاک کا کیا کہنا ۱۴۸ے

۲۴۔علامہ محمداقبال(۱۸۷۷ء......۱۹۳۸ء)کلامِ اقبال میں حمد و مناجات کے موضوع پر اظہار خیال سے قبل اقبال کے تصور الٰہ کو سمجھنا بہت ضروری ہے۔ بلاشبہ اقبال ایک نابغہ تھے۔ عام شعرائے اردو کے برعکس ان کی تاریخ، فلسفہ،علم الکلام اور مابعد الطبیعاتی نظریات پر گہری نگاہ تھی۔

پڑھ لئے میں نے علوم شرق و غرب
روح میں باقی ہے اب تک درود کرب ۱۴۹؎

اقبال نے اپنے اس زاویۂ نگاہ کو جومغربی فلسفے کے مطالعے کا نتیجہ ہے، اپنی 'فطرتِ ثانیہ' کہا ہے۔ وہ شعوری یا غیرشعوری طور پر اسلام کے حقائق اور صداقتوں کا مطالعہ اسی نقطۂ نگاہ سے کرتے تھے۔ ڈاکٹر ایم۔ایم شریف اپنے مضمون"Iqbal's Conception of God"میں اقبال کے تصور الٰہ کو ارتقائی اعتبار سے تین ادوار میں تقسیم کرتے ہیں۔

پہلا دور ۱۹۰۱ء......۱۹۰۸ءتک

دوسرا دور ۱۹۰۸ء......۱۹۲۰ءتک

تیسرا دور ۱۹۲۰ء......۱۹۳۸ءتک

۱۹۰۱ء سے۱۹۰۸ءتک کے دور میں اقبالؔ ، خدا کو مظاہرِ کائنات میں تلاش کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ ڈاکٹر ایم۔ایم۔شریف اپنے مضمون میں لکھتے ہیں :

> "Iqbal conceives of God as Eternal Beauty, existing in independence of and prior to particulars and yet being revealed to particulars and yet being revealed in them all. He reveals himself in the heavens above and the earth below, in the sun and the moon in the rise of the stars and the fall of the dew, in land and sea, in fire and flame, in stones and trees in birds and beasts in scents and songs."(150)

اقبال کی اس دور کی شاعری پر انگریزی رومانوی شعرا بالخصوص ورڈز ورتھ کے اثرات نظر آتے ہیں۔

اسی دور میں اقبال خدا کومتصوفانہ نظر سے بھی دیکھتے ہیں۔ مثلاً خدامثل و مانندِ بحر ہے اور انسان اس کا ایک حقیر قطرہ۔ ان متصوفانہ خیالات کا ماخذ افلاطونی اور ارسطاطالیسی فلسفہ ہے۔ جسے عہدِ عباسی کے مسلمان فلاسفہ اورصوفیا

نے اپنایا۔ اقبال نے اپنی کتاب'فلسفۂ عجم' میں عجمی فلاسفہ کے تصور الٰہ سے بھی بحث کی ہے۔ عجمی فلاسفہ کے'علت اولیٰ' کے نظریے کی حمایت اور تقلید علی محمد الملقب ابن مسکویہ (م ۴۳۸ھ/ ۱۰۳۰ء) نے اپنی کتاب 'الفوز الاصغر' میں سب سے زیادہ کی ہے۔ اقبال ابن مسکویہ کا ذکر کرتے ہوئے اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ وہ ارسطو کی تقلید کرتا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

''یہاں ابنِ مسکویہ نے ارسطو کی تقلید کی ہے اور اس کے اس استدلال کا اعادہ کیا ہے جو حرکتِ طبعی کے واقعے پر مبنی ہے۔ تمام اجسام میں حرکت کا لاینفک خاصہ ہے جو تغیرات کی تمام صورتوں پر حاوی ہے اور یہ خود اجسام کی ذات سے ظہور پذیر نہیں ہوتی۔ لہٰذا حرکت مستلزم ہے ایک خارجی ماخذ یا محرک اولیٰ کو......لہٰذا عمل محرکہ کے سلسلے کو ایک ایسی علّت پر جا کر ختم ہو جانا چاہیے جو خود غیر متحرک ہو لیکن دوسری اشیا کو حرکت دیتی ہو'' ۱۵۱۔

ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس دور میں اقبالؔ حقیقت اولیٰ کو مشاہدہ ، چشم بصیرت، تصوف اور فلسفہ کی نگاہ سے تلاشتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

دوسرا دور ۱۹۰۸ء سے ۱۹۲۰ء تک ہے۔ اس دور میں کلام اقبال اور بالخصوص ان کے تصور الٰہ کے حوالے سے ان کی لیکچرز سے بھی ان کے رجحانات کا اندازہ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ یہ وہ دور تھا جب اقبال نے یورپی فلاسفہ ڈیکارٹ ، کانٹ، نیٹشے اور برگساں وغیرہ کے فلسفہ ہائے حیات اور مابعد الطبیعاتی فکر کا بغور مطالعہ کیا، ان سے مستفید ہوئے اور قرآنی اور خالص اسلامی تصورات الٰہ کی روشنی میں اپنا خاص نظریۂ الٰہ مرتب کیا ۔ جدید یورپی فکر کی ابتدا بیکن سے ہوتی ہے جس نے استقرائی منطق کی صورت میں جادۂ فلسفہ پر پہلی شمع جلائی ۔ بیکن کے بعد آنے والوں مثلاً ڈیکارٹ اسپنوزا ، لیبنز اور اکثر دوسرے فلسفیوں نے اسی منطق ہی کو سب کچھ سمجھا۔ ان کی آواز بڑی حد تک افلاطون کی صدائے بازگشت تھی یورپ میں دلائل و براہین کے اس دور کے بعد لاک کا زمانہ آیا۔ لاک نے مادّے کو مختارکل قرار دیا ہے۔ اقبال کے نزدیک لاک کا نظریہ ایک لالۂ تہی جام ہے۔

ایمینویل کانٹ (م ۱۸۰۴ء) کے فکرونظر نے اس جمود کی گروہ کشائی کی اور اپنی کتاب Critique of Pure Reason میں ہیوم کے اس خیال کی تردید کی کہ ہمارے حواس ہی تمام علوم کی بنیادیں ہیں۔

''کانٹ نے اسے خشتِ اول کی کجی قرار دیا اور کہا کہ یہ ضروری نہیں کہ مطلق اور قائم

بالذات حقیقت کا عرفان ہمیں سائنسی (علمی) تجربے یا حواس کی مدد سے حاصل ہو۔ حقیقت ہر حال میں حقیقت رہے گی خواہ ہمارا ادراک وہاں تک پہنچ سکے یا نہ پہنچ سکے۔'' ۱۵۲؎

وہ مذہب کی بنیاد سائنس اور دینیات کے بجائے اخلاق پر رکھنے کا قائل ہے وہ کہتا ہے کہ:

ہمارے تجرباتِ حیات میں سب سے حیرت انگیز حقیقت یہ ہے کہ ہم ایک حاسۂ اخلاقی رکھتے ہیں...... ہمارے دل میں جو اخلاقی قانون جاگزیں ہے وہ غیر مشروط، قطعی اور مطلق ہے کوئی فعل اس لئے اچھا نہیں کہلاتا کہ اس کے نتائج اچھے برآمد ہوتے ہیں یا وہ مصلحت پر مبنی ہوتا ہی بلکہ اس کا اچھا ہونا اس لیے مسلم ہے کہ اپنا فرض ادا کرنے کی جو حس باطنی ہم میں موجود ہے وہ اپنے احکام کی تعمیل کا تقاضا کرتی ہے...... یہ ایک صداقت اولیٰ ہے جو ہمارے اعمال کو متعین کرتی ہے۔ آپ کہہ سکتے ہیں کہ یہ اخلاقی نظام بہت سخت گیر ہے کہ فرض کو حسن پر ترجیح ہے، اخلاق کو مسرت پر لیکن واضح رہے کہ اسی طریقہ پر عمل پیرا ہو کر ہماری حیوانیت مٹتی چلی جائے گی اور ہمیں قریب قریب دیوتاؤں کا مقام حاصل ہو جائے گا۔ نیکی خلافِ مصلحت بھی ہو تو ہمیں نیک کام ہی کرنا چاہیے۔ ہمیں معلوم ہے کہ دوسری دنیا میں، آخرت میں جو اس زندگی سے طویل تر ہے، تلافی مافات کی جائے گی اور ہر نیکی کی جزا سو گنا عطا کی جائے گی...... ہمارا حاسۂ اخلاقی حکم صادر کرتا ہے کہ ہم خدا کے وجود کو مسلّم سمجھیں۔'' ۱۵۳؎

کانٹ کا کہنا یہ تھا کہ اخلاق کا تقاضا یہ ہے کہ ہم خدا کے وجود کو تسلیم کریں اور نیکی کی راہ اختیار کریں۔ وہ آخرت کی زندگی کو بھی تسلیم کرتا تھا اور صفاتِ الٰہی اپنے اندر پیدا کرنے کی تلقین کرتا تھا۔ اقبال بھی اسی کے ہم خیال تھے۔

وہ جرمن مفکر الیگزنڈر کے ایک لیکچر سے اقتباس نقل کرتے ہوئے اسے سراہتے ہیں۔ وہ لکھتا ہے:

"Our human altars still are raised to the unknown God. If we could know what Deity is, how it feels to be divine we should first have to become as God." 154

گویا کانت اور الیگزنڈر دوسرے معنوں میں 'تخلقوا باخلاق اللہ' کے مؤید تھے۔ جس کی اقبالؔ بھی پر

زور تائید کرتے ہیں۔اقبال، خدا اور خودی کو ایک دوسرے سے الگ خیال نہیں کرتے ۔ڈاکٹر شوکت سبزواری لکھتے ہیں:

''خدااور خودی کو فکر اقبال میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔خودی کا کمال یہ ہے کہ وہ خدا سے قریب ہو۔ یہ قرب خدائی صفات کی آئینہ خودی میں پرتوافگنی سے حاصل ہوتا ہے۔ جیسا کہ صوفیا کے اس مشہور قول میں جسے بعض اہلِ علم حدیث رسولؐ بتاتے ہیں، بیان کیا گیا۔تخلقوا باخلاق اللہ تعالیٰ'' ۱۵۵؎

اقبالؔ نے جن مغربی فلاسفہ کے خیالات سے خوشہ چینی کی، ان میں برگساں کا نام بہت نمایاں ہے۔ اقبالؔ نے اپنے تیسرے خطبے "The Concept of God and the meaning of Prayer" میں برگساں کے تصور انفرادیت سے بھی بحث کی ہے۔ خطبے کے آغاز میں اقبالؔ کہتے ہیں کہ انائے مطلق کی انفرادیت پر زور دینے کے لیے قرآن اسے اللہ کا نام دیتا ہے اور سورۃ الاخلاص میں اس کی توضیح بڑے احسن انداز میں کی گئی ہے۔ برگساں کی فردیت کے بارے میں اس رائے کا اقبال حوالہ دیتے ہیں جس میں برگساں نے انفرادیت کو توالد و تناسل کے عیب سے پاک قرار دیا ہے۔اقبال کہتے ہیں:

"In the light of this passage it is clear that the perfect individual, closed off as an ego, peerless and unique, cannot be conceived as harbouring its own enemy at home. It must be conceived as superior to the antagonistic tendency of reproduction. This characteristic of the perfect ego is one of the most essential elements in the Quranic conception of God, and the Quran mentions it over and over." (156)

ڈاکٹر تحسین فراقی، علامہ اقبال کے تصور الٰہ پر فلسفیانہ استدلال کو سراہتے ہوئے لکھتے ہیں:

''گویا علامہؒ نے سورۂ اخلاص کی آیات کو عیسوی تصورات کے پس منظر میں دیکھنے کی بجائے انفرادیت کے فلسفیانہ ، حیاتیاتی اور نفسیاتی پس منظر میں دیکھا ہے اور یوں ہمارے روایتی مفسرینِ قرآن سے الگ اور منفرد راہ نکالی ہے'' ۱۵۷؎

اللہ تعالیٰ کو "مطلق انا" کیسے قرار دیا جا سکتا ہے؟ اقبال اس کا جواب دیتے ہیں کہ یہ مشکل دراصل خدا کو زمان و مکان کے اندر رکھنے سے پیدا ہوتی ہے۔ انائے مطلق نہ تو مکانی لحاظ سے لا متناہی ہے اور نہ ہی اس مفہوم میں متناہی ہے جس طرح انسان مکاناً محدود اور جسماً دوسرے انسانوں سے الگ ہوتے ہیں۔ اقبال کہتے ہیں:

> "The Infinity of th Ultimate Ego consists in the infinite inner possibilities of his creative activity of which the universe as known to us, is only a partial expression. In one word God's Infinity is intensive not extensive. It involves an infinite series, but is not that series" (158)

برگساں کی طرح اقبالؔ حقیقت کے حرکی اور تخلیقی پہلو کو اپنی شاعری میں بڑی خوبصورتی سے یوں بیان کرتے ہیں:

یہ کائنات ابھی نا تمام ہے شاید
کہ آ رہی ہے دما دم صدائے کن فیکوں ۱۵۹؎

برگساں رقمطراز ہے:

"میں مختلف احوال سے گزرتا ہوں، گرمی و سردی کا مزا چکھتا ہوں، گاہے خوش و خرم ہوتا ہوں، گاہے رنجور کبھی کام میں مصروف ہوں، کبھی بے کاری سے دل بہلاتا ہوں، تاثرات حسی اور احساسات، ارادہ، اور تصورات یہ ہیں وہ تغیرات جن میں میرا وجود منقسم ہوتا ہے اور جو اسے اپنے رنگ میں رنگ دیتے ہیں۔ اس طرح میں مسلسل تغیرات کا نشانہ بنتا رہتا ہوں" ۱۶۰؎

اقبال انھی خیالات کو شاعری کی زبان میں یوں کہتے ہیں:

فریب نظر ہے سکون و ثبات
تڑپتا ہے ہر ذرۂ کائنات
ٹھہرتا نہیں کاروانِ وجود
کہ ہر لحظ ہے تازہ شانِ وجود ۱۶۱؎

اس مصرع میں اقبال نے قرآن پاک کی درج ذیل آیت کے مفہوم سے استفادہ کیا ہے۔

کل یوم هو فی شان (۲۹:۵۵)

ڈاکٹر رضی الدین صدیقی اپنے مضمون"Iqbal's conception of time and space"میں لکھتے ہیں:

"The Ultimate Ego (God) exixts in pure duration whereas change ceases to be a succession of varying attitudes and reveals its true characters as continuous creation, "untouched by weariness" and unseizable by slumber or sleep" (162)

ایم۔ایم۔شریف اقبالؔ کے تصور الٰہ کا تیسرا دور ۱۹۲۰ء سے لے کر ان کی وفات(۱۹۳۸ء) تک متعین کرتے ہیں۔ یہ دور ان کی ذہنی وفکری پختگی کا ہے۔ اس دور میں اقبالؔ اپنے تصورِ الٰہ کو تصورِ زمان کے ساتھ مربوط کرتے ہیں۔ وہ زندگی کو زمان اور زمان کو زندگی کہتے ہیں۔مگر برگساں کی طرح زمان کو واجب الوجود نہیں مانتے، بلکہ واجب الوجود ان کے نزدیک صرف خدا ہے۔ ان کی نظم مسجدِ قرطبہ، اس کی دلکش مثال ہے:

سلسلۂ روز و شب نقش گرِ حادثات　　سلسلہ روز و شب اصل حیات و ممات
سلسلۂ روز و شب تار حریرِ دورنگ　　جس سے بناتی ہے ذات اپنی قبائے صفات

۱۶۳؎

مختصراً ہم کہہ سکتے ہیں کہ اقبال جیسے نابغۂ عصر نے خذ ما صفی و دع ما کدر، پر عمل کرتے ہوئے مغربی و مشرقی فلسفہ ہائے خدا سے احسن انداز میں استفادہ کرتے ہوئے ان تمام دلائل ونظریات کو قرآنی تصور الٰہ سے جوڑ دیااور مربوط تصور الٰہ مرتب کیا۔

اب ہم شعرِ اقبال میں اقبال کے تصورِ الٰہ، حمد اور مناجات کے موضوع کا جائزہ لیتے ہیں۔ اقبال کی شاعری اور نثر میں خدا کے مختلف تصورات پائے جاتے ہیں۔ ڈاکٹر محمد اجمل اس فرق کی وضاحت اس طرح کرتے ہیں:

''اقبال کے منظم فکر اور ان کی نظموں میں جو خدا کے مختلف تصور پائے جاتے ہیں، ان میں ایک بنیادی نفسیاتی فرق ہے۔لیکچرز میں ان کا شعور خدا سے علیحدہ تو ہوتا ہےلیکن پھر سمٹتا سمٹتا خدا سے لپٹ جاتا ہے گویا خودی کی خلوتیں برداشت کرنا اس کے بس کا کام نہیں لیکن ان کے کلام میں خدا کے تصور کی نوعیت متعین کرنے کی کوشش کیجئے تو ان کی نفسیاتی کیفیت کچھ اور

طرح کی نظر آتی ہے......وہ اپنی روحانی سربلندی اور ارتقا کے لیے ایسی علامتوں کی تلاش میں ہیں جن کا سرچشمہ کبریائی ہو۔'' ۱۶۴؎

اقبالؔ حمد و مناجات کے حوالے سے انتہائی منفرد شاعر ہیں۔ ان کے یہاں حمد و مناجات روایتی یا رسمی اور تقلیدی نہیں ہے۔ بلکہ مفکر و فلسفی اقبالؔ کی فکرِ رسانے اپنی شاعری کے ایک ایک مصرع میں حمدِ الٰہی و توحیدِ ربانی کی نغمہ طرازیوں کے چمن کھلا دیے ہیں۔ ان کے اردو اور فارسی کلام کے ہر مجموعے میں انہی چمنوں کی خوشبو مہک رہی ہے۔اقبال کے یہاں توحید اس چیز کا نام ہے کہ انسان صرف اللہ کی ذات کو کارسازِ حقیقی سمجھے۔ اسی کے سامنے سرِ نیاز جھکائے۔ اپنی نظم 'سلطنت' میں کہتے ہیں:

سروری زیبا فقط اس ذات بے ہمتا کو ہے
حکمراں ہے اک وہی، باقی بتانِ آذری ۱۶۵؎

انسانوں کا رازق اور پالنہار صرف اللہ ہے۔ رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے، زید و عمر کے ہاتھ میں نہیں ہے۔

اپنے رازق کو نہ پہچانے تو محتاجِ ملوک
اور پہچانے تو ہیں تیرے گدا دارا و جم ۱۶۶؎

لائقِ سجدہ وہی ایک ذات ہے۔بقول اقبال:

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات ۱۶۷؎

انفس و آفاق میں اس کی آیات جا بجا نظر آتی ہیں مگر شرط یہ ہے کہ پہلے دماغ انسانی، ہر قسم کے بتوں سے پاک ہو:

بیاں میں نکتۂ توحید آ تو سکتا ہے
ترے دماغ میں بت خانہ ہو تو کیا کہیے؟ ۱۶۸؎

اقبال خدا کو مظاہر کائنات میں دیکھتے ہیں تو پکار اٹھتے ہیں:

چمک تیری عیاں بجلی میں، آتش میں ، شرارے میں
جھلک تیری ہویدا چاند میں، سورج میں، تارے میں ۱۶۹؎

چشمِ غلط نگر کا یہ سارا قصور ہے
عالم تمام جلوۂ ذوقِ شعور ہے ۱۷۰؎

تارے میں وہ ، قمر میں وہ، جلوہ گہ سحر میں وہ
چشم نظارہ میں نہ تو سرمۂ امتیاز دے ۱۷۱؎

پالتا ہے بیج کو مٹی کی تاریکی میں کون
کون دریاؤں کی موجوں سے اٹھاتا ہے سحاب
کون لایا کھینچ کر پچھّم سے بادِ ساز گار
خاک یہ کس کی ہے، کس کا ہے یہ نورِ آفتاب
کس نے بھر دی موتیوں سے خوشۂ گندم کی جیب
موسموں کو کس نے سکھلائی ہے خوئے انقلاب ۱۷۲؎

مذکورہ بالا اشعار، آیاتِ قرآنی کی شعری زبان میں کی گئی دلکش تفسیر ہیں۔ قرآن میں ہے:

(i) فَلْيَنْظُرِ الْاِنسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖO اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّاO ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّاO فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّاO (۸۰/ ۲۴۔۲۷)

ترجمہ: پس انسان کو چاہیے کہ اپنے کھانے پینے کی طرف دیکھے کہ ہم نے بڑے زور سے پانی برسایا۔ پھر ہم نے زمین کو خوب پھاڑا۔ پھر ہم نے اس میں دانہ اگایا۔

(ii) اَفَرَءَيْتُمْ مَّا تَحْرُثُوْنَO ءَاَنْتُمْ تَزْرَعُوْنَهٗٓ اَمْ نَحْنُ الزّٰرِعُوْنَO (۵۶/ ۲۳۔۲۴)

ترجمہ: بھلا دیکھو تو جو تم بوتے ہو، اسے تم اگاتے ہو یا ہم اگانے والے ہیں۔

اقبال کا تصورِ خدا، صوفی و ملا کے تصور خدا سے الگ اور منفرد حیثیت رکھتا ہے۔ اسی لیے وہ واعظ پر چوٹ کرتے ہیں:

بٹھا کے عرش پہ رکھا ہے تونے اے واعظ
خدا وہ کیا ہے جو بندوں سے احتراز کرے ۱۷۳؎

اقبال کا خدا تو ان کے خانۂ دل کا واحد مکین ہے:

ہوئی جو چشم مظاہر پرست وا آخر

تو پایا خانۂ دل میں اسے مکیں میں نے ۱۷۴؎

جنھیں میں ڈھونڈتا تھا آسمانوں میں، زمینوں میں
وہ نکلے میرے ظلمت خانۂ دل کے مکینوں میں ۱۷۵؎

اللہ تعالیٰ سے اس قدر قربت کے باوجود انسان کا سراس کی کبریائی و بزرگی کے آگے سجدہ ریز ہے۔ وہ عجز و انکسار کا پیکر ہے۔اقبال کہتے ہیں:

تو ہے محیطِ بیکراں، میں ہوں ذرا سی آب جو
یا مجھے ہمکنار کر، یا مجھے بے کنار کر ۱۷۶؎

اقبال کے اردو اور فارسی کلام کے حمدیہ اور مناجاتیہ رنگ کے حامل اشعار کا ایک معتدبہ حصہ ایسا ہے جہاں وہ خدا سے ہم کلام ہوتے ہیں۔ کہیں شکوے اور شکایات کے دفاتر کھولتے ہیں۔ کہیں 'آدم' کے وکیل بنتے ہیں اور کہیں 'مسلمان' کے اور کبھی 'اپنی ذات' کی حوالے سے بھی شکوہ کناں ہیں۔

دراصل اقبالؔ کے پیش نظر آدم کی زندگی کے تمام وہ واقعات ترتیب وار ہیں۔جن کی طرف قرآن بھی اشارہ کرتا ہے ۔ نیز وہ فطرتِ آدم کے زبردست نباض بھی ہیں۔ پھر اقبالؔ کا تاریخِ عالم کا گہرا اور عمیق مطالعہ بھی انھیں بہت سوالات اٹھانے پر مجبور کرتا ہے۔ اور وہ آدم کی پیدائش سے لے کر یومِ حشر تک کی روداد کے حوالے سے، اس کی وکالت کرتے ہیں۔

انسان کی وکالت کے ضمن میں اقبالؔ نے بار بار جس بات پر زور دیا ہے وہ یہ ہے کہ جب انسان نے دنیائے آب وگل میں قدم رکھا تو یہاں ویرانی تھی۔ تاریکی، سناٹے اور بے رونقی نے ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ انسان نے اپنی تخلیقی صلاحیتوں کے بھر پور استعمال سے اس خرابہ کو'جہان آباد' بنایا۔''محاورہ مابین خداو انسان'' میں انسان کا خدا کو جواب ، اقبالؔ کی خیالات کی بہترین ترجمانی کرتا ہے:

تو شب آفریدی ، چراغ آفریدم سفال آفریدی، ایاغ آفریدم
بیابان و کہسار و راغ آفریدی خیابان و گلزار و باغ آخریدم
من آنم کہ از سنگ آئینہ سازم من آنم کہ از زہر نوشینہ سازم ۱۷۷؎

انسان نے ہزار طرح کی سختیاں جھیل کر اس ویران دنیا کو رہنے سہنے کے قابل بنایا انسان کے اس عظیم کارنامے کا ذکر وہ بڑے فخر اور قدرے غرور کے ساتھ کرتے ہیں اور بسا اوقات انسانی کارگزاری کے آگے انھیں

خدا کی کرشمہ سازی بھی فروتر معلوم ہوتی ہے۔

میں کہاں ہوں تو کہاں ہے؟ یہ مکاں کہ لامکاں ہے
یہ جہاں مرا جہاں ہے کہ تری کرشمہ سازی؟ ۱۷۸؎

ای من ازفیض تو پائندہ! نشان تو کجاست
این دوگیتی اثر ماست، جہان تو کجاست؟ ۱۷۹؎

انسان کو دنیا میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو نیابتِ الٰہی کا فرض ادا کرنا ہے، اس بہت بڑے اور پھیلے ہوئے کام کی تکمیل کے لیے جو زندگی اس نے عطا کی، وہ بہت مختصر ہے۔ اقبالؔ اس پر بھی شکوہ کرتے ہیں:

گناہِ ما چہ نویسند کاتبانِ عمل
نصیبِ ما ز جہانِ تو جز نگاہے نیست ۱۸۰؎

کہیں وہ اللہ تعالیٰ سے شکوہ کرتے ہیں کہ تو نے ہمیں دولتِ عشق عطا کی، خوب کیا۔ مگر جب عشق بلاخیز بن کر خود خرمنِ مستی کو جلانے لگے تو وہی انسان چیخ اٹھتا ہے اور خود خدا پر اعتراض کرتا ہے کہ:

شرار از خاکِ من خیزد ، کجا ریزم، کراسوزم؟
غلط کردی کہ در جانم فگندی سوز مشتاقی ۱۸۱؎

''غلط کردی'' کے الفاظ ہمیں اقبال کے شکوے میں گستاخانہ انداز کے حامل دکھائی دیتے ہیں۔ ایسا ہی انداز اس شعر میں ملاحظہ ہو:

فارغ تو نہ بیٹھے گا محشر میں جنوں میرا
یا اپنا گریباں چاک یا دامنِ یزداں چاک ۱۸۲؎

اسی انسانی فطرت کا تقاضا ہے کہ وہ مسلسل ایک کے بعد دوسری منزل کی طرف بڑھنا چاہتا ہے۔ مہ و انجم کے بعد جبرئیل اور یہاں تک کہ یزداں پر بھی کمند انداز ہونا چاہتا ہے:

در دشتِ جنونِ من جبریل زبون صدے
یزدان بہ کمند آور ای ہمت مردانہ ۱۸۳؎

اسے خدا کی طرف سے ایسی فطرت ودیعت ہوئی ہے جو ناصبور ہے۔

چہ کنم کہ فطرتِ من بمقام در نسازد

دلِ ناصبور دارم چو صبا بہ لالہ زاری ۱۸۴؎

وہ تو ایسی دنیا میں رہنا بھی کورذوقی خیال کرتا ہے جہاں صرف یزداں ہے اور وہ شیطان سے تہی ہے۔ وہ ''دگر ہیچ مگو'' کا حکم ماننے سے یکسر انکاری ہے اور ''چنان می بایست'' کا مطالبہ کرتا ہے۔''زبورِ عجم'' کی ایک نظم آدم کے مطالبات کو زیادہ بہتر انداز میں پیش کرتی ہے۔

یادگر آدم کہ از ابلیس باشد کمترک
یادگر ابلیس بہرِ امتحانِ عقل ودیں ۱۸۵؎

یا چنان کن یا چنین

کبھی ان کے کلام میں آدم، اللہ کی انتہائی فرماں بردار مخلوق فرشتوں کے حوالے سے خود خدا پر طنز کرتا ہے:

مقامِ شوق ترے قدسیوں کے بس کا نہیں
انہی کا کام ہے یہ جن کے حوصلے ہیں زیاد
قصور وار ، غریب الدیار ہوں لیکن
ترا خرابہ فرشتے نہ کر سکے آباد ۱۸۶؎

اقبالؔ کی نظمیں 'شکوہ' اور جوابِ شکوہ کو طویل مناجات کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ ان دونوں نظموں کو اپنے اسلوب ، تاثیر اور حسن بیان کی وجہ سے کلامِ اقبالؔ میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ اقبالؔ نے 'شکوہ' میں مسلمانوں کی ان خدمات کا احسان جتایا جو انھوں نے ماضی میں سرانجام دیں اور اس طرح شکایات کے دفتر کھولے کہ فرشتے بھی مہر بہ لب نہ رہ سکے۔ اور انسان کو شوخ، نادان اور گستاخ تک کے القاب دے ڈالے۔مگر اقبالؔ کے نزدیک یہ گستاخی و بے باکی نہیں بلکہ محبت کی رمزیں ہیں۔

رمزیں ہیں محبت کی گستاخی و بے باکی
ہر شوخ نہیں گستاخ ہر جذب نہیں بے باک ۱۸۷؎

اقبال 'شکوہ' میں امتِ مرحوم کے لیے اس طرح دعا کرتے ہیں:

مشکلیں امتِ مرحوم کی آساں کردے ۔۔۔ مُورِ بے مایہ کو ہمدوش سلیماں کر دے
جنسِ نایابِ محبت کو پھر ارزاں کر دے ۔۔۔ ہند کے دیر نشینوں کو مسلماں کر دے

جوئے خوں می چکد از حسرت دیرینۂ ما

می تپد نالہ بہ نشتر کدۂ سینۂ ما ۱۸۸؎

اقبال کے یہاں دعا و مناجات انسان، مسلمان اور امتِ مسلمہ سب کے لیے کی گئی ہیں۔ اس مادی دنیا کا ایک عام انسان اپنے لیے جس انصاف وعدل کا طلبگار ہے۔ وہ یہاں کے نظام ہائے سیاست و معیشت اسے دینے سے قاصر ہیں۔ اس لیے وہ دعا کرتا ہے:

تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں
ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات
کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ
دنیا ہے تری منتظر روزِ مکافات ۱۸۹؎
یارب یہ جہانِ گزراں خوب ہے لیکن
کیوں خوار ہیں مردانِ صفا کیش و ہنر مند ۱۹۰؎

بطور مسلمان اقبالؔ اللہ تعالیٰ سے اسی دیرینہ 'رسمِ شبیری' کے آرزو مند ہیں۔ 'بازوئے حیدر، اور شرابِ عشق و معرفت کے طلب گار ہیں، نوجوان خون، ان کی آرزوؤں امیدوں اور دعاؤں کا مرکز ہے۔ ان کی دعائیہ شاعری کی بہترین اور نمائندہ مثال 'ساقی نامہ' کو قرار دیا جا سکتا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

شرابِ کہن پھر پلا ساقیا — وہی جام گردش میں لا ساقیا
مجھے عشق کے پر لگا کر اڑا — مری خاک جگنو بنا کر اڑا
خرد کو غلامی سے آزاد کر — جوانوں کو پیروں کا استاد کر
جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے — مرا عشق، میری نظر بخش دے
مرے دیدۂ تر کی بے خوابیاں — مرے دل کی پوشیدہ بے تابیاں
مرے نالۂ نیم شب کا نیاز — مری خلوت و انجمن کا گداز
امنگیں مری، آرزوئیں مری — امیدیں مری، جستجوئیں مری
مرا دل مری رزم گاہِ حیات — گمانوں کا لشکر، یقیں کا ثبات
یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر — اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر
مرے قافلے میں لٹا دے اسے
لٹا دے، ٹھکانے لگا دے اسے ۱۹۱؎

'طارق کی دعا' میں بھی اقبالؔ مسلمانوں کے شاندار گزشتہ ماضی کو یاد کرتے ہوئے مردِ مومن کے لیے اس

طرح دعا کرتے ہیں:

دل مردِ مومن میں پھر زندہ کر دے
وہ بجلی کہ تھی نعرۂ لاتذر میں

عزائم کو سینوں میں بیدار کر دے
نگاہِ مسلماں کو تلوار کر دے ۱۹۲؎

'دلِ مسلم' کے لیے ایک اور مقام پر اس طرح دعا گو ہیں:

یارب دلِ مسلم کو وہ زندہ تمنا دے
جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے
پھر وادیٔ فاراں کے ہر ذرے کو چمکا دے
پھر شوقِ تماشا دے، پھر ذوقِ تقاضا دے ۱۹۳؎

اور جہاں اقبالؔ نے صرف اپنی ذات کے لیے دعائیں کی ہیں۔ ان ذاتی دعاؤں کی ابتدائی شکل تو ''بانگ درا'' کی نظم ''آرزو'' میں نظر آتی ہے۔ جو اقبال کی شاعری کا آغاز ہے۔ کہتے ہیں:

دنیا کی محفلوں سے اکتا گیا ہوں یا رب کیا لطف انجمن کا جب دل ہی بجھ گیا ہو
شورش سے بھاگتا ہوں دل ڈھونڈتا ہے میرا ایسا سکوت جس پر تقریر بھی فدا ہو

مگر ذاتی آرزوؤں پر، اس دور میں بھی اقبالؔ کی دردمند فطرت غالب آجاتی ہے اور اقبالؔ خاتمہ ان اشعار پر کرتے ہیں:

ہر درد مند دل کو رونا مرا رلا دے
بے ہوش جو پڑے ہیں شاید انھیں جگا دے ۱۹۴؎

اقبالؔ کی دلکش ترین دعا ان کی وہ رباعی ہے، جہاں وہ اس غفّار و ستار العیوب پر پورا ایمان رکھتے ہوئے، نبی اکرمؐ کے سامنے شرمساری سے بچنے کی دعا کرتے ہیں۔

تو غنی ازہر دو عالم من فقیر
روزِ محشر عذر ہائے من پذیر
ور حسابم را تو بینی ناگذیر
از نگاہِ مصطفی پنہاں بگیر ۱۹۵؎

۲۵۔مولانا محمد علی جوہر(۱۸۷۸ء......۱۹۳۱ء) تحریکِ پاکستان کے نامور رہنما ممتاز صحافی اور منفرد شاعر تھے۔ وہ تحریکِ خلافت کی روح و رواں تھے۔ انھوں نے اپنے عہد کے ممتاز انگریزی اخبار 'کامریڈ' اور'ہمدرد' کی ادارات کے فرائض سرانجام دیے۔ اردو حمد کی تاریخ ان کے معروف اور بلند پایہ حمدیہ اشعار کے بغیر مکمل ہی نہیں ہوسکتی:

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا میرے لیے ہے
کیا ڈر ہے جو ہو ساری خدائی بھی مخالف
کافی ہے اگر ایک خدا میرے لیے ہے ۱۹۶؎

ان کی ایک اور دلکش حمد ملاحظہ ہو جن میں اپنے منفرد اور دوٹوک انداز میں تمجید الٰہی کرتے ہیں:

تجھے تسکینِ دل پایا، تجھے آرامِ جاں پایا
نہاں بھی ہے تو کیا، تجھ کو جہاں ڈھونڈا وہاں پایا
ہمیں ہر چیز میں یارب نظر آئی ادا تیری
وہ کیسے ہوں گے جن لوگوں نے تجھ کو بے نشاں پایا
کوئی نا مہرباں ہو کر ہمارا کیا بگاڑے گا
کرم تیرا تو ہے ہم پر، تجھے تو مہرباں پایا
ترا وہ مبتلا، ناکام سمجھا جس کو دنیا میں
اُسی کو سرخرو دیکھا، اُسی کو کامراں پایا

ان کے خیال میں ایمان و یاس ایک دل میں اور وہ بھی بندۂ مومن کے دل میں ہرگز یکجا نہیں ہو سکتے ۔ کہتے ہیں:

جہاں ایماں ہو، واں کیسے گزر ہو یاس و حرماں کا
کسی مومن کو بھی اے دل! خدا سے بدگماں پایا؟ ۱۹۷؎

مولانا محمد علی جوہرؔ ایسے مومن کامل تھے۔ جن کی رضا رضائے الٰہی میں گم تھی ہر وقت، ہر حال میں رضا برضا رہنے والے سچے عاشق اور حماد کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

مری مرضی ہوئی گم جب سے تری مرضی میں

بندگی ہی میں ملے ساری خدائی کے مزے ۱۹۸؎

ہم کو تو ایک تجھ سے دو عالم میں ہے غرض
سب بدگماں ہوا کریں تو بدگماں نہ ہو ۱۹۹؎
راضی ہیں جو رضائے الٰہی میں ان کو کیا
جو چاہے ان کو گردشِ لیل و نہار دے ۲۰۰؎

ہم پھریں تجھ سے یہ نہ ہو یارب
اس سے پہلے ہمیں اٹھا لینا ۲۰۱؎

صرف اللہ تعالیٰ ہی کو اپنے مالک و مولا سمجھتے ہیں۔ اسی کے آگے سر جھکاتے ہیں اور اسی سے استمداد طلب کرتے ہیں۔ اس لئے اس کی ذات پر پورا یقین بھی رکھتے ہیں۔

کیا نہ ہو گی میری ہی حاجت روا
جس کا مولا قاضئ الحاجات ہے ۲۰۲؎

ایک ہی در کا بھکاری ہوں مجھے
اک فقط تیرا سہارا چاہیے ۲۰۳؎

مولانا محمد علی جوہرؔ کا حمدیہ کلام صرف قال ہی نہ تھا بلکہ چندانکہ می نمایم ،ہستم کی تفسیر تھا۔ اپنی بیٹی آمنہ کی علالت پر کی جانے والی دعا ان کی قلبی کیفیات کی آئینہ دار ہے۔ اپنی لاڈلی بیٹی کی جان لیوا بیماری پر انتہائی رقتِ قلبی اور سوز و گداز کے ساتھ کبھی تڑپ تڑپ کر خدا سے مخاطب ہوتے ہیں اور کبھی اپنی بیٹی کو مخاطب کر کے راضی بررضا رہنے کی تلقین کرتے ہیں۔اس موقع پر مولانا جیل میں تھے۔ عالم بے بسی، بے چارگی کے باوجود ان کی عالی حوصلگی قابل داد ہے۔ بیٹی سے کہتے ہیں۔

میں ہوں مجبور ، پر اللہ تو مجبور نہیں
تجھ سے میں دور سہی ، وہ تو مگر دور نہیں

معیارِ ایمانی اس وقت بھی پیش نظر ہے۔ کہتے ہیں۔

امتحاں سخت سہی، پر دِل مومن ہی وہ کیا

جو ہر اک حال میں امید سے معمور نہیں
ہم کو تقدیرِ الٰہی سے نہ شکوہ نہ گلہ
اہلِ تسلیم و رضا کا تو یہ دستور نہیں

رو رو کر اور گڑ گڑا کر اللہ کو اس کی قدرت کا واسطہ دیتے ہیں۔

تُو تو مردوں کو جِلا سکتا ہی قرآن میں کیا
تخرج الحی من المیتِ مذکور نہیں؟
تیری قدرت سے خدایا، تیری رحمت نہیں کم
آمنہ بھی جو شفا پائے تو کچھ دور نہیں

اور اس نظم کا مندرجہ ذیل شعر اصحاب اولاد، کے دلوں کو تڑپا کے رکھ دیتا ہے مگر مولانا کے ایمانِ کامل، بلند حوصلگی اور راضی بررضا رہنے کی کیسی دلیل ہے؟

تیری صحت ہمیں مطلوب ہے لیکن اس کو
نہیں منظور ،تو پھر ہم کو بھی منظور نہیں ۲۰۴؎

یہ ان کے خدا پر کامل ایمان ویقین کا ہی نتیجہ تھا کہ خود ذاتِ باری تعالیٰ نے بھی اپنے بندے کی لاج رکھی اور اسے آزاد سرزمین میں دفن ہونے کی سعادت عطا کی۔ شاید اسی لیے وہ خود کہہ گئے تھے۔

ہے رشک ایک خلق کو جوہرؔ کی موت پر
یہ اس کی دین ہے جسے پروردگار دے ۲۰۵؎

۲۶۔فانی بدایونی(۱۸۷۹ء......۱۹۴۱ء)شوکت علی خان نام، بدایوں کے رہنے والے اور نسلاً پٹھان تھے۔ وہ پیشے کے اعتبار سے وکیل تھے۔

۱۸۹۹ء میں ایک حادثۂ جانکاہ سے متاثر ہو کر اپنا تخلص فانیؔ رکھا فانیؔ کو یاسیہ شاعری کا امام کہا جاتا ہے۔ حیدرآباد دکن میں وفات پائی۔

فانی کی شاعری یاسیہ ہونے کے علاوہ متصوفانہ بھی ہے۔ ان کے متصوفانہ افکار و واردات میں جو وابستگی نظر آتی ہے، اس مین ان کے وطن بدایوں کی مذہبی روایات کا بھی حصہ ہے۔ عام طور پر انھیں قنوطی اورغم زدہ شاعر کہا جاتا ہے، مگر ان کے کلام سے ایسی مثالیں بھی مل جاتی ہیں۔

موجوں کی سیاست سے مایوس نہ ہو فانیؔ

گرداب کی ہر تہہ میں ساحل نظر آتا ہے ۲۰۶؎

ایچ۔ ایچ۔ امام اکبر آبادی جن کی فانیؔ سے ملاقاتیں رہیں، جوانی کے عالم شباب کی رنگینیاں اور بعد ازاں زہد و ورع کی زندگی اختیار کرنے کی بابت لکھتے ہیں:

''جوانی میں جسے تجربہ کار لوگوں نے دیوانی کا خطاب دیا ہے۔ فانیؔ کا دل و دماغ بھی مرجعِ اضطراب و مسکن شورش و التہاب بن گیا اور جمالِ باصرہ نواز کی پرستش کرنے لگا۔ جب میں کہتا تھا کہ فانیؔ صاحب آپ تو جوانی کی خوب داد دے رہے ہیں تو آپ جامی کا یہ شعر پڑھتے کہ:

متاب از عشق رو گرچہ مجازیست
کہ آں بہرِ حقیقت کار سازیست

''اور کہتے کہ بھائی امام! جوانی کا صحیح مصرف تو اسے تباہ کر دینا ہی ہے۔ بہر حال جب غشاوۂ قلب و بصر ہٹا تو ۱۹۲۶ء میں آپ آگرے آگئے تو دیکھا کہ وہ فانیؔ جو کل جمال ہم نشیں سے لطف اندوز اور حسن گذیدہ تھے آج وہی فانیؔ خشوع و خضوع کے ساتھ رکوع و سجود کے کاروبار میں محو و مستغرق ہیں اور طائر ملکوتی بننا چاہتے ہیں۔'' ۲۰۷؎

'سبدِ گل' سے ایک رباعی ملاحظہ ہو جو فانیؔ کے منقلب دل و دماغ کی مظہر ہے:

دیر میں یا حرم میں گزرے گی
عمر تیرے ہی غم میں گزرے گی
کچھ امیدِ کرم میں گزری عمر
کچھ امیدِ کرم میں گزرے گی ۲۰۸؎

''در حمدِ حق سبحانہٗ تعالیٰ'' کے ابتدائی اشعار میں اللہ تعالیٰ کے حمد بیان کرتے ہوئے اسمائے حسنہ ان کے پیش نظر رہتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں:

اے خدائے جلیل بندہ نواز — ذوالمنن بے نیاز و بے انباز
وحدہٗ لا شریک و بے ہمتا — تجھ سے سب ہیں کوئی نہیں تجھ سا
عالم الغیب ہے خبیر ہے تو — سب پہ قادر ہے تو قدیر ہے تو

ذات تیری غنی، کریم ہے تو ہادیٔ راہِ مستقیم ہے تو

اللہ تعالیٰ کی عطاؤں کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

تو نے کیا کیا دیا ہے کس کس کو زلف سنبل کو، چشم نرگس کو
گل کو عارض، زبان سوسن کو قد دیا تو نے سروِ گلشن کو
برق کو تیز گام تو نے کیا کبک کو خوش خرام تو نے کیا
چشمۂ مہر میں ضیا تیری روضۂ دہر میں فضا تیری ۲۰۹؎

فانیؔ کی مہارتِ شعری اور قادر الکلامی کا اندازہ ان کی اس بے نقط حمد سے بخوبی کیا جا سکتا ہے:

حمد داوار ہر دو عالم کو مرسلِ مرسل مکرم کو
مصدر لا الہ الا اللہ ملہم احمد الرسول اللہ
حاصل و اصل ہر حصول و اصول محرم سرسائل و مسئول
حاکم امر محمد و مطرود عالم علم ملحد و محمود
داور دور کرۂ دوار مالک الملک عالم الاسرار ۲۱۰؎

۲۶۔ آغا حشر کاشمیری (۱۸۷۹ء......۱۹۳۸ء) کا اصل نام آغا محمد شاہ تھا۔ اگرچہ آغا حشر کاشمیری کی شہرت بیشتر ڈرامہ نویسی سے ہے۔ مگر اس کے ساتھ ان کو اپنے عہد کی تحریکوں سے بھی بہت دلچسپی تھے۔ انھوں نے شدھی اور سنگھٹن کی تحریکوں میں بڑے جوش وخروش سے حصہ لیا۔ وہ ایک اچھے شاعر بھی تھے۔ ان کی مندرجہ ذیل مناجات اردو شاعری میں منفرد مقام رکھتی ہے۔

آہ جاتی ہے فلک پر رحم لانے کے لیے
بادلو! ہٹ جاؤ دے دو راہ جانے کے لیے
اے دعا! ہاں عرض کر عرشِ الٰہی تھام کے
اے خدا! اب پھیر دے رُخ گردشِ ایام کے
خلق کے راندے ہوئے، عالم کے ٹھکرائے ہوئے
آئے ہیں اب تیرے در پر ہاتھ پھیلائے ہوئے
رحم کر، اپنے نہ آئینِ کرم کو بھول جا
ہم تجھے بھولے ہیں لیکن تو نہ ہم کو بھول جا
خوار ہیں ، بدکار ہیں، ڈوبے ہوئے ذلت میں ہیں

کچھ بھی ہیں لیکن ترے محبوبؐ کی امت میں ہیں
حق پرستوں کی اگر کی تونے دل جوئی نہیں
طعنہ دیں گے بت کہ مسلم کا خدا کوئی نہیں ۲۱۱؎

۲۷۔حافظ پیلی بھیتی، قاضی خلیل الدین(۱۸۸۰ء......۱۹۲۹ء) حافظ صاحب ایک قادر الکلام اور پرگو شاعر ہیں۔آٹھ نعتیہ دواوین کے خالق ہیں۔ ان آٹھ نعتیہ دواوین میں ۱۱ حمدیں ہیں۔جن میں سے چند کے مطلع درج ذیل ہیں۔

وہ گھر نہیں ہے کہیں گھر نہیں جہاں تیرا
مکاں ترا ہے، مکیں تو ہے لامکاں تیرا

تو ہے مولیٰ مرے مولیٰ، میں ہوں بندہ تیرا
میں ترا، تو ہے مرا، کچھ نہیں میرا تیرا

حمد و ثنا کے لائق ہے ایک ذات والا
سبحٰنہٗ تعالیٰ، سبحٰنہٗ تعالیٰ

تو ہے پوشیدہ ، ہر اک شے میں ہے جلوہ تیرا
اتنی بے پردگیوں پر بھی ہے پردہ تیرا ۲۱۲؎

ان کے حمدیہ کلام میں لطافتِ زبان و بیان ہے۔ والہانہ سرمستی وسرشاری کی کیفیت ان کی اس حمد سے بخوبی عیاں ہوتی ہے:

تو ہے مولا، مرے مولا، میں ہوں بندہ تیرا
میں ترا، تو ہے مرا، کچھ نہیں میرا تیرا
تو نے عاشق جو بنایا تو ہوا میں عاشق
تونے چاہا تو ہوا، چاہنے والا تیرا
عرصۂ حشر میں حافظؔ نہ ہو رسوا یا رب
نام لیوا میرے پیارے کا ہے پیارا تیرا ۲۱۳؎

۲۸۔حسرت موہانی(۱۸۸۰ء......۱۹۵۱ء) نام سید فضل الحسن اور تخلص حسرتؔ ہے۔'موہان' میں

پیدا ہوئے۔ علی گڑھ سے بی۔اے کیا۔ علی گڑھ سے انھوں نے اپنا مشہور رسالہ 'اُردوئے معلّیٰ' نکالا۔ اولاً کانگریس میں شامل ہوئے۔ انگریزوں کی مخالفت کرنے پر دو سال قید کی سزا بھگتی۔ مولانا ظفر علی خان کے ساتھ مل کر مجلس احرار قائم کی۔ کانگرس سے بدظن ہو کر مسلم لیگ کے زبردست حمایتی بن گئے پاکستان بننے کے بعد ہندوستان ہی میں رہے اور پارلیمنٹ کے ممبر منتخب ہو کر حق کی آواز بلند کرتے رہے۔ اور آخر ۱۳ مئی ۱۹۵۱ء کو دنیا کے ہنگاموں سے کنارہ کش ہو کر انوار باغ لکھنؤ میں ابدی نیند سو گئے۔ کلیاتِ حسرتؔ موہانی میں تیرہ دیوان اور ایک ضمیمہ شامل ہے۔ غزل کے علاوہ حسرتؔ نے مثنویات بھی لکھی ہیں۔ حسرتؔ کی غزل کے بنیادی طور پر دو موضوع ہیں۔ ایک تو شعرائے مقتدمین کے رنگ میں حسن و عشق کا موضوع، جس میں حسرتؔ نے اپنی افتادِ طبع کے مطابق جدت طرازی بھی کی ہے۔ دوسرے حسرتؔ چونکہ زبردست سیاستدان بھی تھے اور مشقِ سخن کے ساتھ چکی کی مشقت بھی انجام دیتے رہے۔ اس لیے سیاسی رنگ کے اشعار بھی ان کے کلام میں جا بجا نظر آتے ہیں اور وہاں ان کا آہنگ بھی موضوع کے اعتبار سے پر جوش اور ولولہ انگیز ہو جاتا ہے۔ دیوان حسرتؔ حصہ اوّل کی پہلی غزل میں کہتے ہیں:

لاؤں کہاں سے حوصلہ آرزوئے سپاس کا
جبکہ صفاتِ یار میں دخل نہ ہو قیاس کا
لطف و عطائے یار کی عام ہیں شہرتیں کہ بس
قلبِ گناہ گار میں نام نہیں ہراس کا

اور دعا یوں کرتے ہیں:

دل کو ہو تجھ سے واسطہ، لب پہ ہو نامِ مصطفیٰ
وقت جب آئے اے خدا خاتمہ حواس کا ۲۱۴؎

حسرتؔ کے نزدیک اہل رضا کی رضا، خدا کی رضا میں مدغم ہو جاتی ہے اس لیے ذکر مدعا، اہلِ رضا کا شیوہ نہیں۔ اور خدا تو وہ ہے جو بندے کی عرضِ خطا سن کر بخش دیتا ہے۔ فرماتے ہیں:

دعا میں ذکر کیوں ہو مدعا کا
کہ یہ شیوہ نہیں اہلِ رضا کا
طلب میری بہت کچھ ہے مگر کیا
کرم تیرا ہے اک دریا عطا کا
گناہ گارو! چلو عفوِ الٰہی

بہت مشتاق ہے عرضِ خطا کا ۲۱۵؎

وہ اللہ تعالیٰ کے رحیم وکریم وغفور ہونے کا یقین پختہ رکھتے ہیں اور اس کی محبت پر ناز کرتے ہوئے کہتے ہیں:

میں بھی امیدوار ہوں باغِ نعیم کا
آخر گناہ گار ہوں کیسے کریم کا
وابستۂ حکیمِ ازل ہے مرا علاج
واقف نہیں کوئی مرے حالِ سقیم کا
حاجت نہیں کہ اس سے کروں عرض آرزو
بندہ ہوں میں خدائے کریم و علیم کا ۲۱۶؎

کلیاتِ حسرتؔ (مرتبہ ڈاکٹر نور الحسن ہاشمی) میں ''مثنوی ساقی نامہ'' میں تخلیقِ کائنات کے موضوع پر لکھتے ہوئے، وہ مظاہر کائنات کو شراب، جام، خم اور اس کے متعلقات سے تشبیہ دیتے ہوئے کہتے ہیں:

ہے لایق حمد و شکر وہ ذات — آباد کی جس نے یہ خرابات
اوّل تو خم فلک بنائی — مے اس میں بھری بصد صفائی
رکھے مہ و مہر اس میں دو جام — گردش دیے ان کو صبح اور شام
رخشاں کیے انجم اور پروین — جوں شیشے میں ہو شراب رنگیں
اس جامِ فلک کی مے فسوں ہے — خودمستی سے جس کے سرنگوں ہے
اس جام کی ایک گردش اے یار — مدہوش کرے ہزار ہشیار
رکھتے ہیں ملک اگرچہ تجرید — وہ بھی تو ہیں مست جامِ توحید
لے پیر مغاں سے اب اجازت — تو جام کرے ہمیں رعایت۲۱۷؎

حسرتؔ کی حمدیہ شاعری سے ایک منفرد مثال پیشِ خدمت ہے جس کا ایک مصرعہ اردو اور دوسرا عربی میں ہے۔جس سے ان کی قادرالکلامی کا اندازہ ہوتا ہے:

کیا حمد کہوں تیری مجھے نہیں یارا
یا من خلق الخلق و لیلاً و نھارا
سبحان تری ذات کہ احمدؐ سے نبیؐ نے

قد سبح تسبیحک سراً و جھارا
ہر وقت کے رونے سے مگر کیا کرے حسرتؔ
قد احرقتہ الدمع ولا یسکن نارا ۲۱۸؎

۲۹۔اصغر گونڈوی(۱۸۸۴ء......۱۹۳۶ء)اصغرحسین اصغر ۱۸۸۴ء میں گونڈہ (یو۔پی)میں پیدا ہوئے ۔جہاں ان کے والد تفضّل حسین قانون گو تھے۔ابتدائی تعلیم گونڈہ میں پائی مگر بعض خانگی وجوہ سے آٹھویں جماعت سے آگے نہ بڑھ سکے ۔بعد میں ذاتی توجہ سے اردو ،فارسی ،عربی اور انگریزی میں خاصی استعداد پیدا کرلی ۔آپ صوفی منش اور درویش طبع تھے ۔آپ نے قاضی سید عبدالغنی منگلوریؒ سے بیعت ہوکر ان کی صحبت سے شرافتِ نفسی کو اپنا مطمحِ نظر بنا یا اور درویشی اور قناعت پسندی اختیار کی۔آپ کے کلام کے دو مجموعے’’ نشاطِ روح‘‘ اور’’سرودِ زندگی‘‘ کئی مرتبہ شائع ہو چکے ہیں ۔

اصغرؔ گونڈوی کی شاعری میں حمد اور متصوفانہ مضامین وانداز اس طرح گھل مل گئے ہیں کہ انھیں الگ کرنا بہت مشکل ہے ۔اصغرؔ نے حمد کے مضامین میں بلندی پیدا کی اور محبوبِ حقیقی کے تصور کو اس کی واجب بلندیوں تک پہنچایا ۔پروفیسر اسرار احمد سہاروی اپنے مضمون’’اصغر گونڈوی کی حمد نگاری‘‘میں لکھتے ہیں :

’’انھوں نے حمد میں جو کچھ کہا ہے وہ عام ڈگر سے ہٹ کر کہا ہے ۔تعریف اور اظہارِ محبت میں احترام ِعظمتِ خداوندی کو پوری طرح ملحوظِ خاطر رکھا دوسری خصوصیات ان کی حمد میں پیدا ہوئی کہ انھوں نے حمد اور تغزل کو ملا کر ایک نہایت دل کش آمیزہ تیا رکیا ۔غزل میں اعلیٰ معیار کی حمد انہی کا طرہ امتیاز ہے‘‘ ۲۱۹؎

اصغر گونڈوی نے اپنے حمدیہ کلام میں بیک وقت حکمت ،معرفت اور عشق کے مضامین ادا کئے ہیں ۔ذیل میں کلام اصغرؔ سے حمد کی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں ۔جن میں انھوں نے تصور الہٰ کے اسلامی زاویوں کو نئے انداز میں بیان کیا ہے :

ادنیٰ سا یہ حیرت کا کرشمہ نظر آیا
جو تھا پسِ پردہ ،سرِ پردہ نظر آیا ۲۲۰؎

کس درجہ ترا حسن بھی آشوبِ جہاں ہے

جس ذرے کو دیکھا وہ تڑپتا نظر آیا ۲۲۱؎

ترے جلووں کے آگے ہمتِ شرحِ بیاں رکھ دی
زبانِ بے نگہ رکھدی، نگاہِ بے زباں رکھ دی ۲۲۲؎

کس طرح حسنِ دوست ہے بے پردہ آشکار
صدہا حجابِ صورت ومعنیٰ لیے ہوئے ۲۲۳؎

تجلیاتِ الٰہی کی تاب لانا انسان کے بس میں کہاں ہے۔؟اصغر اس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں:

کیا فیض بخشیاں ہیں رخِ بے نقاب کی
ذروں میں روح دوڑ گئی آفتاب کی
طاقت کہاں مشاہدۂ بے حجاب کی
مجھ کو تو پھونک دے گی تجلی نقاب کی

قرآن پاک کی آیت مبارکہ 'نحن اقرب الیہ من حبل الورید' کی توضیح ایک شعر میں اس طرح کرتے ہیں:

ہر شے میں تو ہی تو ہے، یہ بُعد یہ حرماں ہے
صورت جونہیں دیکھی یہ قربِ رگ جاں ہے ۲۲۵؎

وحدت الوجودی فلسفے پر مبنی درج ذیل شعر دیکھئے:

جو نقش ہے ہستی کا دھو کا نظر آتا ہے
پردے پہ مصور ہی تنہا نظر آتا ہے ۲۲۶؎

مختصراً یہ کہ اصغرؔ کی حمدیہ شاعری حسنِ تخیل اور حسنِ بیان کا منفرد اور دلکش مجموعہ قرار دی جاسکتی ہے۔

۳۰۔یاس یگانہ چنگیزی (۱۸۸۴ء۔۱۹۵۶ء)نام واجد حسین تھا۔پہلے یاسؔ تخلص کرتے تھے۔بعد میں یگانہؔ ہوگئے۔عظیم آباد جائے پیدائش تھی مختلف جگہوں پر ملازمت کی۔اخیر عمر میں لکھنو چلے آئے اور وہیں وفات پائی۔

یاسؔ اپنی غالبؔ شکنی کے باعث اردو ادب میں شہرت کے حامل ہیں۔حالانکہ ان کے کلام پر خود غالبؔ کے اثرات نظر آتے ہیں۔ان کی شعری تصانیف میں''نشترِ یاس''، ''ترانہ''، اور''گنجینہ غزلیات'' معروف ہیں۔

ڈاکٹر مشفق خواجہ نے یگانہؔ کا کلیات مرتب کیا ہے۔یگانہؔ کا مشہور ترین شعر ان کی خدا شناسی کے حوالے سے درج ذیل ہے:

خودی کا نشہ چڑھا ، آپ میں رہا نہ گیا
خدا بنے تھے یگانہؔ ، مگر بنا نہ گیا ۲۲۷؎

واضح رہے کہ مندرجہ بالا شعر میں خودی کا لفظ خود پسندی کے مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔غالبؔ کے اثرات اس رباعی میں دیکھیے، جہاں وہ غالب کے ''کاغذی پیرھن'' کو تصویر کے پیرھن، کے الفاظ دیتے ہیں۔

یوسف کو اس انجمن کیا ڈھونڈتا ہے
ہنگامۂ ما و من میں کیا ڈھونڈتا ہے
نیرنگ تماشہ ہے حجاب معنی
تصویر کے پیرھن میں کیا ڈھونڈتا ہے ۲۲۸؎

'اپنے خدا' کی انفرادیت کس ناز سے بتاتے ہیں:

درد اپنا کچھ اور ہے، دوا ہے کچھ اور
ٹوٹے ہوئے دل کا آسرا ہے کچھ اور
ایسے ویسے خدا تو بہتیرے ہیں
میں بندہ ہوں جس کا وہ خدا ہے کچھ اور ۲۲۹؎

اس دنیائے فانی میں، خدائے واحد و حقیقی کے علاوہ انسانوں کو نجانے کتنے ہی متکبر و مغرور خداؤں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، جو انھیں خدائے واحد کی یاد دلاتے ہیں۔ یگانہؔ اس حقیقت کی نشاندہی اس طرح کرتے ہیں:

یادش بخیر یادِ خدا آ ہی جاتی ہے
اپنی طرف سے لاکھ بھلایا کرے کوئی
بندے نہ ہوں گے جتنے خدا ہیں خدائی میں
کس کس خدا کے سامنے سجدہ کرے کوئی ۲۳۰؎

اور اب آخر میں یگانہؔ کی معروف غزل درج کی جاتی ہے، جس میں حمد بھی ہے اور خدا شناسی کی تلقین بھی:

پکارتا رہا کس کس کو ڈوبنے والا
خدا تھے اتنے مگر کوئی آڑے آ نہ گیا
بتوں کو دیکھ کے سب نے خدا کو پہچانا

خدا کے گھر تو کوئی بندۂ خدا نہ گیا
کرشن کا ہوں پجاری، علیؑ کا بندہ ہوں
یگانۂ شانِ خدا دیکھ کر رہا نہ گیا ۲۳۱؎

۳۱۔ تلوک چند محروم(۱۸۸۷ء......۱۹۶۶ء)تلوک چند نام، محروم تخلص، بھگت دیال کے فرزند، گاجراں (تحصیل عیسیٰ خاں، ضلع بنوں) میں پیدا ہوئے گریجوایٹ ہونے کے بعد انگلش ٹیچر کی حیثیت سے پیشہ وارانہ مصروفیات کا آغاز کیا۔ رام لعل نا بھوی کے بقول:

''جامع شخصیت کے مالک تھے۔ وہ بیک وقت شاعر، نثر کے نقاد، مترجم اور صحافی تھے۔ وہ شرافت، اخلاقِ عالیہ، تہذیب ، وضع داری، متانت اور انکساری کا مجسمہ تھے۔ دانشوروں نے انھیں قومی تحریک کا شعلہ بار شاعر، تہذیب ساز شاعر، امن و انسانیت کا شاعر ، مبلغ، مفکر، دانش وفن کا امام، معلّم اخلاق، صوفیٔ باصفا، پاکیزہ طینت اور بلند کردار لکھا ہے۔ ان کی وفات پر ہندوستان اور پاکستان کی برگذیدہ ہستیوں نے خراجِ عقیدت پیش کیا۔ پاکستان رائٹرز گلڈ نے ان کے وطن عیسیٰ خیل میں تقاریب اور جلسے منعقد کیے۔'' ۲۳۲؎

اکبرؔ الٰہ آبادی نے ذیل کی رباعی لکھ کر ان کی شاعرانہ طباعی کی تعریف کی تھی:

ہے داد کا مستحق کلام محروم
لفظوں کا جمال اور معانی کا ہجوم
ہے ان کا سخن مفید و دانش آموز
ان کی نظموں کی ہے بجا ملک میں دھوم ۲۳۳؎

'گنجِ معانی' میں آغاز کی آٹھ نظمیں ''حمد و معرفت'' کے عنوان سے ہیں۔ ایک غیر مسلم شاعر کے کلام کے ایک ہی مجموعے سے حمدیہ نظموں کی ایسی وقیع تعداد ہمیں اس کے کلام کے بیشتر اور غالب رجحان سے آگاہ کرتی ہے۔ ان نظموں کے عنوانات ''زمزمۂ توحید''، ''ترانۂ وحدت''، ''تو ہی تو ہے''، ''یہ کس کے جلوے ہیں سارے''، ''خطا کس کی ہے''، ''کشفِ حقیقت''، ''سرود ازل'' اور ''گورونانک دیوؔ'' ہیں۔ ان میں سے نمونے کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

زمزمۂ توحید:

ناقوس میں تو، اذاں میں تو ہے ہر شور میں، ہر فغاں میں تو ہے
ہر قافلہ میں تری صدا ہے ہر منزل و ہر نشاں میں تو ہے
ہے تیرے بغیر کون موجود ہے کوئی اگر جہاں میں تو ہے ۲۳۴؎

ترانۂ وحدت:

ترے عشق میں ہوا ہے گل تر جو پاک داماں
تو اسی لئے چمن میں وہ بہت شگفتہ رُو ہے
وہ کرشمہ اب دکھا دے کہ رہے مری زبان پر
''مجھے تیری آرزو ہے''! ''مجھے تیری آرزو ہے'' ۲۳۵

مذکورہ بالا اشعار میں سے پہلے شعر میں محرومؔ نے کمال خوبصورتی و مہارت سے صنعت حسن التعلیل کے برمحل استعمال سے شعر کے حسن میں چار چاند لگا دیے ہیں۔''تو ہی تو ہے'' مخمس کے مندرجہ ذیل بند میں اندرونی قوافی کا دلکش استعمال ملاحظہ ہو:

نہیں گو بہ قید مکان و زماں تو زمیں پر، فضا میں، سر آسماں تو
کہوں کیا، کہاں ہے، نہیں ہے کہاں تو نہاں تو، عیاں تو، یہاں تو، وہاں تو
جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تُو ہی تُو ہے ۲۳۶؎

'گورونانک دیوؔ' میں شرابِ معرفت کی تاثیر بتاتے ہیں جو مے خور کو بن پئے بھی خیال چشم ساقی کے نشے میں چُور رکھتی ہے ذاتِ واحد کے لیے دلکش استعاراتی انداز بیان ہے:

وہ مے اپنی ہے جس سے بن پئے مخمور رہتے ہیں
خیالِ چشمِ ساقی کے نشے میں چُور رہتے ہیں ۲۳۷؎

'رباعیات محرومؔ' میں حمدیہ و مناجاتیہ رباعیات کی کل تعداد'۲۱' ہے۔ ہر رباعی خود اپنی جگہ سراپا انتخاب ہے۔محرومؔ کا قلم جا بجا ایسے حکیمانہ و اسلامی خیالات پیش کرتا ہے جو کسی طور بھی ایک غیر مسلم کے قلم کا شاہکار نہیں لگتے۔اور قاری انھیں سراہنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

زندہ ہیں تری رضا پہ مرنے والے
یہ ڈوب کے ہیں پار اترنے والے
بے خوف وہی ہیں جن کو ہے خوف ترا

کس سے ڈرتے ہیں تجھ سے ڈرنے والے ۲۳۸؎

دروازے پہ تیرے اک جہاں جھکتا ہے
اونچے اونچوں کا سر یہاں جھکتا ہے

کیوں کر نہ جھکے زمیں کی وقعت کیا ہے
باعجز و نیاز آسماں جھکتا ہے ۲۳۹؎

اپنے تخلص 'محرومؔ' کا فائدہ کتنے زبردست انداز میں اٹھاتے ہیں:

اے خالق ذوالجلال وے ربِ غفور
ہے تیرے کرم سے جُملہ نیرنگ ظہور
ہے رحمتِ عام کار فرما تیری
محرومؔ ہوں میں تو اس میں میرا ہے قصور ۲۴۰؎

رام لعل نابھوی نے اپنی کتاب 'تلوک چند محرومؔ' میں محروم کے درج ذیل حمدیہ اشعار بطور نمونہ درج کئے ہیں: جن میں محرومؔ کے کلام میں قرآنی مفاہیم مضمر ہیں:

اے خالقِ دشت و جبل و قلزم و صحرا — اے مالکِ افلاک و مہ و مہر و ثریا
ہر نقش میں اے نقش طرازندۂ دنیا — دیکھا ہے بہ حیرت تیری قدرت کا تماشا
جامد ہے کوئی یا متحرک ہے کہ سیال — پابند ترے حکم کی ہر شے ہے بہر حال
ہیں گرمِ عمل تیری اطاعت میں عناصر — مصروف شب و روز ہیں خدمت میں عناصر
بے تاب رہے ابر میں اور گرنے نہ پائے — بجلی کو اگر تیرا اشارہ نہ گرائے
تنویر تری پر تو خورشید و قمر میں — توقیر تری سیم و زر و لعل و گہر میں

اترائے اگر اس پہ بشر بھول ہے اس کی
یہ بات نہ معقول نہ مقبول ہے اس کی ۲۴۱؎

۳۳۔جگر مراد آبادی (۱۸۹۰ء......۱۹۶۰ء) شاعر رنگین بیاں حضرت جگرؔ مراد آبادی ۱۸۹۰ء میں پیدا ہوئے۔ علی سکندر نام جگرؔ تخلص تھا۔ مراد آباد کے رہنے والے تھے۔ آپ کا خاندان نہایت ممتاز اور با اثر تھا۔ آپ کے مورثِ اعلیٰ مولوی محمد سمیع دہلی کے رہنے والے تھے اور شاہجہاں کے استاد تھے۔ جگرؔ کو ابتداً فصیح الملک

داغ دہلوی سے اور ان کے بعد منشی امیر اللہ تسلیم لکھنوی سے شرفِ تلمذ حاصل رہا۔"جگر کا لفظی کمال یہ ہے کہ سادگی اور تکلف کی شانِ بے نیازی کے باوجود اس میں بے حد فطری آرائش اور خود نمائشی حسن ہے۔ سرمستی و سرشاری ہے۔ تاثر اور دل فگاری اس کے ہر مصرعے کی جان ہے۔۲۴۲؎

ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط، جگر مراد آبادی کا تعارف کراتے ہوئے کہتے ہیں:

اس دور میں جبکہ غزل گوئی اردو کے شعری ادب کی تاریخ میں نہایت پامال صنف سمجھی جارہی تھی، علی سکندر جگر مراد آبادی تغزل کی محفل سجائے ہوئے بیٹھے تھے۔ ان کی شاعری کی شاہ راہ میخانے سے ہو کر ساقی کوثر کی بزم تک پہنچتی ہے۔ اس راہ میں بت خانہ بھی ہے اور بیت اللہ بھی۔ وہاں عالم ناسوت بھی ہے اور عالم لاہوت بھی، وہاں کیف و سرور کے سامان بھی ہیں اور لطف سرشاری بھی۔ ان کی شاعری میں درس بیداری بھی ہے اور خود فراموشی بھی۔"۲۴۳؎

جگر کی شاعری میں متصوفانہ حمدیہ انداز ملاحظہ ہو:

کثرت میں بھی، وحدت کا تماشا نظر آیا
جس رنگ میں دیکھا تجھے، یکتا نظر آیا ۲۴۴؎

ایک اور مقام پر ذاتِ الٰہی میں تیقن نے ان کی حمدیہ شاعری میں بڑا تاثر و تاثیر پیدا کر دی ہے۔ کہتے ہیں:

تجھی سے ابتدا ہے تو ہی اک دن انتہا ہو گا
صدائے ساز ہو گی اور نہ سازِ بے صدا ہو گا
ہمیں معلوم ہے ہم سے سنو محشر میں کیا ہو گا
سب اس کو دیکھتے ہوں گے، وہ ہم کو دیکھتا ہو گا

اللہ تعالیٰ سے ملاقات کی آرزومندی دیکھیے:

جہنم ہو کہ جنت جو بھی ہو گا فیصلہ ہو گا
یہ کیا کم ہے ہمارا اور ان کا سامنا ہو گا

خدا کی رحمت کا بھی یقین ہے اور اقبال کی طرح بلند بانگ لہجہ بھی ان کی حمد میں نظر آتا ہے:

سرِمحشر ہم ایسے عاصیوں کا اور کیا ہو گا

درِجنت نہ ہوا ہو گا، درِ رحمت تو وا ہو گا
جگؔر کا ہاتھ ہو گا حشر میں اور دامنِ حضرت
شکایت ہو کہ شکوہ جو بھی ہو گا، برملا ہو گا ۲۴۵؎

۳۳۔جوش ملیح آبادی(۱۸۹۸ء...... ۱۹۸۲ء)شبیر احمد بعد میں شبیر حسن ’’لکھنو کے ایک قصبے ملیح آباد میں ۱۸۹۸ء میں پیدا ہوئے آباؤ اجداد اس علاقے کے جاگیردار تھے۔ بہت تھوڑی رسمی تعلیم حاصل کی۔ کچھ عرصہ حیدر آباد دکن میں ملازمت کی۔ رسالہ’’آج کل‘‘ دہلی کے مدیر رہے ۔اردو لغت بورڈ میں مدیر کی حیثیت سے کام کیا۔ ۱۹۸۲ء میں اسلام آباد میں انتقال ہوا اور وہیں تدفین ہوئی۔ متعدد مجموعے مثلاً ’’روحِ ادب‘‘،’’نقش و نگار‘‘،’’سنبل و سلاسل‘‘،’’ عرش و فرش‘‘،’’جنون و حکمت‘‘،’’سرود وخروش‘‘’’سیف و سبو‘‘،’’الہاد و الہام‘‘ وغیرہ شائع ہو چکے ہیں۔

جوؔش کا اولین مجموعہ’روح ادب‘ ہمارے پیش نظر ہے۔ یہ ۱۹۲۰ء میں ملیح آباد سے شائع ہوا۔ دیباچے میں جوش نے’روحِ ادب‘ کی شاعری کو اپنی’نو برس سے لے کر ۱۹۲۰ء تک کا کلام قرار دیا ہے۔ جوش کو’شاعرِ شباب‘ اور شاعرِ انقلاب، کہا جاتا ہے۔ بطور شاعرِ شباب رومان پرور بھی ہیں اور’شاعرِ انقلاب‘ ہونے کے ناطے ان کی شاعری شدید قسم کے باغیانہ خیالات رکھتی ہے اور وہ اپنے عہد کی منافقانہ سیاست اور معاشرت پر طنز وتعریض کے ترکش برساتے نظر آتے ہیں۔ جہاں تک حمدیہ شاعری کا تعلق ہے یہاں جوؔش کبھی تو انتہائی عقیدت مندانہ اور نیاز مندانہ رویہ اپناتے ہیں اور کبھی اللہ سے گستاخانہ شکوے بھی کرتے ہیں۔

اپنے پہلے مجموعے’روح ادب‘ میں ان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے بے پناہ عقیدت کا ہے۔ مناظرِ فطرت انھیں خدائے واحد کی یاد دلاتے ہیں۔’’ترانۂ بیگانگی‘‘ میں کہتے ہیں:

گونجتی ہے کوہ و صحرا میں پپیہے کی صدا ... اودی اودی آسمانوں پر جب آتی ہے گھٹا
روح کو بیدار کرتی ہے بیاباں کی ہوا ... دور ہوتی ہے’’خودی‘‘ سینے میں آتا ہے’’خدا
کام رہتا ہے نہ دولت سے نہ فانی جاہ سے
لو لگا کر بیٹھ جاتا ہوں فقط اللہ سے ۲۴۶؎

انہیں اس دور میں تسبیح وتحمید میں عجب طرح کی لذت ملتی ہے:

اب تیرے تذکرے میں پاتی ہے روح لذّت ... تسبیح میں مزا ہے، تقدیس میں مسرت

مبذول ہو رہی ہے مجھ پر تری عنایت   پہنچا ہی چاہتا ہوں تا مرکزِ حقیقت

عکس آئینہ کے اندر اترا ہی چاہتا ہے

تو عنقریب دل میں آیا ہی چاہتا ہے ۲۴۷؎

''مجھے تیری نعمتوں کی خواہش نہیں'' میں 'اللہ کو صرف اللہ' کے لیے چاہتے ہیں اور کہتے ہیں:

بے تعلق ہوں دین و دنیا سے

حُبِّ ثروت نہ فکرِ جنت ہے

نہ تو حورو قصور پر مائل

نہ تو ساقی و مے سے رغبت ہے

کیا کروں گا میں نعمتیں لے کر

میری ہر سانس ایک نعمت ہے

تیرے ''انعام'' کی نہیں خواہش

بلکہ مجھ کو ''تری'' ضرورت ہے !!! ۲۴۸؎

جوشؔ کا دوسرا مجموعۂ کلام ''شعلہ و شبنم'' ۱۹۳۶ء میں شائع ہوا۔ ''اسلامیات'' کے عنوان سے ۱۹ نظمیں مجموعے کی زینت ہیں۔ پہلی نظم ''مناجات و دعا'' کے موضوع پر ہے۔ نظم کا آخری بند ملاحظہ ہو:

زندہ کس طور سے رہتے ہیں بتا دے ہم کو   عقل حیراں ہو وہ دیوانہ بنا دے ہم کو

سوئے میخانۂ توحید صدا دے ہم کو   عشق کا ساغرِ لب ریز پلا دے ہم کو

کج ہوں اس وقت سرِ حشر کلاہیں اپنی

جب ملیں ساقیٔ کوثرؐ سے نگاہیں اپنی ۲۴۹؎

اس مجموعے کی ایک غزل بھی دعائیہ لہجے کی حامل ہے۔ کہتے ہیں:

دنیا میں مجھے حور، نہ عقبیٰ میں پَری دے

آ، نالۂ شب گیر و دعائے سحری دے

ہاں جوشؔ سے اٹھتے نہیں قدرت کے حجابات

اے یارِ نہفتہ! صفتِ پردہ دری دے ۲۵۰؎

''سموم و صبا'' ۱۹۵۵ء میں منظرِ عام پر آیا۔ فہرست سے قبل درج ایک رباعی سے ہی 'سموم و صبا' کے

موضوعات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ جوشؔ کہتے ہیں۔

ابن آدم کو صاحبِ جاہ کرو
کم بخت کو اب اور نہ گُم راہ کرو
'اللہ' سے انسان ہے کب کا آگاہ
انسان سے انسان کو آگاہ کرو ۲۵۱؎

انسان کو انسان سے آگاہ کرنے کا فریضہ تو جوشؔ بخوبی انجام دیتے ہیں مگر ساتھ ہی کافروں کے لیے نعمتوں اور مومنوں کے لیے آزمائش پر اللہ تعالیٰ سے سخت شکوہ کناں ہیں اور طنز وتعریض کا انداز اپناتے ہیں:

دوستانِ ابن آدم کے لیے دارو رسن
دشمنانِ آدمیت کے لیے ظرفِ چمن
نیک خو، بیروں در، بدخُو، درونِ انجمن
کج رووٴں کو خلعتِ زر، راست بازوں کو کفن
ظُلم کو دنیا و دیں، انصاف کو دنیا نہ دیں
شکر اے جاں آفریں، الحمد رَب العالمین
الحمد رب العالمین ۲۵۲؎
مفسدوں کے ''رحم'' پر ہیں امن کے پروردگار
ہو چکا ہے دامنِ تہذیب انساں تارتار
زندگی ''بیمار'' ہے، اور موت ہے ''تیماردار''
پھر رہے ہیں ٹھوکریں کھاتے امامانِ کبار
ڈاکووٴں کی جیب میں ہے دولتِ روئے زمیں
شکر اے جان آفریں، الحمد رب العالمین
الحمد رب العالمین

۲۵۳؎

مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ جوشؔ اگرچہ اشتراکی اور باغیانہ خیالات رکھتے تھے مگر اپنی حمدیہ شاعری سے وہ سچے موحد کی صورت میں اُبھرتے ہیں۔

۳۴۔فاخرہریانوی (۱۹۰۱ء......۱۹۷۸ء) دین محمد فاخر ہریانوی ۱۹۰۱ء، میں ہریانہ میں پیدا

ہوئے۔ اسلامیہ کالج لاہور سے بی۔اے کیا پنجاب کے مختلف سکولوں میں تدریسی فرائض سرانجام دیے۔ ریٹائر منٹ کے بعد پسرور ضلع سیالکوٹ میں بس گئے اور وہیں ۱۹۷۸ء میں وفات پائی۔

فاخرؔ ہریانوی کے مجموعۂ کلام 'موجِ صبا' کو جناب طاہر شادانی مرحوم اور ضیا محمد ضیاؔ نے ان کی زندگی میں مرتب کیا تھا۔ ''حدیثِ دوست'' کے عنوان سے مقدمے میں لکھتے ہیں:

''شاعرِ فطرت حضرت فاخر ہریانوی کا مجموعۂ منظومات قدرشناسانِ شعر و ادب کی خدمت میں پیش ہے۔ اس معجز نگار شاعر کے رشحاتِ قلم ۱۹۲۶ء سے ۱۹۳۵ء تک اردو کے نامور جرائد ''ادبی دنیا'' ''ہمایوں''، ''شاہکار'' اور ''نیرنگِ خیال'' میں بڑی آب و تاب کے ساتھ شائع ہوتے رہے۔ مگر اس کے بعد نہ جانے کیا حالات پیش آئے کہ فاخرؔ نے یکا یک خاموشی اختیار کر لی اور یوں شاعر کے جیتے جی اردو شاعری اس کے روح پرور اور وجد آفریں نغموں سے محروم ہوگئی۔ ۲۵۴؎

'موجِ صبا' کے آغاز کی پانچ نظمیں ''حمدیہ'' کے عنوان سے ہیں۔ ان میں مناجات بھی ہے اور 'سوال و جواب' کے عنوان سے ایک منظوم مکالمہ بھی حمدیہ ہے نظم ''خدا'' میں فاخرؔ دنیا ہر شے کی طرح فطرت کے حسین مناظر کو اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند قرار دیتے ہیں:

اسی کے حکم سے بہتی ہے چاندی آبشاروں میں
حسیں فطرت لیے بیٹھی ہے بربط کوہساروں میں
اسی کے حکم سے شاخیں گلوں کے ساتھ بڑھتی ہیں
سحر کی گود میں رنگینیاں پروان چڑھتی ہیں

ذیل کا شعر سہل ممتنع کی عمدہ مثال ہونے کے ساتھ ساتھ بڑا دلچسپ نکتہ لئے ہوئے ہے:

سب اس کے حکم کی تعمیل صبح و شام کرتے ہیں
نہیں کرتے جو کچھ، وہ بھی اسی کا کام کرتے ہیں
ہوائیں اس کے در پر سجدۂ شکرانہ کرتی ہیں
طواف اس کی حریمِ ناز کا روزانہ کرتی ہیں ۲۵۵؎

شاعر نے مذکورہ بالا شعر میں ''حریم'' کو مونث باندھا ہے۔ جبکہ حریم مذکر ہے بقول اقبال ؎ حریم تیرا

خودی غیر کی معاذ اللہ۔

'دُعا' میں شاعر کا دل انسانیت اور بالخصوص امتِ مسلمہ کے درد سے لبریز ہے اور دعا کرتا ہے:

مرے نالوں سے روحِ قومیت بیدار ہو جائے
یہ رنگیں آرزو پھولے پھلے گلزار ہو جائے
وہ مقصد جو نہ پورا ہو سکا بادِ بہاری سے
اسے انجام دوں میں آنسوؤں کی لالہ کاری سے
۲۵۶؎

نظم 'سوال و جواب' بڑے منفرد اسلوب کی حامل ہے۔ چار بند پر مشتمل اس نظم میں شاعر، پرندے، ستارے، پھول اور زمانے سے مخاطب ہو کر ان کی صفات کے حوالے سے ان کے خالق کے بارے میں سوال کرتا ہے اور پھر ایک سات مصرعوں کے بعد صرف ایک مصرعے میں جو ٹیپ کا مصرع ہے''خدا ہے خدا کے سوا کون ہے'' سے اس کا جواب دیتا ہے۔ مثلاً

ستارے! تو ننھا سا رہگیر ہے　　ازل سے سفر تیری تقدیر ہے
سفر رات بھر آسماں پر سفر　　سفر تا سحر آسماں پر سفر
سفر توشۂ آب و ناں کے بغیر　　اندھیرے میں سنگ و نشاں کے بغیر
مسافر! ترا رہ نما کون ہے؟
جواب: خدا ہے خدا کے سوا کون ہے؟ ۲۵۷؎

ایک رباعی میں اللہ تعالیٰ سے یوں دعا کرتے ہیں:

میں گناہ گار نہیں لائق و شایانِ کرم
ہے مگر سب کے لیے عام ترا خوانِ کرم
تیری رحمت کے سوا اب نہیں پرساں کوئی
پردۂ غیب سے کر رزق کا ساماں کوئی ۲۵۸؎

۳۵۔اسد ملتانی (۱۹۰۲ء......۱۹۵۹ء) نام محمد اسد خان ولد غلام قادر خان تھا۔ ملتان میں پید اہوئے۔ پنجاب یونیورسٹی سے بی۔اے کیا۔ بطور ڈپٹی سیکرٹری راول پنڈی میں تعینات تھے۔ جہاں ۱۹۵۹ء میں آپ کا انتقال ہوا۔

اسدؔ ملتانی کا شمار ہمارے ان شعرا میں ہوتا ہے، جن کا تصورِ دین بڑی وسعت کا حامل تھا۔ ان کی حمدیہ شاعری میں قرآن و حدیث کی شعاعیں سطروں اور مصرعوں میں ڈھلتی ہیں۔ ان کی حمدیہ و مناجاتیہ شاعری کی دعا اور ایمان بالغیب خاصے کی چیز ہیں۔ ان نظموں کو اردو کے منظوم دینی ادب کی آبرو قرار دیا جا سکتا ہے۔ پروفیسر جعفر بلوچ صاحب نے بڑی عرق ریزی سے اسدؔ ملتانی کے حمدیہ و نعتیہ کلام کو یکجا کر کے ''مشارق'' کی صورت میں مرتب کر دیا ہے۔ ڈاکٹر ضیاء الحق لکھتے ہیں:

''اسدؔ ملتانی کہیں کہیں مجاز مرسل کے انداز میں قرآنی آیات کے ٹکڑے نظم کرتے ہیں اور مراد پوری آیت ہوتی ہے۔ یہ کام وہی شاعر کر سکتا ہے جس نے قرآن کو اپنی ذات میں سمویا ہوا ہو'' ۲۵۹؎

یہاں ان کے نقطۂ نظر کی تائید میں چند اشعار پیش کیے جاتے ہیں:

قل ان کنتم تحبون اللّٰہ فاتبعونی یحببکم اللّٰہ (۳:۳۱)

نبیؐ کا عشق، خدا کی اطاعت کامل
یہ دیں کی اصل ہے باقی تمام افسانے ۲۶۰؎

یاایھا الذین اٰمنوا لم تقولون مالاتفعلون (۲:۶۱)

بہ زبان درود و ثنائے رب، بہ عمل حمایتِ بولہب
یہ ثنا و حمد تو ہے عجب، یہ تو دل لگی ہے درود سے ۲۶۱؎

لاتقنطوا من رحمۃ اللّٰہ (۳۹:۵۳)

اب مسلماں کو نہیں لا تقنطوا کا بھی یقیں
کفر سے مرعوب ہے، اسلام سے نومید ہے
کیا یہی توحید ہے؟ ۲۶۲؎

نحن اقرب الیہ من حبل الورید (۵۰:۱۶)

شہ رگ سے قریب اور حدِ ادراک سے باہر
اس تیرے عجب قرب کے قربان گئے ہم ۲۶۳؎

اللہ تعالیٰ کے دیدار کی حسرت کو اور بھی حمد نگار شعرا نے بیان کیا ہے، مگر اسدؔ ملتانی نے اس خواہش کے

حسرت رہ جانے کا جو عقلی جواز بیان کیا ہے، وہ صرف انہی کا کمال ہے۔ کہتے ہیں:

تو جان ہے اور جان نظر آ نہیں سکتی
بس جان گئے ، جان گئے، جان گئے ہم ۲۶۴؎

’ایمان بالغیب‘ کے عنوان سے ان کا حمد یہ قطعہ ان کے شگفتہ اسلوب کی دلکش مثال ہے:

بولے کہ اس خدا پہ جو آتا نہیں نظر
ہے عقل سے بعید کہ ایمان لایئے

میں نے کہا کہ آپ کا کہنا بجا سہی
لیکن ذرا وہ عقل تو مجھ کو دکھایئے ۲۶۵؎

’’نکتہ توحید‘‘ میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل میں مدلل اور مسکت دلائل پیش کرتے ہیں۔ مگر بڑے شگفتہ انداز میں:

اک حسن رہے پیشِ نظر، دید یہی ہے
اس دید سے مسرور رہیں، عید یہی ہے
دلدار بھی ہو ایک جو سینہ میں ہے دل ایک
فطرت کی طرف سے ہمیں تاکید یہی ہے ۲۶۶؎

آخر میں نکتۂ توحید کا اصل مقصود، وحدتِ امت قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

اللہ کو اسدؔ ایک جو مانا تو ہوا کیا
ہم ایک رہیں، نکتۂ توحید یہی ہے ۲۶۷؎

اسدؔ ملتانی کی حمدیہ شاعری کی طرح ان کی دعائیہ شاعری بھی اپنے اثر پذیری اور دلکشی کے سبب ہماری توجہ اپنی جانب مبذول کراتی ہے۔ بالخصوص ان کی نظم ’دولتِ جاوید‘ جس میں وہ خدا سے صرف اُسی کی طلب کرتے ہیں:

ربِ کعبہ، آ، مری اجڑی ہوئی منزل میں آ
میں جو تیرے گھر میں آیا تو بھی میرے دل میں آ
پردۂ دل بھی سیہ تر ہے غلافِ کعبہ سے
شاہدِ حسن ازل، اک دن تو اس محمل میں آ

اے سراپا فیض، تجھ سے اور کیا مانگے اسدؔ
دولتِ جاوید بن کر خود کفِ سائل میں آ ۲۶۸؎

’دعائے تنظیم‘ میں امت مسلمہ کے لیے دعا گو ہیں:

یا الٰہی جاہلیت سے نکال
پھر ہمیں اسلام کے رستے پہ ڈال
عالمِ اسلام سارا ایک ہو
حاکمِ اعلیٰ ہمارا ایک ہو
ہو طوافِ کعبہ سے حاصل ثبات
گرد مرکز کے کرے گردش حیات ۲۶۹؎

’’شاعر کی دعا‘‘ میں اپنی ذات کے لیے اس طرح دعائیں کرتے ہیں:

تیرا نشاں ملے نہ ملے یہ مرا نصیب
تو مجھ کو جستجو کے تو رستے پہ ڈال دے
مل جائے تو کہیں تو الٹ دوں ترا نقاب
یہ ہمت اور یہ حوصلہ اور یہ مجال دے ۲۷۰؎

آخر میں ہم پروفیسر جعفر بلوچ صاحب کی مبنی بر اصابت نظر رائے پر، اسدؔ ملتانی کی حمدیہ و دعائیہ شاعری کے جائزے کا اتمام کرتے ہیں:

’’جناب اسدؔ کی حمدیہ اور نعتیہ نظمیں صرف وہی نہیں ہیں جو ان عنوانات کے تحت شائع ہوتی ہیں۔ اسدؔ صاحب برعظیم میں ہمارے قومی و ملّی شعرا کی صف اول کے اکابر میں تھے اور ان کا موضوعِ سخن اول و آخر اسلام تھا۔ ان کی تقریباً تمام قومی اور ملی نظمیں حمد و نعت اور اسلامیت ہی کی بنیاد پر تخلیق ہوئی ہیں اور ان کی سوچ کا ہر زاویہ قبلہ رو نظر آتا ہے‘‘ ۲۷۱؎

۳۶۔اصغر حسین خان نظیر لدھیانوی(۱۹۰۲ء......۱۹۸۹ء) ممتاز شاعر، ادیب، نقاد، محقق، تذکرہ نگار اور صحافی تھے۔ شعروسخن میں علامہ تاجورؔ نجیب آبادی کے شاگرد اور صحافت میں مولانا ظفرؔ علی خاں کے پیرو کار تھے۔ ان کی شعری کتب میں ’’صبحِ نشاط‘‘، ’’صبح بہار‘‘ ’’منظوم دعائیں‘‘، ’’آفتاب حرا‘‘(نعت) اور ’’ترجمان اقبال‘‘ (منظوم ترجمہ اسرار و رموز) شامل ہیں۔ مجموعۂ کلام ’’صبح بہار‘‘ کا آغاز ایک دلکش حمد سے ہوتا

ہے جو لمبی بحر میں ہے اور صنعتِ مسمّط سے آراستہ ہے:

ہوا تری، آسمان تیرا، زمین تری، آفتاب تیرا
ازل سے گھیرے ہوئے ہے پہنائے دو جہاں کو سحاب تیرا
بلند تر جلوہ گاہ تیری ، دلوں کی خلوت میں راہ تیری
تری ہی قدرت گواہ تیری، تری ہی ہستی جواب تیرا
عجب ہے رحمت کا کارخانہ، نہ بھید اس کا کسی نے جانا
غضب ترے لطف کا بہانہ، عطا کا منبع عتاب تیرا
نہیں ہے یارب کوئی مری شے، جو کچھ ہے تیرا دیا ہوا ہے
مری زباں پر ترے ترانے، مری بغل میں رباب تیرا ۲۷۲؎

مذکورہ بالا حمد میں اندرونی قوافی کے استعمال نے حمد کو نغمگیت عطا کی ہے۔ ان کے کلام سے متصوفانہ حمد کی خوبصورت مثال ملاحظہ ہو:

فرصت نہیں ہے مدحتِ پروردگار سے
قطرہ ہے ہم کنار یمِ بے کنار سے ۲۷۳؎

ہر غم اور رنج ومحن کو دور کرنے والی چیز مودتِ الٰہی ہے۔ نظیرؔ لدھیانوی کہتے ہیں۔

سمجھا نہ کوئی ذکر خدا بھی ہے کوئی چیز
آفاق میں اندوہ ربا بھی ہے کوئی چیز ۲۷۴؎

۷۳۔ڈاکٹر عندلیب شادانی (۱۹۰۴ء......۱۹۶۹ء) وجاہت حسین نام اور عندلیب تخلص ہے۔ اپنے استاد سید اولاد حسین شاداںؔ بلگرامی کی نسبت سے اپنے آپ کو شادانی لکھتے ہیں۔ دنیائے علم و ادب میں وہ عندلیبؔ کے نام سے متعارف ہیں۔ آپ سنبھل ضلع مراد آباد میں پیدا ہوئے۔ رام پور میں مغربی اور مشرقی علوم کی تحصیل کی لاہور سے اعلیٰ تعلیم اور بعد ازاں لندن یونیورسٹی سے فارسی میں ڈاکٹر آف فلاسفی کی ڈگری حاصل کی۔ عمر بھی تدریس کے شعبے سے منسلک رہے۔ ۱۹۲۸ء سے ۱۹۶۹ء تک ڈھاکہ یونیورسٹی میں رہے اور ڈھاکہ ہی میں انتقال فرمایا۔ انھیں 'شعرائے رام پور' میں شمار کیا جاتا ہے۔ ان کا ایک ہی مجموعہ 'نشاط رفتہ' شائع ہوا ڈاکٹر صاحب کے الفاظ میں ''۲۵ مئی ۱۹۳۵ء کو ''حقیقی زندگی'' اور اس کے ساتھ ہی ''حقیقی شاعری'' کا آغاز ہوا۔ ۲۷۵؎ مجموعی طور ان کی شاعری تمام تر عشقیہ شاعری ہے۔ وہ حسن وعشق کے شاعر ہیں۔ مگر جب حمد کہتے ہیں تو

فطرت نگاری کے پردے میں، ایک غزل میں حمد یہ انداز ملاحظہ ہو:

کسی کو گر ثبات ہے تو وہ خدا کی ذات ہے
نصیب اس کے عاشقوں کو سرمدی حیات ہے ۲۷۷؎

یہ بزمِ فطرت یہ نظم قدرت
تصویر ندرت تکمیلِ صنعت
بینندہ ششدر
اللہ اکبر
ساکن فضا میں اک بہشتی سی
موجِ صبا میں اک سرخوشی سی
دوش ہوا پر
نکہت کی چادر
نہر سبک رو مہتاب پر نو
آئینہ ضو انوار کی رو
اے شانِ باری
یہ سحر کاری ۲۷۶؎

۳۸۔صبا اکبر آبادی (۱۹۰۸ء......۱۹۹۱ء) صبؔا اکبر آبادی کا اصل نام خواجہ محمد امیر تھا۔ آگرہ میں پیدا ہوئے۔ بارہویں پشت میں ان کا سلسلۂ نسب تصوف کے ایک بہت بڑے نام خواجہ بہاؤ الدین نقشبندؒ سے ملتا ہے اور خاندانی روایت کے اثرات ان کی شخصیت اور شاعری میں بھی نظر آتے ہیں۔۱۹۷۰ء تک صبؔا نے ایک لاکھ ابیات غزل کہیں۔ ان کی غزلیات کے مجموعے ''اوراق گل''، ''چراغِ بہار'' اور ''ثبات'' ہیں۔ مرثیے کے مجموعے ''شہادت خوںناب''، ''سربلند''، ''دوام''، ''قرطاس الم'' اور ''سربکف'' ہیں۔ اردو ادب میں حمد کے موضوع پر اولین کتابی سلسلے ''جہانِ حمد'' نے اپنا شمارہ نمبر ۹ ''حضرت صبا اکبر آبادی۔ حمد و نعت نمبر'' کے عنوان سے شائع کیا ہے۔

صبؔا اکبر آبادی کی بیشتر حمدیہ شاعری، ان کے مراثی کی زینت ہے۔ بالخصوص مرثیے کے ''چہرے'' میں وہ حمد نگاری کرتے ہیں۔ پروفیسر قیصر نجفی اپنے مضمون ''صبؔا اکبر آبادی کے مرثیوں میں حمد نگاری'' میں لکھتے ہیں:

''صبؔا اکبر آبادی کو یہ انفرادیت حاصل ہے کہ انھوں نے اپنے مادۂ ایجاد، جودتِ طبع، تخلیقی درک اور ذوق تجسّس کی فراوانی کے باعث صنف حمد کی نو بہ نو جہات کا کھوج لگایا ہے۔ خصوصاً اپنی حمد کو عصری آگہی اور جدید حسیت سے مربوط کر کے حمد کی ادبی قدر و قیمت میں اضافہ کر دیا ہے'' ۲۷۸؎

قرآن و حدیث میں اللہ تعالیٰ کو ''نور'' قرار دیا گیا ہے۔ ''واللہ نور السمٰوٰت و الارض (القرآن) 'نور الٰہی' کی تشریح و توضیح ایک سطحی علم کا حامل کر ہی نہیں سکتا۔ صبؔا اکبر آبادی نے 'نور' کے عنوان سے ایک عالمانہ مرثیہ لکھ کر اپنی قدرت الکلامی کا ثبوت پیش کیا ہے۔

ہر شے میں کائنات کی ہے نور کا ظہور ‌ ‌ ‌ اس نور کے سبب سے ہے ہر ذرّہ برق طور
اس کے فیوض کے لیے یکساں قریب و دور ‌ ‌ ‌ دیکھیں نہ کم سواد تو آنکھوں کا ہے قصور
اس کے ظہور کا بھی عجب رنگ ڈھنگ ہے
جگنو میں روشنی ہے تو پھولوں میں رنگ ہے ۲۷۹؎

تنویر پھول صاحب نے صبؔا اکبر آبادی کی 'حمدیہ شاعری کو قرآن کی روشنی میں' دیکھنے کی کوشش کی ہے۔ ذیل میں ان کے مضمون سے صرف ایک مثال درج کی جاتی ہے۔

تونے مٹی کو بنایا غنچہ و گل کا امیں
تونے ذروں کو عطا کی آسماں کی ہمسری
اک اشارہ ڈال دے تیرا تنِ مردہ میں جان
ہو توجہ سے تری سوکھی ہوئی کھیتی ہری
ہے زمین تا آسماں مملو تری آیات سے
ہر طرف ظاہر ہے عالم میں تری جلوہ گری ۲۸؎

اب سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۱۶۴ کا ترجمہ دیکھیے جس کی عکاسی مندرجہ بالا اشعار میں کی گئی ہے ترجمہ یہ ہے۔ ''بے شک آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں اور رات اور دن کے بدلتے رہنے میں اور کشتیوں میں جو کہ لے کر چلتی ہیں دریا میں لوگوں کے کام کی چیزیں اور پانی میں جس کو اتارا اللہ نے آسمان سے پھر زندہ کیا زمین کو اس کے مرنے کے بعد اور پھیلائے اس میں سب قسم کے جانور اور ہواؤں کے بدلنے میں اور بادل میں

جو کہ تابع ہے اس کے حکم کا آسمان اور زمین کے درمیان، بے شک ان سب چیزوں میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لیے۔''

صباؔ اکبرآبادی،عربی، فارسی، انگریزی پر ماہرانہ قدرت رکھتے تھے اور انھوں نے عربی قصائد کا منظوم اردو ترجمہ کیا نیز منتخب غزلیات حافظؔ اور رباعیات کا اردو میں ترجمہ کیا۔ حکیم عمر خیام کی تقریباً بارہ سو رباعیات کا اردو رباعی میں ترجمہ کیا جو 'دست زرفشاں' کے نام سے شائع ہوئیں۔ صباؔ اکبرآبادی کی حمدیہ شاعری سے ایک دلکش حمد پیش کی جاتی ہے جس میں وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، الطاف ورحمت اور ربوبیت کی اس طرح توصیف کرتے ہیں:

تیرے ہی در پہ کیا جاتا ہے ہر اک سجدہ
کوئی معبود زمانے میں نہیں تیرے سوا
حمد میں تیری ہی مصروف رہے لوح و قلم
ثبت ہے صفحۂ کونین پہ سکہ تیرا
تیرے عرفان کے مشتاق رسولانِ کرام
تیرے الطاف کے خواہاں ہیں شہنشاہ و گدا
ہے ترے لطف سے صحرا پہ نزولِ باراں
ہیں تیرے فیض سے گلزار میں امواجِ صبا ۲۸۱؎

اپنے مجموعہ کلام 'دستِ دعا' میں شامل ایک حمدیہ مسدس میں اللہ تعالیٰ کے نام کی برکات اور انسانی زندگی میں ان کے جاری و ساری رہنے کی بابت اس طرح اظہارخیال کرتے ہیں:

پیدا ہوئے تو جانِ سماعت ہے تیرے نام
آیا جو ہوش وردِ تلاوت ہے تیرا نام
جب آ گیا شباب تو قوت ہے تیرا نام
ہنگامِ مرگِ زیست کی لذت ہے تیرا نام
کیفیتیں عجیب اسی جام سے ملیں
جو نعمتیں ملیں وہ ترے نام سے ملیں ۲۸۲؎

۳۹۔ ڈاکٹر قمر الدین احمد قمر میرٹھی (۱۹۱۴ء......۱۹۷۸ء) میرٹھ میں پیدا ہوئے۔ ڈینٹل سرجن تھے۔ شرفِ تلمذ اپنے والد ماجد شمس الشعرا حضرت شمس الدین احمد شمس مرحوم وارثی میرٹھی سے حاصل ہے

جو یزدانی میرٹھی کے شاگرد رشید تھے۔ تمام اصنافِ سخن میں طبع آزمائی کی جن میں حمد، نعت ،منقبت ،غزلیں، نظمیں ، رباعیات وقطعات، مسدس ومخمس، مربع ، مثلث اور تاریخی قطعات قابل ذکر ہیں اور اپنے عہد کے سخن فہم حلقوں سے خراجِ تحسین وصول کیا۔آپ کی شعری یادگار میں ''نعرۂ مسلم لیگ''، ''دیس راگ'' اور'شمس وقمر' ہیں۔ 'شمس وقمر' ان کا نعتیہ مجموعہ ہے، جس میں دو دلکش حمدیں بھی شامل ہیں۔تقریظ مولانا حافظ منظور احمد عثمانی، اور دیباچہ ڈاکٹر سید عبداللہ کے قلم سے ہے۔منظور احمد عثمانی قمر الدین قمر کی ایک دلکش اور پر اثر حمد، جو انھوں نے مارچ ۱۹۷۲ء کے انجمن 'مخلصینِ ادب' کے زیر اہتمام ہونے والے حمدیہ مشاعرے میں پڑھی، کی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> ''اس مشاعرے میں جتنی بھی حمد شعرا نے پڑھیں سب ہی بہت خوب تھیں لیکن جو حمد قمرؔ میرٹھی نے پیش کی وہ بلامبالغہ بے مثال اور حاصلِ مشاعرہ تھی۔قمر صاحب حمد سنا رہے تھے اور ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ علاء اعلیٰ سے انوار وتجلیات کا نزول ہو رہا ہے......توحیدِ الٰہی کے اثر انگیز اظہار و بیان سے ہر شخص عالم وجد میں تھا۔حمد کیا تھی ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ ہر ہر مصرعہ نور کی لڑی ہے جس کا سلسلہ عرش سے فرش تک قائم ہوگیا ہے اور حمد کا ہر ہر لفظ تسنیم وسلسبیل سے گزر کر شاعر کے ذہن رسا تک پہنچا ہے۔''۲۸۴؎

مسدس کی ہیئت میں لکھی گئی قمرؔ میرٹھی کے 'حمد باری تعالیٰ' سے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔جن میں فصاحت و بلاغت ،مضمون آفرینی، صنائع بدائع اورحسنِ تخیل کے امتزاج سے حمد عالی مرتبت ہوگئی ہے۔ باغِ دنیا میں اللہ تعالیٰ کی دل ربا کاریگری بیان کرتے ہوئے،قمرؔ میرٹھی، اپنی شاعری کو بھی اندرونی قوافی سے اس طرح سجاتے ہیں:

حسن وگل وسروسمن، ہے رشک پروین و پَرَن	چمپا کئے ہے زیب تن، رنگین و سادہ پیرہن
غنچے جو ہیں غنچہ دہن، ملبوسِ گل ہے گل بدن	سبزے کی ہے ایسی پَھبن، دل شاد ہو، آنکھیں مگن

اللہ رے حسنِ بہار، اللہ رے شانِ گلستان
ربِ دو عالم کی ثنا بندے سے ہو کیونکر بیان ۲۸۵؎

''حمدِ معبود'' کے عنوان سے قمر میرٹھی لکھتے ہیں:

بیاں ہو کیسے تری حمد اے مرے معبود

تہی شعور کا دامن تو عقل ہے محدود

پھر درخواست کرتے ہیں:

کبھی تو غیب کے پردے اٹھا نگاہوں سے
کبھی تو دل کو دکھا جلوہ ہائے بزمِ شہود
اٹھا کے پردۂ ہستی بھی میں نے دیکھ کیا
نظر نہ آیا مگر جلوۂ "ھو الموجود"

وہ کہتے ہیں کہ انسان فانی ہے مگر خدا قائم و موجود ہے۔

فنا کا رنگ بھرا میرے نقش میں تو نے
بوصف اس کے ہے باقی ترا قیام و وجود ۲۸۶؎

۴۰۔الف دین نفیس، حالؔی و اکبؔر کے عہد کے شاعر ہیں۔ ڈسکہ سے تعلق تھا۔ پیشے کے اعتبار سے وکیل تھے۔ ان کی مثنوی معارفِ اسلام ۱۹۲۰ء میں طبع ہوئی۔ مقدمہ اکبرالہ آبادی نے تحریر کیا۔مثنوی کے نام ہی سے اس کے مندرجات کا اندازہ ہوجاتا ہے۔مثنوی کے آغاز میں جو حمد ہے، اس میں شاعر نے اسمائے الٰہی کو اپنے شاعرانہ کمال کے ساتھ منظوم کیا ہے۔ جگہ جگہ آیاتِ قرآنی کا بھی دلکش جوڑ لگاتے ہیں۔ آغاز اس طرح ہوتا ہے۔

حمد میں تیری اے مرے داتا — کیا کہوں کچھ کہا نہیں جاتا
تری تحمید سے زباں قاصر — تری تمجید سے بیاں قاصر
ابتدا ہے تو ابتداؤں کی — انتہا ہے تو انتہاؤں کی
ہادیٔ ہادیان رہ ہے تو — وحدۂ لا شریک لہ ہے تو
ربِ ارباب حافظ و ناصر — ظاہر و باطن و اوّل و آخر
قادر و مقتدر، قوی و قدیر — مالک و خالق و علی و کبیر
خالق الباری المصور ہے — ضابط و رابط و مدّبر ہے
ہے وہ منان و قاضی الحاجات — حَیّ و قیوم و غایت الغایات

ہے وہی ایک غایتِ اعلیٰ
و تبتّل الیہِ تبتیلاً ۲۸۷؎

حمد کے بعد "تخلقوا باخلاق اللہ" کے عنوان سے اشعار ہیں۔عنوان مبنی بر حدیث ہے۔تشریح و توضیح

کرتے ہوئے الف۔ دین نفیس کہتے ہیں۔

اس بنا پر رسولؐ ربّ کریم   کر رہے ہیں تخلقّوا تعلیم
تاہو روشن کہ یہ صفاتِ الٰہ   ہیں بشر کے لیے دلیلِ راہ

وہ اللہ تعالیٰ کی صفتِ قہاری کو دلیل بناتے ہوئے کہتے ہیں کہ فی الجملہ قصاص میں زندگی ہے۔ ان کے دلائل شاعری کی زبان میں ملاحظہ ہوں:

ہے وہ قہارّ منتقم ضابط   ہے وہ جبّار منتظم رابط
منتقم ہے کہ لے توفی الجملہ   صفتِ انتقام سے حصّہ
زندگی ہے یہ راز خاص الخاص   سُنَّ بالسّنِ والجروح قصاص
موت کمزور کے خواص میں ہے   زندگی طاقتِ قصاص میں ہے
گر نہیں مانتے ہو میری بات   پڑھو قرآن میں فی القصاص حَیٰوۃ

آخر میں فرماتے ہیں:

الغرض ہیں صفات ربِ جلیل   نشوِ انساں میں رہنمائے دلیل
تا کہ ہو متصف بخلق خدا   اشرف الخلق و اقربُ المولیٰ
مالک الملکِ انت مولٰنا   عَاذَنَا مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا

للہ الحمد ہم مسلمان ہیں
یعنی ہر دم ترے ثنا خواں ہیں ۲۸۸؎

۴۱۔اثر زبیری لکھنوی کی یادگار شعری تصانیف میں سحر البیان (منظوم ترجمۂ قرآن کریم) شمعِ ازل اور سلسبیل (گلدستۂ حمد و نعت و مناقب) شامل ہیں۔ ''سلسبیل'' کا پیش لفظ اس دور کے معروف عالم دین، ادیب و نقاد حضرت علامہ مولانا عبدالماجد دریا بادی نے لکھا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

''اللہ کا فضل و کرم ہے کہ لکھنؤ کے ایک خوش گو شاعر کو شاعری کی سیدھی راہ پر چلنے کی توفیق نصیب ہوئی عین اس وقت جب ان کے بکثرت ہم عصر غلط راستہ پر پڑے...... سلسبیل کو بجا بجا سے الٹ پلٹ کر دیکھنے کا موقع ملا۔ ماشاء اللہ ہر سطر گل و گلزار ہر ورق ورق بہار اور کیوں نہ ہو زمزمۂ حمد و مناجات سے بڑھ کر لذت کس داستان میں اور نعت رسولؐ و خاصان رسولؐ سے زیادہ دلکشی کس عنوان میں ہے'' ۲۸۹؎

’نغماتِ حمد‘ کے عنوان سے پانچ حمدیں اور رباعیات مجموعۂ کلام کی زینت ہیں۔ آغاز ’’حمد الٰہی بہ طرز قصیدہ‘‘ سے ہوتا ہے۔ اس حمدیہ قصیدے کے مطالعے سے وہی رفعتِ تخیّل،فصاحت و بلاغت اور شوکت الفاظ نمایاں ہے، جوکسی اچھے قصیدے کی جان شمار ہوتے ہیں:

چند اشعار ملاحظہ ہوں:

بنام داورِ ارض و سما غفورو ودود	ہے جس کے حکم سے تشکیلِ بزم غیب وشہود
کریم ایسا کہ محتاج کو کرے سلطاں	ندیم ایسا کہ نزدِ رُوَاقِ جاں موجود
جلال اُس کا جہنم، جمال خلدِ بریں	عدالت اس کی ہے بے شبہ عرصہ گاہ شہود

مذکورہ بالا اشعار میں محتاج و سلطان، جمال و جلال، جہنم و خلد کے متضاد الفاظ سے اللہ تعالیٰ کی متضاد صفات جمال و جلال ، غفار و قہار کی ترجمانی بھی ہوتی ہے۔ حمد میں تلمیحاتِ اسلامی کے برمحل استعمال سے اثرؔ زبیری کے دینی شعور اور تفہیم قرآن کا اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے:

ترے حبیبؐ کے فرشِ قدم یہ ہفت افلاک	ترے خلیلؑ پہ گلزار آتشِ نمرود
ترے ذبیحؑ کا تحفہ یہ چشمۂ زمزم	ترے مسیحؑ کا صدقہ شفائے برص جلود
ترے صفیؑ سے ہویدا کمالِ خلق تیرا	وہ سب کا قبلۂ اول وہ ظاہرا مسجود

آخر میں دعا کرتے ہیں کہ:

لبِ اثرؔ پہ رہے وقت نزع ورد یہی
لاشریک لَهٗ لَااِلٰهَ غَیرَ وَدُود؎ ۲۹۰

اثرؔ زبیری کی حمدیہ شاعری کی ایک نمایاں خوب صورتی یہ ہے کہ وہ اپنے حمدیہ کلام کو مدحِ صحابہؓ اور ثنائے اہل بیت سے بیک وقت مزین کرتے ہیں اور مولانا ظفرعلی خاں کی طرح ابو بکرؓ و عمرؓ عثمانؓ ،علیؓ کو ایک ہی مشعل کی کرنیں گردانتے ہیں۔ان کی حمد’لاشریک لہٗ‘ کے یہ اشعار ملاحظہ ہوں:

عمرؓ کی شان دیکھ لے، علیؓ کی آن دیکھ لے
جو چاہتا ہو دیکھنا جلال اور حشم ترا
دلوں میں کاش موجزن ولائے یار غارؓ ہو
کرم یہ چاہتے ہیں ہم پئے شہ اُمم ترا
عیاں ہے مہرو ماہ سے تری ثنا تری صفت

رُواقِ نیلگوں پہ ہے قصیدہ یہ رقم ترا ۲۹۱؎

نظم ''معرفت کردگار'' میں اللہ تعالیٰ کی معرفت کے لیے کونیاتی اور آفاقی دلائل دیتے ہیں سعدیؔ کا مشہور شعر تضمین بھی کرتے ہیں:

گلشن و صحرا سے ہے شانِ خدا آشکار
''برگ درختانِ سبز در نظر ہوشیار
ہر ورقے دفتریست معرفتِ کردگار'' ۲۹۲؎

تضمین بر مناجاتِ خود (بہ طرزِ خمسہ) سے وہ جہاں اللہ تعالیٰ سے محبت، تواضع، وفا اور ادب جیسی دولت بے بہا کا سوال کرتے ہیں وہیں وہ خودی اور بلند پروازی بھی مانگتے ہیں۔ یہاں ان کی لغت اور معانی ہمیں اقبالؔ کی یاد دلاتے ہیں۔ دیکھیے یہ اشعار کلام اقبالؔ سے کس قدر مماثلت رکھتے ہیں:

علاج غم آگہی چاہتا ہوں
خودی کو نظر کردۂ ناز کردے
اٹھا لے زمانے سے وہ آب و دانہ
جو شاہیں کو محروم پرواز کردے ۲۹۳؎

'رباعیات' میں بھی حمد و ثنا اور مناجات کے مضامین شامل ہیں۔ ایک مثال پر اکتفا کرتے ہیں:

میری بھی کرم ترا، فقیری بھی کرم
طفلی بھی کرم شباب و پیری بھی کرم
گر تیری رضا کا ہو اشارا شامل
حقا کہ ہے جبرو سخت گیری بھی کرم ۲۹۴؎

۴۲۔سید محمد ناظر حسین **ناظم** ''نغمۂ توحید'' ناظمؔ صاحب کی معروف نظم ہے جو انھوں نے انجمن حمایت اسلام۔ لاہور کے اکتیسویں (۳۱ ویں) سالانہ جلسے کے موقع پر لکھی۔ ''نغمۂ توحید'' کو نظم کے بجائے مثنوی کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ ناظمؔ ''نغمۂ توحید'' کا آغاز، آفرینش کائنات سے کرتے ہیں۔ جب کائنات میں اللہ کے سوا کچھ نہ تھا۔

برقِ عالم سوز تھی ، میں تھا نہ برگ کاہ تھا
ماسوا کچھ بھی نہ تھا، اللہ ہی اللہ تھا

ناگہاں خود، کھل کے رہنے سے حجاب آیا اُسے
خوش طریق بندش بندِ نقاب آیا اُسے
میم ترمیمِ احد سے نکتے حل سب ہو گئے
جب سے تھا وہ ایک تھا، دو ایک سے اب ہو گئے ۲۹۵؎

آخری شعر میں ''میم ترمیم احد'' کی عجمی متصوفانہ سوچ قاری کو بہت کھٹکتی ہے مگر آگے چل کر وہ لکھتے ہیں کہ توحید کی ایک لہر نے کیا کیا معجزے برپا کئے:

کعبے کی بیت المقدس نے غرض تائید کی
لہر دوڑی چشمۂ تثلیث میں توحید کی
مقصدِ تکوین کے معنی کھلے، مطلب ملا
جس نے ڈھونڈا اس کو یثرب کے عرب میں، رب ملا ۲۹۶؎

توحید کی برکات سے اسلامی دنیا کس طرح فیض یاب ہوئی، شاعر نے اس کا عہد با عہد نقشہ کھینچ کر رکھ دیا ہے۔ آخر میں یوں دعا گو ہیں:

اے خُدا! راضی ہو پھر مُسلم سے اور اسلام سے
صبحِ اَتۡمَمۡتُ عَلَیۡکُمۡ نِعۡمَتِی، کر شام سے
روزِ فتح الباب ، وقتِ ضعفِ آدم بھیج دے
بھیج دے مفتاحِ قفلِ امنِ عالم بھیج دے
سامنے ہے تیرا مامن، تیرا ملجا، اے دُعا!
بادلوں کے دل سے بجلی سی نکل جا، اے دُعا! ۲۹۷ء

۴۳۔محمد عبدالصمد عاجز (۱۲۸۰ھ م) نقش بندی بزرگ تھے اور حضرت شاہ نامدار کے مرید تھے۔ ان کی کتاب مثنوی ''تحفۃ العاشقین'' کے آخر میں ص ۷۴ پر درج ہے:

''للہ الحمد کہ مثنوی عجیب وغریب تحفۃ العاشقین...... مطبع مجیدی کانپور میں ماہ شوال ۱۳۳۰ھ (مطابق اکتوبر ۱۹۱۲ء) کو طبع ہو کر ہدیۂ شائقین ہوئی۔''

مثنوی ''تحفۃ العاشقین'' خالص صوفیانہ مذاق کی حامل ہے اور عاجزؔ مولانا روم اور ان کی مثنوی سے بہت

استفادہ کرتے نظر آتے ہیں۔ ابتدائی اشعار میں لفظ'انا' کے استعمال کی مخالفت کرتے ہیں کیونکہ اس سے ہوش کی خود پسندی جھلکتی ہے:

معرفت کا جوش ہو منصور وار
پر نہ نکلے لفظ 'انا' کا زینہار
کیونکہ ہے یہ خود پسندی ہوش کی
یہ نہیں ہے بات واں کے جوش کی

جس کو ہو کچھ وہم ہستی کا گماں
وہ نہیں عارف ہے ہرگزاے جواں
مولوی نے بلکہ اس میں یوں لکھا
راز مخفی کل دیا سب کو بتا
جملہ معشوق است عاشق پردۂ
زندہ معشوقست عاشق مردۂ ۲۹۸؎

حدیث شریف ''من عرف ربہٗ کل لسانہٗ (جس نے اپنے رب کو پہچانا اس کی زبان بند ہو جاتی ہے) کو شعر میں اس طرح بیان کرتے ہیں۔

جس پہ کھل جاتا ہے رازِ حق عیاں
بند ہو جاتی ہے اس کی بس زباں ۲۹۹؎

۴۴۔مولوی سید محمد ضامن کا ادبی نام ضامن کنتوری تھا حیدر آباد جائے پیدائش تھی آپ ارمغان فرنگ 'عبرت کدۂ سندھ،'' آثار عرب'' کے مولف و مترجم ہیں۔ رسالہ'' استبصار' رائے بریلی کے مدیر رہ چکے ہیں۔ مجموعۂ کلام'' تنگ ِ خیال'' کے عنوان سے دو جلدوں میں چھپا۔ آپ کو حیدر آباد دکن کے شعرا میں شمار کیا جاتا ہے۔

'' تنگ ِ خیال'' کا آغاز جس حمد سے ہوتا ہے، اس کے ایک ایک شعر سے اللہ تعالیٰ کے لیے ان کی بے پناہ محبت جھلکتی ہے۔

ہر شے میں جلوہ گر ہے نورِ جمال تیرا

بر برگِ کاہ سے ہے ظاہر کمال تیرا

انسان اور خدا کو پروانہ اور خورشید سے تشبیہ دیتے ہیں اور شعر کا سوالیہ انداز اس پر مستزاد حسن رکھتا ہے:

پروانہ کو محبت، خورشید کی ہے بے جا
دل اور خیال تیرا، میں اور وصال تیرا
کون و مکاں کے جلوے جچتے نہیں نظر میں
ہے جب سے دیدۂ دل، محوِ جمال تیرا
الفت کا تیری دل کو چسکا بُرا پڑا ہے
چھٹنا محال اس کا ملنا محال تیرا

مذکورہ بالا شعر میں چھٹنا اور ملنا صنعتِ تضاد کی مثال اور شعر میں صنعتِ لف ونشر معکوس کا بھی برمحل استعمال اسے دلکشی عطا کر رہا ہے اوراس شعر میں خدا کو 'پیارے' سے مخاطب کر کے پیار سے کہتے ہیں:

دیتا نہیں گزرنے کوئی خیال دل میں
کیسا اکل کھرا ہے پیارے خیال تیرا ۳۰۰؎

'ننگِ خیال' کی رباعیات میں اللہ تعالیٰ کے وجود کی حقانیت کے بارے میں کہتے ہیں:

جہوا، جو، گاڈ، ایشور کیا ہے تو
اللہ ہے یا علتِ اولیٰ ہے تو
سب کچھ کوئی کہتا ہے کوئی کچھ بھی نہیں
ہے پر مصداق ماعرفنا ہے تو ۳۰۱؎

گر نور زمین و آسماں ہے تو وہ ہے
پیدا ہے تو وہ ہے اور نہاں ہے تو وہ ہے
دیر اور کعبہ میں ہے فقط راہ کا پھیر
یاں ہے تو وہ ہے اور وہاں ہے تو وہ ہے ۳۰۲؎

''مخزن'' کے اگست ۱۹۰۵ء کے شمارے میں ضامن کنتوری کی درج ذیل حمد شائع ہوئی جس میں مضامینِ مناجات بھی ہیں:

اے بحر کرم ہے تیری ہی آس

چشمے سے خرد کے تو بجھا پیاس
پاس آنے نہ دے خیالِ باطل
قبضے میں اپنے رکھ مرا دل
تیرا کوئی روپ ہے نہ ہے نام
کیا تیری ثنا میں دے زباں کام
بالک ہیں ترے ہم سب انساں
ہیں تجھ سے سوا نہ باپ نے ماں

مالک رحمت بغیر تیری
ہم کو نہیں آس اور کوئی
مقصود ہے تو ہی تو ہی معبود
وہ راہ دکھا دے جو ہو محمود
تجھ سے ہے یہ عرض دست بستہ
کر دے ہم پر درِ کرم وا ۳۰۳؎

۴۵۔حبیب کنتوری 'دیوانِ حبیب' حیدر آباد دکن سے شائع ہوا۔ آپ یادگار حضرت شیخ ناسخ تھے۔ کلام کے مطالعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ تصوف کا ذوق رکھتے تھے۔ اس لیے حمدیہ اور عارفانہ اشعار غزلیات میں بھی نظر آتے ہیں۔ ناسخ کے بارے میں لکھتے ہیں:

ورثہ یاب حضرت ناسخ بھی ناسخ ہیں حبیبؔ
ہاں مماثل اور ہے، فخرِ اماثل اور ہے ۳۰۴؎

غزلیات میں مضامینِ حمد و معرفت کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

رات دن فرطِ ندامت ہے الم کا باعث
ہو گا اقرارِ گنہ اس کے کرم کا باعث
سارے حادث متغیر ہیں فقط تو ہے قدیم
تیری ہستی ہوئی ہستی و عدم کا باعث
غور کرتا ہوں تو ہے شان تری اے معبود

حرمتِ دیر و کلیسا و حرم کا باعث

دل میں محجوب ہے کیوں ہیچ مدانی سے حبیبؔ

فضلِ خالق ہے ترے زورِ قلم کا باعث ۳۰۵؎

دیوان کی پہلی غزل متصوفانہ حمد کہلانے کی مستحق ہے۔ غزل کا ایک ایک شعر عارفانہ مذاق رکھتا ہے:

حسن جب صورت گر ذوق خود آرائی ہوا

ہر بتِ بے باک گرم لاف یکتائی ہوا ۳۰۶؎

مطلع کے بارے میں 'دیوان حبیب' کے تقریظ نگار سید مرتضیٰ فرماتے ہیں:

اگر مذاقِ توحیدِ حکیمانہ تلاش کرنا ہے تو یہ مطلع غزل سرِ دیوان ملاحظہ فرمایئے۔ کس رتبہ کا ہے...... مولانا جامیؔ نے بھی جو اس رنگ کے استاد تھے یہ مطلع خوب فرمایا ہے:

حسن خویش ازروئے خوباں آشکارا کردۂ

پس بچشمِ عاشقان خود را تماشا کردۂ

اس میں شک نہیں کہ نزاکتِ معنی کے ساتھ مولانا نے وہ النسجام (صنعتِ سہلِ ممتنع از مقالہ نگار) اس مطلع میں صرف کیا ہے کہ جس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔'' ۳۰۷؎

اسی حمد کے چند اور شعر دیکھیے:

دیکھ کر آئینہ وحدت میں کثرت کا جمال

محشرستانِ تعین کنجِ تنہائی ہوا

ہو گئی قطرے میں پیدا آرزوئے قربِ بحر

سب سے دوری کا محرک، شوق یکجائی ہوا

کون ہو سکتا تھا دنیا میں کسی کا روشناس

چھپ کے ہر پردے میں تو وجہِ شناسائی ہوا

مقطع میں دعا گو ہیں:

اے مسبّب دور کر دے رنج و حرمانِ حبیبؔ

وہ بھی کوئی شے ہے جس کا یہ تمنائی ہوا ۳۰۸؎

ج: مذکورہ عہد کی حمد و مناجات کا جائزہ

اگرچہ ۱۸۵۷ء سے ۱۹۴۷ء تک کا دور برعظیم پاک و ہند کے مسلمانوں کے سیاسی و معاشرتی زوال اور ابتلا و آزمائش کا عہد تھا۔ مگر عظیم الشان علمی روایات اور جرأت رندانہ کی حامل قوم نے غلامی سے آزادی تک کے مراحل بڑے عزم کے ساتھ طے کیے۔

یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ اُس عہدِ زوال میں رب العزت نے امتِ مسلمہ کو ایسے ایسے بطلِ جلیل دیے جن کی نظیر گزشتہ کئی صدیوں میں نہ تھی۔ روشن دماغ، صاحبِ دل، حکیم و دانا، صاحبِ بصارت و بصیرت رہنماؤں نے جو شعر کی اعلیٰ صلاحیت سے بھی بہرہ ور تھے۔ تمام تر قویٰ کو مقصدی و انقلابی ادب کے لیے وقف کر دیا۔ یہ ادب بالواسطہ خدا اور اس کے رسولؐ سے بندے کو ملانے والا تھا۔ اس عہد کے شعرا حمد و مناجات کی آڑ میں حوصلے بھی بڑھاتے رہے۔ ملت اسلامیہ کے عالمگیر مسائل کی نشاندہی بھی کرتے رہے اور توحید کو اپنا مرکز بنا کر چہار سو انقلاب کا پرچم بلند کرتے رہے۔ حالیؔ، شبلیؔ، اکبرؔ، اقبالؔ، جوہرؔ اور ظفرؔ علی خاں کی حمد و مناجات میں اپنے عہد کا عصری شعور نئے قومی و ملّی تقاضوں کے ساتھ اجاگر ہوتا ہے۔

تصوف کی زیریں لہر بھی پھلتی پھولتی رہی اور بہت سے صوفیا بھی اپنی حمد و مناجات میں عصر حاضر کے دل گداز حالات کی عکاسی کئے بغیر نہ رہ سکے۔ ان کی حمد میں ناصحانہ انداز بھی نظر آیا اور وہ بھی امتِ مسلمہ کے حقیقی خیر خواہ اور مصلح نظر آتے ہیں۔ اردو شاعری کے ابتدائی ادوار میں حمد زیادہ تر رسماً کہی جا رہی تھی، مگر اس دور تک آتے آتے حمد و مناجات شاعری کا جزو لاینفک بن گئی اور اس میں بہترین نمونہ ہائے شعر سامنے آئے اور حمد و مناجات اس عہد کی ہر صنف میں جلوہ گر ہوئیں۔

حوالے

۱۔ نظام رام پوری: کلیات نظام (مرتبہ) کلب علی خاں فائق، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۵ء، ص ۳

۲۔ مذکورہ حوالہ، ص۴۵۹

۳۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی: مناجات اولیا (مرتبہ) عبدالملک العتیق، لاہور: ادارہ اسلامیات، ۲۰۰۲ء، ص٦٦

۴۔ مذکورہ حوالہ، ص۸۱

۵۔ امیر مینائی: دیوان امیر "معروف بہ مرأۃالغیب، لکھنؤ: مطبع منشی نولکشور، ۱۹۲۲ء، ص۴۱

٦۔ امیر مینائی: محامد خاتم النبینؐ، حیدر آباد دکن: مطبع سیدی، ۱۲۸۹ھ، ص۱

۷۔ امیر مینائی: صنم خانۂ عشق، لاہور: پنجابی پریس، ۱۳۴۰ھ، ص۲، ۳

۸۔ خزینۂ حمد: (مرتبہ) طاہر سلطانی، ص۱۲۷

۹۔ نذیر احمد: کلیات نظم نذیر احمد (مرتب) محمد ہارون قادر، ڈاکٹر، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء، ص۱۵۳

۱۰۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۷۵

۱۱۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۳

۱۲۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۴۔۲۱

۱۳۔ مذکورہ حوالہ ص، ۲۲۱،۲۲۲

۱۴۔ مرزا داغ دہلوی: دیوان داغ،(مرتبہ) محمد علی زیدی، ڈاکٹر، لاہور: خیام پبلشرز، بار اول ۱۹۸۲ء ،ص ۳

۱۵۔ مذکورہ حوالہ ،ص ۴

۱۶۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۲

۱۷۔ مذکورہ حوالہ ،ص ۳۶

۱۸۔ مذکورہ حوالہ،ص ۹۹

۱۹۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۳۱

۲۰۔ مذکورہ حوالہ،ص ۷۶

۲۱۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر: تاریخ ادب اردو، ج ۴، لاہور: مجلس ترقی ادب،طبع اول ۲۰۱۲ء،ص ۱۴۹۴

۲۲۔ مرزا داغ دہلوی: مہتاب داغ،(مرتبہ)کلب علی خاں فائق، لاہور: مجلس ترقی ادب،اشاعت دوم ۲۰۰۸ء ،ص۹۱

۲۳۔ مولابخش قلق: کلیات قِلق (مرتبہ) کلب علی خاں فائق، لاہور: مجلس ترقی ادب، بار اول ۱۹۶۶ء ،ص ۳، ۴

۲۴۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر: تاریخ ادب اردو ،ج ۴،ص ۴۸۳

۲۵۔ کلیاتِ قلق،ص۲۶۰

۲۶۔ مذکورہ حوالہ،ص۲۶۰

۲۷۔ تاریخ ادب اردو ،ج ۴ ،ص ۴۸۴

۲۸۔ کلیات قلق،ص۲۷۹

۲۹۔ الطاف حسین حالی: مسدس حالی، مشمولہ ،کلیات حالی(مرتبہ)رانا خضر سلطان،لاہور: بک ٹاک:1995ء،ص۱۷

۳۰۔ مذکورہ حوالہ،ص۴۷

۳۱۔ مذکورہ حوالہ ،ص ۱۱۳

۳۲۔ دیوان حالی، مشمولہ، کلیات حالی، ص ۵۷

۳۳۔ مذکورہ حوالہ، ص ۵۸

۳۴۔ مذکورہ حوالہ، ص ۵۹

۳۵۔ مذکورہ حوالہ، ص ۹۸

۳۶۔ مذکورہ حوالہ، ص ۶۰

۳۷۔ مذکورہ حوالہ ص ۱۶۶

۳۸۔۳۹۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۶۷

۴۰۔ الطاف حسین حالی: مسدس حالی، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، س ن، ص ۱۰۰

۴۱۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۰۳

۴۲۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر: تاریخ ادب اردو، ج ۴، ص ۱۵۳۹

۴۳۔ اسمٰعیل میرٹھی، محمد: کلیات اسمعیل میرٹھی (مرتب) محمد اسلم سیفی، دہلی: دیال پرنٹنگ پریس، ۱۹۳۹ء، ص ۱، ۲، ۳

۴۴۔ مذکورہ حوالہ، ص ۳

۴۵۔ مذکورہ حوالہ، ص ۴، ۵

۴۶۔ مذکورہ حوالہ، ص ۷

۴۷۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۔۷

۴۸۔ مذکورہ حوالہ، ص ۳۰

۴۹۔ مذکورہ حوالہ، ص ۲۷۱۔۲۷۲

۵۰۔ مذکورہ حوالہ، ص ۳۳۶

۵۱۔ سید یحییٰ نشیط، ڈاکٹر: اردو میں حمد و مناجات، ص ۱۹۰

۵۲۔ کلیات اسمٰعیل، ص ۱۰

۵۳۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۲

۵۴۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۳

۵۵۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۸

۵۶۔ اکبر الہ آبادی: کلیات اکبر الہ آبادی، ج ۴، لاہور: مکتبہ شعر و ادب ،س ن ،ص۵۹

۵۷۔ مذکورہ حوالہ،ص۱

۵۸۔ مذکورہ حوالہ،ص۶

۵۹۔ مذکورہ حوالہ،ص۷

۶۰۔ مذکورہ حوالہ،ص۹

۶۱۔ مذکورہ حوالہ،ص۱۰

۶۲۔ مذکورہ حوالہ،ص۱۷

۶۳۔ مذکورہ حوالہ،ص۲۱

۶۴۔ مذکورہ حوالہ،ص۳۹

۶۵۔ مذکورہ حوالہ،ص۵۱

۶۶۔ مذکورہ حوالہ،ص۵۹

۶۷۔ مذکورہ حوالہ،ص۶۷

۶۸۔ مذکورہ حوالہ،ص ۷۳

۶۹۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۴۲

۷۰۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۴۳

۷۱۔ یحییٰ نشیط، ڈاکٹر سید: اردو میں حمد و مناجات،ص ۱۰۰

۷۲۔ شاد عظیم آبادی: کلام شاد، (حصہ اول) علی گڑھ: مطبع جامعہ ملیہ،س ن ،ص ۳

۷۳۔ شاد عظیم آبادی: رباعیات شاد مسمّی بہ گنجینۂ عرفاں، (مرتبہ) حمید عظیم آبادی، پٹنہ: کرشنا پریس، س ن ،ص ۸۸

۷۴۔ مذکورہ حوالہ،ص ۳

۷۵۔ مذکورہ حوالہ،ص۷۶

۷۶۔ مذکورہ حوالہ،ص۸۱

۷۷۔ اثر،امداد امام: دیوان اثر، کراچی: غزالی برادرز پرنٹرز،طبع سوم۱۹۹۸ء،ص۱۵

۷۸۔ مذکورہ حوالہ،ص۹۱

۷۹۔ مذکورہ حوالہ،ص۲۶،۲۷

۸۰۔ مذکورہ حوالہ،ص۲۹۶

۸۱۔ مذکورہ حوالہ،ص۲۷۱

۸۲۔ مذکورہ حوالہ،ص۲۰۳

۸۳۔ مذکورہ حوالہ،ص۴۱۱

۸۴۔ نظم طباطبائی: دیوان نظم طباطبائی، حیدر آباد کن: انجمن امداد باہمی مکتبہ ابراہیمیہ،طبع اول۱۹۳۳ء، ص۱،۲

۸۵۔ مذکورہ حوالہ،ص۱۳

۸۶۔ مذکورہ حوالہ،ص۶۵

۸۷۔ ریاض خیر آبادی: انتخاب ریاض خیر آبادی(مرتبہ)مظفر حسین شمیم، کراچی: اردو اکیڈمی سندھ،طبع اول۱۹۵۹ء،ص۶۵

۸۸۔ مذکورہ حوالہ،ص۱۶۷

۸۹۔ مذکورہ حوالہ،ص۹۸

۹۰۔ مذکورہ حوالہ،ص۴۱

۹۱۔ یحییٰ نشیط،سیّد، ڈاکٹر: اردو میں حمدو مناجات ،ص۱۰۲

۹۲۔ ریاض خیر آبادی: انتخاب ریاض خیر آبادی،ص۴۵

۹۳۔ مذکورہ حوالہ،ص۱۷۱

۹۴۔ شوق قدوائی، منشی احمد علی: ترانۂ شوق،لکھنؤ: نیر پریس، طبع دوم ۱۹۲۱ء،ص۱

۹۵۔ مذکورہ حوالہ،ص ۳، ۴

۹۶۔ شوق قدوائی، منشی احمد علی: گنجینہ (مرتبہ) منشی سعید اللہ خان عیش رام پوری، رام پور: مطبع سعیدی، س ن، ص ۲

۹۷۔ مذکورہ حوالہ،ص ۴

۹۸۔۹۹۔ مذکورہ حوالہ،ص ۵

۱۰۰۔ مذکورہ حوالہ،ص ۶

۱۰۱۔ مذکورہ حوالہ،ص ۵۲

۱۰۲۔ احمد رضا خان، مولانا: حدائق بخشش، لاہور: نوری کتب خانہ، بار اول ۱۹۹۷ء، ص ۲۱۹

۱۰۳۔ مذکورہ حوالہ،ص ۹۱

۱۰۴۔ مذکورہ حوالہ،ص ۸۳

۱۰۵۔ مذکورہ حوالہ،ص ۶۳، ۶۴

۱۰۶۔ قاری محمد حسین، بحوالہ، مثنوی زر جعفری، جعفر علی بیمار، لاہور: مطبع علیمی اندرون لوہاری گیٹ، س ن ، ص ۱

۱۰۷۔ جعفر علی بیمار: مثنوی زر جعفری، ص ۲

۱۰۸۔ مذکورہ حوالہ،ص ۳

۱۰۹۔ عبدالقادر سروری: جدید اردو شاعری، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، بار ششم ۱۹۶۷ء، ص ۱۴۷

۱۱۰۔ بے نظیر قادری: الکلام، مطبع ندارد، ۱۹۰۴ء، ص ۲

۱۱۱۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۵

۱۱۲۔ مذکورہ حوالہ،ص ۹۹

۱۱۳۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۲

۱۱۴۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۷۵

۱۱۵۔ فصاحت جنگِ جلیل، نواب: کائنات جلیل، (مرتبہ) علی احمد جلیلی، دہلی: سپر پرنٹرز، ۱۹۸۵ء، ص ۲۹

۱۱۶۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۴۳

۱۱۷۔ خوشی محمد ناظر: **نغمۂ فردوس**، لاہور: جدید اردو ٹائپ پریس، طبع دوم ۱۹۷۱ء، ص ۱، ۲

۱۱۸۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲، ۳

۱۱۹۔ مذکورہ حوالہ،ص ۵

۱۲۰۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۰

۱۲۱۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۳

۱۲۲۔ فرمان فتحپوری، ڈاکٹر: **اردو کی نعتیہ شاعری**، لاہور: آئینہ ادب، ۱۹۷۴ء، ص ۸۳

۱۲۳۔ ظفر علی خان، مولانا: **نگارستان** مشمولہ، **کلیات مولانا ظفر علی خان**، (مرتبہ) زاہد علی خان، لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب، طبع اوّل، ۲۰۰۷ء، ص ۱۸۹

۱۲۴۔۱۲۵۔ ظفر علی خان، مولانا: **بہارستان**، ص ۶

۱۲۶۔۱۲۷۔ مذکورہ حوالہ،ص ۸

۱۲۸۔ مذکورہ حوالہ،ص ۴

۱۲۹۔ مذکورہ حوالہ،ص ۵

۱۳۰۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۱

۱۳۱۔ ظفر علی خاں، مولانا، **حبسیات**، ص ۶

۱۳۲۔ مذکورہ حوالہ،ص ۷

۱۳۳۔ **بہارستان**، ص ۳

۱۳۴۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۶

۱۳۵۔ **نگارستان**، ص ۱۲

۱۳۶۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۳

۱۳۷۔ **حبسیات**، ص ۱۵

۱۳۸۔ مذکورہ حوالہ،ص ۶، ۷

۱۳۹۔ بھارستان،ص۱۹، ۲۰

۱۴۰۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۳

۱۴۱۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۸، ۲۹

۱۴۲۔ معین الدین عقیل، ڈاکٹر، مرتب: کلام نیرنگ ، کراچی: مکتبہ اسلوب، طبعِ سوم ۱۹۸۳ء،ص ۳۱۰

۱۴۳۔ میر غلام بھیک نیرنگ: کلام نیرنگ،ص ۴۹

۱۴۴۔ اقبال جاوید، پروفیسر محمد: شعری التجائیں، لاہور: ندوۃ العارف، ۲۰۱۰ء،ص ۴۷

۱۴۵۔ طاہر سلطانی: اردو حمد کا ارتقا،ص ۱۰۳

۱۴۶۔ حالی، الطاف حسین، مولانا: مقدمہ، اعجاز عشق، شاطر مدراسی، مدراس: مطبع نافع الاسلام، ۱۹۱۹ء ،ص ۳۵

۱۴۷۔ شاطر مدراسی: اعجاز عشق،ص ۱۰

۱۴۸۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۵

۱۴۹۔ محمد اقبال، علامہ: بال جبریل (مشمولہ) کلیات اقبال(اردو)لاہور: اقبال اکادمی، طبع دوم ۱۹۹۴ء ،ص ۱۳۹

150: M.M Sharif: Iqbal's conception of God, Iqbal as a thinker by Eminent Scholars LHR: Ashraf Press, 5th Edition 1973 Pg 100

۱۵۱۔ محمد اقبال علامہ: فلسفہ عجم (مترجم) میر حسن الدین احمد، لاہور: مکتبہ اردو ادب، اشاعت اول ۲۰۱۰ء،ص ۵۵، ۵۶

۱۵۲۔ جگن ناتھ آزاد: اقبال اور مغربی مفکرین، لاہور: مکتبہ عالیہ، طبع پنجم ۱۹۹۴ء،ص ۴۳

۱۵۳۔ ول ڈیورانٹ، داستانِ فلسفہ، ج ۲، ترجمہ، عابد علی عابد، سید، لاہور: مکتبہ اردو، طبعِ اوّل ۱۹۵۹ء، ص ۵۰۔ ۵۴

154: Letters of Iqbal, (ed by Bashir Ahmed Dar), LHR: Iqbal Acedemy, Ist Ed 1978, Pg 143

۱۵۵۔ شوکت سبزواری: (مضمون) مشمولہ ''اقبال شناسی اور سیّارہ (مرتبہ) جعفر بلوچ، لاہور: بزم اقبال،

طبع اول 1989ء، ص ۲۹،۲۸

156: Muhammad Iqbal: The Reconstruction of Religious Thought in Islam, London, Oxford University Press, Ist Ed 1943, Pg 60.

۱۵۷۔ تحسین فراقی، ڈاکٹر: جہاتِ اقبال، لاہور: بزم اقبال، طبع اول ۱۹۹۳ء، ص ۳

158: The Reconstruction of Religions Thought in islam Pg 64

۱۵۹۔ محمد اقبال، علامہ: بال جبریل (مشمولہ) کلیات اقبال (اردو)، ص ۴۰

۱۶۰۔ بشیر احمد ڈار، ''اقبال اور برگساں، مشمولہ، فلسفۂ اقبال، بزم اقبال، لاہور: طبع دوم ۱۹۸۴ء، ص ۱۳۰

۱۶۱۔ محمد اقبال، علامہ: بال جبریل، ص ۱۳۰

162: M. Razi-ud-Din Siddiqi, Dr: Iqbal's conception of time and space (Essay) from Iqbal as a thinker, Pg 33

۱۶۳۔ بال جبریل، ص ۹۵

۱۶۴۔ محمد اجمل، ڈاکٹر: مقالات اجمل، لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، ۱۹۸۷ء، ص ۶۵، ۶۷

۱۶۵۔ بانگ درا، ص ۲۷۴

۱۶۶۔ بال جبریل، ص ۴۴

۱۶۷۔ ضرب کلیم، ص ۵۰

۱۶۸۔ ضرب کلیم، ص ۶۶

۱۶۹۔ بانگ درا، ص ۱۴۸

۱۷۰۔ بانگ درا، ص ۶۱

۱۷۱۔ بانگ درا، ص ۱۲۳

۱۷۲۔ بال جبریل، ص ۱۲۲

۱۷۳۔ بانگ درا، ص ۱۱۵

۱۷۴۔ بانگ درا، ص ۹۲

۱۷۵۔ بانگ درا، ص ۱۱۳

۱۷۶۔ بال جبریل، ص ۲۳

۱۷۷۔ پیام مشرق، ص ۱۴

۱۷۸۔ بال جبریل، ص ۳۰

۱۷۹۔ زبور عجم، ص ۱۷

۱۸۰۔ پیام مشرق، ص ۱۸۲

۱۸۱۔ زبور عجم، ص ۲۸

۱۸۲۔ بال جبریل، ص ۵۰

۱۸۳۔ پیام مشرق، ص ۱۶۶

۱۸۴۔ پیام مشرق، ص ۱۲۷

۱۸۵۔ زبور عجم، ص ۲۴

۱۸۶۔ بال جبریل، ص ۲۴

۱۸۷۔ بال جبریل، ص ۵۰

۱۸۸۔ بانگ درا، ص ۱۸۱

۱۸۹۔ بال جبریل، ص ۱۱۲

۱۹۰۔ بال جبریل، ص ۳۲

۱۹۱۔ بال جبریل، ص ۱۲۸۔۱۲۹

۱۹۲۔ بال جبریل، ص ۱۸

۱۹۳۔ بانگ درا، ص ۲۲۵

۱۹۴۔ بانگ درا، ص ۶۲

۱۹۵۔ کلیات مکاتیب اقبال، ج ۴، (مرتبہ) مظفر حسین برنی، دہلی: اردو اکادمی، ۱۹۹۸ء، ص ۴۳۲

۱۹۶۔ محمد علی جوہر، مولانا: کلام جوھر (مرتبہ) عبدالماجد دریا بادی، مولانا، لاہور: کلاسیک، ۲۰۱۱ء، ص ۱۰۷

۱۹۷۔ مذکورہ حوالہ، ص ۶۴

۱۹۸۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۴۳

۱۹۹۔ مذکورہ حوالہ،ص ۹۶

۲۰۰۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۲۸

۲۰۱۔ مذکورہ حوالہ،ص ۶۱

۲۰۲۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۱۲

۲۰۳۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۱۳

۲۰۴۔ مذکورہ حوالہ،ص ۴۴۔۴۵

۲۰۵۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۲۹

۲۰۶۔ فانی بدایونی: کلیات فانی (مرتبہ)ظہیر احمد صدیقی، ڈاکٹر، نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، طبع دوم ۱۹۹۹ء،ص ۱۹۶

۲۰۷۔ ایچ ایچ امام اکبرآبادی: سبد گل، کراچی: فضلی سنز، اشاعت دوم ۲۰۰۱ء،ص ۱۸۵

۲۰۸۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۸۶

۲۰۹۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۵۰،۲۵۱

۲۱۰۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۵۱

۲۱۱۔ اقبال جاوید، پروفیسر محمد: شعری التجائیں،ص ۱۵۴

۲۱۲۔ حافظ خلیل الدین حسن حافظ پیلی بھیتی: نعت حافظ،(مرتبہ)راجا رشید محمود،لاہور: مقبول اکادمی،س ن،ص ۱۵

۲۱۳۔ طاہر سلطانی،خزینۂ حمد،ص ۲۲۹

۲۱۴۔ حسرت موہانی: کلیات حسرت موھانی، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، بار سوم ۱۹۶۴ء،ص ۱۱۵

۲۱۵۔ مذکورہ حوالہ،ص ۳۳۱

۲۱۶۔ مذکورہ حوالہ،ص ۳۷۰

۲۱۷۔ حسرت موہانی: کلیات حسرت (مرتبہ)نور الحسن ہاشمی، ڈاکٹر،لکھنو: ادارہ فروغ اردو،۱۹۶۶ء

۲۱۸۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۱۳

۲۱۹۔ اسرار احمد سہاوری، اصغر گونڈوی کی حمد نگاری (مضمون) مشمولہ، مفیض، حمد نمبر، ص ۱۶۸

۲۲۰۔۲۲۱ اصغر گونڈوی : کلیات اصغر، لاہور : مکتبہ شعر و ادب، س ن،ص ۲۷

۲۲۲۔ مذکورہ حوالہ،ص ۳۴

۲۲۳۔ مذکورہ حوالہ،ص ۴۰

۲۲۴۔ مذکورہ حوالہ،ص ۵۲

۲۲۵۔ مذکورہ حوالہ،ص ۵۴

۲۲۶۔ مذکورہ حوالہ،ص ۵۵

۲۲۷۔ میرزا یگانہ چنگیزی لکھنوی: کلیات یگانہ (مرتبہ) مشفق خواجہ، ڈاکٹر، کراچی: اکادمی بازیافت،طبع دوم ۲۰۰۳ء،ص ۴۱،

۲۲۸۔ مذکورہ حوالہ،ص ۳۳۶

۲۲۹۔ مذکورہ حوالہ،ص ۳۳۶

۲۳۰۔ مذکورہ حوالہ،ص ۴۱۹

۲۳۱۔ مذکورہ حوالہ،ص ۴۱۰

۲۳۲۔ رام لعل نابھوی: تلوک چند محروم، نئی دہلی: ساہتیہ اکادمی، طبع دوم ۱۹۹۲ء،ص ۱۸

۲۳۳۔ تلوک چند محروم، رباعیات محروم، نئی دہلی: محروم میموریل لٹریری سوسائٹی، طبع پنجم ۱۹۹۷ء،ص ۸

۲۳۴۔ تلوک چند محروم: گنج معانی، نئی دہلی: محروم میموریل لٹریری سوسائٹی، طبع چہارم ۲۰۰۲ء،ص ۳۷،۳۸

۲۳۵۔ مذکورہ حوالہ،ص ۴۰

۲۳۶۔ مذکورہ حوالہ،ص ۴۱

۲۳۷۔ مذکورہ حوالہ،ص ۵۷

۲۳۸۔ رباعیات محروم،ص ۳۴

۲۳۹۔ رباعیات محروم،ص ۲۹

۲۴۰۔ رباعیات محروم،ص ۳۶

۲۴۱۔ رام لعل نابھوی: تلوک چند محروم،ص ۶۸

۲۴۲۔ زوار حسین، سید (مرتب) اردو شاعروں کا البم، دہلی: غالب بک ڈپو،طبع اول ۱۹۴۵ء،ص ۳

۲۴۳۔ یحییٰ نشیط، ڈاکٹر،سید: اردو میں حمد و مناجات،ص ۱۱۴، ۱۱۳

۲۴۴۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۱۴

۲۴۵۔ جگر مراد آبادی: دیوان جگر،لاہور: خیام پبلشرز، ۱۹۸۳ء،ص ۲۸

۲۴۶۔ جوش ملیح آبادی: روح ادب، لاہور: مکتبہ اُردو،طبع ثانی ۱۹۴۲ء،ص ۲۳

۲۴۷۔ مذکورہ حوالہ،ص ۳۹

۲۴۸۔ مذکورہ حوالہ،ص ۴۷

۲۴۹۔ جوش ملیح آبادی: شعلہ و شبنم، دہلی: مکتبہ جامعہ،۱۹۳۶ء،ص ۲

۲۵۰۔ مذکورہ حوالہ،ص ۳۹، ۴۰

۲۵۱۔ جوش ملیح آبادی: سموم و صبا، کراچی: سلطان حسین اینڈ سنز،طبع اول ۱۹۵۵ء،ص ۷

۲۵۲۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۳۵

۲۵۳۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۴۰

۲۵۴۔ طاہر شادانی، ضیا محمد ضیا: مقدمہ، موجِ صبا، فاخر ہریانوی، لاہور: ایوان ادب،۱۹۶۶ء،ص ۵

۲۵۵۔ فاخر ہریانوی: موجِ صبا، لاہور: ایوان ادب،طبع اول ۱۹۶۶ء،ص ۱۹۔ ۲۲

۲۵۶۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۴

۲۵۷۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۵

۲۵۸۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۹

۲۵۹۔ ضیاء الحسن، ڈاکٹر: مشارق پر ایک نظر (مضمون) مشمولہ'مشارق' (مرتبہ) جعفر بلوچ ، پروفیسر، لاہور: دارالکتاب، اشاعت اول ۲۰۰۵ء،ص ۳۷

۲۶۰۔ اسد ملتانی: مشارق،ص ۵۵

۲۶۱۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۹

۲۶۲۔ مذکورہ حوالہ،ص۹۸

۲۶۳، ۲۶۴۔ مذکورہ حوالہ،ص۹۹

۲۶۵۔ مذکورہ حوالہ،ص۱۰۱

۲۶۶۔ مذکورہ حوالہ،ص۹۵

۲۶۷۔ مذکورہ حوالہ،ص۹۶

۲۶۸۔ مذکورہ حوالہ،ص۵۶

۲۶۹۔ مذکورہ حوالہ،ص۶۶۔۶۸

۲۷۰۔ مذکورہ حوالہ،ص۱۰۰

۲۷۱۔ جعفر بلوچ، پروفیسر (مضمون نگار) اسد ملتانی کا حمدیہ اور نعتیہ کلام، (مشمولہ) 'مشارق' ص۲۰

۲۷۲۔ نظیر لدھیانوی، اصغر حسین خان: صبح بہار، لاہور: مکتبہ کارواں، ۱۹۷۱ء، ص ا

۲۷۳۔ مذکورہ حوالہ،ص۷۵

۲۷۴۔ مذکورہ حوالہ،ص۲

۲۷۵۔ عندلیب شادانی، ڈاکٹر: نشاطِ رفتہ، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۵۱ء ص''و''

۲۷۶۔ مذکورہ حوالہ،ص۵۱، ۵۲

۲۷۷۔ مذکورہ حوالہ،ص۵۰

۲۷۸۔ قیصر نجفی، پروفیسر: صبا اکبر آبادی کے مرثیوں میں حمد نگاری (مضمون)، مشمولہ''جہان حمد'''' صبا اکبر آبادی، حمد و نعت نمبر''، ۲۰۰۲ء مارچ، شمارہ نمبر ۹،ص۲۰

۲۷۹۔ مذکورہ حوالہ،ص۲۴، ۲۵

۲۸۰۔ تنویر پھول: ''صبا اکبر آبادی کی حمدیہ شاعری، قرآن مبین کی روشنی میں'' (مضمون) مشمولہ، جہانِ حمد ''صبا اکبر آبادی، حمد و نعت نمبر'' ص۳۰

۲۸۱۔ صبا اکبر آبادی: جہان حمد ''صبا اکبر آبادی، حمد و نعت نمبر''،ص۴۶

۲۸۲۔ صبا اکبر آبادی: دست دعا، کراچی: جہان حمد پبلی کیشنز، اشاعت ثانی ۲۰۰۳ء، ص۲۶

۲۸۳۔ منظور احمد عثمانی: تقریظ (مشمولہ) شمس و قمر (مولفہ) قمر الدین قمر میرٹھی، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز،

بار اول ۱۹۷۶ء، ص۹

۲۸۴۔ مذکورہ حوالہ، ص ۷

۲۸۵۔ قمر الدین قمر، میرٹھی، ڈاکٹر: شمس و قمر، ص ۲۴، ۲۵

۲۸۶۔ مذکورہ حوالہ، ص ۲۳

۲۸۷۔ الف دین نفیس: مثنوی معارفِ اسلام، لاہور: حمایت اسلام پریس، بار دوم ۱۳۵۳ء، ص ۱۵، ۱۶

۲۸۸۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۷، ۱۸

۲۸۹۔ عبدالماجد دریا بادی: پیش لفظ، سلسبیل، مولفہ، اثر زبیری لکھنوی، کراچی: الحجاز پبلشرز، اشاعت اول، س ن، ص ۱۲

۲۹۰۔ اثر زبیری لکھنوی: سلسبیل، ص ۳۔ ۴

۲۹۱۔ مذکورہ حوالہ، ص ۵

۲۹۲۔ مذکورہ حوالہ، ص ۷

۲۹۳۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۱

۲۹۳۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۲

۲۹۵۔ ناظر حسین ناظم: نغمۂ توحید، لاہور: مرغوب ایجنسی، ۱۳۳۷ھ، ص ۲، ۳

۲۹۶۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۰

۲۹۷۔ مذکورہ حوالہ، ص ۲۰

۲۹۸۔ عاجز، محمد عبدالصمد، تحفۃ العاشقین، کانپور: مطبع مجیدی، ۱۹۱۲ء، ص ۴

۲۹۹۔ مذکورہ حوالہ، ص ۵

۳۰۰۔ ضامن کنتوری: کلیات ضامن کنتوری (حصہ اوّل)، حیدرآباد دکن: گورنمنٹ سنٹرل پریس، س ن، ص ا

۳۰۱۔ مذکورہ حوالہ، ص ۲۲۸

۳۰۲۔ مذکورہ حوالہ، ص ۲۲۸

۳۰۳۔ مخزن، اگست ۱۹۰۵ء ص ۱۷

۳۰۴۔ حبیب کنتوری، دیوانِ حبیب، حیدر آباد دکن: مطبوعہ مطبع شمسی، س ن، ص ۳۰۵

۳۰۵۔ مذکورہ حوالہ، ص ۵۱

۳۰۶۔ مذکورہ حوالہ، ص ا

۳۰۷۔ سید مرتضیٰ، تقریظ نگار: دیوانِ حبیب، ص ۲

۳۰۸۔ دیوانِ حبیب، ص ۲

باب پنجم:

تقسیم ہند سے عصر حاضر تک

حمد و مناجات نگاری

ا۔ سیاسی و معاشرتی پس منظر

ب۔ فہرست شعرائے کرام

۱۔ امینؔ حزیں سیالکوٹی

۲۔ امجدؔ حیدر آبادی

۳۔ صوفی غلام مصطفی تبسمؔ

۴۔ حفیظؔ جالندھری

۵۔ بہزادؔ لکھنوی

۶۔ ضیاؔ صدیقی

۷۔ فضل حمد فضلؔ

۸۔ ماہرؔ القادری

۹۔ عبدالحمید عدمؔ

۱۰۔ احسان دانشؔ

۱۱۔ یوسف ظفرؔ

۱۲۔ طفیلؔ ہوشیار پوری

۱۳۔ طاہرؔ شادانی

۱۴۔ ضمیرؔ جعفری

۱۵۔ جگن ناتھ آزادؔ

۱۶۔ انجمؔ رومانی

۱۷۔ منیرؔ نیازی

۱۸۔ جابرؔ علی سید

۱۹۔ وحیدؔ قریشی

۲۰۔ ناصرؔ کاظمی

۲۱۔ شہرتؔ بخاری

۲۲۔ مصطفیٰ زیدی

۲۳۔ احمد فرازؔ

۲۴۔ سید نفیسؔ الحسینی

۲۵۔ حسن اختر جلیلؔ

۲۶۔ اسلمؔ انصاری

۲۷۔ خورشیدؔ رضوی

۲۸۔ افتخارؔ عارف

۲۹۔ امجد اسلام امجدؔ

۳۰۔ ڈاکٹر محمد امینؔ

۳۱۔ ڈاکٹر تحسینؔ فراقی

۳۲۔ حفیظ الرحمن احسنؔ

۳۳۔ حافظ محمد افضل فقیرؔ

۳۴۔ سید معراج جامیؔ

۳۵۔ رئیس وارثی

۳۶۔ محمد رمضان زاہد

ج۔ جائزہ

ا۔ سیاسی و معاشرتی پس منظر:

۱۹۴۷ء مسلمانانِ عالم کی شبانہ اور محنتوں اور بے مثال و بے عدیل قربانیوں کا ثمر تھا۔ اس منزل تک رسائی کے لیے جو صبر و تحمل، سعی و توکل، ایثار و قربانی کے صبر آزما مراحل تھے، ان میں حمد و مناجات، کی اصناف ہی شکستہ دلوں کے لیے مومیائی اور کم حوصلہ مسلمانوں کے لیے توانائی کا کام دیتی تھیں۔

قیام پاکستان کے بعد کی حمدیہ شاعری میں شکر و سپاسِ الٰہی کے جذبات موجزن نظر آتے ہیں۔ 'مناجات' کی صنف میں اس عہد کے شعرا کا عصری شعور نظر آتا ہے۔ حمد و مناجات کی اصناف نے اپنے عہد کے معاشرتی مقتضیات و مطالبات کو معرضِ اظہار میں لانے اور اقتدارِ بالا تک پہنچانے کی بھی سعی کی۔ جہاں کہیں شعرائے کرام کو نظامِ مملکت اور اعیانِ مملکت سے شکوہ و شکایت کی ضرورت پڑی، حمد و مناجات کی اصناف میں ان کا اظہار بھی ہوا۔ خدائے بزرگ و برتر سے سے بھی شکوے کے فضا، اردو کی دعائیہ شاعری میں نظر آتی ہے۔

مملکتِ خداداد پاکستان میں لادینی عقائد و افکار کا توڑ حمد و مناجات کے اصناف سے کرنے کی شعرا نے بھرپور کوشش کی۔ ذیل میں اس عہد کے نامور، اور حمد کے نمائندہ شعرا کا تعارف اور جائزہ حمد گوئی پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔امین حزیں سیالکوٹی (۱۸۸۴ء......۱۹۶۸ء) سیالکوٹ کی مردم خیز زمین سے شمس العلماء مولوی میر حسن نے اقبال کو ڈاکٹر سر محمد اقبال تو بنایا ہی تھا۔ ایک اور فاضل ادیب و شاعر خان بہادر خواجہ محمد مسیح

پال کو امینؔ حزیںؔ بنانے میں بھی اہم کردار ادا کیا۔ امین حزین، زمانۂ طالب علمی ہی سے شعر کہنے لگے تھے۔ بقول شیخ عبدالقادر صاحب:

''ابتدا میں مولوی ظفرؔعلی خاں اور مولانا محمد علی جوہرؔ مرحوم کے رنگ سے متاثر تھے لیکن بعد ازاں ان کی طبیعت پر اقبالؔ کا رنگ چھا گیا''۔ا؎

''گلبانگ حیات' کی اشاعت حزیںؔ کی زندگی میں عمل میں آئی تھی۔ مجموعے کا آغاز دُعا سے ہوتا ہے۔ 'دُعا' کی شعری لغت اور مفاہیم، کلام وفکرِ اقبالؔ سے بے حد مماثل ہیں اور سر عبدالقادر کی رائے کی تائید کرتے ہیں:

گدازِ روح یعنی رخصتِ پیکار مل جائے
فروغِ مہر یعنی وسعتِ پندار مل جائے
تخیل کو مرے مولا شہید جستجو کر دے
مرے پائے طلب کو برق کی رفتار مل جائے

اقبالؔ ہی کی طرح رزمِ ہستی میں تیغ خودی کی بُرشِ سے کام لینا چاہتے ہیں:

مری جو آرزو ہو رزمِ ہستی کا مرقع ہو
مری تیغِ خودی کو جوہرِ کردار مل جائے

اور آیۂ قرآنی وَ لَاتَهِنُوْاوَ لَاتَحْزَنُوْاوَ اَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْن (۱۳۹/۳)

کا مقطع میں کتنی دلکشی سے پیوند لگاتے ہیں:

امیںؔ کندہ ہے جس پر 'انتم الاعلون' کا وعدہ
ہمیں ایقان کی وہ تیغ جوہردار مل جائے ۲؎

لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰه، کے عنوان سے ایک نظم کے ابتدائی چھے اشعار میں آیات و بیناتِ الٰہی کی قسم اور سوگند کھاتے ہوئے آخری شعر میں ان کا نچوڑ اس طرح بیان کرتے ہیں کہ:

ملی ہے جس کو مئے لاالٰہ الا اللہ
وہ رندِ میکدہ مغضوب ہو نہیں سکتا

صوفی کے تصورِ الٰہ پر ایک رباعی میں دلچسپ پیرایے میں اس طرح تعریض کرتے ہیں:

ہستی کو حجاب کہہ رہا ہے
موجود کو خواب کہہ رہا ہے
صوفی کو نگاہ دے الٰہی
قلزم کو سراب کہہ رہا ہے ۴؎

چھوٹی بحر میں لکھی گئی ایک 'غزل' کے تمام موضوعات و مضامین کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسے 'حمدیہ غزل' کہا جا سکتا ہے۔

جی کا وظیفہ تیری تمنا   نینوں کا کاجل نورِ تجلّٰی
تیرا تصور تسکینِ خاطر   تیرا تخیل فطرت کا منشا
پردہ بھی ہے اور بے پردگی بھی   یہ بھی معمّا، وہ بھی معمّا ۵؎

'سرودِ سرمدی' ان کی وفات کے بعد ان کے نواسے ندیم احمد خان نے مرتب کیا۔ اللہ کی قدرت کاملہ اور مالک دو جہاں ہونے کا اعتراف کرتے ہیں۔ چند حمدیہ اشعار بطور نمونہ ملاحظہ ہوں:

تو ہے موت و حیات کا مالک   تو ہی دن اور رات کا مالک
ذرّے ذرّے کو تیری محتاجی   ہے تو ہی کائنات کا مالک ۶؎

اقبال سے متاثر ہونے کے باوجود، وہ خدا سے شکوہ و شکایت کے قائل نہیں ہیں اور اپنی راہ الگ سے نکالتے ہیں:

تری دریا دلی پر نکتہ چیں ہوں!
تو واللہ میں تیرا بندا نہیں ہوں!
پیالہ! وہ بھی مٹی کا کہے کیا
کہ ساقی! میں چناں ہوں! میں چنیں ہوں! ۷؎

۲۔امجدؔ حیدر آبادی(۱۸۸۸ء......۱۹۶۰ء)سید احمد حسین امجد حیدر آبادی، ان شعرا میں شمار ہوتے ہیں جنھوں نے اپنی شاعری کو خالصتاً دین کے لیے وقت کر دیا ہے۔ وہ نعت کے ساتھ ساتھ حمد کے بھی خوبصورت شاعر ہیں۔ ان کے شعری مجموعوں ریاضِ امجد، حج امجد اور نذرِ امجد میں نعت کے مضامین ملتے ہیں۔ لیکن ان کا خاص امتیاز اور وجہ شہرت ان کی رباعیات ہیں۔

رباعی میں جو ہمارے یہاں فارسی شاعری کے زیرِ اثر آئی شروع ہی سے حمدیہ، نعتیہ، متصوفانہ اور فلسفیانہ

مضامین بیان کئے جاتے رہے ہیں۔ اردو کی شعری روایت میں جنوبی ہند اور شمالی ہند میں متصوفانہ رباعیات کی ایک مضبوط روایت موجود ہے، جس میں حمدیہ رباعیات بھی نظر آتی ہیں۔ امجدؔ حیدر آبادی، اسی روایت کو غیر شعوری طور پر آگے بڑھانے کی کوشش کرتے ہیں۔ انھوں نے اپنی رباعیات کے موضوعات قرآن و سنت سے اخذ کئے ہیں، اور انھیں فنی مہارت اور سلیقگی کے ساتھ شعر کا لباس پہنایا ہے۔ وہ ہر رباعی کو کسی نہ کسی آیۂ قرآنی یا حدیث رسول اکرمؐ کے عنوان سے معنون کرتے ہیں۔ ان کے عنوانات، بھی بڑے برمحل اور توجہ کو اپنی جانب مبذول کرنے والے ہیں۔ ان کی چند حمدیہ رباعیات مع عنوانات کے ملاحظہ ہوں:

توحید فی الذات:

انسان ہزار ہیں مگر قسم ہے ایک
گو حرف کثیر ہیں مگر اسم ہے اک
اس عالمِ کثرت کا ہے منشا واحد
اعضا ہیں جدا جدا مگر جسم ہے ایک ۸؎

حدیث: وَاعۡلَمُوۡا اَنَّ اللّٰہَ یَحُوۡلُ بَیۡنَ الۡمَرۡءِ وَقَلۡبِہٖ

ترجمہ: خوب سمجھو کہ خدائے تعالیٰ آدمی اور اس کے دل کے درمیان حائل ہوتا ہے۔

کچھ اپنا پتہ اُس نے بتایا تو نہیں
اب تک اُس کا سراغ پایا تو نہیں
ملتی ہوئی ہے دل کی کھٹک آہٹ سے
دیکھو دیکھو کہیں وہ آیا تو نہیں ۹؎

خواجہ حمید الدین شاہد نے اپنے مضمون ’’حضرت امجد حیدر آبادی۔ سرمدِ ثانی‘‘ میں بھی امجدؔ کی رباعیات نقل کی ہیں۔ مذکورہ مضمون سے دو مثالیں ملاحظہ ہوں:

وردِ سحر و شام ہے اللہ اللہ
اللہ کا پیغام ہے اللہ اللہ

اللہ سے بندے کو ملا دیتا ہے
اللہ بھی کیا نام ہے اللہ اللہ ۱۰؎

توحیدِ اسلامی کی عملی شکل کیا ہی؟ امجدؔ کہتے ہیں:

ہر شخص کے دل کو خوش رکھو عید یہ ہے
ہر چیز کو اچھا کہو، تحمید یہ ہے
مخلوقِ خدا ہے سب خدا کی مخلوق
سب کو تم ایک سمجھو توحید یہ ہے ۱۱؎

امجدؔ کی رباعیات میں متصوفانہ رباعیات کی بھی خاطر خواہ تعداد پائی جاتی ہے۔ چند عنوانات ملاحظہ ہوں:

فنائے ہستی، ہمہ اوست، وحدت الوجود، نشانِ بے نشان، آئینہ حسن، خلوت کدہ، وجود حسّی، وجود وہمی وغیرہ۔

امجد کے یہاں توحید اور تصوف و معرفت کے ساتھ فلسفے کی بھی کارفرمائی ہے۔ مثلاً ایک رباعی بعنوان 'وحدت الوجود' میں اللہ تعالیٰ کے 'احد' ہونے کی دلیل علم الاعداد کی رو سے اس طرح دیتے ہیں:

ذرہ ذرہ میں ہے خدائی دیکھو
ہر بت میں ہے شان کبریائی دیکھو
اعداد تمام مختلف ہیں باہم
ہر ایک میں ہے مگر اکائی دیکھو

اس کی وضاحت امجد نے خود اس رباعی کے حاشیے میں اس طرح کی ہے:

''مثلاً ۲ مجموعہ ہے 1+1 کا اور ۳ مجموعہ ہے 1+1+1 کا قس علیٰ ہذا۔ اکائی ہر عدد میں موجود ہے اور (۱) خود عدد نہیں ہے کیونکہ عدد حاشیتین کے مجموعے کو کہتے ہیں۔ جیسے (۲) اس کا حاشیہ (۱) اور دوسرا حاشیہ (۳) (۱) اور (۳) کا مجموعہ (۴) کا نصف (۲) ہوتا ہے۔ فافہم'' ۱۲؎

امجد، دعا و مناجات پر یقین کامل رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک دستِ دعا خدا کا دروازہ ہے۔ اس لئے اسے ہمہ وقت کھٹکھٹاتے رہنا چاہیے۔ وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰہ کے عنوان سے کہتے ہیں:

ناحق پھر پھر کے سر پھرایا میں نے
اپنی کوشش سے کچھ نہ پایا میں نے

طوفان میں ہے کشتی امید مری
لے تو ہی سنبھال ہاتھ اٹھایا میں نے ۱۳؎

رَبَّنَا وَ لَاتُحمِّلْنَا مَا لَا طَاقَتَه لَنَابِہٖ کے عنوان سے ایک رباعی میں اس طرح اللہ تعالیٰ سے درخواست گزار ہیں:

ہر گام پہ چکرا کے گرا جاتا ہوں
نقشِ کفِ پابن کے مٹا جاتا ہوں
تو بھی تو سنبھال میرے دینے والے
میں بارِ امانت میں دبا جاتا ہوں ۱۴؎

امجدؔ ہر مومن کی طرح اس پر تو یقین رکھتے ہی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہر بیقرار کی دعا سنتا ہے۔ مگر دُعا کے بھی کچھ آداب ہیں اور ان پر عمل کئے بغیر آرزوؤں کے برآنے کی خواہش کو طفلانہ و بچگانہ ہی کہا جاسکتا ہے۔

مثلاً ایک رباعی میں کہتے ہیں:

لے لے کے خدا کا نام چلاتے ہیں
پھر بھی اثر دعا، نہیں پاتے ہیں
کھاتے ہیں حرام لقمہ پڑھتے ہیں نماز
کرتے نہیں پرہیز، دوا کھاتے ہیں ۱۵؎

۳۔ صوفی غلام مصطفی **تبسّم** (۱۸۹۹ء......۱۹۸۹ء) برعظیم پاک و ہند کے مشہور و معروف قادر الکلام شاعر تھے۔ گورنمنٹ کالج لاہور صدر شعبہ فارسی اور اردو رہے۔ ان کی شاعری اردو، فارسی اور پنجابی تینوں زبانوں میں ہے۔ غالب کی معروف فارسی غزلیات کا پنجابی زبان میں ترجمہ بھی کیا۔ ان کی حمدیہ شاعری میں اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ، حاکمیتِ اعلیٰ، اس کی رحمت و مغفرت اور ربوبیت کے مضامین دلکش شاعرانہ پیرائے میں ملتے ہیں۔ کہتے ہیں:

کیونکر نہ زباں پر ہو تحمید و ثنا تیری
دل محوِ نوا تیرا، جاں مدح سرا تیری
پھولوں کی مہک میں تو، انجم کی جھلک میں تو
وہ رنگِ وفا تیرا، یہ شانِ ادا تیری

ہم سے بھی گناہ گاروں کو تیرا سہارا ہے
چھوڑے تو کرم تیرا پکڑے تو رضا تیری ۱۶؎

۴۔ حفیظ جالندھری(۱۹۰۰ء......۱۹۸۲ء)حفیظ جالندھری(موجودہ بھارتی پنجاب) میں پیدا ہوئے۔ ساتویں جماعت تک تعلیم حاصل کر سکے اور مختلف معمولی نوعیت کی ملازمتیں کرتے رہے۔ ادبی رسائل و اخبارات میں ملازمت سے ان کی شعری ذوق نکھرا اور پذیرائی ملی۔ گرامیؔ کے شاگرد تھے۔ پاکستان کا قومی ترانہ لکھنے کی عزت و سعادت نصیب ہوئی۔ غزل، گیت اور شاہ نامہ آپ کا خاص شعری امتیاز ہے۔'شاہ نامہ' چونکہ مذہبی اور رجزیہ موضوع پر مشتمل ہے، اس لئے اس کے حمدیہ اشعار میں بھی جوش و خروش دکھائی دیتا ہے:

اسی کے نام سے آغاز ہے اس شاہ نامے کا
ہمیشہ جس کے در پر سر جھکا رہتا ہے خامے کا
اسی نے ایک حرفِ کن سے پیدا کر دیا عالم
کشاکش کی صدائے ہاؤ ہو سے بھر دیا عالم
یہ سرد و گرم و خشک و تر، اجالا اور تاریکی
نظر آتی ہے سب میں شان اسی اک ذات باری کی
وہی ہے کائنات اور اس کی مخلوقات کا خالق
نباتات و جمادات اور حیوانات کا خالق
وہی خالق ہے دل کا اور دل کے نیک ارادوں کا
وہی مالک ہمارا اور ہمارے باپ دادوں کا ۱۷؎

حفیظؔ کے پہلے شعری مجموعے 'نغمہ زار' کا آغاز ''عشق بھی حسن ہے'' کے عنوان سے آراستہ ایک حمد سے ہوتا ہے۔ جہاں ان کی صہبائے سخن، حبِ الٰہی سے چھلکی پڑتی ہے:

بادۂ صدق سے لبریز ہے مینائے سخن
چھلکی پڑتی ہے مرے جام سے صہبائے سخن
ضوفگن سینے میں ہے طورِ تجلائے سخن
آج خود محو تماشا ہے تماشائے سخن
کس کے دربار میں مصروفِ عقیدت ہوں میں
سر بسر غوطہ زنِ بحرِ محبت ہوں میں ۱۸؎

حفیظؔ کو ہر مشکل، پریشانی اور آفت میں صرف اللہ کا سہارا ہی کافی ہے۔ ایک غزل میں کہتے ہیں:

تو ہی بھروسا تو ہی سہارا
پروردگارا ، پروردگارا
منظور منظور اے اہلِ دنیا
اللہ میرا، باقی تمہارا ۱۹؎

نحن اقرب الیه......الخ کے معانی سے استفادہ کرتے ہوئے خدا سے استغفار کرتے ہیں:

سکہ ہے کس کا رواں قلب سے تا حبلِ ورید
میرے ہمراز، مرے دوست، مرے یار بتا

سوالیہ ردیف کی حامل اس غزل میں گاہے حفیظؔ اپنے منفرد انداز میں رحمت کے سوالی ہوتے ہیں اور گاہے آفات دنیوی کا گلہ کرتے ہیں۔ اپنی مجبوری یا مختاری کا فیصلہ کروانا چاہتے ہیں اور کبھی اس ستار العیوب سے صرف عیب پوشی کی درخواست:

مجھ سے برتر بھی تو بندوں میں گناہ گار بتا؟
کون رحمت کا زیادہ ہے سزا وار بتا؟
جس کا سر میری طرح عرش کی جانب نہ اٹھے
ہے کوئی بارِ ندامت سے نگوں سار بتا؟
تیر جس رخ بھی چلے، جان ہدف ہے میری
قدر انداز ہے، یا میں ہوں خطا کار بتا
عفو فرما کہ سزا دے، مگر اے عالم غیب
عیب میرے نہ کسی اور کو زنہار بتا ۲۰؎

حفیظ جب غمِ دوراں سے گھبرا اٹھتے ہیں تو ان کی زبان پر شکوہ بھی آ ہی جاتا ہے۔ مثلاً

خدا ناآشنا ہے دردِ دل سے
ہمارا کوئی بھی محرم نہیں ہے ۲۱؎

اور کبھی خدا سے ان کا مکالمہ ہمیں اقبالؔ کی یاد دلاتا ہے:

اے خدا تیری کائنات کے ساتھ
میری بھی کائنات باقی ہے ۲۲؎

مگر یہ ان کی شاعری کا غالب رنگ نہیں ہے۔ بلکہ وہ تو خدا کے حضور دعا کرتے ہیں:

یہی نام لے کے تو اے خدا میں صنم کدے سے نکل سکا
رہیں کاش تادرِ مصطفی مری رہنما تری آیتیں ۲۳؎

۵۔بہزاد لکھنوی(۱۹۰۰ء......۱۹۷۴ء) سردار احمد خان، بہزاد لکھنوی اپنے نعتیہ کلام اور منفرد پر سوز ترنم کی وجہ سے ایک عرصہ تک آسمانِ شعر و ادب پر چھائے رہے۔ نہایت زود گو شاعر جن کے تیرہ سے زاید شعری مجموعے ہیں۔وہ عرصہ دراز تک فلمی دنیا سے وابستہ رہے۔مگر چونکہ ایک مذہبی خاندان سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لئے بھی اور فطرتاً بھی مذہبی اور متصوفانہ مزاج رکھتے تھے۔ اس لئے ان کے کلام میں حمد و نعت کی کارفرمائی ملتی ہے۔ بقول مالک رام:

''بہزاد سب اصنافِ سخن پر قادر تھے۔غزل، گیت، نظم کا وافر ذخیرہ ان کے ہاں ملتا ہے لیکن ان کی خصوصی شہرت نعت نگار کی حیثیت سے ہوئی اور اس میں شبہ نہیں کہ ان کی نعت میں خاص کیفیت اور درد ہے۔لحن سے پڑھتے بھی خوب تھے۔'' ۲۴؎

بہزاد لکھنوی کی شاعری کا امتیازی وصف سوزِ دروں ہے جو ان کے حمدیہ و مناجاتی کلام میں بھی نظر آتا ہے۔ زبان و بیان کی سادگی نے ان کے حمدیہ کلام کو تاثر و تاثیر کی صفت بھی عطا کی ہے۔ ان کا نمونہ حمد و مناجات ملاحظہ ہو:

پایا نہ جب سہارا اے دو جہاں کے مالک
میں نے تجھے پکارا اے دو جہاں کے مالک
مخلوق کی اذیت، مخلوق کی مصیبت
تجھ کو ہے کب گوارا اے دو جہاں کے مالک
حقّا ہمارے بگڑے کاموں کو ہے بناتا
ادنیٰ ترا اشارہ اے دو جہاں کے مالک
دنیائے بندگی میں بہزادؔ نے ہمیشہ
سجدہ تجھے گزارا اے دو جہاں کے مالک ۲۵؎

۶۔ضیا صدیقی(۱۹۰۲ء......۱۹۶۹ء) منظور الحسن صدیقی، ۱۹۰۲ء میں گوجرانوالہ میں پیدا ہوئے۔

محکمہ انہار میں ضلعدار رہے۔ ملتان میں بزم ضیائے ادب ، قائم کی۔ملتان میں شعر وسخن کی جوت جگانے،تخلیقی روایات کو پروان چڑھانے اور تازہ واردانِ بساط ادب کی تربیت اور رہنمائی کرنے کے حوالے سے بزم ضیائے ادب کا کردار نا قابل فراموش ہے۔ ان کے شعری مجموعے''آ ثار ضیا'' کے مرتب پروفیسر جعفر بلوچ کے بقول:

''وہ ایک خوش گو اور سلیقہ مند شاعر تھے۔ ان کی غزل مجموعی تاثر کے حوالے سے لطافت، اہتزاز آفرینی، خوش فکری، حسن وخیر اور تمنائے نشاطِ حیات سے عبارت ہے۔''۲۶؎

فاضل مرتب نے ان کی دینی شاعری کو''نورِ تقدیس'' کے عنوان سے معنون کیا ہے۔ ابتدا اس دلکش حمد سے ہوتی ہے:

تو شاہنشہوں کا ہے پروردگار
تو ہی بے نواؤں کا ہے غمگسار
کرے بادشاہ کو گدائی نصیب
گدا کو تو پل میں کرے تاج دار

صنعتِ تلمیح کی دلکش مثال دیکھیے کہ شعر کے دونوں مصرعوں میں دو تلمیحات مذکور ہیں:

کیا پل میں پایاب دریائے نیل
کیا آگ کے شعلوں کو لالہ زار ۲۷؎

ایک غزل میں اللہ کے سمیع وبصیر ہونے کی بابت اس طرح کہتے ہیں:

وہ ان کہی بات سن رہا ہے، وہ دل کے ہرراز سے ہے واقف
تو کیا عجب ہے اگر ضیؔا کے لبوں پہ حرفِ دعا نہیں ہے ۲۸؎

کلام میں دعائیہ اشعار کی مثالیں ملاحظہ ہوں:

میری خطائیں فوج فوج، تیری عطائیں موج موج
فوج کو غرقِ موج کر، میری سزا یہی تو ہے ۲۹؎
خدائے حسن کرم اس کو سر بلندی دے
کہ سر بہ سجدہ ضیؔا تیری بارگاہ میں ہے ۳۰؎

۷۔فضل محمد فضل (۱۹۰۵ء......۲۰۰۱ء) چودھری فضل محمد فضل کا تعلق جالندھر سے تھا۔ محکمہ

جنگلات میں ملازمت کی۔ ۱۹۴۲ء میں ''معجزات رسولؐ'' کے عنوان سے ان کی شاعری کی کتاب منظر عام پر آئی۔ جس کا مقدمہ شیخ سرعبدالقادر (مرحوم) نے لکھا۔ اس کتاب کو بڑی قدرو منزلت ملی۔ فضلؔ صاحب کی شاعری کا بنیادی موضوع ہی توحید و رسالت ہے۔ پیش نظر ان کے شعری مجموعے ''گنجینۂ انوار'' میں چار حمدیں اور ایک مناجات مجموعے کے ابتدائی صفحات کی زینت ہیں۔ حمد کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

وہ عرش نشیں حُسن میں بے مثل حسیں ہے
مخفی ہے نگاہوں سے مگر دل کے قریں ہے
کون اس کے سوا غنچۂ امید کھلائے
بن آئے نہ جو بات وہی آکے بنائے ۳۱؎

''مناجات بدرگاہِ قاضی الحاجات'' کی ابتدا حمد سے کرتے ہیں اور صفاتِ الٰہی کو سراہتے ہوئے اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے اور دُعا مانگتے ہوں:

عابد، نہ میں زاہد، نہ کوئی عالمِ دیں ہوں
لیکن تری رحمت سے تو نومید نہیں ہوں
عاصی ہوں مجھے دامنِ شفقت سے چھپانا
غفار ہے تو نارِ جہنم سے بچانا ۳۲؎

حمد میں دُعا کا رنگ ملاحظہ ہو:

اے خدائے مہربان و کار ساز
بے نیاز و مونس و بندہ نواز
حسنِ خدمت کی سدا توفیق دے
چشمِ فاروقؓ و دل صدیقؓ دے
اے نویدِ مُرسلِ حق زندہ باد
آیۂ لا تقنطوا پائندہ باد ۳۳؎

۸۔ماہرالقادری (۱۹۰۷ء......۱۹۷۸ء) نام منظور حسین اور تخلص ماہرؔ تھا۔ سلسلۂ قادریہ سے بیعت ہونے کی وجہ سے 'القادری' تخلص کا جزو بن گیا۔ یوپی کے ایک قصبے کسیر کلاں میں پیدا ہوئے۔ دینی و مذہبی ماحول کے پروردہ تھے۔ حیدر آباد، دکن، بمبئی، دہلی اور پھر بعد ازاں کراچی میں بھر پور علمی، ادبی اور صحافتی زندگی

گزاری ان کے جارے کردہ رسالے''فاران'' نے اسلامی ادب کی ترویج و اشاعت میں اہم کردار ادا کیا۔۱۹۷۸ء میں چوتھی بار حجاز تشریف لے گئے جہاں عمرہ کی ادائیگی کے بعد دورانِ مشاعرہ حرکتِ قلب بند ہونے سے انتقال فرما گئے۔انھیں جنتِ معلیٰ میں اُمّ المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ کی پائنتی کی طرف دفن کر دیا گیا۔۳۴؎

ماہرالقداری کو اسلامی ادب کے نمائندہ شعرا میں شمار کیا جاتا ہے۔ان کی شاعری کا ایک وقیع حصہ دین و اخلاق سے متعلق ہے۔حمد یہ شاعری اسی کا ایک قابلِ قدر جزو ہے۔حمد کی طرح وہ نعت کے بھی نمائندہ شاعر ہیں۔

ان کی حمد یہ شاعری کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ خالص توحید کے پرچارک ہیں۔اپنی حمد یہ شاعری میں غیر اسلامی عقائد کو رد کرنے کی سعی کرتے ہیں۔وہ حمد سے اصلاح کا کام بھی لیتے ہیں۔وہ کہتے ہیں کہ ایک بندۂ مومن کو ہر کام اللہ کے نام سے شروع کرنا چاہیے مگر حمد صرف یہ نہیں کہ فقط زبان سے تسبیح کی جائے بلکہ:

مسرتیں ہوں تو شکرِ خدا بجا لائیں
مصیبتیں ہوں تو ہم صبر اختیار کریں
اسی میں دل کو سکوں ہے یہی ہے عقل کی بات
خدا، رسولؐ کی باتوں پہ اعتبار کریں

اسی طرح خدا کے شاکی سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں:

یہ کیا کہا کہ نگاہِ کرم نہیں ہوتی
گناہ گار گناہوں کا بھی شمار کریں ۳۵؎

ماہرؔ صرف اللہ تعالیٰ کے داتا، مشکل کشا، بندہ نواز اور عقدہ کشا ہونے پر یقین رکھتے ہیں۔اور جب اس یقین کو شعر کا لباس عطا کرتے ہیں، تو ان کا قاری بھی شعر کی صداقت، حسن اور تاثر کی تائید کئے بنا نہیں رہ سکتا۔

ان کے ذیل کے اشعار دیکھئے جن کے مطالعے کے بعد بے ساختہ زبان و دل سے 'بے شک بے شک' کی صدا نکلتی ہے۔

یہ مرا ایمان ہے، میرے خدا تیرے سوا
کوئی داتا ہے نہ کوئی دوسرا مشکل کشا

صرف تیری ذاتِ بے ہمتا ہے علّام و الغیوب
تجھ سے پوشیدہ نہیں ہے وہ خلا ہو یا ملا ۳۶؎

حمد کی دلاویزی، میں ایسے دلکش اشعار اضافے کا سبب بنتے ہیں:

کون ہے تیرے سوا بندہ نواز و دستگیر
تو ہی سنتا ہے شکستِ شیشۂ دل کی صدا
تو جو چاہے ریت کے تو دوں سے ہوں چشمے رواں
تو نہ چاہے سانس لے سکتی نہیں موجِ صبا ۳۷؎

حمدیہ شاعری میں اندرونی قوافی بھی لاتے ہیں، جس سے موسیقیت اور نغمگیت کی ایک فضا بھی مرتب ہوتی ہے اور ان کی قدرت الکلامی کی بھرمظہر ہے۔

ترا ذکر دل کی ہے زندگی، ترا نام راحتِ جاں بھی ہے
ترے نور کی ہے یہ روشنی، تو یہاں بھی ہے تو وہاں بھی ہے
کہیں تذکرے ہیں وجود کے، کہیں سلسلے ہیں سجود کے
تری ذاتِ پاک وہ راز ہے، جو عیاں بھی ہے، جو نہاں بھی ہے ۳۸؎

ان کے یہاں متصوفانہ حمد بھی ملتی ہے اور فلسفیانہ حمد بھی۔ ذیل میں ان کی حمد میں فلسفے کی کارفرمائی کی عکاس ایک حمد کے چند اشعار بطور نمونہ درج کئے جاتے ہیں۔ جن میں وہ خدا کی ذات کے اقرار کے لیے فلسفیانہ دلائل دیتے ہیں:

نقش کھنچتا نہیں جب تک کوئی نقاش نہ ہو
راہرو ہو تو ابھرتے ہیں قدم کے آثار
نہیں ممکن کوئی تکوین، مکون کے بغیر
حرکت کا ہے محرک کے ارادے پہ مدار
خلق اک فعل ہے جس کے لیے خالق ہے ضرور
نقشِ فن اپنی جگہ خود ہے دلیل فن کار
مادّے میں ارادہ نہ تعقّل نہ شعور
خلق و ایجاد سے اس کو نہیں کوئی سروکار
ذرہ ذرہ کی شہادت کہ خدا ہے موجود

پتہ پتہ کو ہے صانع کی صنعت کا اقرار ۳۹؎

آیاتِ قرآنی کے مفاہیم سے بھی ماہرؔ اپنی حمد کو خوب سجاتے ہیں مثلاً

الا بذکر اللہ تطمئن القلوب (۱۳/۲۸)

خدا کا نام سہارا ہے ہر کسی کے لیے
خدا کا ذکر ہی تسکیں ہے زندگی کے لیے ۴۰؎

لا تحزن ان اللہ معنا (۹/۴۰)

نام اللہ کا لے غم سے نہ گھبرا اے دل
ان دھندلکوں سے نمودار سحر ہوتی ہے

دعا و مناجات پر بھی ماہرؔ کو یقین کامل ہے۔ کہتے ہیں:

وہ دعا ہاں! وہ دعا جس میں یقیں شامل ہو
کون کہتا ہے کہ محرومِ اثر ہوتی ہے ۴۱؎

اور ان کی دعاؤں کی فہرست دیکھیے تو وہ قلبِ خاشع، علمِ نافع، رزقِ واسع حبِ رسولؐ، خاتمہ بالخیر کی مومنانہ دعاؤں پر مشتمل ہیں۔

زیست لا حاصل محمدؐ کی اطاعت کے بغیر
یا الٰہی! ہم کو توفیقِ اطاعت ہو عطا
قلبِ خاشع، علمِ نافع، رزقِ واسع چاہیے
موت جب آئے تو پھر ایمان پر ہو خاتمہ ۴۲؎

حمدیہ موضوعات ان کی رباعیات میں بھی ملتے ہیں۔ یہاں بھی توحیدِ خالص کا بیان ہے:

کوشش سے جہاں میں کیا نہیں ہو سکتا
انسان مگر خدا نہیں ہو سکتا
شکر نعمت تو کیا کرے گا کوئی
اک سانس کا حق ادا نہیں ہو سکتا ۴۳؎

۹۔عبدالحمید عدم (۱۹۱۰ء......۱۹۸۱ء) عدمؔ کے کلام میں خدا کا ذکر نوع بنوع انداز میں کیا گیا ہے۔ کہیں وہ اس کی ذات کا اعتراف کرتے ہیں، کبھی اس کی رحمتوں کا ذکر منفرد انداز میں کرتے ہیں۔ کہیں

شوخی و شرارت کا انداز ملتا ہے اور کہیں ان کی زبان پر خدا کا شکوہ بھی سننے کو ملتا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

تو تو غائب ہے اے مرے مولا
صورتیں تیری بات کہتی ہیں
جس قدر بھی صفاتِ ہستی ہیں
وہ تجھے عینِ ذات کہتی ہیں

اللہ کی رحمت کو جگانے کے لیے بار بار گناہ کا ارادہ کرتے ہیں، جو اگرچہ مومنانہ اطوار تو نہیں ہیں مگر ان کی شاعرانہ شوخی کی انفرادیت ہے۔

اپنے اسلوب چھوڑ کر مولا
تیرا کردار بن گیا ہوں میں

تیری رحمت کو چھیڑنے کے لیے
پھر گنہگار بن گیا ہوں میں ۴۴؎

معاشرے میں طبقاتی ناہمواری اور غریب و مزدور کی قسمت پر خدا سے یوں شکوہ کرتے ہیں:

جن کو ملاح چھوڑ جاتے ہیں
ان سفینوں کو کون کھیتا ہے
پوچھتی ہے یہ قسمتِ مزدور
یا خدا رزق کون دیتا ہے ۴۵؎

ایک اور مقام پر لہجے میں خاصی تلخی در آئی ہے، کہتے ہیں:

اے گداگر خدا کا نام نہ لے
اس سے انسان کا دل نہیں ہلتا
یہ ہے وہ نام جس کی برکت سے
اکثر اوقات کچھ نہیں ملتا ۴۶؎

۱۰۔احسان دانش(۱۹۱۴ء......۱۹۸۲ء) ۱۹۱۴ء میں کاندھلہ ضلع مظفر نگر(یو۔پی) میں پیدا ہوئے۔ نوجوانی میں لاہور آ گئے اور محنت مزدوری کر کے بسر اوقات کرنے لگے۔ بعد ازاں پرانی کتابوں کی خرید و فروخت کا کاروبار کیا۔لڑکپن میں شاعری شروع کی۔ ان کے شعری مجموعے آتش خاموش، چراغاں، شیرازہ، نوائے کارگر

اور دارین ہیں' جہان دانش' کے نام سے ان کی آپ بیتی نے خاصی مقبولیت حاصل کی۔ وہ شاعرِ فطرت اور شاعرِ مزدور کہلاتے ہیں۔ احسان دانش کے تصور الہٰ کا نمونہ ملاحظہ ہو:

خدا کو پا نہیں سکتا خدا کی ذات کا منکر
نہ جب تک دل سے نقصِ ناتمامی دور ہو جائے

اسی غزل میں کہتے ہیں:

خدا وہ ہے کہ جس کی عظمت و جبروت کے آگے
خود انساں سجدہ کرنے کے لیے مجبور ہو جائے ۴۷؎

''دارین'' ان کی نعتیہ مسدس ہے، جس میں حمدِ خداوندی اور ثنائے رسول اکرمؐ کے بعد امتِ مسلمہ کی زبوں حالی اور غفلت شعاری کو اپنا موضوع بناتے ہیں اور آخر میں اس کا حل سنتِ نبویؐ کی پیروی میں نکالتے ہیں۔ چونکہ وہ شاعر فطرت بھی ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ کو مناظر و مظاہرِ فطرت میں ڈھونڈتے ہیں۔ کہتے ہیں:

جس سمت، جو بھی رخ ہو، جدھر بھی اٹھے نگاہ
ہر شے ہے اس جہاں میں تری ذات کی گواہ
پھیلی ہے ہر طرف تری صنعت کی کار گاہ
جو دیکھتا ہے، منہ سے نکلتا ہے واہ واہ ۴۸؎

اور ذیل کا دلکش شعر سہل ممتنع کی عمدہ مثال کہلایا جا سکتا ہے:

مردوں کو جان بخشنے والا نہیں کوئی
تیرے سوا خدائے تعالیٰ نہیں کوئی ۴۹؎

'دارین' کے آخر میں دو بند دُعا کے ہیں جن میں نوجوان مسلمان کے لیے بڑی دل سوزی کے ساتھ دعا کرتے ہیں:

اللہ تم کو صاحبِ سیف و سناں کرے
جسموں میں روحِ خالدؓ و طارقؒ رواں کرے
دے کر شعور زیست، ارادے جواں کرے
جو جم چکا ہے خون رگوں میں رواں کرے
تم کو رہِ رسولؐ پہ چلنا نصیب ہو

کب سے گرے پڑے ہو سنبھلنا نصیب ہو ۵۰؎

'دارین' کے آخری شعر میں نوجوانوں کو بارگاہِ ایزدی میں سر جھکانے کی نصیحت کرتے ہیں:

درگاہِ ایزدی میں جھکاؤ سرِ نیاز
دانشؔ وہی ہے سارے زمانے کا کار ساز ۵۱؎

''زنجیرِ بہاراں'' ان کا شعری مجموعہ ہے جس میں نظمیں اور غزلیں شامل ہیں۔ با قاعدہ حمد اور مناجات کے عنوان سے اگرچہ کوئی نظم شامل مجموعہ نہیں ہے۔ تاہم غزلیات میں جا بجا حمد کے موتی دمکتے نظر آتے ہیں۔مثلاً

یہ بجا کہ دیر و حرم میں ہیں تری عظمتوں کی علامتیں
مرے دل کو اپنا یقیں دلا، مجھے اعتبارِ نظر نہیں
یہ مراقبے، یہ مکاشفے، یہ مجاہدے، یہ مجادلے
تری منزلیں ہیں یہ واقعی کہ مجھے شعورِ سفر نہیں

احسانؔ دانش مراقبوں اور مکاشفوں میں ذاتِ الٰہی کا دیدار نہیں کرتے بلکہ خدا انھیں ہر جگہ دکھائی دیتا ہے:

یہ ہجومِ لالہ چمن چمن، یہ گھٹا میں برق کا بانکپن
ہو سجودِ شوق میں رخ کدھر، تری جلوہ گاہ کدھر نہیں

حمد کا ایک اور یہ شعر دیکھیے جسے حسناتِ شعری بالخصوص صنعتِ تضاد، صنعتِ تکرار، اور اندرونی قوافی اور بھی دلکش بنا دیا ہے:

مرے سجدہ ہائے دل و نظر ہیں خراب کب سے ادھر اُدھر
مجھے اس قدر تو پتا چلے کہ کدھر ہیں آپ کدھر نہیں ۵۲؎

ایک اور غزل سے حمد یہ شعر ملاحظہ ہو:

روشن ہیں جس کی ضو سے چراغِ نجوم و گل
اس روشنی کو ڈھونڈ جہاں تک نظر ملے ۵۳؎

دیدارِ الٰہی کے لیے، دانشؔ کی نگاہیں، ایک سچے محبت کرنے والے مومن کی طرح تڑپتی ہیں۔ کہتے ہیں:

ہر چند ترے قرب کا امکاں نہیں کوئی
پھر بھی تری صورت کو تڑپتی ہیں نگاہیں ۵۴؎

۱۱۔یوسف ظفر(۱۹۱۴ء......۱۹۷۲ء) عصرِ جدید کے شعرا میں نمایاں نام و مقام رکھتے ہیں۔ پابند اور آزاد نظم کے قادر الکلام شاعر ہیں۔عصرِ حاضر کے مسائل کو اپنے مخصوص شعری رنگ میں بیان کرتے ہیں۔اس کے ساتھ ساتھ حمد و نعت سے ان کی محبت بھی قابلِ توجہ ہے۔'نوائے ساز'،'صحرا بصحرا' 'زنداں' اور'زہر خند' کے شاعر کا حمد یہ رنگ ملاحظہ ہو، جس میں شاعر کی عاجزی وانکساری کے ساتھ اپنی بے مائگی اور اس کی قدرت و کاملیت کا اعتراف کرتا ہے اور کہتا ہے:

اے خالقِ بے عدیل و یکتا
میں عرضِ عبودیت کروں کیا
تجھ بن کوئی رنگ و بو نہیں ہے
ہر چیز ہے تجھ سے، تو نہیں ہے

جو ہے ترے حکم کی اذاں ہے
جُز تیرے یہاں کوئی کہاں ہے؟
منشائے حیات کیا ہے؟ تو ہے
ہر قطرۂ آب، آبِ جُو ہے
شاخیں تری ان میں رس بھی تیرا
قیدی بھی ترا، قفس بھی تیرا
میں عاجز و کم نگاہ و فانی
میری ہے زبان بے زبانی
پابندِ ہوش خیال میرا
ناقص ہوں یہ ہے کمال میرا ۵۵؎

''ناقص ہوں یہ ہے کمال میرا'' کہہ کر یوسف ظفر نے دریا کو کوزے میں سمیٹ دیا ہے اور انسان کی بے بضاعتی کا درست ادراک کیا۔

۱۲۔طفیل ہوشیار پوری(۱۹۱۴ء......۱۹۹۳ء) محمد طفیل، ہوشیار پور کی تحصیل گڑھ شنکر ایک غیر معروف گاؤں میں پیدا ہوئے۔طفیل ہوشیار پوری کو اپنے عہد کے اکابر شعرا کی سرپرستی ملی جن میں اثرؔ لکھنوی،

اثرؔ صہبائی، امینؔ حزیں، علامہ تاجورؔ، حفیظؔ جالندھری، جگرؔ مراد آبادی، احسانؔ دانش، نشترؔ جالندھری اور تلوک چند محرومؔ جیسے شعرا شامل ہیں۔ ایک مدت تک زیادہ تر غزل کہتے رہے۔۱۹۶۵ء کی جنگ میں طفیلؔ صاحب نے متعدد قومی ترانے لکھے۔ ان ترانوں کا مجموعہ 'میرے محبوب وطن' کے نام سے ۱۹۶۶ء میں شائع ہوا۔ 'جامِ مہتاب' رباعیات و قطعات پر مشتمل مجموعہ ہے۔ ''جامِ مہتاب'' کے آغاز کے آٹھ قطعات دعائیہ ہیں۔ جن میں وہ اللہ تعالیٰ سے مختلف اساتذہ سخن کا سا حسن بیان و معانی طلب کرتے ہیں۔ کہتے ہیں:

مل جائے مجھے میرؔ کا اندازِ سخن
غالبؔ سا عطا کر مجھے اعجازِ سخن
مومنؔ کا تغزل ہو تو خسروؔ کا گداز
ہو چرخِ ادب پر مری پروازِ سخن ۵۶؎

ایک اور دعائیہ قطعے میں خدا سے اس طرح مخاطب ہیں:

تجھی سے دل میں ہے سوز و گداز کہتے ہیں
نیاز مند تجھے بے نیاز کہتے ہیں
بگڑ گئی ہے مری بات تُو بنا اِس کو
زمانے والے تجھے کار ساز کہتے ہیں ۵۷؎

طفیلؔ ہوشیار پوری مظاہر و مناظرِ فطرت بالخصوص، صبح، رات کا پچھلا پہر، نظارہ ہائے وادیٔ و کوہسار وغیرہ سے خدا کے وجود، اس کی خلاقیت اور ربوبیت پر استدلال کرتے ہیں، کہتے ہیں:

ہے کون جو پھولوں کو مہک دیتا ہے
ہے کون جو سبزے کو لہک دیتا ہے
ہے کون جو پردے میں گل و لالہ کے
ہر دل کو تجسس کی کسک دیتا ہے ۵۸؎

خدا کی ذات پر یقین اور توکل ان کے حمدیہ کلام کی جان ہے۔ان کے نزدیک مخلوقِ خدا سے محبت، اصل عبادت ہے اور ان کا خدا ریا کاروں کے سجود و قیام سے بے نیاز ہے۔ 'توکل' کے موضوع پر ایک قطعہ ملاحظہ ہو:

کیوں شام و سحر رزق کا غم کھاتا ہے
کیوں ہاتھ درِ غیر پہ پھیلاتا ہے

اندیشہ نہ کر دیکھ کہ رزاق جہاں
جو حصہ ہے تیرا تجھے پہنچاتا ہے ۵۹؎

اللہ تعالیٰ کے آگے، اپنی زندگی کا احوال بڑے درد بھرے لہجے میں بیان کرتے ہیں:

تری نظر سے مری کائنات گزری ہے
اداس دن کی طرح رات رات گزری ہے
تجھے خبر ہے تری ذات ہے علیم و خبیر
بساطِ حشر پہ میری حیات گزری ہے ۶۰؎

مگر ساتھ ہی وہ شکوے کو شکر کے ساتھ اس طرح جا ملاتے ہیں:

رزاقِ دو عالم کا گلہ کرتا ہے
نادان ذرا سوچ تو کیا کرتا ہے

اک دانہ بھی چُننا ہو اگر طائر نے
بے ساختہ وہ سجدہ ادا کرتا ہے ۶۱؎

مختصراً یہ کہ ''جام مہتاب'' کے بیش تر قطعات حمد و مناجات اور نعت پر مشتمل ہیں اور ان میں خود کلامی بھی ہے اور خدا کلامی بھی۔ ''سوچ مالا'' ان کی ہندی غزلوں اور دوہوں کا مجموعہ ہے جسے انھوں نے امیر خسروؔ کی بارگاہ میں پیش کیا ہے۔ 'جامِ مہتاب' اور 'سوچ مالا' کے طفیل ہوشیار پوری کا اسلوب دونوں جگہ مختلف ہے۔ 'سوچ مالا' میں اردو اور ہندی کے امتزاج سے انھوں نے دلکش تجربے کئے ہیں۔ بالخصوص حمدیہ،نعتیہ اور مناجاتیہ اشعار میں ہندی طرز بیان نے مٹھاس کا ذائقہ اور دوبالا کردیا ہے۔ احمد ندیم قاسمی کے بقول:

''ان ہندی گیتوں اور غزلوں میں بھی طفیلؔ ہوشیار پوری کی اس قادر الکلامی کا بھر پور اظہار ہوتا ہے جس کی گواہ ان کی اردو شاعری ہے۔ اس ہندی کلام کے مطالعے سے یہ حقیقت بھی واضح ہو جاتی ہے کہ طفیل صاحب کو ہندی زبان کے نہ صرف الفاظ و محاورات کا علم ہے بلکہ وہ ان کے اندر پوشیدہ موسیقی سے بھی پوری طرح آشنا ہیں اور جب وہ مصرعے ترتیب دیتے ہیں تو الفاظ بجنے لگتے ہیں۔'' ۶۲؎

ان ہندی غزلوں میں ان کا خدا اب 'پی' ہے جس سے ملنے کے لیے ضروری ہے کہ:

جس کو پی سے ملنا ہو
من مندر میں آن ملے

اور 'پی' سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں:

جس نے تجھ کو من سے چاہا — جوت ملی ہے جوتی میں
رنگ میں تیرے جو بھی ڈوبا — جوتی جوت سمایا ہے

بستی بستی جنگل جنگل — ڈھونڈ ڈھونڈ کر ہار گئے
من مندر کے دوار کھلے تو — تیرا درشن پایا ہے
تیری مہما تو ہی جانے — اور نہ جانے داتا کوئے
سوچ سوچ کر کھوج کھوج کر — ہاتھ یہی کچھ آیا ہے ۶۳

غزلوں سے زیادہ 'دوہوں' میں وہ ایک سچے موحد دکھائی دیتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی تحمید و تقدیس میں قرآن آیات سے بھی مدد لیتے ہیں اور انفس و آفاق میں اللہ تعالیٰ کی نشانیاں بھی خدا شناسی میں ان کی معاون ہیں: کہتے ہیں:

تو سچا رب سچا سائیں — سچی تیری ذات
باقی ساری باتیں جھوٹی — سچی ہے یہ بات

دانے کی آغوش میں مالک — تو ہی پیڑ چھپائے
پتھر کے سینے میں تو ہی — چنگاری دہکائے
تو نے مالک خوب بنایا — یہ سندر سنسار
سیج پہ پھولوں کی اک سوئے — اک پہنے انگار

اس دوہرے کو پڑھ کر کبیرؔ داس کی یاد آجاتی ہے:

کوئی کہے رحیم تو — کوئی کہے تو رام
اک مالک کے رکھ لئے — جگ نے لاکھوں نام

آگے چل کر وہ کبیرؔ کو نشانۂ تنقید بناتے ہوئے توحیدِ خالص پر مبنی دوہرہ لکھتے ہیں:

چلتی چکی دیکھ کر رونے کی کیا بات
جیون مرن کبیرؔ جی ہے داتا کے بات

چلتی چکّی دیکھ کر کا ہے مچائے شور
اس چکی سے ہے بندھی جگ کی جیون ڈور

آیۂ قرآنی وَتُعِزُّ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ تَشَاءُ......الخ کے مفہوم پر مبنی دوہرہ ملاحظہ ہو:

دان کرے وہی بوریا بخشے ہے وہی تاج
کیا کنگلا کیا بادشاہ سب اس کے محتاج ۶۴؎

''رحمتِ یزداں'' ان کا نعتیہ مجموعہ ہے۔ اس مجموعے کے آغاز میں ۱۱ حمدیہ مناجاتیہ نظمیں ہیں۔ ان کی حمدیہ شاعری کا خوبصورت انداز ان کی وسعت علم وفکر کی غمازی کرتا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

سمجھا تجھے تو نکلا رگِ جاں سے بھی قریب
دیکھا تجھے تو دور ہے قدِ شعور سے ۶۵؎

ترے ہاتھ موت و حیات ہے، ترے نام ہی کو ثبات ہے
تری ذات کو ہے فقط بقا، تری شان جل جلالہ ۶۶؎

'عرفانِ حق' کے عنوان سے ایک حمد میں ذاتِ حق کے بارے میں بہت سے سوالات کرتے ہیں مگر درحقیقت استدلالی انداز میں اثباتِ الٰہی کر رہے ہیں۔ 'مخمس' کی ہیئت میں لکھی گئی اس حمد میں کہتے ہیں:

یہ دانے کے سینے پہ شجر رکھ دیا کس نے؟
یہ سنگ کے پہلو میں شرر رکھ دیا کس نے؟
یہ قطرۂ نیساں میں گہر رکھ دیا کس نے؟
یہ معجزہ رب علیٰ ہے کہ نہیں ہے؟
اب سوچ مرے دوست خدا ہے کہ نہیں ہے؟ ۶۷؎

جہاں تک ان کی دعائیہ شاعری کا تعلق ہے، طفیلؔ ہوشیار پوری کی دعاؤں میں، حبِ خدا کے ساتھ حبِ رسولؐ کا شدید ترین جذبہ موجزن ہے۔ کہتے ہیں۔

نعت گوئی کا عطا مجھ کو ہنر ہو یا ربّ
زندگی مدحِ پیمبرؐ میں بسر ہو یا ربّ

اب تو لے دے کے فقط ہے یہی ارمان طفیلؔ
میرا سر ہو ترے محبوب کا در ہو یا ربّ ۶۸؎

آخری شعر ہمیں حفیظؔ جالندھری کے اس نعتیہ شعر کی یاد دلاتا ہے:

مرا سر ہو، ترا در ہو، مرا دل ہو، ترا گھر ہو
تمنا مختصر سی ہے مگر تمہید طولانی

۱۳۔طاہر شادانی (۱۹۱۶ء......۲۰۰۰ء) کا مرتب کردہ حمدیہ و مناجاتی مجموعہ بعنوان ''حمد و مناجات'' ۱۹۸۶ء میں منظر عام پر آیا۔ اردو میں جتنے حمدیہ انتخاب منظر عام پر آئے، یہ ان میں نقشِ دوم کی حیثیت رکھتا ہے۔ طاہرؔ شادانی صاحب ذوق اور قادر الکلام شاعر تھے۔ نعت، حمد اور مناجات کی اصناف سے گہرا لگاؤ رکھتے تھے۔ ان کے حمدیہ کلام کا رنگ ملاحظہ ہو:

چمن زاروں کو بخشی ہے بہار دل نشیں جس نے
بہاروں کو عطا کی نزہتِ خُلدِ بریں جس نے
وہ خالق جس نے ہم کو دولتِ دل سے نوازا ہے
وہ مالک دل کو بخشی قوتِ عزم و یقین جس نے
وہ آقاؤں کا آقا، برتری جس کی مسلّم ہے
وہی پروردگار اپنا، وہی خلاقِ عالم ہے ۶۹؎

ان کی دعائیہ شاعری میں اقبالؔ کا رنگ و اثر جھلکتا ہے۔ کہتے ہیں:

خداوندا! محبت نوعِ انسان کی عطا فرما
ہمیں دولت خلوص و حلم و ایماں کی عطا فرما
عطا فرما ہمیں اسلاف کا وہ جوش ایمانی
ملے اک بار پھر ہم کو وہی جذبِ مسلمانی
تمنا دولت و ثروت کی کچھ دل میں نہیں مولا
عطا کر جذبِ دل، ذوقِ نظر، سوزِ یقیں مولا ۷۰؎

۱۴۔سید ضمیر جعفری (۱۹۱۸ء......۱۹۹۹ء) حمد و نعت کے بھی قادر الکلام شاعر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی حمد، انسانی زبان سے ادا نہیں ہوسکتی، اس موضوع پر بہت سے شعرائے حمد نے اظہار خیال کیا ہے۔ سید ضمیرؔ

جعفری کا منفرد انداز دیکھیے:

انساں سے کبھی حمد خدا ہو نہیں سکتی
عمریں بھی گزر جائیں تو کیا؟ ہو نہیں سکتی
کیا اور ضمیرؔ اس کی ثناؤں کا بیاں ہو
یہ حدِ ثنا ہے کہ ثنا ہو نہیں سکتی ۷۱؎

ضمیرؔ جعفری، اردو، فارسی اور عربی زبان میں شاعری پر بیک وقت قدرت رکھتے تھے۔ ان کی ایک مناجات کا ٹیپ کا مصرع دعائیہ ہے جو عربی زبان میں ہے۔ مناجات، چھوٹی بحر میں لکھی گئی ہے اور غنائیت اور نغمگی اس کے ایک ایک مصرعے سے پھوٹتی ہے۔ تشبیہات نے اس کی ظاہری دلکشی میں مزید اضافہ کیا ہے۔

چار طرف اندھی برکھا — کالی گھپ، گھنگھور گھٹا
درد سمندر، دُکھ دریا — تپتی لُو، جلتا صحرا
تو جگ داتا، جگ راکھا
خالق ارض و رب سما
انت الھادی، انت الحق
فاحفظنا من کلِّ بلا

اپنی عاجزی وانکساری کا اعتراف کرتے ہوئے ذوق سفر کو منزل، کشت نظر کو حاصل اور طوفانوں کو ساحل ملنے کی دعا کرتے ہیں۔ آخری بند میں اپنی بے مائگی کا اعتراف اس طرح کرتے ہیں:

غافل ہم، ناکارے ہم — نیندوں کے بنجارے ہم
بے مایہ، بیچارے ہم — وقت کی بازی ہارے ہم
نامِ محمدؐ، صلِّ علٰی
پالن ہار، مدد فرما
انت الھادی، انت الحق
فاحفظنا من کلِّ بلا ۷۲؎

۱۵۔جگن ناتھ آزاد(۱۹۱۸ء......۲۰۰۴ء)جگن ناتھ، نام، آزادؔ تخلص ہے۔ معروف شاعر تلوک چند محرومؔ کے فرزند ہیں۔ عیسیٰ خیل ضلع میانوالی میں پیدا ہوئے۔ والد کے زیر سایہ تعلیم و تربیت حاصل کی۔ پنجاب

یونیورسٹی لاہور سے فارسی میں ایم۔اے کیا۔ اردو اور فارسی کے پُر گو شاعر ہیں۔ باوجود غیر مسلم ہونے کے بڑے وسیع القلب اور وسیع المشرب ہیں۔ اسلام، حضرت محمد ﷺ اور علامہ اقبال سے خصوصی لگاؤ اور محبت رکھتے ہیں۔ معروف نعت گو ہیں۔ ان کی نعتوں کے تراجم عالمی زبانوں میں بھی ہو چکے ہیں۔ ڈاکٹر محمد حمید اللہ نے ان کی نعتوں کا ترجمہ "Hommage a Mahomet" کے عنوان سے فرانسیسی زبان میں کیا ہے۔ ان کے شعری مجموعے ''بیکراں''، ''ستاروں سے ذروں تک''، ''نوائے پریشاں''، ''بچوں کی نظمیں''، ''بوئے رمیدہ''، ''گہوارۂ علم و ہنر''، ''وطن میں اجنبی'' وغیرہ ہیں۔ ماہرِ اقبالیات بھی ہیں۔ انجمن ترقی اردو (ہند) کے صدر رہ چکے ہیں۔ ان کی شخصیت، فن اور فکر کے بارے میں کئی کتابیں بھی منظر عام پر آئی ہیں۔ 'بیکراں' ان کا پہلا شعری مجموعہ ہے جو ۱۹۴۹ء میں منظرِ عام پر آیا۔ اس مجموعے میں ''تلاش'' کے عنوان سے ایک نظم معری میں خدا سے اپنی محبت کا اظہار اس طرح کرتے ہیں:

گرچہ ہے مجھے بہت اپنی زندگی عزیز
ایک چیز ہے مگر زندگی سے بھی عزیز
......برگ گل سے بھی عزیز گلستان سے بھی عزیز
ماہِ نو سے بھی عزیز کہکشاں سے بھی عزیز
......میرے ذوق فکر میں زندگی اسی سے ہے
نو بہارِ شعر میں تازگی اسی سے ہے
......اس کے باوجود وہ دل پہ ایک راز ہے
دل پہ راز ہے مگر پھر بھی دلنواز ہے ۷۳؎

۱۹۵۲ء میں آزاؔد صاحب کی معروف نظم 'بھارت کے مسلمان' شائع ہوئی جس میں مسلمانوں کو ان کی عظمتِ گذشتہ یاد دلا کر بیداری کا درس دیا گیا تھا۔ بقول ضیاء الدین اصلاحی:

''دَیر میں جگن ناتھ آزاؔد صاحب کی یہ اذانِ حرم سُن کر بہت سے غافل مسلمان چونک اٹھے۔''

۷۴؎

اور ان کے اخلاصِ بے پایاں کا منظوم جواب پاکستان سے جناب اسدؔ ملتانی نے دیا۔ جب بھارت میں بابری مسجد کو ظالم و شقی و شیطنت فطرت ہندوؤں نے منہدم کر دیا تو اس واقعے پر بھی ان کے دردمند دل نے دَیر

میں اس طرح صدائے اذان دی:

خدا کا گھر ہے مندر بھی، خدا کا گھر ہے مسجد بھی
مجھے تو میرے ہندو دھرم نے بس یہ سکھایا ہے
......یہ مسجد آج بھی زندہ ہے اہل دل کے سینوں میں
خبر بھی ہے تجھے مسجد کا پیکر توڑنے والے
ابھی یہ سر زمیں خالی نہیں ہے نیک بندوں سے
ابھی موجود ہیں ٹوٹے ہوئے دل جوڑنے والے ۷۵؎

آزادؔ صاحب کی شاعری میں ایسی مثالیں جن میں اسلامی احساسات و جذبات موج زن ہیں، اس قدر کثرت سے ملتی ہیں کہ ان سب کا ذکر کرنا بہت مشکل ہے۔ تاہم جب ہم ان کی حمدیہ شاعری پر نگاہ کرتے ہیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ ان کا ذوقِ حمد نگاری 'بیکراں' کے بعد ان کے ہر شعری مجموعے میں روز افزوں نظر آتا ہے۔ مثلاً ''بوئے رمیدہ'' سے چند مثالیں ملاحظہ ہوں۔

تڑپ کہیں ہو چکی تھی پیدا ظہور بزمِ جہاں سے پہلے
کہ اپنے جلوؤں میں خود گھرا تھا مکیں نمودِ مکاں سے پہلے

جہانِ نا آفریدہ میرے خیال میں جگمگا رہا تھا
میں خود اشارہ بنا ہوا تھا، اشارہ کن فکاں سے پہلے ۷۶؎

کہیں شکوے کے عناصر بھی ملتے ہیں:

رزاق دو جہاں نے دیا بھی تو کیا دیا
اک دل دیا سو وہ بھی الم آشنا دیا
احسان مند تیری عنایت کا ہوں مگر
اک اضطرابِ دل کے سوا تونے کیا دیا ۷۷؎

اور کبھی کہتے ہیں:

کہتے ہیں کہ آتا ہے مصیبت میں خدا یاد
ہم پر تو وہ گزری کہ خدا بھی نہ رہا یاد ۷۸؎

۱۹۹۹ء میں 'نسیمِ حجاز' کے نام سے ان کا حمد و نعت و منقبت پر مبنی شعری مجموعہ منظر عام پر آیا۔ 'حمد' سے

آغاز ہوتا ہے۔ مظاہرِ کائنات کے ساتھ ساتھ وہ اپنے خانۂ دل میں بھی اسی کو آباد دیکھتے ہیں:

پھر سینۂ ویراں ہے تری یاد کا مسکن
دولت یہ مجھے بادِ دگر کس نے عطا کی
ہر صبح کو ہوتے ہیں مری آنکھ میں آنسو
دولت یہ مجھے وقتِ سحر کس نے عطا کی ۷۹؎

''حمد و نعت'' میں سخن کی روانی اور داخلیت اپنے عروج پر ہے۔ کہتے ہیں:

رنگ و بو تک تجھے دیکھوں کہ خزاں تک دیکھوں
میں ترا حُسن جو دیکھوں تو کہاں تک دیکھوں
آج تک تُجھ کو جو دیکھا تو یقیں تک دیکھا
اب تمنا ہے کہ میں تجھ کو گماں تک دیکھوں
دل کی دنیا میں تو میں تجھ کو بہت ڈھونڈ چکا
اب ترا حُکم جہاں تک ہو، وہاں تک دیکھوں ۸۰؎

ایک اور نظم ''حمد سے منقبت'' میں بھی توحید و معرفت کے اسرار بیان کئے ہیں۔ آزادؔ اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ بطور ایک غیر مسلم، اسلام اور خدا سے ان کی محبت، ان کے ہم مذہبوں کو ضرور کھٹکتی ہوگی۔ مگر وہ ان اہلِ دانش و حکما میں سے ہیں جنہیں اعترافِ حقیقت میں نہ صرف یہ کہ کوئی جھجک محسوس نہیں ہوتی بلکہ وہ فخر محسوس کرتے ہیں۔ اس لئے بے خوف ہو کر اعلان کرتے ہیں:

بُرہان اُسے لے جا نہ سکا نفی کی جانب
واقف مرا دل ہو نہ سکا معنی ''لا'' سے ۸۱؎

ایک اور مقام پر اپنی 'خطا' کا اعتراف اہلِ بتکدہ کے سامنے اس طرح کرتے ہیں:

میری یہی خطا ہے بس اے اہلِ بتکدہ
شمعِ حرم کا نُور بھی میری نظر میں ہے ۸۲؎

۱۶۔**انجم** رومانی (۱۹۲۰ء......۲۰۰۱ء) اصل نام فضل الدین تھا۔ ۲۸ ستمبر ۱۹۲۰ء کو کپورتھلہ میں پیدا ہوئے۔ والد عطا محمد اور والدہ دولت بی بی، علم و ادب کی دولت سے سرشار تھے۔ بقول انجم رومانی:

''مجھے ان دونوں سے ورثے میں جو کچھ ملا ان کی طرف سے بطور صدقۂ جاریہ ''کوئے ملامت'

کی صورت میں پیش کر رہا ہوں۔'' ۸۳؎

'کوئے ملامت' ۱۹۸۳ء میں منظر عام پر آئی۔ انجم ؔرومانی کے یہاں حمدیہ اشعار جا بجا ان کی دلکش غزلوں میں بکھرے نظر آتے ہیں: 'کوئے ملامت' کا آغاز ہی بہت متاثر کن حمد سے ہوتا ہے جو غزل کی ہیئت میں ہے:

ستم رسیدہ و مظلوم کی دعا کے قریب
ملا وہ مجھ کو دلِ درد آشنا کی قریب
کوئی تو ہے کہ جو ہمت مری بڑھاتا ہے
دلاسا دے کوئی غم خوار جیسے آ کے قریب

حمد میں اسمائے حسنیٰ و صفات الٰہیہ سے اس طرح اپنے حمدیہ کلام کو مزین کرتے ہیں:

غنی ہے، چاہے تو وہ دل کہ ہے مرض جن میں
دوانہ وار کھنچ آئیں خود دوا کے قریب
مجیب ہے وہ، وہاں دیر ہے، نہیں اندھیر
یہیں کہیں ہے اثرِ آہِ نارسا کے قریب ۸۴؎

انجم ؔکے خیال میں ہر وقت، ہر جگہ دکھائی دینے والا وجود، خود اپنا پتا بھی نہیں دیتا۔ کہتے ہیں:

چاہیں جو دیکھنا تو دکھائی نہ دے کہیں
ہر وقت ہر جگہ جو بظاہر دکھائی دے ۸۵؎

جہاں تک دعا کا تعلق ہے، تو انجم ؔاچھے برے ہر قسم کے حالات میں روئے سخن اسی کی طرف رکھتے ہیں:

ہر چند ہو زمانہ و ماحول کا گلہ
روئے سخن ہے قبلۂ حاجات کی طرف ۸۶؎

۱۷۔حزیں صدیقی (۱۹۲۰ء......۱۹۹۵ء) قاضی محمد عفیف الدین احمد نام۔ حزیں ؔصدیقی تخلص، مشرقی پنجاب (روہتک) میں پیدا ہوئے۔ شاعری کی ابتداء ۱۹۳۹ء میں ہوئی۔ آل انڈیا ریڈیو سے بھی منسلک رہے۔ ہجرت کے بعد ملتان میں مقیم ہوئے۔ حزیں ؔصدیقی کے دو شعری مجموعے ہیں۔'' قفس رنگ'' اور'' حرفِ ابد''۔ ان کے دونوں شعری مجموعوں میں 'حمد' کے عنوان سے بظاہر دو ہی حمدیں ملتی ہیں۔ مگر ان کے فکر و فن کی اساس توحید و رسالت ہے۔ اس لیے ان کی شاعری میں بھی جا بجا توحیدِ خالص پر مبنی اشعار مل جاتے ہیں۔ ''قفس

رنگ'' کی حمد میں وجود الٰہی کے اثبات پر مدلل سوالات اٹھاتے ہیں، جن کا انکار ناممکن ہے۔

ادراک کی حد میں نہ محدودِ گماں ہے
محسوس کرے کوئی تو رگ رگ میں رواں ہے
ہاتھوں میں کسی کے تو عناصر کی عناں ہے؟
کیا خود ہی رواں قافلۂ عمرِ رواں ہے؟
قائم ہے یہ پانی یہ زمین کس کے سہارے
یہ زیرِ اثر کس کے جہانِ گزراں ہے؟
کچھ تیرے سوا مجھ کو دکھائی نہیں دیتا
میں ہوں، نہ زمیں ہے، نہ زماں ہے، نہ مکاں ہے ۸۷؎

'حرفِ ابدُ ان کی وفات کے بعد ان کے بھائی ایاز صدیقی نے مرتب کیا۔ تابش صمدانی نے ''حزیں صدیقی: شخصیت'' کے عنوان سے مقدمہ تحریر کیا'حمدُ کے عنوان سے جو نظم ابتدا میں درج ہے اس میں حمدیہ اور دعائیہ دونوں مضامین ہیں۔ اس لئے اسے ''دعائیہ حمدُ'' کہنا زیادہ مناسب ہوگا۔ فرماتے ہیں:

زمیں جب تنگ ہو جائے فلک پر جا بنا دینا
کسی اچھے سے سیارے کا باشندہ بنا دینا
ترا بندہ ہوں اور بندہ نوازی شان ہے تیری
جہانِ خیر کا مجھ کو نمائندہ بنا دینا
الٰہی ذات ہے تیری بڑی ہی رحمتوں والی
حزیںؔ کی قبر میں جنت کا دروازہ بنا دینا

حزیںؔ صرف اپنی ذات ہی کے لیے دعائیں نہیں کرتے بلکہ اہلِ دنیا کے لیے بھی دعا گو ہیں:

مجھے تو خیر جیسا چاہو تم ویسا بنا دینا
دل دنیا ہے نابینا اسے بینا بنا دینا ۸۸؎

۱۸۔ منیر نیازی (۱۹۲۳ء پ) جدید غزل گو شعرا میں بہت اہم اور نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ وہ خدا کی حمد و ثنا بڑی عقیدت و اخلاص کے ساتھ کرتے ہیں۔ ان کا جذبۂ ایمانی بڑا مضبوط اور گہرا ہے۔ ان کے نزدیک وہ خدا ہی ہے جو اندھیروں کو اجالوں، مایوسیوں کو امیدوں اور غموں کو خوشیوں میں بدلنے پر قادر ہے۔ منیرؔ نیازی

کا ایقان کامل ملاحظہ ہو:

شامِ شہر ہول میں شمعیں جلا دیتا ہے تو
یاد آکر اس نگر میں حوصلہ دیتا ہے تو
ماند پڑ جاتی ہے جب اشجار پر ہر روشنی
گھپ اندھیرے جنگلوں میں راستہ دیتا ہے تو
دیر تک رکھتا ہے تو ارض و سما کو منتظر
پھر انھی ویرانیوں میں گل کھلا دیتا ہے تو ۸۹؎

۱۹۔جابر علی سیّد (۱۹۲۳ء......۱۹۸۵ء) جابر علی سیّد، دنیائے علم و ادب کی ایسی شخصیت تھے جن کی ذات میں بیک وقت تنقید و تحقیق کے ساتھ شعر گوئی کا وصف بھی قابلِ ستائش حد تک موجود تھا۔ جابر علی سیّد، نے ابتداً شاعری کی مگر بعد ازاں ان کا رجحان تحقیق و تنقید کی طرف ہوا اور انھوں نے ''اقبال کا فنی ارتقا''، ''تنقید اور لبرل ازم''، ''اقبال ایک مطالعہ''، ''عروضی و لسانی مقالات'' اور ''کتبِ لغت کا تحقیقی و لسانی جائزہ'' جیسے شاندار کتب تحریر کیں۔ وہ جتنے اچھے محقق و نقاد تھے، ایسے ہی اچھے شاعر بھی تھے۔ان کی حمدیہ نظم ''مماثلت'' سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

اے خدا!
کتنے ماہ وسال میں جو یا رہا
آسمانوں میں، زمینوں میں، دلوں میں
ہر طرف پھیلے ہوئے انوار میں
صوفیوں کے دل میں، ابلیسوں کے اذہان حزیں میں
اور نہ تجھ کو پا سکا!......
میں نے آخر پا لیا تجھ کو ان اشیا میں
جو میری ہاتھ نے تشکیل کیں
روشنی سے اور معنی کی صدائے تازہ سے......

تو رہا مجھ سے گریزاں آج تک

آخر کار

اشتراکِ حسن کاری میں تجھے

آج میں نے پالیا! ۹۰؎

ایک حمدیہ رباعی ملاحظہ ہو جس میں خدا کو اپنی ڈھال قرار دیتے ہیں:

ڈھلتی ہوئی شب ترا جمال اے ساقی
اور صبحِ طرب ترا خیال اے ساقی
آلامِ زمانہ سب ہیں خوں کے پیاسے
ہاتھوں میں مرے ہے تیری ڈھال اے ساقی ۹۱؎

ان کا انداز ''مناجات'' عام مناجاتوں سے یکسر مختلف ہے۔ خدائے بزرگ و برتر سے انتہائی منفرد دعائیں، اپنے منفرد اسلوب میں اس طرح کرتے ہیں:

راحم خدا! نہ دن ہی مجھے دے نہ رات دے
بس التجا ہے ایک، حسد سے نجات دے

گل کا نہیں ، شجر کانہیں، موج کا نہیں
پامال سبزہ گاہ کا جوشِ حیات دے
گو تیرے ہاتھ پاؤں نہیں ہیں بایں ہمہ
تمثیل ہی سہی، مرے ہاتھوں میں ہاتھ دے

''لیس للانسانِ الاماسعٰی'' کی تفسیر زبانِ شاعری میں اس طرح کرتے ہیں کہ لوحِ ازل پر لکھی تقدیر کو اپنی تقدیر بھی نہیں مانتے اور کہتے ہیں:

تحریر ہے جو لوحِ ازل پر مرا نہیں
حسنِ عمل سے بنتی ہے جو وہ برات دے
ہر چند یہ زبان مناجات کی نہیں
جو کچھ بھی ہوں، مجھے نگہِ التفات دے ۹۲؎

۲۰۔وحید قریشی (۱۹۲۵ء پ)صاحبِ طرز ادیب، شاعر، نقاد اور محقق تھے۔ ان کی دو شعری تصانیف ''نقدِ جاں''، اور''الواح'' منظر عام پر آئیں۔جن میں موضوعات او ر مضامین کا تنوع نظر آ تا ہے۔ان کے یہاں اظہار میں سادگی کا پہلو نمایاں ہے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ اور رحمت و رافت کا ذکر اپنے حمدیہ کلام میں اس طرح کرتے ہیں۔

سب پہ ہے تیرا کرم اور بے طلب
اے مرے رب ، اے میرے دشمن کے رب
تیری رحمت دشت و دریا کو محیط
دشت و دریا سے ورا میری طلب ۹۳؎

اپنی نظم ''لاد گیا بنجارا'' کے دوسرے حصے میں کہتے ہیں:

اے بستی کے لوگو
تم نے سوچا
وہ بھی ایک خدا ہے
اس کے ہاتھ جزا وسزا ہے
جو چاہے سو کرتا ہے
ہر اک اس سے ڈرتا ہے
اس کا روپ امر ہے
سب سے بالاتر ہے ۹۴؎

۲۱۔ ناصر کاظمی (۱۹۲۵ء......۱۹۷۲ء)ناصؔر کاظمی کی معروف حمدیہ غزل اردو کی حمدیہ شاعری میں یادگار حیثیت رکھتی ہے۔ بالخصوص اس کا مطلع اپنے منفرد اور مبنی برحقیقت موضوع کی وجہ سے دلوں کے اندر اتر جانے کی تاثیر رکھتا ہے۔

میں نے جب لکھنا سیکھا تھا
پہلے تیرا نام لکھا تھا

مندرجہ ذیل دو اشعار قرآنی آیات کے مفاہیم پر مبنی ہیں، دلکش شعری اسلوب نے ان کے حسن میں اور

بھی اضافہ کر دیا ہے کہتے ہیں:

میں وہ صبرِ صمیم ہوں جس نے
بار امانت سر پہ لیا تھا

میں وہ اسمِ عظیم ہوں جس کو
جن و ملک نے سجدہ کیا تھا

اللہ سے شکوے کا انداز بھی کیسا پیار بھرا ہے؟ کہتے ہیں:

تو نے کیوں میرا ہاتھ نہ پکڑا
میں جب رستے سے بھٹکا تھا

اللہ ہر شے کا مالک ہے۔ جو دیا اس کا بھی اور جو نہ دیا اس کا بھی۔ اس موضوع پر کہتے ہیں:

جو پایا ہے وہ تیرا ہے
جو کھویا وہ بھی تیرا تھا ۹۵ے

۲۲۔ شہرت بخاری، سید محمد انور (۱۹۲۵ء......۲۰۰۱ء) عصر حاضر کے معروف شاعر ہیں۔ ان کے مجموعہ ہائے کلام ''طاق ابرو'' اور ''دیوار گریہ'' ہیں۔ خوش اسلوب شاعر، دلکش معانی و فکر سے آراستہ نظم ''حق کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا'' کے عنوان سے دعا کرتے ہیں:

دل سے ممنوں کیا ہے تو زباں دے مجھ کو
جرأت نالہ و توفیق فغاں دے مجھ کو
مجھ سے رسم ورہ دنیا نہیں چلتی یارب
میرے دل کی، مری آنکھوں کی عناں دے مجھ کو
میں ترے درکا بھکاری ، مرا دامن نہ جھٹک
حسرتِ گل سے ہوں دل تنگ، خزاں دے مجھ کو
یوں غمِ دہر نے گھیرا ہے کہ جی رکتا ہے
کوئی ایسا نہیں شہرتؔ کہ اماں دے مجھ کو ۹۶ے

۲۳۔مصطفی زیدی (۱۹۳۰ء......۱۹۷۰ء) مصطفی زیدی اردو شاعری بالخصوص اردو نظم کا ایک معتبر حوالہ ہیں۔ کئی اردو شعری مجموعوں کے خالق ہیں۔ ابتداً تیغ الہ آبادی تخلص کرتے تھے۔ مصطفی زیدی کی منجھی ہوئی

کہنہ مشق زبانِ شعری ان کے حمدیہ کلام میں بھی اپنا جادو جگاتی ہے۔ 'حمد' کا آغاز اس طرح کرتے ہیں:

ہم نے اُس قوتِ موہوم کو دیکھا نہ سُنا
ہم نے اُس گوہرِ نادیدہ کو پرکھا نہ چُنا
جلوے دیکھے جو کبھی شاملِ ایماں بھی نہ تھے
اور ہم ایسے تن آساں تھے کہ حیراں بھی نہ تھے

ذیل کے شعر میں دیکھیے کس طرح شاعر نے رات کے بعد دن کے آنے کو دلکش تشبیہاتی انداز میں بیان کیا ہے۔

وہم و تشکیک سے الہام شعاری نہ رکی
شب سے شہزادۂ خاور کی سواری نہ رُکی

اورہمیں قرآن پاک کی یہ آیت مبارکہ یاد آتی ہے کہ:

يُغْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ يَطْلُبُهُ حَثِيثًا (۷/۵۴)

ترجمہ: وہ رات کو دن سے ڈھانک دیتا ہے۔ دن رات کی طلب میں دوڑتا ہے۔

مصطفیٰ زیدی اسی حمد میں قصیدے کی طرح گریز کرتے ہوئے کہتے ہیں:

اجنبی شہر سے اک بُوئے چمن ساز آئی
دم بخود، مہر بہ لب، وقت سے آواز آئی

''لاتسبوا الدھر'' کے مصداق مصطفیٰ زیدی، وقت کے تصور کو، تصور خدا سے ملاتے ہوئے دلکش حمدیہ اشعار کہتے ہیں:

رات کا کرب بھی مَیں، صبح کا آرام بھی مَیں
حد و بے حد بھی مَیں، بے نام بھی مَیں، نام بھی مَیں
صحنِ خاموش بھی مَیں، حلقۂ آواز بھی مَیں
دستِ محمود بھی مَیں، آذربت ساز بھی مَیں
سنگ و سنجاب بھی ہوں، شعلہ بھی ہوں، خاک بھی ہوں
میں ترا وہم بھی ہوں، میں ترا ادراک بھی ہُوں ۹۷؎

۲۴۔احمد فراز(۱۹۳۱ء......۲۰۰۸ء) عصرِ حاضر کے ممتاز ترین غزل ونظم گو اگر چہ حمد کے شاعر نہیں ہیں مگر ان کے کلام میں ان کے عہد کا آشوب صاف دکھائی دیتا ہے۔احمد فراز کو اپنے ہم عصروں کی بے حسی کا تو گلہ ہے ہی مگر خدا سے دعا کرتے ہوئے، ان بے بصیرتوں کو بھولتے بھی نہیں۔ کہتے ہیں:

اے خدا جو بھی مجھے پند شکیبائی دے
اس کی آنکھوں کو مرے زخم کی گہرائی دے
تیرے لوگوں سے گلہ ہے میرے آئینوں کو
ان کو پتھر نہیں دیتا ہے تو بینائی دے
اتنا بے صرفہ نہ جائے مرے گھر کا جلنا
چشم گریاں نہ سہی چشمِ تماشائی دے ۹۸؎

۲۵۔ سید نفیس الحسینی،انور حسین(۱۹۳۳پ) سلسلۂ تصوف کے اہم صوفی شاعر خواجہ سید محمد گیسو دراز کے خاندان سے ہیں۔فنِ خطاطی میں عالمی شہرت کے مالک،حمد ونعت کے مایہ ناز شاعر بھی ہیں۔نمونۂ حمد ملاحظہ ہو:

حمد باری مری زبان پر ہے
وجد طاری مری زبان پر ہے

صبر جانکاہ میرے دل میں ہے
شکر باری مری زبان پر ہے
شب کا پچھلا پہر ہے اور نفیسؔ
آہ وزاری مری زبان پر ہے ۹۹؎

۲۶۔حسن اختر جلیل(۱۹۳۵ء......۲۰۰۲ء) معروف شاعر جوہرؔ نظامی کے صاحبزادے خود بھی ایک کہنہ مشق شاعر تھے۔ ان کی دو تصانیف ’’مقتل میں چراغ،(۱۹۸۶ء) اور یقینِ سحر(۲۰۰۵ء) منظرِ عام پر آئیں اور اہلِ نقد ونظر سے داد کی مستحق ٹھہریں۔تشبیہات واستعارات سے مزین اور خالقِ کل کی قدرت کاملہ کے اعتراف سے بھرپور حمد ملاحظہ ہو:

رات کی کالی گدڑی میں

جب صبح کا لعل دمک اٹھتا ہے

جی کہتا ہے

آؤ حمد کریں

حمد اُس کی

جو دل کے بُھورے کے بجنیوں میں

کوندا سا لپکا دیتا ہے

حمد اُس کی

جو کھن کھن بولتی مٹی کے کوزے کی تہہ میں

آبِ حیات چھپا دیتا ہے

حمد اُس کی

جو سجدہ گزار کی

خاک آلودہ پیشانی چمکا دیتا ہے ۱۰۰؎

ان کے دوسرے شعری مجموعے 'یقینِ سحر' میں قرآن پاک کی تین سورتوں (الفاتحہ، الاخلاص اور القدر) کے منظوم تراجم کے بعد جو حمد ملتی ہے، وہ ''جناب امیر المومنین علی ابن اعلی طالب کے اشعار کی آزاد جمانی'' ہے۔ اس حمد میں شاعر نے حضرت علیؓ کے حکیمانہ اقوال کو بھی خوبصورتی سے منظوم کر دیا ہے۔ اس کے علاوہ اڑتالیس بند پر مشتمل طویل مناجاتیہ مسدس میں حسن اختر جلیلؔ نے ۱۴ بند حمد کے کہے ہیں، اس کے علاوہ آغاز اس دعا سے کرتے ہیں:

زیبا ہے کبریائی تری ذات کے لیے
تیری ثنا سپر ہے سب آفات کے لیے
اٹھتے ہیں ہاتھ تجھ سے مناجات کے لیے
چھوٹا سا منہ کھلا ہے بڑی بات کے لیے
کرنا ہے بندگی کا فریضہ ادا مجھے
توفیقِ حمد ہو میرے مولا عطا مجھے

بارہ امامین کی منقبت کے بعد خدا سے حضرت زکریاؑ اور حضرت ابراہیمؑ کی نسبت سے فرزند کی دعا کرتے ہیں:

تو خالق بہار ہے شاداب کر مجھے
میں شاخ کم ثمر ہوں بنا پر ثمر مجھے
معبود! دشت سا نظر آتا ہے گھر مجھے
اپنی عطائے خاص سے دے اک پسر مجھے

نورِ نظر کو دیکھ کے دل باغ باغ ہو
اس گھر میں بھی چراغ جلے اک چراغ ہو ۱۰۱؎

۲۷۔**اسلم** انصاری(۱۹۴۰ء ب)عصرِ حاضر کے شعرا میں جدید لہجے اور ندرت اسلوب کے حامل شاعر ہیں۔ فارسی زبان کے استاد ہونے کے ناطے، فارسی شعری روایات اور اردو کی کلاسیکی شعری روایت سے بھی جڑے ہوئے ہیں۔ ان کی شاعری جملہ محاسن شعری سے مزین ہے۔ اگرچہ وہ حمد و مناجات کے باقاعدہ شاعر تو نہیں ہیں مگر اس موضوع پر جو کچھ کہا ہے، سراپا انتخاب ہے۔ ان کی حمد کا ایک دلکش نمونہ ملاحظہ ہو:

باد باں تیرے، ہوا تیری، سفینے تیرے
موجِ دریا میں بنائے ہوئے رستے تیرے

سب زمینوں پہ اُترتے ہیں تری یاد کے چاند
ہر بلندی پہ چمکتے ہیں، ستارے تیرے
ہر دبستانِ تمنا میں ہے تیرا مذکور
شاخیں تیری ہیں، شجر تیرے، پرندے تیرے
ناتوانا کو تواں تو ہی عطا کرتا ہے
حوصلہ دیتے ہیں ہر دل کو اشارے تیرے ۱۰۲؎

۲۸۔خورشید رضوی،ڈاکٹر(۱۹۴۲ پ) شعر و ادب اور تحقیق و تنقید کی ایک ممتاز شخصیت ہیں۔ ان کی شاعری ان کے ہمہ گیر مطالعے اور مشاہدے کی آئینہ دار ہے۔ ان کی حمدیہ شاعری میں عالمانہ سنجیدگی نے وقار پیدا کر دیا ہے۔ مثلاً

نام ایسا ہے ترا جب بھی زباں پر آئے
دل میں اک خنجرِ تصدیق اترتا جائے ۱۰۳؎

ترے کرم سے قدم کو سہارتی ہے زمین
مرا غرور سلامت ترے کرم سے ہے ۱۰۴؎

ان کی شاعری میں حمد کے ساتھ ہی مناجات کی زیریں لہر بھی چلتی ہے۔

کتنا احسان ہے تیرا یہ عنایت کرنا
تجھ کو منظور ہوا مجھ سے محبت کرنا
بوند ہوں کامِ صدف تک مجھے پہنچا دینا
شورشِ موج میں خود میری حفاظت کرنا
دل کو دریوزۂ کثرت میں نہ الجھا دینا
مجھ کو ہر سانس میں تنہا تو کفالت کرنا ۱۰۵؎

''مناجات'' کے عنوان سے اللہ تعالیٰ کے دیدار کی تمنا، بڑے ادب و احترام سے کرتے ہیں:

کبریائی کی ردا عرش بریں پر رکھ کر
بے نیازی کی ادا صرفِ کرم کرتے ہوئے
زینہ زینہ کبھی لاہوت کی رفعت سے اتر

وسعت عرصۂ کونین سے کتراتے ہوئے
یوں مرے دل کی جراحت میں سمٹ آ جیسے
جیسے خوشبو کسی غنچے میں سمٹ آئی ہے

ہے مری ظرف سے باہر تری عظمت کا تضاد
چھوڑ دے میرے لئے اپنے تنوع کا جلال
ایک ہی رنگ میں کچھ دیر مرے پاس ٹھہر

یوں تو تو کون سے منظر میں نہیں ہے لیکن

میری درماندہ سی، محدود سی، محجوب سی آنکھ
بس اسی ایک دریچے میں تجھے مانگتی ہے ۱۰۶؎

۲۹۔افتخار عارف(۱۹۴۳ء پ)لکھنو کے اعلیٰ تعلیم یافتہ خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔۱۹۶۵ء میں ہجرت کر کے پاکستان آ گئے۔سہ ماہی''ادبیات'' کے چار سال تک مدیر منتظم رہے۔آج کل چیئرمین اکادمی ادبیات پاکستان ہیں۔ان کی تصانیف میں مہرِ دونیم، بارہواں کھلاڑی، حرفِ باریاب اور جہانِ معلوم شائع ہو چکی ہیں۔ان کی معروف''مناجات'' درج ذیل ہے جس سے ان کی قادر الکلامی، روانیٔ زبان و بیان اور اچھوتی سوچ کا اندازہ ہوتا ہے۔

مرے خدا مجھے اتنا تو معتبر کر دے
میں جس مکان میں رہتا ہوں اس کو گھر کردے
میں زندگی کی دعا مانگنے لگا ہوں بہت
جو ہو سکے تو دعاؤں کو بے اثر کردے
مری زمین مرا آخری حوالہ ہے
سو میں رہوں نہ رہوں اس کو بارور کر دے ۱۰۷؎

۳۰۔امجد اسلام امجد(۱۹۴۴ء پ)نژادنو کے پسندیدہ شاعر، حمد ونعت سے بھی گہری محبت رکھتے ہیں۔ان کا حمدیہ کلام لفظی معنوی محاسن سے سجا ہوا ہے۔آزاد نظم میں تغزل کا جادو جگاتے ہیں اور ان کی حمدوں میں خیالات کے ساتھ اسلوب کی روانی بھی قابل دید ہوتی ہے۔ایک حمد ملاحظہ ہو:

میں اس کا نام لیتا ہوں
تو ہونٹوں پر
تبسم کی دھنک لہرانے لگتی ہے
میں اس کو یاد کرتا ہوں
تو اک مانوس سی خوشبو
مجھے مہکانے لگتی ہے
وہ میرے دل میں رہتا ہے گلِ امید کی صورت

زمانے کی شب تاریک میں خورشید کی صورت ۱۰۸؎

۳۱۔ڈاکٹر محمد امین (۱۹۴۷ء پ) ممتاز ادیب، شاعر، نقاد اور محقق ہیں۔ ان کا شعری مجموعہ ''طاق ابد'' حمد ونعت، غزل اور نظم کی اصناف پر مشتمل ہے۔ انھوں نے اردو شاعری میں ہائیکو کو فروغ دیا۔ ان کی حمدیہ شاعری کا اسلوب فلسفیانہ اور مفکرانہ ہے۔ حمد کا نمونہ ملاحظہ ہو:

رفعتیں تیرے لیے، سب عظمتیں تیرے لیے
خالقِ حرف و بیاں سب مدحتیں تیرے لیے

آیہ قرآنی ان الصلوۃ ونسکی ....الخ کی تفسیر دیکھیے:

زندگی تیرے لیے اور بندگی تیرے لیے
الفتیں تیرے لیے، سب چاہتیں تیرے لیے

حمد میں فلسفیانہ اندازِ فکر دیکھیے:

تو کہ لا محدود ہے حدِ مکاں بھی تجھ سے ہے
سرحدِ امکاں تلک سب وسعتیں تیرے لیے
عقل حیراں ہے کہ کیسا ہے نظامِ کائنات
اے حکیمِ بے بدل سب حکمتیں تیرے لیے ۱۰۹؎

حدیثِ مبارکہ ''لاتسبوا الدھر'' کا مفہوم اپنے فلسفیانہ انداز میں اس طرح پیش کرتے ہیں:

میں اسیر عرصہ لمحات ہوں میرے خدا
تو کہ خود ہی وقت ہے سب مدتیں تیرے لیے ۱۱۰؎

ڈاکٹر صاحب کی دعائیہ شاعری کا انداز بھی مفکرانہ ہے اور وہ دُعا بھی علمِ معتبر کی کرتے ہیں۔ کہتے ہیں:

بصارت دے، بصیرت دے، نظر دے
مجھے اشیائے عالم کی خبر دے
لرزتا ہے یقیں اب شک کے ہاتھوں
مجھے علموں میں علمِ معتبر دے ۱۱۱؎

''دُعا'' کے عنوان سے نظم آزاد میں اللہ تعالیٰ سے زندگی گزارنے کا حوصلہ اور اپنے حروفِ سخن کے لیے

زندگی مانگتے ہیں۔نظم بڑے دلکش استعاراتی اسلوب میں لکھی گئی ہے۔ کہتے ہیں:

الٰہی مجھے دھوپ دے

کہ میری رگیں برف سے منجمد ہو چکی ہیں

مرا چاند بے نور ہے، میرا سورج تمازت سے عاری

مرا زخم کاری

الٰہی مرے چاند کو نور دے، میرے سورج کو گرمی عطا کر

الٰہی مجھے حوصلہ دے، ٹھٹھرتی ہوئی رات میں

جیت اور مات میں

الٰہی مرے لفظ کو زندگی دے

اسے سچ کی زندہ امانت بنا

اسے زندہ رہنے کی خاطر

گھنی دھوپ دے! ۱۱۲؎

۳۲۔تحسین فراقی، ڈاکٹر(۱۹۵۰ء پ) ممتاز ماہر اقبالیات، غالبیات، محقق دانشور، نقاد، مترجم، مبصّر اور بہت اچھے شاعر ہیں۔ اردو، فارسی اور عربی ادبیات کے عالم ہیں ان کی شاعری سے بھی ان کی علمی وسعت اور منفرد طرزِ فکر و اظہار کی عکاسی ہوتی ہے۔ اگرچہ ان کا حمدیہ کلام بہ اعتبار مقدار زیادہ نہیں مگر معیار کے اعتبار سے سراپا انتخاب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ربوبیت، اس کی قدرت و حاکمیت اوراس کے حکیمانہ نظام حیات و کائنات کے احساس میں رچی ہوئی، اور قصیدے کا سا شان وشکوہ لئے ہوئی حمد ملاحظہ ہو:

مجال و طاقت و تابِ سخن کہاں ہے بہم

کہ حمدِ خالق ہر دوسرا ہو مجھ سے رقم

قلم نے جب بھی کیا قصدِ مدحِ ربِ انام

لرز لرز گئی سطحِ ورق پہ نوکِ قلم

ذیل کے اشعار میں اللہ کو ’’نورلم یزل‘ اور’نقطۂ ازل‘ قرار دیتے ہیں جس نے پوری کائنات کو اپنے گھیرے میں لے رکھا ہے:

وہ نورِ لم یزلی جس کی لو سے روشن ہے
سراجِ معبد و مسجد، چراغِ دیر و حرم
وہ نقطۂ ازلی جس کے گرد گھومتے ہیں
یہ سب زمین و زماں، چرخ و کرسی و عالم

آیات قرآنی کے مفاہیم کو کس درجہ خوبی فنی و مہارت کے ساتھ حسنِ شعر سے آراستہ کرتے ہیں:

تمام بحر اگر روشنائی میں ڈھل جائیں
شجر تمام مبدل ہوں گر بہ لوح و قلم
کہاں ہے پھر بھی مجالِ احاطۂ اوصاف
کہ ایک شمہ بھی اس ذاتِ پاک کا ہو رقم ۱۱۴؎

مندرجہ بالا اشعار میں آیہ قرآنی **قل لو کان البحر**...... الخ کا مفہوم مراد لیا گیا ہے۔

حمدیہ رباعیات میں بھی جہاں وہ اللہ رب العزت کی عالمگیریت اور حاکمیت وقدرت کو سراہتے ہیں تو ان کے مصاریع بھی اسی شان وشکوہ کے حامل نظر آتے ہیں مگر جونہی وہ اپنے اور اپنے رب کے باہمی تعلق کا اظہار کرتے ہیں تو شعر میں داخلیت، سوز و گداز اور روانیٔ بیان پیدا ہو جاتی ہے۔ مثلاً ذیل کی رباعی کے پہلے دو مصرعوں اور تیسرے اور چوتھے مصرعے میں اسلوب کا فرق ملاحظہ ہو:

عالم میں نظام خشک و تر تجھ سے ہے
طغیان بحر و طول بر تجھ سے ہے
میں کون؟ ترا بندۂ عاجز تحسینؔ
جس کی ہر شام، ہر سحر تجھ سے ہے

یہی سہل اسلوب اور روانی وسلاست ذیل کی رباعی کی بھی جان ہے:

وہ مجھ سے ہے اور مجھ سے جدا رہتا ہے
میں اس سے ہوں وہ مجھ سے ورا رہتا ہے
ہاں دل ہی وہ اقلیم ہے جس میں بخدا
کیا جانیے کب سے وہ خدا رہتا ہے ۱۱۴؎

۳۳۔ حفیظ الرحمن احسن اور ماہنامہ ’سیارہ‘ کا نام آپس میں اس طرح جڑا ہوا ہے کہ دونوں کی

شناخت اسی ایک نام سے ہے۔ان کی دینی و مذہبی اور قومی و ملّی شاعری سے ان کے مزاج دینی و اسلوب کا اندازہ ہوتا ہے۔ ان کی 'حمد ومناجات' کا نمونہ ملاحظہ ہو:

عفو ہے شیوہ ترا، رحمت تری پہچان ہے
تو رحیم وارحم و رحمٰن عالی شان ہے
ہو تری توفیق تو راہِ ہدیٰ آسان ہے
خوئے تسلیم و رضا ہی بندگی کی جان ہے
ہے صدائے دل کہ بخشش کا یہی سامان ہے
تونے رحمت کو کیا لازم، مرا ایمان ہے
اے رحیموں کے رحیم ، اے سب رحیموں سے رحیم
سب کریموں سے کریم، اے سب عظیموں سے عظیم ۱۱۵؎

۳۴۔ حافظ محمد افضل فقیر عصرِ حاضر کے معروف ومقبول نعت گو اور حماد ہیں۔ انھوں نے عربی فارسی، اردو اور پنجابی چار زبانوں میں حمد ونعت کہی۔ ان کی حمدیہ شاعری ہمہ گیر اثرات سے عبارت ہے۔ ان کی حمدیہ شاعری ان کے علمی کمالات اور دینی شعور کی دلیل ہے۔قصیدے کی سی شان وشوکت اور جاہ وجلال کی حامل حمد کا نمونہ ملاحظہ ہو:

اے خداوندِ لم یزل، متعال
نام تیرا ہے تیری ذات پہ دال

گزر بیش و کم نہیں تجھ پر
نہ کوئی اشتباہ ِ نقص و زوال
تجھ سے رنگ تداولِ ایام
تجھ سے شان توارِدِ احوال
تو ادا فہم بے زبانی ہے
تو ہے تفصیل دانِ ہر اجمال ۱۱۶؎

'آب ورنگ' ان کی عربی، فارسی، اردو اور پنجابی رباعیات کا مجموعہ ہے۔ ایک حمدیہ رباعی پیش خدمت ہے:

بسم اللہ آمد آمدِ رحمت ہے
دل میں طربِ زمزمۂ وحدت ہے
ہونٹوں کی جنبش میں ہے جو موجۂ حمد
سطرِ انشا کی بھی وہی صورت ہے ۱۱۷ے

۳۴۔سید معراج جامی شعرائے حمد نے ، حمد نگاری میں تمام اصناف کو برتا ہے۔'ہائیکو' جو جاپانی شاعری کی ایک صنف ہے، اردو شاعری میں بھی خاصی مقبول ومعروف ہے اور جناب سید معراج جامی ہائیکو نگاری میں ایک اہم نام ہیں۔ حمدیہ اور نعتیہ ہائیکو کہتے ہیں۔و۔ب۔و کی طرز پر لکھی گئی ہائیکو میں جس کا پہلا اور تیسرا مصرعے ہم وزن ہے، جامیؔ رب العزت کی حمد کہتے ہیں:

کیا سایہ ، کیا دھوپ
دھرتی پر جو بھی شے ہے
سب میں تیرا روپ

دن ہو یا ہو رات
میری روح میں بولتی ہے
میرے رب کی ذات

اور انسان کو نصیحت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

شکر کو کم مت کر
بس تو آس لگا رب سے
کم کا غم مت کر ۱۱۸ے

۳۵۔ رئیس وارثی نیو یارک کی ادبی تنظیم اردو مرکز کے صدر ہیں۔ حمد ونعت کی صنف سے گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ اپنے ایک مکتوب بنام پروفیسر جعفر بلوچ مرحوم بتاریخ ۹۹۔۲۔۲۷ میں انھوں نے اپنی حمدیہ نظمِ آزاد ارسال فرمائی جو اللہ رب العزت سے ان کی بے پناہ محبت وعقیدت کی آئینہ دار بھی ہے اور اس کی رحمتوں، قدرتوں اور لطافتوں کا اقرار بھی ۔ کہتے ہیں:

خدائے یکتا! عظیم و برتر

تری محبت کی سرخوشی میں

مری جبیں

اور تری زمیں کا

محیط صدیوں پہ رابطہ ہے

یہ تیری رحمت کہ میرے دل میں

خیال تیرا بسا ہوا ہے

یہ تیری قدرت

دلوں کے اندر

چھپے ارادوں کو جانتا ہے

اس طویل حمدیہ نظم کا آخری بند دعائیہ ہے۔جس میں وہ شفیع روزِ جزا کی شفاعت کا آسرا رکھتے ہوئے بڑے خوش اسلوبی سے کہتے ہیں:

تیرے ہی لطف و کرم سے

مالک

ہجوم محشر کے عرصۂ بے اماں میں

لوائے رحمت کے سایۂ بے گماں میں

شفیع روز جزا سے

اپنی

اور اپنے ماں باپ و اقربا کی

مجھے شفاعت کا آسرا ہے

تری کتابِ مجید میں بھی

اسی شفاعت کا تذکرہ ہے

یہی بصیرت کا منتہا ہے

کہ اپنا وعدہ

ہمیشہ تو نے وفا کیا ہے ۱۱۹؎

۳۶۔ محمد رمضان زاہد کوٹ ادو سے تعلق رکھنے والے محمد رمضان زاہد، گورنمنٹ کالج۔ کوٹ ادو میں اردو کے پروفیسر ہیں اور حمد و نعت کے اچھے شاعر بھی۔ انھوں نے ''حمد و نعت کہکشاں'' کے عنوان سے حمدیہ ونعتیہ مجموعہ مرتب کیا ہے۔ جس میں پنجاب کے شعرا کی حمدیں اور نعتیں یکجا کرنے کی سعی کی ہے۔ کتاب میں شامل تقریظ محمد شاہنواز خان کے قلم سے ہے جن کا کہنا ہے کہ ''آج اس سچے عاشق (نیاز خان کوکب مرحوم) کی ترتیب دی ہوئی کتاب آپ کے ہاتھ میں ہے'' ''ابتدائیہ'' کے عنوان سے محمد رمضان زاہد بھی اعتراف کرتے ہیں کہ ''انھوں (نیاز خان کوکب) نے ملک کے گوشے گوشے سے خطوط لکھ کر حمدیہ نظمیں اور نعتیں جمع کیں'' مگر ہمیں خود رمضان زاہد صاحب کا نام بطور مرتب دیکھ کر حیرت کا سامنا کرنا پڑا۔ ہمارے خیال میں کتاب پر بطور مرتب نیاز کوکب مرحوم کا نام آنا چاہیے تھا۔

محترم رمضان زاہد صاحب کے مرتب کردہ اس مجموعے میں ترتیب و توازن کی بہت کمی ہے، جس کا اظہار ان کے دیباچے سے بھی ہوتا ہے اور خود کتاب سے بھی۔ فہرست ندارد اور حد تو یہ ہے کہ متعدد نعتوں/حمدوں کے مصاریع خارج از آہنگ اور بے وزن ہیں۔ مثلاً

بندہ ہوں تیرا تیری عبادت سے غرض ہے
میری دعا کا حسنِ صلہ تیری حمد ہے ۱۲۰؎
فکر کیا پہنچے وہاں تک کہ جہاں
پہنچ ممکن ہی نہ ہو ادراک کی ۱۲۱؎

رمضان زاہد صاحب کی حمدیہ شاعری سے ایک دلکش مثال پیش کی جاتی ہے:

میری ہی اک ذات نہیں ہے تیری ذات میں گم
دنیا کی ہر بات ہے یارب تیری بات میں گم
میں اک ادنیٰ بندہ تیرا، میری کیا اوقات

کتنے لوگ ہیں سرِ گریباں احساسات میں گم ۱۲۲؎

'سر گریباں' چھپا ہے۔مگر 'سربگریباں' ہونا چاہیے تھا۔ مجموعی طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ بے دینی اور مذہب سے بے اعتنائی کے اس دور میں محمد رمضان زاہد نے حمد و نعت کا مجموعہ مرتب کرکے اچھی کاوش کی ہے۔۔

مختصر جائزہ:

تقسیمِ ہند سے عصرِ حاضر تک جن معروف شعرائے کرام کی حمد نگاری کا جائزہ پیش کیا، ان کے مطالعے سے ہم نے یہ نتائج اخذ کیے کہ اردو شاعری میں جہاں انقلابی تبدیلیاں پیدا ہوئیں، کلاسیکی دور کا اختتام ہوا جدید غزل، نظم اور نئی اصناف برتی جانے لگیں۔ اسلوب میں بھی جدت نظر آئی۔ اس طرح حمدیہ شاعری میں بھی یہ باعتبار اسلوب دوطرح کے رویے سامنے آئے۔ ایک تو قدیم و جدید اسلوب کے امتزاج کی حمد و مناجات ہمارے سامنے آئی اور دوسرے نظم آزاد معرّٰی، ماہیے، دوہوں اور ہائیکو جیسی اصناف میں بھی شعرا نے حمد گوئی کی۔ ساتھ ساتھ 'رباعی' کی صنف میں جو سنجیدہ و فلسفیانہ موضوعات کے ساتھ محدود ہو گئی تھی۔ حمد و مناجات کے دلکش رنگ دکھائی دیے۔

'حمد' جدید شاعری میں زیادہ خوبصورتی اور مضامین کی وسعت کے ساتھ اس دور میں دکھائی دیتی ہے۔ مگر اردو کے نعت گویان نے جس عقیدت و محبت سے 'حمد' کو ہاتھوں ہاتھ لیا۔ اس کی اہمیت کے پیش نظر نعت گویان اردو کی حمد نگاری کا الگ باب میں جائزہ لینے کی ضرورت سمجھی گئی۔ اب ہم اگلے باب میں اسی موضوع کا احاطہ کرنے کی کوشش کریں گے۔

حوالے

۱؎ عبدالقادر، شیخ: مقدمہ، گلبانگ حیات، لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب، طبع دوم ۲۰۰۶ء

۲؎ امین حزیں: گلبانگ حیات، ص ۳

۳؎ مذکورہ حوالہ، ص ۳۴

۴؎ مذکورہ حوالہ،، ص ۳۵

۵؎ مذکورہ حوالہ، ص ۱۹۵

۶۔ امین حزیں: سرودِ سرمدی، لاہور: الفیصل ناشران و تاجران کتب، طبع اول ۲۰۰۶ء، ص ۱۴

۷۔ مذکورہ حوالہ، ص ۲۲

۸۔ امجد حیدر آبادی: رباعیات امجد، ج ا، حیدر آباد دکن: عماد پریس، س ن، ص ۳۱

۹۔ مذکورہ حوالہ، ص ۹

۱۰۔۱۱ حمید الدین شاہد: ''حضرت امجد حیدر آبادی۔ سرمد ثانی'' 'مشمولہ' سہ ماہی: اردو نامہ، جولائی تا ستمبر ۱۹۶۱ء، ص ۱۵

۱۲۔ رباعیات امجد، ج ا، ص ۳۰

۱۳۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۰

۱۴۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۲

۱۵۔ مذکورہ حوالہ، ص ۲۳

۱۶۔ صوفی غلام مصطفیٰ تبسّم: سو بار چمن مہکا، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء، ص ۵۱

۱۷۔ حفیظ جالندھری: شاہنامۂ اسلام: لاہور، کتب خانہ حفیظ، مجلس اردو، س ن، ص ۲۵۔۲۶

۱۸۔ حفیظ جالندھری: کلیات حفیظ جالندھری (مرتبہ) خواجہ محمد زکریا، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء، ص ۵۹

۱۹۔ مذکورہ حوالہ، ص ۴۲۰

۲۰۔ مذکورہ حوالہ، ص ۲۵۶، ۲۵۷

۲۱۔ مذکورہ حوالہ، ص ۲۰۷

۲۲۔ مذکورہ حوالہ، ص ۲۰۳

۲۳۔ مذکورہ حوالہ، ص ۶۸۰

۲۴۔ مالک رام: تذکرہ معاصرین، ج ۳، نئی دہلی: مکتبہ جامعہ، اشاعت اوّل ۱۹۷۸ء، ص ۱۴۵

۲۵۔ جہان حمد، مناجات نمبر: شمارہ نمبر 11، مئی ۲۰۰۳ء، ص ۱۷

۲۶۔ جعفر بلوچ (مرتب): آثار ضیا: ضیا صدیقی، لاہور: بزم ضیائے ادب، ۲۰۰۰ء، ص ۱۳

۲۷۔ ضیا صدیقی: آثار ضیا، ص ۴۲، ۴۳

۲۸۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۶۷

۲۹۔ مذکورہ حوالہ، ص ۵۹

۳۰۔ مذکورہ حوالہ، ص، ۵

۳۱۔ فضل محمد فضل: گنجینۂ انوار، لاہور: نیو فائن پرنٹنگ پریس، ۲۰۰۰ء، ص ۹

۳۲۔ مذکورہ حوالہ، ص ۵

۳۳۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۱

۳۴۔ عبدالغنی فاروق، ڈاکٹر (مرتب) کلیات ماھر، لاہور: القمر انٹر پرائزرز، طبع اول ۱۹۹۴ء، ص ۳۰۔۳۶

۳۵۔ ماہرالقادری: کلیات ماھر، لاہور: القمر انٹر پرائزرز، طبع اول ۱۹۹۴ء، ص ۴۱

۳۶۔ مذکورہ حوالہ، ص ۴۴

۳۷۔ مذکورہ حوالہ، ص ۴۵

۳۸۔ مذکورہ حوالہ، ص ۴۹

۳۹۔ مذکورہ حوالہ، ص ۵۴

۴۰۔ مذکورہ حوالہ، ص ۴۲

۴۱۔ مذکورہ حوالہ، ص ۴۳

۴۲۔ مذکورہ حوالہ، ص ۴۷

۴۳۔ مذکورہ حوالہ، ص ۷۹۵

۴۴۔ عدم عبدالحمید: آب رواں، لاہور: مکتبہ کاروان، س ن، ص ۱۳۵

۴۵۔ عدم، عبدالحمید، جنس گراں، لاہور: مکتبہ کاروان، ۱۹۸۲ء، ص ۱۱۳

۴۶۔ مذکورہ حوالہ، ۱۲۳

۴۷۔ احسان دانش: نوائے کارگر، لاہور: مکتبہ دانش، س ن، ص ۳۵

۴۸۔ احسان دانش: دارین، لاہور: دانش اکادمی، بار اول ۱۹۷۴ء، ص ۸

۴۹۔ مذکورہ حوالہ،ص۹

۵۰۔ مذکورہ حوالہ،ص۷۹

۵۱۔ مذکورہ حوالہ،ص۸۰

۵۲۔ احسان دانش: زنجیر بہاراں، لاہور: خزینۂ علم و ادب،۲۰۰۰ء،ص۱۲۶،۱۲۷

۵۳۔ مذکورہ حوالہ،ص۲۲۱

۵۴۔ مذکورہ حوالہ،ص۲۸۸

۵۵۔ یوسف ظفر: عشق پیچاں، لاہور: فیروز سنز،طبع اوّل ۱۹۷۳ء،ص۳،۴

۵۶۔ طفیل ہوشیار پوری: جامِ مہتاب، لاہور: احسان اکیڈمی، بار دوم ۱۹۷۵ء،ص۲۸

۵۷۔ مذکورہ حوالہ،ص۱۳۱

۵۸۔ مذکورہ حوالہ،ص۳۴

۵۹۔ مذکورہ حوالہ،ص۴۹

۶۰۔ مذکورہ حوالہ،ص۱۲۲

۶۱۔ مذکورہ حوالہ،ص۵۹

۶۲۔ طفیل ہوشیار پوری: سوچ مالا، لاہور، احسان اکیڈمی، بار اوّل ۱۹۹۱ء،ص۲،۳

۶۳۔ مذکورہ حوالہ،ص۲۰۔۲۲

۶۴۔ مذکورہ حوالہ، اشعار متفرقہ،ص۱۱۴۔۱۴۲

۶۵۔ طفیل ہوشیار پوری: رحمت یزداں، لاہور: احسان اکیڈمی، بار اوّل ۱۹۹۲ء،ص۲۳

۶۶۔ مذکورہ حوالہ،ص۱۷

۶۷۔ مذکورہ حوالہ،ص۳۳

۶۸۔ مذکورہ حوالہ،ص۳۹

۶۹۔ طاہر شادانی: حمد و مناجات، لاہور: علمی کتاب خانہ،۱۹۸۶ء،ص۱۸۷

۷۰۔ مذکورہ حوالہ،ص۱۸۶

۷۱۔ انتخاب حمد: غوث میاں (مرتب) کراچی: حضرت حسان حمد و نعت بک بینک، بار اوّل،۱۹۹۸ء،ص ۵۵۴

۷۲۔ اقبال جاوید، پروفیسر محمد: شعری التجائیں، لاہور: ندوۃ المعارف ۲۰۱۰ء،ص ۱۵۰،۱۵۱

۷۳۔ آزاد، جگن ناتھ: بیکراں، نئی دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند)، طبع ہفتم ۱۹۹۲ء ص ۲۱۰۔۲۱۲

۷۴۔ ضیاء الدین اصلاحی: نسیم حجاز، آزاد، جگن ناتھ، نئی دہلی: انجمن ترقی اردو ہند، طبعِ اوّل ۱۹۹۹ء ص ۱۶

۷۵۔ آزاد، جگن ناتھ: نسیم حجاز، ص ۱۵۳، ۱۵۴

۷۶۔ آزاد، جگن ناتھ: بوئے رمیدہ، نئی دہلی، انجمن ترقی اردو (ہند)، طبع اوّل ۱۹۹۹۰ء، ص ۲۵

۷۷۔ مذکورہ حوالہ، ص ۴۶، ۴۷

۷۸۔ مذکورہ حوالہ، ص ۹۳

۷۹۔ آزاد، جگن ناتھ: نسیم حجاز، نئی دہلی: محروم میموریل لٹریری سوسائٹی طبع اوّل ۱۹۹۹ء، ص ۵۱، ۵۲

۸۰۔ آزاد، جگن ناتھ: نسیم حجاز، ص ۵۷، ۵۸

۸۱۔ مذکورہ حوالہ، ص ۵۹

۸۲۔ آزاد، جگن ناتھ: بوئے رمیدہ: ص ۳۲

۸۳۔ انجم رومانی: کوئے ملامت، لاہور: مکتبہ عالیہ، طبع اول ۱۹۸۳ء، ص ۵

۸۴۔ مذکورہ حوالہ، ص ۷، ۸

۸۵۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۵

۸۶۔ مذکورہ حوالہ، ص ۸۶

۸۷۔ حزیں صدیقی: قفس رنگ، لاہور: مکتبہ جدید پریس، بار اول ۱۹۹۰ء، ص ۲۱

۸۸۔ حزیں صدیقی: حرف ابد، ملتان: بزم ضیائے ادب، بار اول ۱۹۹۶ء، ص ۱۶

۸۹۔ منیر نیازی: ماہِ منیر، لاہور: گورا پبلشرز، ۱۹۹۴ء، ص ۱۸

۹۰۔ جابر علی سیّد: موج آھنگ، (مرتبہ) حمید اصغر فائق، ملتان، ۱۹۹۸ء، مطبع ندارد، ص ۲۷، ۲۸

۹۱۔ مذکورہ حوالہ، ص ۹۴

۹۲۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۴

۹۳۔ وحید قریشی: الواح، فیصل آباد: قرطاس، طبع اوّل ۱۹۸۴ء،ص ۱۱

۹۴۔ مذکورہ حوالہ،ص ۳۱

۹۵۔ ناصر کاظمی: کلیات ناصر، لاہور: جہانگیر بکس، س ن،ص ۴۴، ۴۵

۹۶۔ شہرت بخاری: دیوارِ گریہ، لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۸۳ء،ص ۷

۹۷۔ مصطفی زیدی: قبائے ساز، راولپنڈی: ماورا پبلشرز، س ن،ص ۱۴

۹۸۔ احمد فراز: شہر سخن آراستہ هے، اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء،ص ۴۰۷، ۴۷۱

۹۹۔ سید نفیس الحسینی: برگ گل، لاہور: نفیس منزل، ۲۰۰۶ء،ص ۶۱، ۶۲

۱۰۰۔ حسن اختر جلیل: مقتل میں چراغ، راولپنڈی: نیرنگِ خیال پبلی کیشنز، ۱۹۸۶ء،ص ۱۳، ۱۴

۱۰۱۔ حسن اختر جلیل: یقین سحر، راولپنڈی: بھٹی پریس، ۲۰۰۵ء،ص ۱۵۶

۱۰۲۔ اسلم انصاری: نقش عهد وصال کا، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، باراوّل ۱۹۹۶ء،ص ۲۳، ۲۴

۱۰۳۔ خورشید رضوی، ڈاکٹر: سرابوں کے صدف، مشمولہ، یکجا، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء،ص ۲۱

۱۰۴۔ امکان، مشمولہ، یکجا،ص ۱۲۰

۱۰۵۔ سرابوں کے صدف، مشمولہ، یکجا،ص ۱۵، ۱۶

۱۰۶۔ رائیگاں، مشمولہ، یکجا،ص ۱۳، ۱۴

۱۰۷۔ افتخار عارف: بحوالہ دبستانوں کا دبستان، ج ۲، (مرتبہ) احمد حسین صدیقی، کراچی: فضلی سنز، ۲۰۰۵ء،
ص ۶۷

۱۰۸۔ امجد اسلام امجد: نعت رنگ، کتاب نمبر ۴، اشاعت اوّل، مئی ۱۹۹۷ء، کراچی: ص ۱۳

۱۰۹۔ محمد امین، ڈاکٹر: طاق ابد، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء،ص ۱۳

۱۱۰۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۴

۱۱۱۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۵

۱۱۲۔ مذکورہ حوالہ،ص ۸۳

۱۱۳۔ تحسین فراقی: نقشِ اول، لاہور: مقبول اکیڈمی، بارِ اول ۱۹۹۲، ص ۱۳۔۱۵

۱۱۴۔ انتخابِ حمد: مرتب، غوث میاں، ص ۱۴۷

۱۱۵۔ اقبال جاوید، پروفیسر: شعری التجائیں، لاہور: ص ۱۴۴

۱۱۶۔ خزینۂ حمد: مرتبہ، طاہر سلطانی، ص ۳۹۹

۱۱۷۔ محمد افضل فقیر، حافظ: آب و رنگ، لاہور: تعمیر ادب، ۱۴۱۳ھ، ص ۱۰۱

۱۱۸۔ معراج جامی، سید، نعت رنگ: شمارہ نمبر ۶، کراچی: ستمبر ۱۹۹۸ء

۱۱۹۔ بحوالہ مکتوب بنام پروفیسر جعفر بلوچ مرحوم بتاریخ ۹۹۔۷۔۲۷

۱۲۰۔ رمضان زاہد: حمد و نعت کہکشاں، مطبع ندارد، س ن، ص ۵۴

۱۲۱۔ مذکورہ حوالہ، ص ۲۳۸

۱۲۲۔ مذکورہ حوالہ، ص ۲۱۰

باب ششم:

عصرِ حاضر کے ممتاز
نعت گویانِ اردو کی حمد و مناجات نگاری

ا۔ پس منظر

ب۔ فہرست شعرائے کرام

۱۔ راجہ عبداللہ نیازؔ

۲۔ عبدالکریم ثمرؔ

۳۔ آغا صادقؔ

۴۔ حافظ مظہرؔ الدین

۵۔ راسخؔ عرفانی

٦۔ شاہ انصارؔ الہ آبادی

٧۔ احمد ندیمؔ قاسمی

٨۔ محشرؔ رسول نگری

٩۔ نعیمؔ صدیقی

١٠۔ سید نظرؔ زیدی

١١۔ عزیزؔ حاصل پوری

١٢۔ افسرؔ ماہ پوری

١٣۔ علیمؔ ناصری

١٤۔ حنیفؔ اسعدی

١٥۔ ذوقیؔ مظفر نگری

١٦۔ سرورؔ بجنوری

١٧۔ عارفؔ عبدالمتین

١٨۔ ابو الامتیاز ع۔س۔ مسلمؔ

١٩۔ حسرتؔ حسین حسرتؔ

٢٠۔ ساحرؔ صدیقی

٢١۔ صابرؔ کاسگنجوی

٢٢۔ عبدالعزیز خالدؔ

٢٣۔ عاصیؔ کرنالی

٢٤۔ شاہدؔ الوری

٢٥۔ شبنمؔ رومانی

٢٦۔ حزیںؔ کاشمیری

٢٧۔ صلاح الدین ناصرؔ

٢٨۔ حفیظ تائبؔ

۲۹۔ جسٹس محمد الیاسؔ

۳۰۔ خالد شفیقؔ

۳۱۔ رازؔ کاشمیری

۳۲۔ محسن احسانؔ

۳۳۔ سید ابوالخیر کشفیؔ

۳۴۔ خورشید انورؔ رضوی

۳۵۔ سہیلؔ غازی پوری

۳۶۔ گوہرؔ مسلسیانی

۳۷۔ حفیظؔ صدیقی

۳۸۔ رفیع الدین ذکیؔ قریشی

۳۹۔ مرزا شمس الحسن شمسؔ

۴۰۔ ہارونؔ الرشید

۴۱۔ غوثؔ متھراوی

۴۲۔ ریاض حسینؔ چودھری

۴۳۔ قیصر نجفیؔ

۴۴۔ ڈاکٹر ریاضؔ مجید

۴۵۔ راجہ رشید محمودؔ

۴۶۔ عثمان ناعمؔ

۴۷۔ نسیم سحرؔ

۴۸۔ آفتابؔ کریمی

۴۹۔ حسنؔ رضوی

۵۰۔ حسنؔ اکبر کمال

۵۱۔ منیرؔ قصوری

۵۲۔ جعفرؔ بلوچ

۵۳۔حافظ عبدالغفار حافظؔ

۵۴۔قمرؔ وارثی

۵۵۔ یوسف طاہرؔ قریشی

۵۶۔ محمد فیروزؔ شاہ

۵۷۔ اقبالؔ نجمی

۵۸۔ صبیحؔ رحمانی

۵۹۔ عاصمؔ گیلانی

۶۰۔ خواجہؔ عزیز الحسن غوری

۶۱۔ ضیا محمد ضیاؔ

۶۲۔ سید امینؔ گیلانی

۶۳۔ شوکتؔ ہاشمی

۶۴۔ اخترؔ شیرازی

۶۵۔ سید انوارؔ ظہوری

۶۶۔ انوارؔ فیروز پوری

۶۷۔ مقبولؔ احمد قادری

۶۸۔ سید ریاض حسین زیدی

۶۹۔ حکیم شریف احسنؔ

۷۰۔ محمد علی اثرؔ

۷۱۔ علقمہ شبلیؔ

ج۔ جائزہ

پس منظر:

زیرِ نظر باب میں جن شعرائے کرام کی حمد و مناجات گوئی کا جائزہ پیش کیا جا رہا ہے۔ اگرچہ وہ عصرِ حاضر ہی سے تعلق رکھتے ہیں مگر ان کی خدمات کو الگ باب میں پیش کرنے کی چند وجوہات ہیں جن کا ذکر یہاں ازبس ضروری ہے۔

۱۔ سب سے پہلی وجہ تو یہ ہے کہ بابِ ششم میں مذکور تمام شعرا بنیادی طور پر نعت گو ہیں۔ اس لیے ان کو علیحدہ سے بیان کرنا ضروری تھا۔

۲۔ دوسرے یہ کہ ایک عام شاعر اپنے شعری مجموعے یا دیوان کا آغاز کرنے کے لیے کسی حمد کو نقش اوّل

دینے کا پابند نہیں ہے اور اس کی بہت سی مثالیں ہمارے سامنے ہیں مثلاً احمد فرازؔ کی کلیات ''شہر سخن آراستہ ہے'' یا حبیبؔ جالب کی کلیات کا آغاز حمد سے نہیں ہے اور اس کے برعکس ایک نعت گو کے نعتیہ مجموعے کا آغاز حمد سے نہ ہو۔ ایسا ہونا ناممکن ہے۔

۳۔ اردو شاعری کی روایت کا مطالعہ کرتے ہوئے جس قدر حمدیہ شاعری کا ضخیم سرمایہ و ذخیرہ نعت گویان کے یہاں نظر آیا۔ اس کے پیش نظر ان کا الگ سے ذکر بصراحت کرنا ضروری ہے۔

۴۔ نعت گو شعرا نے صرف روایات کی پاسداری میں تکلفا ایک آدھ حمد ہی آغاز میں شامل نہیں کی ۔ بلکہ ان کا اخلاص اور محبتِ خداوندی ان کی حمدیہ شاعری کے ایک ایک شعر سے پھوٹتا ہے۔

۵۔ سب سے آخری اور اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ حکم خداوندی قل ان کنتم تحبون اللّٰہ.........الخ کے بموجب ایک نعت گو، اگرچہ نعتِ محمدؐ کہتا ہے مگر درحقیقت یہ بھی 'نعت احدٗ' کے مترادف ہے۔ بقول لالہ صحرائی:

تعریف گر بیاں ہو خدا کے رسولؐ کی
اسلوب اک ہے یہ بھی خدا ہی کی حمد کا

۱۔راجه عبداللّٰه نیاز(۱۸۹۵ء......۱۹۷۳ء) لیّہ سے تعلق رکھنے والے اہم شاعر اور ادیب تھے۔'' یہ ہیں کارنامہ رسول خدا کے'' ان کا طویل نعتیہ ترجیع بند ہے۔ روزنامہ'' زمیندار'' میں ان کی شعری اور نثری تخلیقات شائع ہوتی رہیں۔ ڈاکٹر خواجہ محمد زکریا کے بقول:

> ''نیازؔ صاحب ہماری اسی شعری روایت کے تابندہ ستارے ہیں جس سے حالیؔ، شبلیؔ، اکبرؔ، اقبالؔ اور ظفرؔ علی خاں تعلق رکھتے ہیں......نیازؔ نے بڑی تعداد میں حمدیہ اور نعتیہ نظمیں لکھے ہیں...... ان کی بیشتر نظمیں مجموعی طور پر سادگی کا تاثر رکھتی ہیں۔''۱؎

''رازِ حسن'' کے عنوان سے نظم میں ذات برحق کی تلاش میں مگن، اس کے راز داروں کی وفا کو سراہتے ہوئے کہتے ہیں:

نور زادوں نے تجھ کو ڈھونڈا ہے
خاک چھانی ہے خاک ساروں نے
ذکر چھیڑا ہے بارہا تیرا

میں نے تاروں سے مجھ سے تاروں نے
داغِ حسرت دکھا کے کچھ نہ کہا
چاند نے اور لالہ زاروں نے
ہنس پڑے پھول اور رہے خاموش
پردہ داری ہی کی بہاروں نے
راز تیرا کہیں نہ فاش کیا
آج تک تیرے راز داروں نے

اللہ تعالیٰ کی رحمت و مغفرت کے متعلق ان کی درج ذیل نکتہ آفرینی کی بلاشبہ اردو شاعری میں کوئی مثال ہی نہیں ملتی۔ کہتے ہیں:

اتنا نہ ڈرا تذکرۂ حشر سے اے شیخ
عاصی بھی ہوں اور معتقدِ روزِ جزا بھی
بندوں کی نگاہوں میں وہ دن عید کا ہو گا
جب پردہ اٹھا کر نظر آئے گا خدا بھی
باور نہیں آتا مجھے وہ صاحبِ الطاف
پہلی ہی ملاقات میں ہوجائے خفا بھی ۳؎

اقبالؔ کی طرح خدا سے دلائل و براہین کے ساتھ شکوہ کرتے ہیں۔'نالۂ انسان' کے عنوان سے مخمس ترجیح بند میں کہتے ہیں۔

زہاد آسماں کی نظر میں برا ہوں میں　　محسود نور و نار ہمیشہ رہا ہوں میں
ناری نے صاف کہہ بھی دیا تھا کہ کیا ہوں میں　　اک مشتِ خاکِ تیرہ فقط اے خدا ہوں میں
اس پر بھی آہ! رائے نہ بدلی جناب کی
انسان بنا کے کیوں مری مٹی خراب کی ۴؎

درحقیقت ان کا شکوہ بھرا شعری انداز بھی حمد ہی کی ایک صورت ہے۔ پروفیسر جعفر بلوچ نے ''صبحِ سخن'' کے عنوان سے نیاز صاحب کا کلام بڑی عرق ریزی سے جمع کر کے مرتب کیا تھا جو ۱۹۹۳ء میں منظر عام پر آیا۔ اس مجموعے میں نیازؔ صاحب کی سات حمدیں شامل ہیں۔''نگارندۂ فطرت'' کے عنوان سے نیازؔ صاحب کہتے ہیں کہ اگرچہ خدا کو تلاشنا مشکل امر ہے مگر اس کی شان آئینہ دل میں جھلکتی ہے۔ کہتے ہیں:

دیکھا نہیں آنکھوں سے کبھی جس کو کسی نے
آئینۂ ہر دل میں ہے تصویر اسی کی
پردے میں ہے ہر چند نگارندۂ فطرت
پردے پہ بہت شوخ ہے تحریر اُسی کی ۵ ؎

۲۔عبدالکریم ثمر(۱۹۰۸ء پ) کا شمار اردو کے ان گنے چُنے نعت نگاروں میں ہوتا ہے جنھوں نے اپنی شعری صلاحیتوں کو مدحتِ رسولؐ کے لیے وقف کر دیا۔ ان کے کلام میں جذبۂ عشق کی سرمستی ووارفتگی پائی جاتی ہے۔نمونۂ حمد و دعا ملاحظہ ہو:

فلک بھی ہے تیرا، ستارے ہیں تیرے
یہ صبح و مسا کے نظارے ہیں تیرے
یہ شبنم، یہ صرصر، یہ بادل، یہ بجلی
میں سب جانتا ہوں اشارے ہیں تیرے ۶ ؎

حسن و خاشاک تمنا کو گل تر کر دے
شبنمیں رات کو ہم گوشۂ خاور کر دے
خانۂ دل کا اندھیرا نہیں دیکھا جاتا
اب تو کاشانۂ ظلمات منور کر دے

۳۔آغا صادق(۱۹۰۹ء......۱۹۷۷ء)آغا صادق ایک جامع العلوم شخصیت تھے۔ انھوں نے مختلف علمی و ادبی موضوعات پر لکھا۔ نثر میں بھی، نظم میں بھی۔ وہ علم عروض کے بھی ماہر تھے اور اس سلسلے میں ان کی کتاب ’جوہرِ عروض‘ معروف ہے۔ ان کے شعری مجموعوں میں شاخِ طوبیٰ(فارسی کلام) نوا(پہلا مجموعہ کلام اردو) ’’صبح صادق‘‘، ’’رنگ و بوُ‘‘ اور’’چشمۂ کوثر‘‘ ہے۔

’چشمہ کوثر‘ حمد و نعت کے علاوہ منقبت و سلام اور رثائی منظومات پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب ۱۳۹۳ھ میں پہلی بار اسلامیہ پریس کوئٹہ سے چھپی۔ حفیظ تائب کہتے ہیں:

’’آغا صادق علمِ عروض ،علمِ موسیقی ،علمِ بیان اورتعلیم و تدریس کے ماہر تھے،لیکن ان کے علم و فضل اورمہارتِ فن نے ان کی شاعری کو بوجھل نہیں ہونے دیا بلکہ اس میں ایسی روانی و شگفتگی

پیدا کر دی جسے سخن کی جان کہتے ہیں۔'' ۸؎

آغا صادق کے حمدیہ کلام سے جذبۂ عقیدت کے ساتھ علمیت کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ ان کے شعری اسلوب میں فارسیت بھی نمایاں ہے:

اے کہ تری ذات ہے زندگی بخش وجود
جلوہ گہ دہر ہے تیرے کرم کی نمود
اک روشِ دل بری تذکرۂ برق و طور
اک نظر قاہری قصۂ عاد و ثمود

صنعتِ تضاد کا برمحل استعمال دیکھیے۔

تجھ سے ہے صورت پذیر مصلحتِ اختلاف
کش مکش خوب وزشت، کیف و کمِ ہست وبود

مراعات النظیر نے بھی حمدیہ شاعری کی دلکشی میں خاطر خواہ اضافہ کیا ہے۔

شاخ میں تجھ سے لچک، سبزے میں تجھ سے لہک
پھول میں تجھ سے مہک، مرغ میں تجھ سرود
لالے کا دل داغ داغ، گل کا جگر چاک چاک
رشتۂ جاں تار تار، جامۂ تن پُود پُود

تیرا طلب گار ہے صادقؔ آزادہ رو
چھوڑ کے قیدِ رسوم توڑ کے بندِ قیود ۹؎

'صبحِ صادق' کی نظم بعنوان 'حشر' میں روزِ حشر، مالکِ محشر کو اپنے سامنے پا کر کہتے ہیں:

اب مری آنکھوں کے آگے جلوہ گر ہے نورِ ذات
ہو رہی ہے از سرِ نو آج تجدیدِ حیات
ہے براہِ راست کیسی برقِ خاطف جلوہ پاش
بارشِ انوار میں ڈوبی ہوئی ہے کائنات

اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے خدا کی صفتِ مغفرت کی اس طرح تعریف کرتے ہیں:

گرچہ بحرِ مغفرت تیرا ہے ناپیدا کنار

قابلِ بخشش نہیں ہیں آہ! میری سیئات ۱۰؎

ایک غزل کے حمدیہ اشعار ملاحظہ ہوں، جن میں آیاتِ الٰہی سے استمداد لی گئی ہے:

پردے پردے میں تجلّی ہے عیاں میرے لیے
ذرّہ ذرّہ ہے نشانِ بے نشاں میرے لیے
فانیوں سے ذاتِ باقی تک رسائی ہو گئی
لا احب الافلین ہے نردباں میرے لیے ۱۱؎

'لااحب الافلین' کا اشارہ واقعۂ ابراہیم کی طرف ہے۔قرآن پاک میں ہے:

فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَاٰكَوْكَبًاقَالَ هٰذَارَبِّيْ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآاُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ (۶/۷۶)

ترجمہ: سو جب اس پر رات نے اندھیرا کیا تو اس نے ایک تارا دیکھا کہا کہ یہ میرا رب ہے، پھر جب وہ چھپ گیا تو کہا کہ چھپنے والے مجھے پسند نہیں آتے۔

آغا صادق کے یہاں حمدیہ اشعار میں شکوہ و شکایت بھی ملتی ہے اور وہ اس میں شوخی کا پیرایہ لئے ہوئے ہیں:

ظالم و جاہل کے سر پہ بارِ عشق
آپ نے انصاف بھی اچھا کیا
آپ کا شکوہ کسی سے کیا کریں
آپ نے جو بھی کیا اچھا کیا
آج تک یہ میرے سر احسان ہے
اپنی صورت پر تجھے پیدا کیا ۱۲؎

شاعر نے مندرجہ بالا اشعار میں آیات قرآنی سے مدد لیتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے شکوے کے فضا مرتب کی ہے۔آیات قرآنی درج ذیل ہیں:

۱۔ترجمہ: ہم نے امانت (یعنی ذمہ داری) کا بار آسمانوں اور زمین اور پہاڑوں کو پیش کیا، سو انھوں نے اس کے اٹھانے سے انکار کر دیا اور اس سے ڈر گئے اور انسان نے اس کو اٹھا لیا۔ وہ یقینا ظالم اور جاہل تھا۔ (۳۳/۷۲)

۲۔ اللہ تعالیٰ کی وہ فطرت جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا۔(۳۰:۲۱)

آغا صادق کا اردو کا مجموعۂ کلام ''نوا'' ۱۹۳۰ء سے ۱۹۳۵ء تک کے کلام پر محیط ہے۔'حصہ نظم' میں ایک نظم بعنوان ''وہ نہ ہوتا تو ہم نہ ہوتے'' حمد یہ نظم ہے۔عنوان کے انتخاب میں وہ غالبؔ سے متاثر لگتے ہیں۔ مذکورہ حمد مسدس ترجیع بند کی ہیئت میں لکھی گئی ہے۔ٹیپ کا شعر یہ ہے:

تمام قدرت کے یہ مظاہر ہمیں اُسی کی قسم نہ ہوتے
ہمارا ہونا دلیل اس کی ہے، وہ نہ ہوتا تو ہم نہ ہوتے

وجودِ الٰہی کے اثبات کے لیے آغا صادقؔ درجنوں دلکش مثالیں پیش کرتے ہیں۔ ذیل میں صرف ایک اقتباسِ شعری درج کیا جاتا ہے:

یہ چاند پر یہ کمال ہوتا، نہ چاند پر یہ زوال ہوتا
نہ رات دن کا نظام ہوتا، نہ ماہ ہوتا نہ سال ہوتا
نہ مہ جبینوں میں جلوہ افروز اُس کا حسن و جمال ہوتا
نہ حُسن نظارّہ سوز ہوتا، نہ عشق آشفتہ حال ہوتا

تمام قدرت کے یہ مظاہر ہمیں اسی کی قسم نہ ہوتے
ہمارا ہونا دلیل اس کی ہے وہ نہ ہوتا تو ہم نہ ہوتے ۱۳؎

حصہ غزل میں 'مفردات' کے عنوان سے مفرد اشعار میں بھی حمد کی دلکش مثالیں ملتی ہیں۔ بالخصوص توکل علی اللہ کے مفہوم پر مبنی یہ شعر دیکھیے کتنے دلکش انداز میں نصیحت کرتے ہیں:

مصیبت میں نہ ہو ہرگز رہینِ منتِ اعدا
خدا کے آسرے پر رہ جو ہوتا ہے وہی ہوگا ۱۴؎

۴۔حافظ مظہر الدین(۱۹۱۳ء......۱۹۸۱ء) کا نعتیہ مجموعہ''جلوہ گاہ'' ۱۹۷۵ء میں شائع ہوا۔ احسان دانش نے دیباچہ رقم کیا۔کلام معنوی ولفظی دونوں خوبیوں سے مرصع ہے۔کہتے ہیں:

اے ہرکار ساز! رب کریم
اے خطا پوش! اے غفور و رحیم
میرے لیل و نہال کر تبدیل
کھول دے اپنی رحمتوں کی سبیل

طبع کو بحر کی روانی دے
عشق کو عمر جاودانی دے

تیزی سے گزرتی ہوئی عمر کے باعث کہیں وہ رحمت و انعامات الٰہی سے محروم نہ رہ جائیں اس لئے ڈرتے ہوئے کہتے ہیں۔

دن ڈھلا، عمر گزری ، شام ہوئی
زیست کی داستاں تمام ہوئی
کتنے اب زندگی کے ہیں ایام
بے ضیا رہ نہ جائے میری شام

اللہ تعالیٰ کو دعوت دیتے ہوئے کہتے ہیں:

برسرِ شام جلوہ باری کر
آ! محبت کی پاسداری کر
کیا ہے یہ بحثِ فانی و باقی
میں ہوں بادہ گسار تو ساقی
میں ہوں تیرے چناں کی تخلیق
تو ہے روزِ ازل سے مجھ پہ شفیق
میرے عصیاں سے در گزر فرما
دیکھ حال زبوں ، نظر فرما ۱۵؎

۵۔ راسخ عرفانی(۱۹۱۴ء......۱۹۹۰ء) کئی شعری مجموعوں کے خالق ہیں اور قادر الکلام اور نادر الکلام بھی ہیں۔ بقول ڈاکٹر سید عبداللہ ''دیدۂ و دل کی شاعری کرنے والے بہت ہیں مگر اب کچھ لوگ دین و دل دونوں کا غم کھانے والے بھی نکل آئے ہیں اور ان میں جس شاعر نے شعورِ دینی کو حسنِ زندگی میں احسن طریق سے ڈھالا ہے وہ راسخ عرفانی ہے اور اس معاملے میں وہ اپنی نظیر آپ ہے'' ۱۶؎ ان کے کلام سے حمد کی مثال ملاحظہ ہو:

ابرِرواں ہے دشت دشت موجِ ہوا ڈگر ڈگر
تیرے کرم کا سائباں سرپہ رہا سفر سفر
منزلِ کوہِ زیست کی سہل ہوئیں مسافتیں

نام جونہی لیا ترا موم ہوا حجر حجر
ذکر و بیاں کے سلسلے خاک سے اوجِ عرش تک
حمد تری افق افق لحنِ اذاں نگر نگر

حمد میں مدحت رسول اور ساتھ ہی مناجات کا رنگ ملاحظہ ہو:

یارب میں خستہ پا ہوں رمِ اشتیاق دے
رفعت کے راہرو کو مزاجِ براق دے
کھویا رہوں خیال محمدؐ میں روز و شب
جو وصل سے حسین ہو ایسا فراق دے

حمد میں سیرتِ رسولؐ کی جھلک اور دعا بھی دیکھیے:

مجھ پر بھی عکس کچھ پڑے خوئے رسولؐ کا
نکہت بھری زبان ، شگفتہ مذاق دے ۱۸؎

۶۔شاہ انصار الٰہ آبادی(۱۹۱۴ء......۲۰۰۴ء) سید انصار حسین کے سولہ مجموعہ ہائے حمد و نعت و مناقب شائع ہوئے۔ جن میں سے چند یہ ہیں ھل اتی، سبحٰن الذی، اشکِ تبسم، سراج السالکین، مرقۂ محبوبیت، مرقع غوثیہ، صبغۃ اللہ، کلام لا کلام وغیرہ۔

شاہ صاحب قادر الکلام اور زود گو شاعر تھے، ان کی منفرد شاعرانہ عظمت کا اعتراف، ان کے ہم عصر اور بزرگ شعرا نے بھی کیا ہے۔ ان کے اسلوبِ بیان میں بے حد پختگی ہے۔لفظوں کا دروبست شعری لوازم کی خوبیوں کے ساتھ مستحکم ہے۔ ان کا حمدیہ کلام دل و دماغ کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔ ان کا نمونۂ حمد ملاحظہ ہو:

انسان سے حق، حق کا ادا ہو نہیں سکتا
جو ذہن میں آجائے، خدا ہو نہیں سکتا
ایماں کی تو یہ ہے کہ اگر مانگنا آئے
کیا کچھ در مولا سے عطا ہو نہیں سکتا
وہ، وہ ہے کہ مختار بنایا ہے کچھ ایسا
انساں بجز اللہ کے کیا ہو نہیں سکتا
واللہ وہ کونین کی ہر شے سے جدا ہے
اور پھر بھی کسی سے وہ جدا ہو نہیں سکتا ۱۹؎

۷۔احمد ندیم قاسمی (۱۹۱۶ء......۲۰۰۶ء)احمد شاہ نام، ندیم تخلص ، ولادت موضع انگہ تحصیل خوشاب ضلع سرگودھا ، بہاولپور سے تعلیم حاصل کی۔ متفرق معمولی ملازمتیں کیں۔ پھر صحافت سے وابستہ ہوئے۔ قیام پاکستان کے بعد روزنامہ'امروز' لاہور کے مدیر رہے بعد ازاں اپنا ادبی مجلّہ' فنون' جاری کیا جو ان کی وفات ۲۰۰۶ء تک شائع ہوتا رہا۔ متعدد شعری مجموعے مثلاً ''دھڑکنیں''، ''جلال و جمال''، ''دوام''،'' شعلہ گل''،'' دشتِ وفا'' اور محیط وغیرہ شائع ہو چکے ہیں۔ مجموعۂ نعت''جمال''۱۹۹۲ء میں شائع ہوا۔احمد ندیم قاسمی، ترقی پسندانہ نظریات کے پرچارک تھے۔ ان کی شاعری میں عصرِ حاضر کے مسائل، مجبور انسانیت کے درود آلام اور آفاقی موضوعات کا اظہار دلنشین پیرائے میں ہوا ہے۔ ان کی حمد و مناجات بھی انھی خصوصیات کی حامل ہے۔ ان کی حمد میں متصوفانہ رنگ دیکھیے۔

میں تیرا فن ہوں ، یہی فن ترا غرور ہوا
تری انا کا مری ذات سے ظہور ہوا
ترے وجود کو وحدت ملی تو مجھ سے ملی
تو صرف ایک ہوا، جب میں تجھ سے دور ہوا
بس ایک حادثۂ کُن سے یہ جُدائی ہوئی
میں ریگِ دشت ہوا، تو فرازِ طور ہوا ۲۰؎

مذکورہ حمدیہ اشعار پر غالبؔ کے اس شعر کے اثرات صاف دکھائی دیتے ہیں:

نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا
ڈبویا مجھ کو ہونے نے، نہ ہوتا تو میں کیا ہوتا

قاسمیؔ صاحب کے ہاں حمد میں شکوہ کا انداز بھی ملتا ہے۔مگر اس شکوے سے بھی ان کی خدا سے بے پناہ محبت جھلکتی ہے۔''خدا سے ایک سوال'' میں کہتے ہیں:

تمام عمر کسی کو زہ گر کے چاک پہ ہم
بگڑتے بنتے رہے، صورتیں بدلتے رہے
تمام عمر سرِ راہ انتظارِ جمال
چراغِ عشق بنے، تیرگی میں جلتے رہے

تمازتوں سے جگر بھُن گئے مگر ہم لوگ
سروں پہ برف کے تودے اٹھائے چلتے رہے
تمام عمر محبت کا احترام کیا
تمام عمر بہشتوں سے ہم نکلتے رہے
الٰہی یہ تیری حکمت بھی تیرا راز بھی ہے
مجھے بس اتنا بتا، اس کا کچھ جواز بھی ہے؟ ۲۱؎

آزاد نظم ''اے خدا'' بھی ان کی خدا سے محبت اور قربت کی شدید خواہش کی آئینہ دار ہے۔ کہتے ہیں:

اے خدا!!
میری دعا ہے
کہ میں جب تجھ کو پکاروں
تو مری رات کے ماتھے پہ
ترے نام کا سورج
دہکے......
اے خدا!
میری دعا ہے
کہ تو افلاک سے اک بار
بس اک بار اتر کر
مرے صحراؤں پر
اوس میں بھیگے ہوئے سبزۂ نورستہ کی مانند
مری حد نظر تک
لہکے! ۲۲؎

اللہ تعالیٰ سے ایک اور مقام پر اپنی مغفرت کی دعا کرتے ہوئے مخلوق خدا سے اپنی محبت کا اس طرح واسطہ دیتے ہیں:

داورِ حشر مجھے تیری قسم
عمر بھر میں نے عبادت کی ہے
تو مرا نامۂ اعمال نہ دیکھ
میں نے انساں سے محبت کی ہے ۲۳؎

۸۔محشر رسول نگری(۱۹۱۶ء...... ۱۹۸۴ء)''فخرِ کونین'' محشر رسول نگری کا طویل مسدس ہے۔ جس میں آنحضرتؐ کی حیاتِ مبارکہ اور سیرتِ مقدمہ کو نظم کیا گیا ہے۔ اس میں جزئیات، استناد کے ساتھ مرقوم ہیں۔ اتنی طویل نظم میں سادگی زبان، روانی و سلاست اور کلام کے تمام محاسن موجود ہیں۔ جا بجا نعت کے ساتھ حمد کے دُرہائے ثمین بکھرے ہوئے نظر آتے ہیں۔ مثلاً ''بعثتِ محمدیؐ کا مقصد'' کے عنوان سے لکھتے ہیں:

ہے بعثتِ نبیؐ کا یہ مقصود و منتہا ہو ختم اقتدار خدایانِ ماسوا
طاعت کا بندگی کا، سزاوار ہے خدا مسجودِ انس و جاں ہے فقط ذات کبریا
فکر و عمل پہ ہو وہی فرماں روا فقط
مقصودِ زندگی ہو اسی کی رضا فقط

انساں کرے نہ شرک خدا کی صفات میں حاکم ہے کون اس کے سوا کائنات میں
قہرِ خدا ہے اہلِ زمانہ کی گھات میں انسان کی نجات ہے توحیدِ ذات میں
شاہ و گدا کا مالک و مولا وہی تو ہے
ہر بیکس و غریب کا ملجا وہی تو ہے ۲۴؎

ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ کی حاجت روائی کا اقرار اس طرح کرتے ہیں:

روئے زمیں پہ دوسرا حاجت روا ہے کون؟
وہ چارہ گر نہیں ہے تو مشکل کشا ہے کون؟ ۲۵؎

۹۔نعیم صدیقی(۱۹۱۶ء...... ۲۰۰۲ء)ایک عرصہ ہائے دراز تک جماعت اسلامی اور پھر تحریک اسلامی سے وابستہ رہے۔ اسی سبب ان کی شاعری، مذہبی ہونے کے ساتھ ساتھ تبلیغ کا فریضہ بھی سر انجام دیتی ہے۔ ان کا نعتیہ مجموعہ''نور کی ندیاں رواں''۱۹۸۷ء میں منظرِ عام پر آیا۔معروف ادبی ماہنامہ'سیّارہ' کی بھی ایک عرصے تک ادارت کرتے رہے۔ اپنے حمدیہ کلام میں وجودِ الٰہی کے اثبات میں مظاہرِ عالم سے دلائل و براہین دیتے ہوئے کہتے ہیں:

وہ کوئی ہے جو صبا بن کے سرسراتا ہے
وہ کوئی ہے، جو کلی بن کے مسکراتا ہے
وہ کوئی ہے جو کرن بن کے جھلملاتا ہے

وہ بے نیاز دو عالم بنا رہا ہے مجھے
نجانے کون کہیں سے بلا رہا ہے مجھے

خود انسانی وجود، اپنے تمام تر زعم کے باوجود انتہائی کمزور اور بودا واقع ہوا ہے اور اللہ کی عظمت و بزرگی کا اثبات کرتا ہے۔نعیم صدیقی کہتے ہیں:

یہ زعم تھا کہ لگی کو بجھا بھی سکتا ہوں
ہو بے خودی تو خودی کو بچا بھی سکتا ہوں
میں یاد کر کے کسی کو بھلا بھی سکتا ہوں

وہ ٹوٹتا ہے جو اک ادعا، رہا ہے مجھے
نجانے کون کہیں سے بلا رہا ہے مجھے ۲۶؎

۱۰۔سید نظر زیدی (۱۹۱۷ء......۲۰۰۲ء) کا شمار لاہور کے معروف نعت گو شعرا میں ہوتا ہے۔آپ نے یوں تو ہر صنف میں طبع آزمائی کی مگر فطری طور پر حمد و نعت سے گہرا لگاؤ رکھتے ہیں۔سیرت نگاری پر انھیں قومی ایوارڈ بھی مل چکا ہے۔ان کے حمدیہ کلام میں سوز و گداز اور بے ساختگی و روانی پائی جاتی ہے اور از دل خیزد بردل ریزد کی تفسیر ہے۔

قل ھو اللہ احد کہہ کے تجھے یاد کریں
دل کے ویرانے کو اس طور سے آباد کریں
اے خدا اے مرے مالک مرے رب اور معبود
خاص ہیں تیرے لیے میری دعا میرے سجود ۲۷؎

'دُعا' کے چند اشعار ملاحظہ ہوں۔

یارب نگہِ لطف ہے کم یاب، عطا کر
یہ عالمِ اسباب ہے، اسباب عطا کر
ہے گوہرِ نایاب ندامت کا ہر آنسو

پلکوں کو یہی گوہرِ نایاب عطا کر ۲۸؎

۱۱۔عزیز حاصل پوری(۱۹۱۷ء......۱۹۸۵ء) کے نعتیہ مجموعے جامِ نور، جمال نور اور'صحیفہ نور' کے عنوان سے منظر عام پر آئے۔عزیزؔ حاصل پوری کے یہاں حمد و مناجات متفرق اصناف شعری میں بھی ہے۔ ان کی حمدیہ شاعری روانی، سادگی اور جذبوں کی سچائی کی آمیزش ہے۔کہتے ہیں:

کب کسی کے ذہن میں آتا ہے تو
فہم اور ادراک سے بالا ہے تو
ہے تری تعریف ، رب العالمین
دو جہاں کا پالنے والا ہے تو
تیری تہ کو پا نہیں سکتا کوئی
رحمتوں کا بے کراں دریا ہے تو
کبریائی زیب دیتی ہے تجھے
کبریائی کے لیے زیبا ہے تو ۲۹؎

حمد کہتے ہوئے اسمائے الٰہی اور صفاتِ حسنہ سے اس طرح استمداد طلب کرتے ہوئے ،تحمید الٰہی کرتے ہیں:

تو ہے ربِ کریم، اے غفور الرحیم
اے سمیعٌ علیم، اے **عزیزٌ** حکیم
کوئی تیرے سوا دو جہاں میں نہیں
احکم الحاکمیں، ارحم الراحمیں ۳۰؎

۱۲۔ افسر ماہ پوری(۱۹۱۸ء......۱۹۹۵ء)نظم و غزل کے معروف شاعر نعت کے بھی اچھے شاعر تھے۔ ان کا نعتیہ مجموعہ"طور سے حرا تک" ان کی وفات کے بعد منظرِ عام پر آیا۔ان کی حمدیہ شاعری سے ان کے عقیدۂ توحید پر کاملِ ایمان اور قرآن فہمی کا اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے۔کہتے ہیں:

اے خدائے لم یزل، اے خالق کون و مکاں
اے رفیق زیر دستاں، اے شفیقِ بے کراں
تو حقیقت ہی حقیقت پردۂ کونین میں
ہم فقط وہم و گماں، وہم و گماں، وہم و گماں ۳۱؎

رنگ مناجات ملاحظہ ہو:

الٰہی سہل میری زندگی کے امتحان کردے
زمیں کو گل بداماں آسماں کو مہرباں کر دے
چمن میں جو بھی آتا ہے وہ تنکے نوچ لیتا ہے
خدایا اور اونچی میری شاخِ آشیاں کر دے
تو اپنے فضل سے افسؔر کی حمد و نعت کو مولا
عطا لطفِ زباں کر دے، عطا حسنِ بیاں کر دے
۳۲؎

۱۳۔علیم ناصری(۱۹۱۹ء)علیم ناصری، اردو حمد ونعت گوئی کا اہم نام ہے۔ ان کا مجموعہ ’’طلع البدر علینا‘‘ دوحصوں پرمشتمل ہے۔ ایک حصے میں حمدیہ اشعار ہیں اور دوسرے میں نعتیہ۔علیم ناصری کے حمدیہ کلام کے مطالعے سے ہمیں ان کی وسعتِ مطالعہ بالخصوص قرآن وحدیث کے مفاہیم کے گہرا شعور کا احساس ہوتا ہے۔ ان کی حمدیہ ومناجاتیہ شاعری ان کے قدرتِ کلام کا مظہر ہے۔ وہ عروض پر بھی قدرت رکھتے ہیں۔ ان کی شاعری میں فارسیت بھی ہے اور عربیت بھی۔ وہ قرآنی لفظیات کی بھی تضمین کرتے ہیں۔ مثلاً ذیل کی حمدیہ رباعی ملاحظہ ہو:

اللہ کا ثانی ہے نہ کوئی ہمسر
پیغام یہ لائے ہیں سبھی پیغمبر
مت اس کے سوا کسی کو مشکل میں پکار
’’لاتدعُ مَعَ اللّٰہِ اِلٰھاً آخَر‘‘ ۳۳؎

آخری مصرع سورۃ القصص کی آیت نمبر ۸۸ ہے۔علیم ناصری اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ درحقیقت تحمیدِ خدا بھی اسی کی دین ہے:

اس کے تعلّم نے دیا ہے مجھے
ذوقِ عباداتِ خدائے رحیم
حمدِ خدا ہے جو زباں پر مری
یہ بھی خدا ہی کا ہے لطفِ عمیم
کون کرے اس کے محامد شمار
کون ہے وہ صاحبِ عزمِ صمیم

ہاتھ ہوں شل اور ورق ہو تمام
ختم نہ ہو شرحِ الف لام میم ۳۴؎

علیم ناصری کی حمدیہ شاعری کا ایک بڑا وصف یہ ہے کہ وہ بڑے بڑے فلسفیانہ تصورات الٰہ کو انتہائی سہل انداز میں کہہ ڈالتے ہیں مثلاً:

تو جمیل و جلیل ہے یارب
تیرے اجلال سے جلیل ہوں میں
تیرا ہونا ہی میرا ہونا ہے
تیرے ہونے کی اک دلیل ہوں میں ۳۵؎

مذکورہ بالا قطع میں تیرا ہونا ہی میرا ہونا ہے، بلاغت کی اعلیٰ مثال ہے۔علیم ناصری کی حمد میں کبھی تو قصیدے کا سا جاہ و جلال اور شوکتِ الفاظ جھلکتی ہے۔مثلاً ''موجِ راوی'' کے عنوان سے قصیدۂ حمد ونعت سے مثال ملاحظہ ہو:

زندۂ جاوید ہے ذاتِ خدائے احد
خالقِ ہر دوسرا جان و جہاں آفریں
اس کے مظاہر ہیں سب گردشِ لیل و نہار
وسعتِ ہفت آسماں منطقہ ہائے زمیں
فکر و نظر سے ورا اس کی حدِ سلطنت
وہ ''علی العرش استوا'' ربِّ ہمہ عالمیں ۳۶؎

اورکبھی اسلوب میں بلا کی روانی اور سلاست بھی دکھائی دیتی ہے۔جس سے حمد کی تاثیر میں اضافہ ہوتا ہے۔مثلاً

در ترا وہ درِ اجابت ہے
جس سے ہر اک مراد ملتی ہے
کوئی بھی دل ٹٹول کر دیکھیں
اس میں تیری ہی یاد ملتی ہے ۳۷؎

ان کی حمدیہ شاعری توحیدِ خالص کے زریں نکات سے مزین ہے۔ وہ توکل، قناعت، صبرو رضا اورشکر

نعمت جیسے مضامین کو جا بجا اپنی حمدیہ شاعری میں جگہ دیتے ہیں مثلاً

نہیں اس دل کے اندر خوفِ باطل
ہو جس میں جا گزیں الحمد اللہ
درِ اغیار پر مجھ ناتواں کی
نہیں جھکتی جبیں الحمد اللہ ۳۸؎

بلالؓ جلتے رہے ریت پر خموشی سے
اگر کہا تو کہا لا الٰہ الا اللہ ۳۹؎

جینا تری خاطر، مرا مرنا تری خاطر
یعنی یہ بقا اور فنا تیرے لیے ہے ۴۰؎

ڈاکٹر وحید قریشی نے بجا طور پر فرمایا ہے کہ:

''انھوں نے جو کچھ کہا ہے، دل سے کہا ہے اور دل کی آواز نے ان کی شاعری میں ایک نیا آہنگ شامل کر دیا ہے۔'' ۴۱؎

۱۴۔ حنیف اسعدی، حنیف احمد (۱۹۱۹ء پ) کا شمار پاکستان کے ممتاز نعت گویان میں ہوتا ہے۔ ان کے دو نعتیہ مجموعے ''خیر الانام'' اور ''آپؐ'' شائع ہوئے۔ ان کی حمدیہ شاعری میں جذبات کا والہانہ پن بے ساختگی اور اسلوب کی روانی دامن دل کو اپنی جانب کھینچتی ہے۔ کہتے ہیں:

روح میں تن میں رگ و پے میں اتاروں تجھ کو
اور پھر دل کی صدا بن کے پکاروں تجھ کو
ذرہ ذرہ تری وسعت کا پتا دیتا ہے
ہر بنِ مو میں زباں ہو تو پکاروں تجھ کو
تیرے مظہر ہیں مری ذات کے زنداں میں اسیر
خود کو پامال کروں اور ابھاروں تجھ کو ۴۳؎

۱۵۔ **اعظم** چشتی (۱۹۲۱ء...... ۱۹۹۳ء) ایک خوش الحان نعت خواں تھے۔ ان کے دو نعتیہ مجموعے ''نیرِ اعظم'' اور ''غذائے روح'' شائع ہو چکے ہیں۔ ان کی حمد میں عاشقانہ بلکہ قلندرانہ رنگ کی جھلک ملتی ہے۔ اسلوبِ حمد کلاسیکی اور جدید رنگ کا امتزاج ہے۔ کہتے ہیں:

اے خدائے جمال و زیبائی
خوب ہے تیری عالم آرائی
تو کہاں ہے، کہاں نہیں ہے تو
محوِ حیرت ہے تابِ گویائی
سب میں موجود اور سب سے جدا
کون سمجھے یہ رازِ تنہائی
پارہ پارہ قبائے استدلال
ریزہ ریزہ ہے دامِ جویائی ۴۳؎

۱۶۔ ذوقی مظفر نگری (۱۹۲۱ء پ) کا حمدیہ و نعتیہ مجموعہ ''وسیم فردوس'' ۱۹۸۹ء میں شائع ہوا۔ پیش لفظ ڈاکٹر جمیل جالبی نے تحریر کیا۔ کہتے ہیں:

''اظہار عشق کے لیے ذوقی صاحب نے زبان و بیان کا جو پیرایہ اختیار کیا ہے اس سے ان کے کلام میں ایک ایسا کیف پیدا ہو گیا ہے کہ اشعار دل میں اتر جاتے ہیں۔'' ۴۴؎

مسدس کی ہیئت میں لکھی گئی حمد کا ایک شعری اقتباس ملاحظہ ہو۔

تو ہے لاریب رب ہر دو جہاں — تجھ سے ہر سمت زندگی ہے رواں
تیرا مظہر ظہورِ کون و مکاں — تیرے جلووں سے رونقیں ہر سو
مالک الملکِ لا شریک بہٗ
وحدہ لا الہٰ الا ھو ۴۵؎

۱۷۔ سرور بجنوری (۱۹۲۱ء...... ۱۹۸۴ء) کی ''حمد و نعت بچوں کے لیے'' ۱۴۰۱ھ میں شائع ہوئی۔ بچوں کے لیے سہل اسلوب میں اور ناصحانہ پیرایے میں حمد لکھتے ہیں:

شان یارب تری نرالی ہے
مرتبہ تیرا سب سے عالی ہے
داغ بیل اس کی تونے ڈالی ہے
تو ہی باغِ جہاں کا مالی ہے
تیرا جلوہ کہاں نہیں موجود
کون سی چیز اس سے خالی ہے ۴۶؎

'دعا' کا انداز ملاحظہ ہو:

الٰہی مجھے نیک اطوار کر دے
سمجھ دار، ہشیار، بیدار کر دے
محبت مروّت رہے میرا شیوہ
تکبّر، حقارت سے بیزار کر دے
بھلائی کی جانب بڑھوں دوڑ کر میں
قدم کو مرے برق رفتار کر دے ۴۷؎

۱۸۔عارف، عبدالمتین(۱۹۲۳ء پ......۲۰۰۰ء) دورِ جدید کے شاعر، جدید اسلوب میں حمد و مناجات کہتے ہیں۔ ان کے نعتیہ مجموعے 'بے مثال' سے استفہامیہ ردیف کی حامل ایک حمد کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

مرے خیالوں کو لفظوں میں تولتا ہوہے کون
جو تو نہیں تو بتا مجھ میں بولتا ہے کون
ستارا بن کے چمکتا ہے کون پلکوں پر
تمام غم مرے مٹی میں رولتا ہے کون
میں اپنے رنگوں کے بجھنے سے جب لرزتا ہوں
مرے وجود میں رنگ اپنا گھولتا ہے کون ۴۸؎

۱۹۔ابو الامتیاز ع۔س۔**مسلم** (۱۹۲۵ء پ)عبدالستار نام۔ جالندھر کے ایک غیر معروف گاؤں لوہگڑھ میں پیدا ہوئے۔ والد مسلم لیگ کے سرگرم کا رکن تھے۔ ابتدا ہی سے دینی و مذہبی ماحول ملا۔ ماہنامہ''نیاراہی'' اور اشاعتی ادارہ'' مکتبہ نیاراہی'' کی بنیاد رکھی۔ تصانیف میں ایک ٹہنی کے پھول(افسانے) اوس اور کرنیں (شاعری) 'حمد ونعت، اللہ اور رسول، کاروان حرم، زمزمۂ درود اورزمزمۂ سلام شامل ہیں۔

ڈاکٹر جمیل جالبی'' حمد ونعت'' کے بارے میں لکھتے ہیں:

''حمد ونعت کا یہ مجموعہ ایک اچھے انسان کی اچھی عشقیہ شاعری کا قابل قدرنمونہ ہے۔'' ۴۹؎

ع۔س۔مسلم کی حمدیہ ومناجاتیہ شاعری کئی اعتبار سے انفرادیت کی حامل ہے۔ ان کی حمدیہ شاعری ان کی وارداتِ قلبی کا اظہار ہے۔ ان کا تخلص مسلم بھی بڑا معنی خیز ہے۔ وہ دل و جان سے، اپنے قلب و روح کی

گہرائیوں سے ذاتِ خداوندی کوتسلیم کرتے ہیں اور بے پناہ عشق کرتے ہیں۔ ان کی حمدیہ و مناجاتیہ منظومات پر تاریخ و مقام دونوں درج ہیں۔ ان میں سے اکثر طوافِ کعبہ، وقوفِ عرفات، سعی صفا و مرہ، زیارت روضہ اطہر کی دعاؤں پر مبنی ہیں۔ ان کی مناجاتیہ شاعری بالخصوص جس جامعیت، وسعت، ہم گیری اور حلاوت سے معمور ہے۔ اس کی نظیر کم ہی ملتی ہے۔

مجموعے کا آغاز جس حمد سے ہوتا ہے، وہ مخمس کی ہیئت میں لکھی گئی ہے۔ جس کا ٹیپ کا مصرع ہے:

یااِلٰہُ والْعَفُوُّ واَللطّیف اس حمد میں **مسلم** صاحب نے اسمائے حُسنیٰ کو بنیاد بنایا ہے۔ **مسلم** صاحب کا انتخابِ قوافی قابلِ داد ہے۔ ان کی حمدیہ شاعری ان کے قادر الکلام ہونے پر دال ہے۔ ذیل کی مثال ملاحظہ ہو۔ جس میں تشبیہ بھی ہے اور لطیف کے ساتھ قافیہ بھی منفرد ہے:

تو ہی ملجا، تو ہی ماویٰ، بے گماں
تو ہی ستّار العُیوبِ عاصیاں
ہے دل محزوں کی بس اس میں اماں
اتبّاعِ مصطفیٰؐ مثلِ ردیف
یا اِلٰہُ والْعَفُوُّ والطّیف

مختصر بحر میں لکھی گئی 'رَبّی اشرح لی صدری' کے عنوان سے نظم میں دعا وحمد کو یکجا کر دیتے ہیں:

یا اللہ، یا ذوالاکرام
فضل کا اپنے کر اِنعام

اپنے نور سے صیقل کر
دل کا آئینہ ہے خام
''ربّی اِشرح لی صدری''
بخش مجھے دیں کا افہام ۵۱؎

مکہ مکرمہ میں انھوں نے ''یارَبِ بیت عتیق'' کے عنوان سے نظم لکھی۔ بیتِ عتیق سے سورۃ الحج کی مندرجہ ذیل آیت ذہن میں آتی ہے:

وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ (۲۲/۲۹)

ترجمہ: اور طواف کریں اس قدیم گھر کا

کہتے ہیں:

الٰہی نہیں کوئی تجھ سا شفیق
ہے لاریب تو ربِّ بیتِ عتیق
تو ہی مالکِ ملک و مختار ہے
تو ہی میرا والی ہے تو ہی رفیق
نہیں جانتا اپنا خود حال میں
کہ دل کا سمندر ہے بے حد عمیق ۵۲؎

مذکورہ حمد میں بھی قوافی مشکل ہیں، مگر مسلمؔ اس شاعرانہ مہارات سے انھیں برتتے چلے جاتے ہیں کہ بے اختیار مولانا ظفر علی خان کی قادر الکلامی ذہن میں آتی ہے اور اس لیے بھی کہ مسلمؔ اپنے ذاتی کوائف میں ان سے تاثر پذیری کا اعتراف بھی کرتے ہیں۔

مسلمؔ کی حمدیہ شاعری کا ایک اور وصف یہ ہے کہ وہ عربی، فارسی اور ہندی تینوں اسالیب میں اللہ تعالیٰ سے اپنے عشق کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کے نغماتِ محبت اگرچہ ہندی لے میں ہیں مگر سُر حجازی الاصل ہیں۔ احوالِ دل کو درد مندی سے ظاہر کرنے کے لیے اس سے بہتر انداز اور ہو بھی کیا جا سکتا تھا:

جیون سارا ایسے بیتا، جیسے خواب خیال
خالی دامن، بے مایہ ہوں، بے گُن، بے اعمال

دل کا میداں چٹیل صحرا، سایہ، رُکھ نہ جھاڑ
جلتی دھوپ میں پگ پگ ڈولے بے وسواسی چال
جی اٹھیں یا محیي پھر سے، مُردہ سوچ کے کھیت
من سنگھاسن پر ہو تیرا آج نُزول اجلال
لمبے کھاتے ہیں پاپوں کے، تُو غفار، غفور
بخش دے مجھ کو یا مولا، بن جانچے بن پڑتال ۵۳؎

مسلمؔ کی اتنی دلکش دعاؤں کی داد فقط 'آمین' سے ہی دی جا سکتی ہے۔

۲۰۔ حسرت حسین حسرت(۱۹۲۵ء......۱۹۹۷ء)، اساتذہ فن میں سے تھے۔ بقول پروفیسر حفیظ تائب

''وہ اگلی شرافت اور تہذیب فکر وفن کا اعلیٰ نمونہ تھے۔ دبستانِ احسان دانش کے یہ فردِ فرید حسنِ کردار اور جمال فن کی بے مثال خوبیوں سے آراستہ تھے۔''۵۴؎

حسؔرت کا نعتیہ شعری مجموعہ''سمٰوٰت'' ان کی وفات کے بعد شائع ہوا۔ حسرت کا دل، عشق خدا و رسولؐ سے سرشار تھا۔ ان کی شاعری حمد و مناجات کے دلکش نمونے پیش کرتی ہے۔ مثلاً

دیر تیرا ہے، حرم تیرا، کلیسا تیرا
جستجو ہو تو بہر سمت ہے رستہ تیرا
تیری تخلیق کی وسعت کا کسے ہے ادراک
بزم افلاک میں سورج بھی ہے ذرّہ تیرا
کسی کافر کی ہو کھیتی کہ مسلمان کا چمن
ذرّے ذرّے کے لیے عام ہے دریا تیرا ۵۵؎

ان کی حمد یہ شاعری کے سوتے عشقِ محمدؐ سے پھوٹتے ہیں اس لئے وہ حمد میں بھی نعتیہ مضامین سموتے ہیں۔

وہ لفظِ کن کہ تھا منشائے ذات رب جلیل
اس ارتقا کی محمدؐ پہ ہو گئی تکمیل ۵۶؎
اپنے محبوبؐ کے روضے کی زیارت کے لیے
دیکھیے کب وہ مجھے اذنِ سفر دیتا ہے ۵۷؎

صنعتِ تضاد کا برمحل استعمال ملاحظہ ہو:

بیان ہو نہیں سکتا ہے تیرا وصفِ جمیل
قلیل عمر میں کیسے ہو ختم کارِ طویل

اور ایک دلکش تشبیہ دیکھیے:

نشاں ہے تیرے فقیروں کا عدل و بے باکی
کہ جیسے چاند ہے خود اپنی چاندنی کی دلیل

اِن کی حمد یہ شاعری میں عصرِ حاضر کا درد بھی ہے اس لیے اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہیں:

نہ ان میں سوز ہے باقی نہ جذبۂ ایثار
عطا کر اپنے غلاموں کو ذوقِ اسمٰعیل ۵۸؎

۲۱۔ساحر صدیقی (۱۹۲۶ء۔۱۹۵۹ء) بہت اچھے غزل گو شاعر تھے۔ غزل کے ساتھ ساتھ ساحرؔ نے حمد و نعت بھی کہی ہے اور خوب کہی ہے۔ ان کا نعتیہ مجموعہ ''جامِ حیات'' ان کی وفات کے بعد ارشد قریشی صاحب نے مرتب کیا۔ آغاز حمد یہ قطعے سے ہوتا ہے:

ترا جلوہ اک ایسا راز ہے کونین کے مالک
جو اہلِ دل پہ کُھل کر بھی سراپا راز ہوتا ہے
جہاں ہوش و خرد کی وسعتیں دم توڑ دیتی ہیں
مرے معبود! تیرے نام کا آغاز ہوتا ہے ۵۹؎

''اے رب کعبہ'' کے عنوان سے حمد یہ نظم میں اللہ رب العزت کی بزرگی و برتری کا اعتراف اس طرح کرتے ہیں:

اے ربِ کعبہ، اے رب کعبہ
ہے تو ہی مالک خشک اور تر کا
برگ و شجر اور شمس و قمر کا
حور و ملائک جن و بشر کا
اے رب کعبہ، اے رب کعبہ

حمد کا آخری بند دعائیہ ہے۔ ساحر دعا کرتے ہیں:

تاریکیوں کو نور سحر دے
صحرا کا دامن پھولوں سے بھر دے
ذرّوں کو رشکِ خورشید کر دے
اے ربِ کعبہ، اے ربِ کعبہ ۶۰؎

۲۲۔صابر کاسگنجوی (۱۹۲۶ء پ) صابر کاسگنجوی، ایوب قریشی کے مجموعہ نعت 'قندیل نور' کو بہت پذیرائی نصیب ہوئی اور دو اشاعتیں منظرِ عام پر آئیں۔ ان کی حمد یہ اور دعائیہ شاعری سادگی اور دل سوزی کا

امتزاج ہے۔ کہتے ہیں:

ایمان اور یقین کی دولت نصیب ہو
یارب ہمیں نبیؐ کی محبت نصیب ہو
روزِ حساب حشر کے میدان میں ہمیں
سردار انبیاؑ کی شفاعت نصیب ہو
اے ربِ کائنات دعا لب پہ ہے یہی
ہر لمحہ ہر گھڑی تری رحمت نصیب ہو ۶۱؎

۲۳۔ عبدالعزیز خالد(۱۹۲۷ء پ)عبدالعزیز خالدؔ عہدِ حاضر کے بے مثال اور ممتاز شاعر ہیں۔ قرآن، حدیث، سیر اور تاریخِ اسلام پر ان کی گہری نگاہ ہے۔ وہ کئی زبانوں سے واقف بھی ہیں اور ان زبانوں کے ادبیات و افکار کا بھی گہرا شعور ان کے کلام سے صاف جھلکتا ہے۔ قدیم ادوار اور مذاہب کے اساطیر، قصص اور تلمیحات پر ان کی عمیق نظر ہے۔ ان کی شاعری کے موضوعات میں بہت وسعت ہے اور ان کے کلام میں جا بجا حمدیہ و مناجاتیہ رنگ کے حامل اشعار ملتے ہیں۔ یوں تو عبدالعزیز خالدؔ تصانیفِ کثیرہ کے حامل ہیں۔ جن میں دشتِ شام، دکانِ شیشہ گر، حدیثِ خواب، کفِ دریا، زنجیر رمِ آہو، کلکِ موج، گل نغمہ، مخمنا، فارقلیط، لحنِ حریر، سرودِ رفتہ، برگِ خزاں، مزمور میر مغنی، ماذماذ، عبدہٗ وغیرہ شامل ہیں۔ مگر بالخصوص حمد و مناجات کے حوالے سے ان میں فارقلیط، مخمنا، ممطایا، ماذماذ اور عبدہٗ شامل ہیں۔

فارقلیط ۱۳۸۴ اشعار پر مشتمل ایک طویل نعت ہے، جو شروع سے لے کر آخر تک ایک ہی بحر و ردیف میں لکھی گئی ہے۔ یہ 'سات کتابوں' پر مشتمل ہے۔ پہلی دو کتابوں میں عبدالعزیز خالد نے حضور اکرمؐ کے اوصاف وفضائل کا ذکر، قرآن و حدیث، قدیم کتب اور اساطیر کی روشنی میں کرتے ہیں۔ 'تیسری کتاب' کے ابتدائی ۶۰ ساٹھ اشعار حمدیہ اور مناجاتیہ ہیں۔

خالدؔ، خدا کی ستائش، خدا کے الفاظ میں اس طرح بیان کرتے ہیں کہ احادیث و آیاتِ قرآنی کے ذخائر کو شاعری میں بڑی مہارت سے منظوم کر دیتے ہیں، مثلاً حدیث قدسی ملاحظہ ہو:

كُنْتَ كَنْزاً مخفياً فَاَحْبَبْتُ اَنْ اُعْرِفَ فَخَلَقْتُ الْاَفْلَاکَ

ترجمہ: میں ایک چھپا ہوا خزانہ تھا، میں نے چاہا کہ میں پہچانا جاؤں اس لیے میں نے دنیا

تخلیق کی۔

اور خالدؔ کہتے ہیں:

میں اک کنزِ مخفی تھا خلقت کو میں نے
پئے عرف و تعریف پیدا کیا ہے

اسی طرح یہ آیت ملاحظہ ہو:

وَ لِلّٰہِ یَسۡجُدُ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ طَوۡعًا وَّ کَرۡہًا وَّ ظِلٰلُہُمۡ بِالۡغُدُوِّ وَ الۡاٰصَالِ۝

(۱۵/۱۳)

ترجمہ: جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین پر ہیں ان کے سائے بھی خوشی سے یا جبر سے صبح شام اللہ ہی کو سجدہ کرتے ہیں۔

اور عبدالعزیز خالدؔ فرماتے ہیں:

مجھے سجدہ کرتی ہے طوعاً و کرہاً
ہر اک شے جسے میں نے پیدا کیا ہے ۶۲؎

قرآن کہتا ہے:

مَا تَرٰی فِیۡ خَلۡقِ الرَّحۡمٰنِ مِنۡ تَفٰوُتٍ ؕ فَارۡجِعِ الۡبَصَرَ ۙ ہَلۡ تَرٰی مِنۡ فُطُوۡرٍ۝ (۶۷/۳)

ترجمہ: تو رحمن کی پیدائش میں بے ضابطگی نہیں دیکھتا پھر نظر دوڑا، کہیں کچھ فتور نظر آتا ہے، پھر بار بار نظر کر، وہ آخر تیری طرف ناکام اور تھکی ہوئی لوٹے گی۔

اور عبدالعزیز خالدؔ اسی فرمانِ الٰہی کو یوں جامۂ شعر پہناتے ہیں:

کہیں آفرینش میں اے چشمِ ناظر
فطور و تفاوت نظر آرہا ہے ۶۳؎

آیاتِ قرآنی کو منظوم کرنا، ان کی حمدیہ شاعری کا ایک رخ ہے۔ ان کے کلام میں ایسی اشعار کی بھی کمی نہیں جہاں وہ آیاتِ الٰہی کے ٹکڑوں کو کلام میں تضمین بھی کرتے ہیں۔ اور اس مہارت و قدرت کے ساتھ کہ قاری دنگ رہ جاتا ہے، ذیل میں چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

ھُوَ یَمۡلَأُ الۡاَرۡضَ قِسۡطاً وَّعَدۡلا

گھٹا پر نمی کو وہی لادتا ہے ۶۴؎

یَکِیْدُوْنَ کَیْداً وَکَیْداً اَکِیْدُ
خدا ان سے کم زور و کم حوصلہ ہے؟

وَاُمْلِی لَھُمْ اِنَّ کَیْدِیِ مَتِیْنٌ
خبردار میرا عصا بے صدا ہے

عبدالعزیز خالد، اپنے کلام میں جا بجا اثباتِ الٰہی کے لیے انفس و آفاق سے دلائل بہم پہنچاتے ہیں۔مثلاً کہتے ہیں:

ستاروں پہ مُہریں لگاتا ہے اللہ
سمندر کی لہروں پہ وہ چل رہا ہے

خدا ہی کھلاتا ہے بھوکوں کو روٹی
اور اندھوں کی آنکھیں وہی کھولتا ہے

جو کبڑے ہیں ان کو وہ کرتا ہے سیدھا
لرزتے ہوؤں کو وہی تھامتا ہے ۶۶؎

ایک اور مقام پر کہتے ہیں:

ترازو میں تولا ہے ٹیلوں کو کس نے
ہواؤں کو کس نے مسخر کیا ہے؟

کہاں ہے خدا نیلگوں آسماں میں
کرو رخ جدھر کو ادھر ہی خدا ہے ۶۷؎

مذکورہ بالا شعر کو پڑھتے ہی دھیان اس آیت کی طرف جاتا ہے:

فَاَیْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْہُ اللّٰہِ (۲/۱۱۵)

ترجمہ: تم جس طرف منہ کرو، اُسی طرف اللہ کا منہ ہے۔

عبدالعزیز خالدؔ، تحمیدِ الٰہی میں اسماء وصفاتِ حسنہ سے بھی مدد لیتے ہیں: کہتے ہیں:

بہ اوصافِ عُلیا و اسماء حُسنیٰ

زمانہ سدا اس کا دستاں سرا ہے

وہ حُنّان و مَنّان و ذُوالطَّول وُمعُطی
سزا وارِ حمد و مدیح و ثنا ہے

وہ وہابّ و رزاق و فتاح و باسط
دریچے دل و ذہن کے کھولتا ہے ۶۸؎

حَفِیّ و حافظ و حَنّان وماغ ومَنّان
تری ہی قدرت و تقدیر سے نشورِ رَمِمْ

ہے تو ہی قائم و قیوم و دائم و دیّوم
ہر اسم ہے ترا اسمِ معظّم واعظم ۶۹؎

'مُنحَمَنّا' کا بابِ سُوم حمد ہی سے آغاز ہوتا ہے۔ اس بات میں شاعر اپنا ذاتی احوال شاعرانہ پیرایے میں بیان کرتا ہے اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کرتا ہے اور پھر اس سے مغفرت کا طالب ہوتا ہے۔ سو اشعار سے متجاوز یہ دلکش حمد، خالدؔ صاحب کے تبحر علمی کی آئینہ دار ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں:

ہے تیری ذات سزاوارِ ہر ثنا یارب
کیا ذلیل کو تو نے جلیل کا مَحْرَمْ

اپنا احوال خدا کے حضور بیان کرتے ہوئے، اس طرح آغاز کرتے ہیں:

ہجومِ شوق ہے شاعر ہے اور تنہائی
جگر فگار، نفس سوختہ، مژہ پُرنم
زمانے مجھ پہ لگاتا ہے تہمتِ عشرت
کرے جو بوالہوسوں کا مقاطعہ، ملزم
ہوں عقل دوست مگر دل کے ہاتھوں بے بس ہوں
یہ نا مراد ہے صورت پرست و عبدِ صنم

اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہوئے، قرآنی دعاؤں سے استمداد طلب کرتے ہیں:

ہے بال بال گناہ گار، لَا تُوَاخِذْنِی

ہے مرد افگن و مُؤمن شرابِ تیزِ مَنَم
ہوں گرچہ بے عمل و بے دماغ و بے توفیق
درونِ سینہ دل دردمند می دارم

اور دُعا میں نبی اکرمؐ سے اپنی محبت اور غلامی کا واسطہ دیتے ہیں:

تو میرے نامۂ اعمال کو نہ دیکھ، یہ دیکھ
غلام حلقہ بگوشِ حبیب پاک توام

دعائے نبی اکرمؐ کا پیوند اس طرح اپنی دعا میں لگاتے ہیں:

نہ فقرو قلت و ذلت کے کر حوالے مجھے
اَنَا اَعُوْذُبِکَ مِنْ اَنْ اَظْلِمْ اَوْ اُظْلَمْ ۷۰۔

یہاں ایک امر کی وضاحت بھی ضروری ہے کہ خالدؔ صاحب کی حمد و مناجات میں اگرچہ بڑی کثیر تعداد میں عربی ڈکشن ، فارسیت اور ہندی عناصر کی آمیزش نظر آتی ہے، اور بعض اہلِ ذوق کے نزدیک قابلِ تعریض ہے۔مگر ان کے اس نئے اسلوب اور تجربے سے حمد و مناجات کی فضا میں علوم وفنون، تاریخ وتمدن، تہذیب و معاشرت کے وہ خزانے جمع ہوئے ہیں، جن سے وہ اس سے پہلے تہی دامن تھی۔

اس کے باوصف ان کی حمدیہ شاعری میں ہمیں ایسی مثالیں بھی بکثرت مل جاتی ہیں، جن میں ان کے اسلوب میں کمال کی روانی وسلاست ملتی ہے۔ جو ایک حد تک سہل ممتنع بھی کہلائی جاسکتی ہے۔مثلاً

تو رہتا ہے آنکھوں میں، بستا ہے دل میں
مگر صرف عارف ہی پہچانتا ہے
مرے اشک کرتے ہیں میری شفاعت
مرے جُرم سے عفو تیرا بڑا ہے ۷۱۔

اور خدا ، وجودِ انسانی سے کتنا قریں ہے۔ اس کے حوالے سے بڑی زبردست تشبیہ دیتے ہوئے کہتے ہیں۔

چلے آس کے پیڑ میں جیسے پانی
ہمارے بدن میں یونہی چل رہا ہے ۷۲۔

مذکورہ بالا شعر کو سہلِ ممتنع بھی قرار دیا جا سکتا ہے۔مختصر یہ کہ عبدالعزیز خالدؔ کی حمدیہ ومناجاتیہ شاعری نے اردو کی شعری روایات میں خاطر خواہ علمیت ،حسن بیان اور جدت اسلوب کا اضافہ کیا ہے۔

میرے سخن کا نقطۂ آغاز تیرا نام
میرے ہنر کی منزلِ مقصود تیری ذات ۷۳؎

۲۴۔ڈاکٹر عاصی کرنالی(۱۹۲۷ء پ)معروف نعت گو شاعر، محقق، نقاد اور استاد تھے۔ ان کا کلیات ’’تمام و ناتمام‘‘ کے عنوان سے منظرِ عام پر آیا ہے۔ ۷ شعری اور ۵ نثری تصانیف کے حامل ہیں۔ ان کے نعتیہ مجموعے ’’نعتوں کے گلاب‘‘ پر انھیں صدارتی ایوارڈ سے بھی سرافراز کیا گیا انھوں نے ’’اردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایات کے اثرات‘‘ کے عنوان سے ایک مبسوط مقالہ لکھ کر پی ایچ۔ڈی کی ڈگری حاصل کی۔ عبدالمجید سالک کی ان کی شاعری اور شخصیت کے بارے میں رائے قابلِ غور ہے:

’’عاصیؔ از سرتاپا ایک مسلمان شاعر ہے۔حمد و نعت کو چھوڑ دیجیے۔ باقی کلام بھی اسلام۔ عاصیؔ کے کلام میں عمل انگیز اور حیات افروز خیالات کی افراط ہے۔‘‘ ۷۴؎

عاصی کرنالی کی شاعری میں نعت کے ساتھ ساتھ حمد و مناجات پر بھی ایک وقیع سرمایہ موجود ہے۔حمد ان کے تقریباً ہر شعری مجموعے کی زینت ہے اپنے پہلے شعری مجموعے ’رگِ جاں‘ کا آغاز حمد کے تین اشعار سے کرتے ہیں جن میں فلسفیانہ اور غیر اسلامی تصور الٰہ کی تردید کرتے ہوئے اپنے اسلامی فکر و نظر کی بھی وضاحت کرتے ہیں:

خدا جمُود، بشر ارتقا، معاذ اللہ
خدا جُمود نہیں ہے، کمال ہے اے دوست
خدا کمال بھی ہے، خالقِ کمال بھی ہے
بشر اسیرِ کمال و زوال ہے اے دوست
مرا تو حاصل فکر و نظر یہی کچھ ہے
اب اپنے اپنے یقیں کا سوال ہے اے دوست ۷۵؎

’’توحید‘‘ کے عنوان سے ایک اور نظم میں توحید کی حقیقت وثمرات بیان کرتے ہیں۔ کہتے ہیں:

زخمۂ توحید سے جنبش تارِ حیات
اس سے یقیں کی نمود، اس سے خودی کا ثبات

اس کی تجلّی میں گم، ظلمتِ ذہن و خرد
اس کے تصور سے حل نکتۂ ذات و صفات
موجۂ توحید میں ساری خرافات غرق
ایک خدا کا خیال، لاکھ بُتوں سے نجات ۷۶؎

آخری شعر ہمیں اقبال کے اس شعر کی یاد دلاتا ہے:

یہ ایک سجدہ جسے تو گراں سمجھتا ہے
ہزار سجدے سے دیتا ہے آدمی کو نجات

'مدحت' میں شامل حمد کی ردیف سوالیہ ہے اور ہر شعر میں مدلل و مسکت استفہام، اثبات الٰہی کی دلیل پیش کرتا ہے:

مشتِ گِل کو آدمِ زندہ بنا دیتا ہے کون؟
دل میں احساسات کی شمعیں جلا دیتا ہے کون؟

شاعر کا حسنِ تخیل اور تشبیہاتی انداز ملاحظہ ہو:

ننھی ننھی بوندیوں میں کون بھر دیتا ہے راگ؟
پارہ پارہ ابر کے آنچل اُڑا دیتا ہے کون؟ ۷۷؎

اس مجموعے کی دوسری حمد میں صنعت تکرارِ لفظی نے ان کے حسنِ بیان کو اور بھی دلکش بنا دیا ہے۔

نقش ترافزوں فزوں، نام ترا رواں رواں
مدح تری سخن سخن، وصف ترابیاں بیاں

اور دعا کا انداز دیکھیے:

کام مرا خطا خطا، شان تری عطا عطا
میرے خدا کرم کرم، میرے کریم اماں اماں ۷۸؎

وہ اللہ تعالیٰ کی بے پناہ عطا و بخشش کا ذکر و شکر اپنی حمدوں میں کرتے ہیں اور ساتھ ہی بڑی عاجزی و انکساری کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے استمداد طلب کرتے ہیں۔

مجھے روشنی عطا کر، مجھے آگہی عطا کر
مرے دل کو دل بنا دے، مری جاں کو جاں بنا دے

میں ہوں رزق پستیوں کا، مجھے سرفراز کر دے
میں زمینِ مبتذل ہوں، مجھے آسماں بنا دے
میں غبارِ نیستی ہوں، تو نگاہِ مرحمت سے
مجھے بے پناہ کردے، مجھے بے کراں بنا دے

اللہ تعالیٰ سے عملِ خیر اور اس کی برکات کے بھی سوال ہیں:

جو عمل ہو مجھ سے صادر، تو وہ خیر کا عمل ہو
جو عمل کی برکتیں ہوں، انھیں جاوداں بنا دے ۷۹؎

ان کی دعائیہ شاعری میں عصرِ حاضر کی تلخیوں کی جھلک بھی نظر آتی ہے اور وہ ان سے نجات کے لیے بھی اس کے حضور دعا گو ہیں:

کثرتِ غم میں ذرا سا دکھ، ادھوری سی خوشی
آدمی دوزخ میں ہے، تھوڑی سی جنت بھیج دے
اے خدا بادل ترے قاصد ، ہوا تیری سفیر
تو کسی اچھے سے موسم کی بشارت بھیج دے ۸۰؎

دنیاوی لذات اور عیوب سے بھی دامانِ الٰہی میں پناہ طلب کرتے ہیں اور کہتے ہیں:

جب دل میں حرص زر ہو، قناعت کا عزم دے
جب نفس میں رچے طلب جاہ، فضل کر

اپنے تخلص عاصیؔ سے مقطع میں کسی مہارت شعری سے استفادہ کرتے ہوئے فضلِ الٰہی کے طلبگار ہیں:

عاصیؔ ہوں، معصیت کے سمندر میں غرق ہوں
پھر بھی ہوں ایک بندہ درگاہ ، فضل کر ۸۱؎

۲۵۔شاہد الوری(۱۹۲۳۔۲۰۰۴ء) کی 'سخن در سخن' اور حمد و ثنا(۱۹۸۴ء) حمدیہ و نعتیہ مجموعے ہیں۔ تیرہ حمدیں غزل کی ہیئت میں اور ایک حمدیہ مسدس شامل ہے۔'حمد و ثنا' کی پہلی ہی حمد پر جب نظر پڑتی ہے تو اس کا دعائیہ انداز اور خطابیہ لہجہ پڑھنے والے کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے۔

ہر چیز ہے جلوہ ترا بارِ الٰھا ربّنا
کوئی نہیں ہے دوسرا بارِ الٰھا رَبّنا
ہر ایک چوکھٹ ہے تری، ہر ایک فریادی ترا

ہے صرف تو مشکل کشا بارِ الٰہا ربنا

ہم ہیں سراپا معصیت، تو ہے سراپا مغفرت

ارحم لنا عصیاننا بارِ الٰہا ربنا

ھندی لب و لہجے میں اللہ تعالیٰ کے مختار کل اور قادر مطلق ہونے کی تعریف و تحسین اس طرح کرتے ہیں:

خوب رچائی اپنی لیلا، سیس مُکٹ سنسار کیا

آپ کہے اور آپ سنے ہے، اپنا ذکر اذکار کیا

خوشبو، پانی ، ہوا، اجالا، مٹی، اگنی، روپ سروپ

تونے اپنی ہستی کا بھی کس کس طور اظہار کیا

اَور کی ٹھور نہیں ہے ساجن، کایا مایا تو ہی تو ہے

ہم نے ترے اقرار کے کارن، اپنا بھی انکار کیا ۸۳؎

۲۶۔**شبنم** رومانی، مرزا **عظیم** بیگ چغتائی (۱۹۲۸ء پ) شبنم رومانی، مرزا عظیم بیگ چغتائی (۱۹۲۸ء پ) معروف نثار اور شاعر ہیں۔ ان کا مجموعہ حمد ونعت ومناقب ۱۹۸۴ء کو کراچی سے شائع ہوا۔ان کا حمد رنگ ملاحظہ ہو:

میں ہوں اے پردہ نشیں اور ترے گھر کا طواف

یہ مرا ذوقِ طلب ہے کہ ترا منشا ہے

قدر کی شب سے بھی افضل ہے شب مزدلفہ

جوہری ہے وہی کنکر جو یہاں چنتا ہے ۸۴؎

ایک اور حمد میں قرآنی آیات سے استمداد طلب کرتے ہوئے کہے ہیں۔

جو تو نہ بخشے تو دل چاک چاک ہو جائیں

جو تو نہ رحم کرے، ہم ہلاک ہو جائیں

کیا ہے ظلم بہت ہم نے اپنی جانوں پر

گھٹا کرم کی جو برسے تو پاک ہو جائیں

مذکورہ بالا اشعار میں سورۃ الاعراف میں شامل حضرت آدمؑ کی دعا کا ذکر کیا گیا ہے۔

قَالَ رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۸)o (۲۳/

آخر میں دعا کرتے ہیں کہ:

خدائے عرش! دعا اہل فرش کی ہو قبول
ترے حبیبؐ کے قدموں کی خاک ہو جائیں ۸۵؎

۲۷۔حزیں کاشمیری(۱۹۲۸ء پ) کی انفرادیت شعر یہ ہے کہ انھوں نے سلک ل آلی میں مذہبی عقائد کو شعر کے سانچے میں ڈھالا ہے۔ اور یہ حقیقت ہے کہ ایسے سنجیدہ موضوعات کو شعری جامہ پہنانا نہایت کٹھن ہے مگر حزیںؔ کاشمیری نے کمال مہارت کے ساتھ اسے سرانجام دیا ہے۔آغاز اس حمد سے ہوتا ہے:

گلشن گلشن تیرا چرچا، صحرا صحرا بات تیری
سورج چاند ستارے تیرے، دن تیرا ہے رات تری

صفتِ تضاد کی دلکشی سے آراستہ حمد کا یہ شعر ملاحظہ ہو:

نازک نازک پھول بھی تیرے، تیکھے تیکھے کانٹے بھی
فطرت کو ہر رنگ ملی ہے طرفہ تریں سوغات تری ۸۶؎

عقیدہ اوّل، 'توحید' کی منظوم شرح و بسط اس طرح کرتے ہیں:

احد ہے اس طرح ہستی میں وہ ذات
کہ آ سکتی نہیں گنتی میں وہ ذات

نہیں گنتی کی رو سے نصف اس کا
نہ اک سے دو بنے ایسا ہے یکتا
وہی ارفع ہے، بے ہمتا وہی ہے
صفات و ذات میں تنہا وہی ہے ۸۷؎

۲۸۔صلاح الدین ناصر(۱۹۲۹ء پ) نیو یارک میں رہائش پذیر، دیارِ غیر سے ''عقیدت کے پھول'' نچھاور کر رہے ہیں۔ ان کے مجموعہ ہائے حمد و نعت، 'عقیدت کے پھول'، 'یہ میری عقیدت' اور 'گنبدِ خضرا' ہیں۔پہلی حمد ۱۹۸۹ء میں کہی:

میرے خدا ثنا تیری میرا نصیب ہے
دھڑکن کے مثل تو بھی میرے قریب ہے ۸۸؎

خدائے بزرگ و برتر کی احساس کبریائی سے ان کا قلم، عجز و انکسار کا پیکر بنا ہوا ہے۔ کہتے ہیں۔

اے خدائے انس و جاں ممکن نہیں تیری ثنا
علم ہے محدود میرا، عقل سے تو ماورا
آتش نمرود کو گلزار جب تو نے کیا
تیری قدرت اور وحدت کا ہمیں نکتہ ملا
تو ہے خالق، تو ہے رازق، تو ہے مالک، اے خدا
اور صلاح الدین ناصرؔ کو ہے تیرا آسرا ۸۹؎

۲۹۔ حفیظ تائب (۱۹۳۱ء...... ۲۰۰۴) عبدالحفیظ، حفیظ تائب کے قلمی نام سے مشہور و معروف نعت گو اور حماد ہیں۔ والد صاحب کا نام حاجی چراغ دین قادری سروری آبائی وطن احمد نگر ضلع گوجرانوالہ منہاس ہیں اورزمیندار گھرانے سے تعلق ہے۔ حفیظ تائب اپنے ایک انٹرویو میں کہتے ہیں:

''گھر میں اللہ اور اس کے حبیب پاکؐ کا چرچا رہتا تھا کہ والدین ان کاموں میں دلچسپی لیتے تھے۔ گویا میں نے حمد و نعت سے معمور فضاؤں میں آنکھ کھولی اور اس میں والدہ مرحومہ کی دلچسپی خاص تھی۔'' ۹۰؎

ان کے شعری مجموعوں مین تین اردو نعتیہ شعری مجموعے ''صلوا علیہ وآلہٖ''، ''وسلموا تسلیما''، ''وہی یسین وہی طٰہٰ''، پنجابی شاعری میں ''سک متراں دی''، اور ''لیکھ'' نیز مناقب کا مجموعہ بعنوان مناقب شامل ہے۔ اس کے علاوہ حمد و نعت پر کئی تحقیقی و تنقیدی کتب کے مصنف بھی ہیں۔ آپ کی وفات (۲۰۰۴ء) کے بعد آپ کا کلیات منظر عام پر آیا ہے۔

اردو کی حمدیہ و نعتیہ شاعری میں حفیظ تائب ایک ایسی شخصیت کا نام ہے، جن کا حال اور قال ایک سا تھا ایک سے ظاہر و باطن کے مالک حفیظ تائب کی شخصیت و فن دونوں ایک دوسرے کا عکس و آئینہ تھے۔

حفیظ تائبؔ کی شاعری کا مرکزی نقطہ محبت خدا و نبی اکرمؐ ہے۔ ان کی حمدیہ شاعری کے سوتے اسی محبت سے پھوٹتے ہیں۔ مگر محبت کے تقاضوں سے بھی حفیظ بخوبی واقف ہیں اور ادب و احترام اور حزم و احتیاط کو ہاتھ سے جانے نہیں دیتے۔ وہ صحتِ روایت کا بھی اہتمام کرتے ہیں اور غلو و مبالغہ سے بھی اجتناب کرتے ہیں۔ اسی لیے دعوے سے کہتے ہیں:

دامانِ احتیاط نہ چھوڑا بساط بھر
پاس حدود مجھ کو رہا تیرے فضل سے

مگر فوراً ہی احساسِ لغزش، ان کے قلم کو یہ لکھنے پر مجبور کر دیتا ہے کہ:

لغزش اگر ہوئی ہو کوئی اس کے باوجود
ہوں خواستگار عفوِ خطا تیرے فضل سے ۹۱؎

حفیظ تائبؔ اس کے قائل ہیں کہ حمد کی توفیق بھی اذنِ ایزدی سے ملتی ہے ۔انسان تو اس لائق بھی نہیں ہے کہ اپنی مرضی سے اس کی حمد کر سکے۔ کہتے ہیں:

خدا کے نامِ نامی سے سخن ایجاد کرتا ہوں
کرم یہ بھی ہے اُس کا میں جو اس کو یاد کرتا ہوں ۹۲؎

''کلیات حفیظ تائبؔ'' کا آغاز اس دلکش حمد سے ہوتا ہے:

کس کا نظام راہ نما ہے افق افق
کس کا دوام گونج رہا ہے افق افق

صنعتِ تضاد کی خوبصورتی اس شعر میں ملاحظہ ہو:

شانِ جلال کس کی عیاں ہے جبل جبل
رنگِ جمال کس کا جما ہے افق افق ۹۳؎

حفیظ تائبؔ کی شہرت کی بنیادی وجہ اور اہم حوالہ ان کی نعت گوئی ہے۔ وہ خود بھی کہتے ہیں۔

نعتِ حضرت مری پہچان ہے سبحان اللہ
یہی دنیا، یہی ایمان ہے سبحان اللہ ۹۴؎

'نعت' سے ان کا عشق، حمد میں بھی جا بجا جھلکتا ہے اور وہ حمد کہتے ہوئے بھی نعت کہہ رہے ہوتے ہیں:

کیا یہ خاص کرم اس نے نوعِ انساں پر
بنا دیا جو حبیبؐ اپنا غمگسارِ اناس
حبیب وہ جو محمدؐ بھی ہے تو احمدؐ بھی
سکھا گیا جو خدائی کو حمد و شکر و سپاس ۹۵؎

یارب! ملی مجھے یہ نوا تیرے فضل سے

میں ہوں نبیؐ کا مدح سرا تیرے فضل سے
تیرے حبیبِ پاک کی توصیف اور میں
جو کچھ کیا وہ میں نے کیا تیرے فضل سے ۹۶؎

حمد کرنے میں احمد سا کوئی نہیں
جس کے دم سے ہے گلشن ہرا حمد کا ۹۷؎

حفیظ تائبؔ کی قدرت الکلامی ان کی درج ذیل حمد میں پورے عروج پر نظر آتی ہے۔ نیز حمد میں قصیدے کی سی شان و شکوہ اور عظمت و جلال بھی اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ موجزن ہے:

جو اسمِ ذات ہویدا ہوا سرِ قرطاس
ہوا خیال منور، مہک گیا احساس
اسی کے فکر میں گم سُم ہے کائناتِ وجود
اسی کے ذکر کی صورت ہے نغمۂ انفاس ۹۸؎

وہ آیت قرآنی وَلِلّٰہِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰی فَادْعُوْہُ بِهَا (الاعراف:۱۸۰)

ترجمہ: ’’اللہ اچھے ناموں کا مستحق ہے اس کو اچھے ناموں ہی سے پکارو‘‘

کے بموجب حمد کہتے ہوئے، اسمائے حسنیٰ کو منظوم کرتے ہیں:

یا لطیفؔ، یا خبیر سو بسو ہیں تیرے رنگ
تیرے عکس صبح و شام، یا عزیزُ یا سلام ۹۹؎

حفیظ تائبؔ کا قرآن و حدیث و سیرت کا وسیع مطالعہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ حمد کہتے ہوئے آیاتِ قرآنی کے مفاہیم کو حمد میں نگینوں کی مانند جڑتے تھے۔ ذیل میں چند مثالیں درج کی جاتی ہیں۔

آیات الٰہی کو پڑھیے اور اشعار ملاحظہ کریں:

(i) وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰہِ لَا تُحْصُوْهَا ط (۱۶/۱۸)

ترجمہ: اگر تم اللہ کی نعمتیں شمار کرو تو انھیں گھیر نہ سکو گے۔

اگر ہیں نعمتیں اس کی شمار سے باہر
تو حکمتیں بھی ہیں اس کی ورائے عقل و قیاس

(ii)هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَ اَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ط(۲:۱۸۷)

ترجمہ: وہ (عورتیں) تمہارا لباس ہیں اور تم ان کے لباس ہو۔

بڑھائی اس نے زن و آدمی کی یوں توقیر
انھیں بنایا گیا ایک دوسرے کا لباس

(iii)وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ(۵۰/۱۶)

ترجمہ: اور ہم اس سے اس کی شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہیں۔

اٹھا کے ہاتھ اس کو پکارتا ہوں میں
مقام جس کا ہے میری رگِ حیات کے پاس

(iv) لَاتَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا(۹:۴۰)

ترجمہ: غم نہ کر۔ اللہ یقینا ہمارے ساتھ ہے۔

کوئی قریب سے کہتا ہے میں ہوں تیرے ساتھ
ہجوم غم میں کسی وقت بھی جو دل ہو اداس ۱۰۰؎

(v)رَبُّ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِيلًا(۷۳/۹)

ترجمہ: وہ مشرق ومغرب کا پروردگار ہے۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ پس اس کو وکیل بناؤ۔

وہ رب المشارق، وہ رب المغارب
وہی نور ہے آسمان و زمیں کا
تحیات زیبا اسی کے لیے ہیں
جو فرماں روا ہے یسار ویمیں کا ۱۰۱؎

(vi)رَبَّنَآ اٰتِنَا فِی الدُّنْیَا حَسَنَةً وَّ فِی الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّ قِنَا عَذَابَ النَّار (۲/۲۰۱)

ترجمہ: اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں بھی خوبی دے اور آخرت میں بھی اور ہمیں آگ کے عذاب سے بچالے۔

دعائے سیدؐ سادات سینے میں فروزاں ہے
حسیں کر دے مری دنیا، حسیں تر میری عقبا کر ۱۰۲؎

(vii)اللّٰهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ(۳۹/۶۲)

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَاْنٍ (۵۵/۲۹)

تو خالق ہے ہر شے کا یا حیّ یا قیّوم
ہر پل تیرا رنگ نیا، یا حیّ یا قیّوم

(viii) اللّٰہُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ مَثَلُ نُوْرِہٖ کَمِشْکٰوۃٍ فِیْھَا مِصْبَاحٌ ط اَلْمِصْبَاحُ فِیْ زُجَاجَۃٍ ط اَلزُّجَاجَۃُ کَاَنَّھَا کَوْکَبٌ دُرِّیٌّ یُوْقَدُ مِنْ شَجَرَۃٍ مُبٰرَکَۃٍ زَیْتُوْنَۃٍ لَا شَرْقِیَّۃٍ وَّلَا غَرْبِیَّۃٍ یَکَادُ زَیْتُھَا یُضِیْٓءُ وَلَوْ لَمْ تَمْسَسْہُ نَارٌ ط نُوْرٌ عَلٰی نُوْرٍ (۲/۳۵)

ترجمہ: اللہ آسمان اور زمین کا نور ہے۔ اس نور کی مثال ایسی ہے جیسے طاق جس میں چراغ ہو۔ وہ چراغ شیشے میں ہو۔ شیشہ گویا چمکتا ہوا تارا ہے۔ وہ چراغ اس مبارک درخت زیتون سے جلایا جائے، جو نہ مشرقی ہے نہ مغربی قریب ہے کہ اُس کا تیل روشنی دے، قریب ہے کہ وہ آگ کے نہ چُھونے سے بھی بھڑک اٹھے۔ نور علی النور ہے۔

تو ہے نور ارض و سما یا قادر یا یادی
نور اپنے سے راہ دکھا یا حیّ یا قیوم

نور کہ جیسے طاق کے اندر جلتا ایک چراغ
یا اک تارا ہیرے سا یا حیی یا قیوم ۱۰۳؎

(viii) وَھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الَّیْلَ وَالنَّھَارَ خِلْفَۃً (۲۵/۶۲)

ترجمہ: وہی ہے جس نے رات اور دن کو ایک دوسرے کا جانشین مقرر کیا۔

شب کے بعد دن چڑھے، دن کے بعد رات ہو
خوب ہے ترا نظام، یا عزیز یا سلام ۱۰۴؎

(ix) اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ (۱۳/۲۸)

ترجمہ: ''یاد رکھو اللہ کے ہی ذکر سے دلوں کو سکون ملتا ہے۔

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاہُ وَیَکْشِفُ السُّوْٓءَ (۲۷/۶۲)

ترجمہ: بھلا کون بے قرار کی دعا قبول کرتا ہے، جب وہ اسے پکارتا ہے اور کون برائی کو دور کرتا ہے۔

اسی کے ذکر سے پاتا ہوں اطمینان کی دولت
اس کی آیتوں سے صحنِ جاں آباد کرتا ہوں
وہی زادِ نفس میرا، وہی فریاد رس میرا
میں جب کرتا ہوں، اس کے سامنے فریاد کرتا ہوں
۱۰۵؎

(x)مٰلِکِ یَوْمِ الدِّیْن(۱/۳)

ترجمہ: وہ قیامت کے دن کا مالک ہے۔

اَللّٰہُ الصَّمَدُ ۝ لَمْ یَلِدْ ۝ وَلَمْ یُوْلَدْ (۱۱۲/ ۲،۳)

ترجمہ:اللہ بے نیاز ہے، نہ اس سے کوئی پیدا ہوا نہ وہ کسی سے پیدا ہوا۔

نہ کوئی اسے کے سوا حشر کے دن کا مالک
نہ کوئی اس کے سوا دہر میں مختار اماں
وہ کسی سے بھی نہیں اور نہ کوئی اس سے
اس پہ بھی رکھتا ہے ہر شخص سے وہ رشتۂ جاں ۱۰۶؎

کلام تائب میں تحمیدِ الٰہی کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے تضرع و عاجزی کے ساتھ کی گئی دعائیں بھی جا بجا ملتی ہیں۔

دعا کے معنی پکارنے اور بلانے کے ہیں اور مناجات کے معنی سرگوشی کرنا، کے ہیں۔فرمانِ الٰہی کے مطابق کشائش و انقباض ہر دو حالتوں میں اللہ تعالیٰ سے دعا و مناجات کی جانی چاہیے۔اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اُدْعُوْا رَبَّکُمْ تَضَرُّعًا وَّ خُفْیَۃً (الاعراف:۵۵)

ترجمہ: اپنے رب کو گڑگڑا کر اور چپکے پکارو۔

وَقَالَ رَبُّکُمْ ادْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (المومن:۶۰)

ترجمہ: اور تمہارے رب نے کہا ہے کہ مجھے پکارو میں تمہاری دعا قبول کروں گا۔

حفیظ تائبؔ بھی دعا کو ہتھیار کے طور پر استعمال کرتے ہوئے ، اللہ تعالیٰ سے نعت گوئی کی توفیق مانگتے ہیں اور سلسلۂ نعت گویانِ عربی، فارسی اور اردو کی نعتوں سا جمال،شکوہِ بیان اور قدرتِ زبان طلب کرتے ہیں:

یارب! ثنا میں کعبؓ کی دلکش ادا ملے
فتنوں کی دوپہر میں سکوں کی ردا ملے
جامیؒ کا جذب، لہجۂ قدسیؒ نصیب ہو
سعدیؒ کا صدقہ شعر کو اذنِ بقا ملے
حالیؒ کے درد سے ہو مرا فکر استوار
ادراکِ خاص حضرتِ اقبالؒ کا ملے ۱۰۷؎

تائبؔ، بندہ مومن کی طرح صرف خدا کے سامنے ہاتھ پھیلاتے ہیں اور اسی میں خوشی اور سکون محسوس کرتے ہیں۔ پھر دعا کرتے ہیں:

الٰہی! شاد ہوں میں تیرے آگے ہاتھ پھیلا کر
مری اس کیفیت کو اپنی رحمت سے پذیرا کر
مری بھیگی ہوئی پلکیں مخاطب ہیں تو بس تجھ سے
مری تقدیر کے تاریک غاروں میں اجالا کر

اور اللہ تعالیٰ سے صبغتہ اللہ، طلب کرتے ہیں:

صِبۡغَةَ اللّٰهِ وَ مَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبۡغَةً (۲/۱۳۸)

ترجمہ: رنگوں میں رنگ اللہ کا ہے اور اللہ کے رنگ سے کسی کا رنگ بہتر ہوگا؟

بھٹکتی آنکھ کو مرکوز فرما صبغتہ اللہ پر
دلِ بے تاب کو خوشبوئے یٰسین سے شکیبا کر ۱۰۸؎

تائبؔ ایسے سچے عاشقِ رسولﷺ ہیں کہ نہ تو حمد میں احمدؐ مرسل کو فراموش کرتے ہیں اور نہ ہی مناجات میں۔ یہاں بھی دعا کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ربِّ کعبہ! کھول دے سینہ مرا
دل ہو روشن، دیدہ ہو بینا مرا
جلوہ گر ہو دل میں عہدِ مصطفیٰ
یوں جلا پائے یہ آئینہ مرا
اس سے پھوٹے نغمۂ حبِّ رسولؐ

ہو امینِ کیف سازینہ مرا ۱۰۹؎

ایک اور مقام پر رب کعبہ، کی ردیف لئے ہوئے ایک مناجات میں نہایت درد مندی اور دلسوزی کے ساتھ دعا کرتے ہیں جس میں اپنی صحت کے لیے بھی دعا گو ہیں:

سناؤں کسے اور جا کر میں دردِ نہاں ربِ کعبہ
اٹھوں تیرے در سے تو پھر اور جاؤں کہاں رب کعبہ
علالت بدن کی ہے اپنی جگہ، فکر بھی ہے پریشاں
ہوا سانس لینا بھی اب تو نہایت گراں ربِ کعبہ ۱۱۰؎

اپنی صحت اور اپنا غم تو حفیظ تائبؔ پھر بھی گوارا کر لیتے ہیں۔ مگر ایک محب وطن پاکستانی اور اُمی رسولؐ ہونے کے ناطے، امتِ مسلمہ کی حالت زار پر سخت دل گرفتہ ہو کر، تڑپ تڑپ کر فریاد کرتے ہیں:

تیرے فضل تری رحمت سے
ذاتی غم ہے مجھ کو گوارا
سخت پریشاں رکھے لیکن
درد و الم ابنِ آدم کا
اس پر ملتِ بیضا کا غم
بنتا جاتا ہے جاں لیوا

سب اسلامی قوموں پر ہے
پردۂ امن میں ظلم ہمیشہ
میرے خدا اس پاک وطن میں
دین محمدؐ کا ہو احیا
تیرہ و تار فضا سے یارب
پھوٹ پڑے سرسبز سویرا
ایک ہوں سارے اہل ایماں
زیرِ قیادت ان کے ہو دنیا ۱۱۱؎

حفیظ تائبؔ کی شاعری سے حمد و مناجات کی مذکورہ بالا مثالوں سے واضح ہوتا ہے کہ حفیظ تائبؔ جتنے

بڑے نعت گو ہیں۔ اتنا ہی اہم مقام ان کا حمد و مناجات میں بھی ہے۔ اپنی نعتیہ شاعری کی طرح ان کی حمد میں بھی ان کے تخصصِ علمی اور دینی شعور کا احساس ہوتا ہے اور بلاشبہ وہ اردو کی حمد یہ و مناجاتیہ شاعری میں اہم مقام کے حامل ہیں۔

۳۰۔جسٹس محمد الیاس (۱۹۳۱ء) حمد و نعت کے معروف شاعر ہیں۔ 'ظہورِ مصطفیٰ' اور 'نوائے نوا' کے نام سے دو نعتیہ مجموعے منظرِ عام پر آئے اور مقبولیت حاصل کی۔ ان کی حمد یہ شاعری میں صفات الٰہی، اسمائے الٰہی کی روشنی میں بیان ہوئی ہیں۔ کہتے ہیں:

تو خدائے عظیم ہے مولا
ذات تیری قدیم ہے مولا
تجھ کو معلوم ہے جو ہونا ہے
تو خبیر و علیم ہے، مولا
تیرے کاموں میں حکمتیں کیا ہیں
جانے تو جو حکیم ہے، مولا
اپنے الیاسؔ کو امان میں رکھ
جو کہ اک بے ندیم ہے مولا ۱۱۲؎

'اللہ الصمد' کے عنوان سے لکھتے ہیں:

میرا اللہ لا شریک و صمد
ہے وہی لم یلد ولم یولد
ذات اس کی ہے نور سے تمثیل
اس کی صورت کوئی نہ خال نہ خد
کاش الیاسؔ کو فرازی دے
جس کو بخشا ہے اس نے قامت و قد ۱۱۳؎

۳۱۔ خالد شفیق (۱۹۳۲ء پ) حمد و نعت کا اہم نام تو ہیں ہی، مگر 'شام و سحر' نعت نمبر کے چھ ضخیم شماروں کی ترتیب و تدوین ان کا یادگار کارنامہ ہے۔ ان کے مجموعۂ 'حمد و نعت' کا نام ''عالم افروز'' ہے جو ۱۹۹۶ء

میں زیورِ طبع سے آراستہ ہوا اور اسے 'سیرت ایوارڈ' بھی ملا۔ان کی حمد یہ شاعری ان کے عجز و انکسار اور محبت و شیفتگی کی مظہر ہے۔ اسلوبِ سخن بھی آراستہ و پیراستہ ہے:

تیرے کرم کا ہو کیسے بیان لفظوں میں
قلم میں اتنی ہے قوت نہ جان لفظوں میں

جو تیرے لطف و کرم کی حدوں کو چھو پائے
کہاں سی آئے گی ایسی اٹھان لفظوں میں

کروں میں نذرِ خدائے عظیم کیا خالدؔ
نہ کوئی حسنِ تخیل، نہ شان لفظوں میں ۱۱۴؎

دعا میں حسنِ طلب دیکھیے:

اے رب ذوالجلال محبت کی بھیک دے
غم سے مجھے نکال محبت کی بھیک دے
دنیا ہے نفرتوں کے بھنور میں پھنسی ہوئی
الفت کو کر بحال محبت کی بھیک دے ۱۱۵؎

۳۲۔راز کشمیری (۱۹۳۲ء......۱۹۸۶ء) اردو کے نعت گو شعرا کی صف اوّل میں نمایاں مقام رکھتے تھے۔ ان کا نعتیہ مجموعہ 'لوح بھی تو قلم بھی تو' کے نام سے منظرِ عام پر آیا اور بہت مقبول ہوا۔ وہ غزل کی سادگی، سپردگی اور تعلقِ خاطر کو حمد و مناجات میں رچا کر پیش کرتے ہیں۔ وہ اپنے اظہار شعری کے لیے عموماً غزل ہی کی ہیئت اختیار کرتے ہیں۔ ذیل کی حمد سے ان کی قادر الکلامی، وارفتگی اور اثر انگیزی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے:

ارض و سما ہیں حمد سرا رب ذوالجلال
ربِ عظیم، رب علا، رب ذوالجلال
کلیاں ہیں تیرے ذکر میں گم، پھول معتکف
محو طواف بادِ صبا ربِ ذوالجلال

حمد میں گریز کرتے ہوئے مناجات کی طرف اس طرح آتے ہیں۔

آیا ہوں سر خمیدہ تری بارگاہ میں

لب پر ہے میرے حرفِ دعا رب ذوالجلال
میں سر بسر ہوں گردِ خطا میں اٹا ہوا
تو سر بہ سر عطا و سخا، رب ذوالجلال
جو لوگ سر افراز ہیں انعام سے ترے
مجھ کو بھی ان کی راہ دکھا رب ذوالجلال
حاضر ہے رازؔ لب پہ دعائے کرم لیے
ہر حرف مستجاب ہو یا رب ذوالجلال ۱۱۶؎

۳۳۔محسن احسان(۱۹۳۲ء)'ناتمام'،'ناگزیز'،'ناشنیدہ' اور''اجملؐ و اکملؐ '' کے خالق محسن احسان عہدِ جدید کے نمائندہ شاعر ہیں۔محسن احسان کی شاعری کی ابتدا اگرچہ غزل سے ہوئی مگر ان کی شاعری میں حمد، نعت اور مناجات سے دل بستگی ان کے پہلے مجموعے ہی سے نظر آتی ہے۔ان کی کتاب ''اجملؐ و اکمل '' کا نام بجائے خود نعت ہے۔ ان کے اس نعتیہ مجموعے کی حمدیہ شاعری قابلِ توجہ ہے۔''ایمان بالغیب'' کے عنوان سے نظم آزاد اردو کی حمدیہ شاعری کی منفرد مثال ہے۔ کیونکہ اس موضوع پر حمد نگاروں نے کم ہی توجہ دی ہے۔ کہتے ہیں:

میں نے ذرے میں صحرا کو دیکھا نہیں
کیسے اک بوند میں ہے سمندر نہاں
میں یہ سمجھا نہیں
پھر بھی اتنی سمجھ ہے کہ
بے جان مٹی کی یخ بستہ تہہ میں
نہاں بیج میں خود نمائی کی جرأت بہت
ذرہ و اختر و ماہ و خورشید و سیار میں
اعتبارِ عبادت بہت
میں خدا سے کبھی گفتگو کر نہ پایا کہیں
اور جنت میں بہتی ہوئی شہد کی نہر کے سلسلے میں

بہت خوش گماں بھی نہیں

پھر نہ جانے مجھے

ان کی موجودگی کا ہے کیوں

دل کی گہرائیوں سے یقیں

آفریں مالک العالمیں

آفریں ۱۱۷؎

اللہ تعالیٰ کی صنعت رحیمی، رزاقی، بزرگی و برتری کا اعتراف حمد میں عاجزانہ انداز میں کرتے ہیں:

پپڑیاں جمتی ہیں جب خشک زمیں کے لب پر
رحمتیں بن کے گھٹاؤں سے برستا وہ ہے
سینۂ سنگ میں کرمک کو بھی رزق مدام
یہ حقیقت ہے کہ ہر ذات کا داتا وہ ہے
آدمی نے کئی اصنام تراشے لیکن
آخرش سمجھا فقط لائق سجدہ وہ ہے ۱۱۸؎

۳۴۔ سید ابو الخیر کشفی (۱۹۳۳ء پ) علامہ ثاقب کان پوری کے فرزند ہیں۔ نامور ادیب، محقق، نقاد اور شاعر ہیں۔ دینی اصناف بالخصوص حمد و نعت سے گہرا شغف رکھتے ہیں۔۱۹۹۹ء میں ان کا مجموعہ نعت ''نسبت'' شائع ہوا اور اہل علم و فن سے کمال پذیرائی حاصل کی۔ان کی حمد کا رنگ ملاحظہ ہو:

رحمت ہے تیری بے کراں

تو ہے رحیم و مہرباں

رحمن بھی قدوس بھی

خالق بھی تو باری بھی تو

تخلیق تیری شان ہے

منشا ترا صورت گر حسن و جمال ۱۱۱۹؎

۳۵۔ خورشید انور رضوی، سیّد (۱۹۳۳ء پ) کا پہلا نعتیہ مجموعہ ''روشنی ہی روشنی'' کے نام سے

منظر عام پر آیا۔ ان کے حمدیہ کلام میں اللہ رب العزت کے احسانات فراواں کا ذکر شکر کے ساتھ نظر آتا ہے:

دل دیا، دماغ تونے دیا
کیا کیا روشن چراغ تونے دیا
شر سے بھی باخبر رکھا تو نے
خیر کا بھی سراغ تونے دیا
سب عطا کی ہیں نعمتیں تو نے
ہر طرف سے فراغ تو نے دیا

ایک اور حمد کے چند دلکش اشعار درج ذیل ہیں:

حمد تیری بیان کرتا ہوں
پاک اپنی زبان کرتا ہوں
تیری رحمت پہ جھوم اٹھتا ہوں
اس طرف جب دھیان کرتا ہوں ۱۲۱؎

۳۶۔ سہیل غازی پوری (۱۹۳۴ء پ) غازی پور بھارت میں پیدا ہوئے آٹھ شعری مجموعوں کے خالق ہیں۔ انیس حمدیں ہیں۔ خوش گو و خوش فکر شاعر کے حمدیہ کلام میں آورد نہیں آمد کا رنگ ہے۔ جو دل و دماغ کے ساتھ ساتھ روح کو بھی تازگی و بالیدگی بخشتا ہے۔ حصہ حمد سے قبل ایک شعر دیا ہے:

سر جھکا کر مرے قلم نے سہیل
حمد لکھنے کی ابتدا کی ہے ۱۲۲؎

ایک دلکش حمد کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

بھرا ہے حمد کے پھولوں سے باغِ قلب و نظر
تبھی تو ملتا نہیں اب دماغِ قلب و نظر
اندھیری رات سے کیوں خوف کھائے گا کوئی
کہ جب خدا نے جلائے چراغ قلب و نظر
کرم سے اپنے نوازا خدا نے ورنہ سہیلؔ
کبھی نہ ڈھونڈے سے ملتا سراغ قلب و نظر ۱۲۳؎

۳۷۔ گوہر ملسیانی، میاں طفیل محمد (۱۹۳۴ء) کا نعتیہ مجموعہ ''متاعِ شوق'' ۱۹۵۵ء میں

منظرِ عام پر آیا۔ آپ تحریکِ اسلامی سے وابستہ رہے۔ حمد و نعت کی شاعری کا ایک محرک یہ بھی بنا۔ ان کی حمدیہ شاعری میں مظاہرِ آیاتِ الٰہی کی توصیف شعری رنگ میں نظر آتی ہے۔ کہتے ہیں:

ہویدا شان ہے تیری چمن میں، نظمِ عالم میں
صفات کبریائی دشت کے ذرات میں، یم میں
ترا ہی نور ہے رقصاں جہاں میں خالقِ اکبر
شعاعِ مہر کی ضو میں درخشاں حسنِ شبنم میں
رہا ہے شادماں امواج تندو تیز میں گوہر
بھروسہ ہر بشر کو ہے ترا ہی کلفت و غم میں ۱۲۴؎

۳۸۔حفیظ صدیقی (۱۹۳۴ء پ) نعتیہ مجموعہ 'لازوال' کے خالق حمد کے بھی اچھے شاعر ہیں۔ ان کی حمدیہ شاعری انسان کی کمتری و عاجزی اور اللہ تعالیٰ کی بزرگی و برتری کا بیان ہے۔ کہتے ہیں:

صفات انت سے باہر، یہ ذات میں تنہا
ازل سے تابہ ابد تیری ذات ہے تنہا
میں ایک ذرۂ نا چیز تیری ہی مخلوق
مری بساط سے باہر ہے تیری حمد و ثنا
جھلس نہ جاؤں کہیں دکھ کی دھوپ میں یارب
تنی رہے مرے سر پر ترے کرم کی ردا ۱۲۵؎

۳۹۔رفیع الدین ذکی قریشی (۱۹۳۴ء پ) آٹھ نعتیہ مجموعوں کے خالق اپنے ہر مجموعے کا آغاز حمد سے کرتے ہیں۔ مگر یہ رسمی کارروائی کے بجائے ان کے دل کی آواز ہے۔ خدائے بزرگ و برتر سے اپنی بے پناہ محبت کا اظہار اور دولت صدق و یقیں کی طلب ''ریاضِ نعت'' میں اس طرح کرتے ہیں۔

اے خدائے پاک و برتر نورِ حسنِ کائنات
اے کہ ہے بے مثل و یکتا اور یگانہ تیری ذات
قائم و دائم ہے تو، ہے تیری ہستی لایزال
دہر کی اک ایک شے بے اعتبار و بے ثبات
ذکر تیرا خون بن کر ہے رگ و پے میں رواں
تیری ہستی کا پتہ دیتی ہیں دل کی واردات

کاش مل جائے مجھے وہ تیشۂ صدق و یقیں
توڑ دے جو کعبۂ دل میں بسے لات و منات ۱۲۶؎

۴۰۔ مرزا شمس الحسن شمس(۱۹۳۵ء پ) حمد و نعت کہتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی عظمت اور رسول اکرمؐ کی صفات حسنہ کو سامنے رکھتے ہیں ۔ ان کے کلام میں روانی و سلاست اور حسن و لطافت کی آمیزش ہے۔ اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہو کر کہتے ہیں:

کبھی تو ملا ہم کو نجم سحر میں
کبھی ہم نے دیکھا ہے شمس و قمر میں
جمالی بھی تو ہے، جلالی بھی تو ہے
صفات اپنی بھر دی ہیں ساری بشر میں ۱۲۷؎

کہاں کہاں نہ تری جستجو میں چاند گیا
کہاں کہاں نہ ستاروں کا قافلہ پہنچا

کہاں کہاں نہیں چھانی ہے خاک تیرے لیے
مگر ملا تو رگِ جاں سے بھی قریب ملا ۱۲۸؎

'مناجات' کا رنگ ملاحظہ ہو کیسے سادگی کے ساتھ، بلا لگی لپٹی کے اپنے مدعا بیان کرتے ہیں:

بات بگڑی ہے بنا دے یارب
سوئی قسمت کو سجا دے یارب

لوگ حیوان ہوئے جاتے ہیں
ان کو انسان بنا دے یارب
ہو اجازت تو میں یہ عرض کروں
مجھ کو بھی جینا سکھا دے یارب ۱۲۹؎

۴۱۔پروفیسر ہارون الرشید،(۱۹۳۷ء) معروف نقاد،ناول نگار اور شاعر ہیں۔ ان کی تنقیدی تصنیف 'اردو ادب اور اسلام' اردو ادب کی تاریخ میں اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ہے۔ جو دو جلدوں میں منقسم ہے۔ ''اپنے لہو کی آگ میں'' کے عنوان سے ایک معیاری ناول بھی لکھا۔ ہمارے پیش نظر ان کا شعری مجموعہ 'طوبیٰ'

ہے۔ جو حمد، نعت اور منقبت کا مجموعہ ہے۔ زیر نظر مجموعے میں ۱۷ حمدیہ منظومات شامل ہیں۔ اپنے تعارف میں لکھتے ہیں:

حمد و ثنا کی ضو سے روشن وجود اپنا
ذکرِ جمیل سے ہیں راہیں مری منّور ۱۳۰ے

آیۂ قرآنی قل ان الصلوٰۃ ونسکی ومحیای............الخ کے بموجب کہتے ہیں:

بندگی تیرے لیے، قربانیاں تیرے لئے
موت ہو یا زندگی اے مہرباں تیرے لیے

دوستی اور دشمنی، تیری رضا کی جستجو
پھول بھی تیرے لئے، تیر و کماں تیرے لئے ۱۴۱ے

الابذکر اللہ تطمئن القلوب (القرآن) کو کس دلکشی سے شعریت عطا کی ہے:

تمہارے ذکر کی لذت سے شاد کام ہے دل
تمہارے ذکر کا ہم نے خمار دیکھا ہے ۱۴۲ے

غالبؔ کی زمین میں بڑے منفرد مضامینِ توحید کی حامل حمد ملاحظہ ہو:

سامنا اس کا برملا نہ ہوا
خاک ہو جاتے ہم، بُرا نہ ہوا
جس سے غافل تمام عمر رہے
وہ تو ہم سے کبھی جدا نہ ہوا
احکم الحاکمیں وہی تو ہے
جو نہ قادر ہوا، خدا نہ ہوا
بچ کے جائے کوئی کہاں اس سے
تیر اس کا کبھی خطا نہ ہوا ۱۴۳ے

۴۲۔غوث متھراوی، سید غوث محمد شاہ (۱۹۳۹ء پ) پہلا مجموعۂ نعت ''بلاوا'' ۱۹۹۰ء میں کراچی سے شائع ہوا۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، قدرت مطلقہ، عطا و مغفرت ان کی حمد کے محبوب موضوعات ہیں۔

یہ زمیں، یہ آسماں، پانی، ہوا کچھ بھی نہیں

تو ہی تو ہے ہر جگہ تیرے سوا کچھ بھی نہیں

تو نے جب چاہا بنانا تو بنا ڈالے جہاں
اور جب آیا مٹانے پر بچا کچھ بھی نہیں

وہ اگر بخشش پہ آئے کل خدائی بخشش دے
اس نے تم کو غوثؔ جو کچھ بھی دیا، کچھ بھی نہیں ۱۳۴؎

۴۳۔ ریاض حسین چودھری (۱۹۴۱ء پ) کے چار مجموعہ ہائے نعت، زرِ معتبر، رزقِ ثنا، تمنائے حضوری اور متاعِ قلم، لاہور سے شائع ہو چکے ہیں۔ ان کا شمار دنیائے نعت کے ممتاز شعرا میں کیا جاتا ہے۔ ان کی حمدیہ شاعری سے فکر کو بالیدگی اور روح کو تازگی ملتی ہے۔ دعائیہ اشعار دیکھیے:

شب غم میں برہنہ سر ہوں، دستارِ گہر دینا
اجالا ہر طرف کر دوں وہ خورشیدِ ہنر دینا
ترے دربار میں جرأت کسے ہے لب کشائی کی
خدائے لم یزل مجھ بے زباں کو چشمِ تر دینا ۱۳۵؎

چونکہ بنیادی طور پر نعت کے شاعر ہیں۔ اس لئے حمدیہ شاعری میں اور بالخصوص دعاؤں میں اپنی نعتیہ شاعری کی بقا کے لیے بھی دعا کرتے ہیں:

اس سے غرض نہیں کہ مرا آشیاں رہے
یہ بھی نہیں چمن میں مری داستاں رہے

اتنی سی التجا ہے مگر ربِ ذوالجلال
اقلیمِ نعت میں مرا نام و نشاں رہے ۱۳۶؎

سوالیہ ردیف میں لکھی گئی ایک حمد میں مظاہر کائنات میں آیات الٰہی دیکھتے ہیں اور اس طرح اس کی قدرت وعظمت کا اعتراف بھی کرتے ہیں:

لذتِ غم کو محیط داستاں کس نے کیا
دل کی ہر دھڑکن کو پابندِ فغاں کس نے کیا

تخیل کی کرشمہ سازی دیکھیے:

ہر کلی کے دامنِ صد چاک میں رکھ کر گلاب
ہر برہنہ شاخ کو رشکِ جناں کس نے کیا

خدا ہی انساں کا ملجا و ماوی ہے وہی الجھنیں سنوارتا ہے۔ کہتے ہیں:

آخرِ شب کون سلجھاتا ہے میری الجھنیں
ما سوا اس کے علاج دردِ جاں کس نے کیا

درود کے موضوع پر مبنی آیہ قرآنی:

اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلٰٓئِکَتَہٗ یُصَلُّوْنَ عَلَی النَّبِیِّ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَیْہِ وَ سَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا

(۵۶/۳۳)

ترجمہ: بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبیؐ پر درود بھیجتے ہیں۔ مومنو! تم بھی اس پر درود اور سلام بھیجو کے مفہوم کو شعر میں اس طرح منظوم کرتے ہیں:

کس نے لکھی ہے درودوں سے کتابِ ارتقا
حور و غلماں کو بھی اپنا ہم زباں کس نے کیا ۱۳۷؎

غزل کی ہیئت میں لکھی گئی ایک اور حمد میں حمد و مناجات دونوں کے اشعار ہیں:

پشیماں ہے ازل سے اس لئے لوحِ گماں میری
نہیں توصیف کے قابل قلم میرا زباں میری
سرگردابِ غم بیم ورجا کی کیفیت میں ہوں
کبھی ساحل پہ بھی پہنچیں الٰہی کشتیاں میری

اپنی ذاتی پریشانیوں اور دکھوں پر خدا کے حضور اس طرح ملتمس ہیں:

درود دیوار پر بھی بھوک کے اگنے لگے جنگل
الٰہی ختم ہو جائیں یہ ساری سختیاں میری

بنامِ مصطفیٰؐ آسودگی دے میرے بچوں کو
اگر اشکوں سے بھی لکھی گئی ہے داستاں میری ۱۳۸؎

''نئے سال کے آغاز پر ایک دعائیہ نظم'' میں استفہام کا انداز نمایاں ہے۔ وہ اپنے انفرادی اور اجتماعی غم بیان کر کے آنے والے سال میں خوشیوں اور حسرتوں کی التجا کرتے ہیں اور اپنے قلم کی شادابی اور عشق رسولؐ میں

سرشاری کے لیے بھی دعا گو ہیں:

دعا ہے تجھ سے خداوندِ دو جہاں میری
کہ اس برس بھی رہے کیفِ سرمدی میں قلم
کہ اس برس بھی لبِ تشنہ پہ گریں بوندیں
کہ اس برس بھی کھلیں مدحتِ نبیؐ کے علم

آگے چل کر دُعا کا رخ سوئے مصطفیؐ موڑ دیتے ہیں۔اور کہتے ہیں:

غلام زادوں پہ بھاری ہیں روز و شب آقا
کہ اس برس بھی وہی کرب ناک منظر ہے
قبائے امِ مسلم سے خوں ٹپکتا ہے
حضورؐ، ملتِ بیضا کا حال ابتر ہے ۱۳۹؎

۴۴۔قیصر نجفی (۱۹۴۱ء پ) ممتاز شاعر، نامور ادیب اور نقاد کا پہلا شعری مجموعہ 'شہر جاناں' کے نام سے شائع ہوا اور دادِ سخن پائی۔ ان کا حمدیہ ونعتیہ مجموعہ ''رب آشنا'' جہان حمد پبلی کیشنز نے ۲۰۰۲ء میں شائع کیا۔ حمد ونعت کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اس لئے قیصر نجفی کہتے ہیں۔

ثنائے خدا ہے ثنائے محمدؐ
کہ شان خدا ہی دکھائے محمدؐ ۱۴۰؎

حمد ونعت، دونوں زندگی ہیں۔ کہتے ہیں:

حمد رکھی تھی نعت بھی رکھ دی
زندگی پیش زندگی رکھ دی ۱۴۱؎

صنعتِ تکرار کے حسن سے آراستہ ان کی حمد ملاحظہ ہو:

ایک ہی کام ہے روز و شب
حمد رب، حمد رب، حمد رب
پیش رب ہوں اے حرف ثنا
با ادب، با ادب، با ادب
تیری ہر بخشش و ہر عطا

بے طلب، بے طلب، بے طلب
نہیں تخلیق تیری کوئی
بے سبب، بے سبب، بے سبب ۱۴۲؎

۴۵۔ڈاکٹر ریاض مجید(۱۹۴۲ء پ) کا اصل نام ریاض الحق طاہر ہے۔ پاکستان میں اردو نعت میں پی ۔ ایچ ڈی کرنے والے پہلے محقق ہیں۔ ان کا مقالہ'اردو نعت'۱۹۹۰ء میں شائع ہوا۔ ریاض مجید، صاحبِ طرز نعت گو اور حماد ہیں۔ فروغِ حمد و نعت کے لیے ہمہ وقت کوشاں رہتے ہیں۔ ان کا نعتیہ مجموعہ ''الھم صلی علی محمدؐ'' کو ۱۹۹۴ء میں حکومت کی جانب سے صدارتی ایوارڈ مل چکا ہے۔ بیس سے زائد کتب منظر عام پر آ چکی ہیں جن میں اردو پنجابی شعری مجموعے اور مرتب کردہ کتب بھی ہیں۔آپ نے حمد و نعت دونوں کہیں اور بہت خوب کہیں۔ ان کے نزدیک نعت کا شمار بھی حمد میں کیا جا سکتا ہے اس لیے کہ

پس ہر پردۂ توصیف مولا تُو نکلتا ہے
نبیؐ کی نعت میں بھی حمد کا پہلو نکلتا ہے
ثنائے روشنی میں دھیان روشن گر کا رہتا ہے
لکھوں صلِ علیٰ تو دل سے اللہ ھو نکلتا ہے

'اللہ الصمد' کی قرآنی ردیف میں لکھی گئی حمد میں جا بجا آیاتِ قرآنی سے استنباط کرتے ہیں:

پیشِ نظر ہے بابِ حرم، اللہ الصمد
عاصی پہ اتنا لطف و کرم، اللہ الصمد

''الا لیعبدون'' کی صف میں ہوا شمار
معراج پر ہے نجمِ قلم، اللہ الصمد
اشکوں سے حمد خالق و رازق کی اے ریاضؔ
چہرے پہ ہو رہی ہے رقم ، اللہ الصمد ۱۴۳؎

۴۶۔راجا رشید محمود(۱۹۴۳پ) کا نام اردو نعت گوئی کا ایک معتبر حوالہ ہے۔ ان کے بیس سے زاید نعتیہ مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ اس سے ان کی بسیار و زود گوئی اور قادر الکلامی کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ ساٹھ سے زاید کتب کے مصنف اور مرتب بھی ہیں۔''این خانہ ہمہ آفتاب است'' کے مصداق ان کا

پورا خانوادہ 'حمد و نعت' کہنے اور سیرت رسولؐ پر تحقیق کرنے میں مصروف ہیں۔ ان کے خانوادے کو بجا طور پر 'خانوادۂ نعت' کہا جا سکتا ہے کہ اس خانوادے کو گیارہ ''صدارتی ایوارڈ'' اور ''صوبائی سیرت ایوارڈ'' ملے ہیں۔ ان کی حمدیہ شاعری ان کے تبحرِ علمی کی غماز ہے۔ کہتے ہیں:

دربارِ کبریا میں جو تحفہ ثنا کا تھا
آواز باز گشت میں قالوا بلٰی کا تھا
صیقل کیا عقیدۂ توحید نے اسے
پہلے تو رنگ قلب پر حرص و ہوا کا تھا
میثاقِ انبیا کا کیا رب نے اہتمام
پیش نظر جو بھیجنا خیر الوریٰ کا تھا
محمودؔ حامد اپنے خدا کا رہا مدام
اس کی زباں پہ ذکر کہاں ماسوا کا تھا ۱۴۴ے

۴۷۔عثمان **ناعم**، محمد عثمان(۱۹۴۳ء) عصرِ حاضر کے نعت گو شاعر ہیں۔ مجموعہ نعت 'روح کونین'۱۹۹۹ء میں واہ کینٹ سے شائع ہوا عثمان ناعمؔ کی حمد و نعت سے ان کی قرآن و حدیث سے آگاہی کا بھی پتا چلتا ہے اور عربی و فارسی زبانوں سے واقفیت کا بھی۔ ان کی حمدیہ شاعری میں مذکورہ بالا صفات نے سونے پہ سہاگہ کا کام دیا ہے۔ دیکھیے:

تو ارفع ادراک ہے بالائے زمیں ہے
تو قادر و قیوم ، سدا دل کے قریں ہے

نحن اقرب..................الخ کی تفسیر دیکھیے:

یہ بعد کہ پائیں نہ تجھے ڈھونڈنے والے
یہ قرب کہ ہر قلب میں تو راہ گزیں ہے

کنت کنزاً مخفیاً............الخ کی حدیث سے خوشہ چینی کرتے ہیں:

تو حسنِ حریمِ ازل و کنزِ خفی بھی
تو معنیٔ مقصودِ ابد مایۂ دیں ہے

اور ''لقد خلقنا الانسان فی احسنِ تقویم'' کی آیہ قرآنی سے اس طرح مدد لیتے ہیں:

''فی احسنِ تقویم'' ترا حسنِ مشیت
تو حسنِ سراپا ہے حسینوں کا حسیں ہے ۱۴۵؎

۴۸۔ نسیم سحر، محمد نسیم ملک (۱۹۴۴ء) کو ادبی ذوق اور شعر گوئی کا وصف ورثے میں ملا۔ ان کے آٹھ شعری مجموعے منظرِ عام پر آچکے ہیں۔ جن میں غزلیں، نظمیں، ہائیکو اور حمد و نعت شامل ہیں۔ ''یہ جو سلسلے ہیں کلام کے'' حمد و نعت پر مشتمل ہے جو ۱۹۹۶ء میں چھپا۔ ذیل میں ان کے چند حمدیہ اشعار پیش کیے جا رہے ہیں جو ''از دل خیزد اور بر دلِ ریزد'' کی تفسیر ہیں:

یقین کرنا مجھے مشکل نہیں ہے اس کی وحدت پر
کہ میں اب تک تو خود اپنے ہی ثانی تک نہیں پہنچا
ایک صورت ہے سب کی صورت میں
دیکھتی ہیں جہاں جہاں آنکھیں ۱۴۶؎

۴۹۔ آفتاب کریمی (۱۹۴۴ء پ) کا مجموعہ حمد و نعت ''آنکھ بنی کشکول'' دوبار طباعت کے زیور سے آراستہ ہوا۔ جس سے اس کی مقبولیت کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ وہ کراچی سے ''سفیر نعت'' شائع کرتے ہیں۔ ان کے مجموعے کے فلیپ پر جناب صبح رحمانی کی رائے ہے۔ ''جناب آفتاب کریمی کا حمدیہ و نعتیہ کلام ان کی روحِ کا نغمہ ہے'' حمدیہ کلام بعنوان 'ترانہ حمد' مسدس کی ہیت میں ہے۔ جس کا ٹیپ کا مصرع ہے:

اللہ ھو اللہ ھو اللہ ھو اللہ ھو

پروفیسر آفاق صدیقی کے بقول:

''اس ترانہ حمد کی نغمگی ایک ایسے دریائے معرفت کا سماں پیش کرتی ہے جس کی صدر رنگ موجوں میں الفاظ سچّے موتیوں کی طرح جگمگا رہے ہوں'' ۱۴۷؎

حمد میں نعت کا موتی دیکھیے کس طرح جگمگا رہا ہے اور سچ ہے کہ حمد و نعت لازم و ملزوم ہیں:

سب کتابیں، صحیفے سبھی مرسلیں لے کے آئے ہیں وحدت کا تیری یقیں
آخری جو نبی آیا سب سے حسیں ہے وہی میرا دیں میرے دل کا مکیں
تو کرے گا یقینا اسے سر خرو
اللہ ھو، اللہ ھو، اللہ ھو، اللہ ھو ۱۴۸؎

آفتابؔ کریمی کی حمدیہ شاعری کا اسلوب بلا کا سادہ اور سلیس ہے۔ بالخصوص ان کی امیر خسروؔ کے سے

انداز میں حمد یہ غزل ملاحظہ ہو۔جس کا اسلوب دوہے کی سی شیرینی لیے ہوئے ہیں:

رب ہومورے تم رب ہو سبھی کے ناؤ سبھی کی کھیوت ہو
پار لگاؤ جس کو بھی چاہو قادرِ مطلق، قدرت ہو

ذرہ نہیں جس کی نہ خبر ہو عرش بریں سے زیرز میں
بات کوئی ہو من میں کسی کے خوب مگر تم جانت ہو

شان تمھاری روز نرالی ، روز عطا ہے بندوں پر
جھولی بھرو کشکول بھرو تم، روز ہی سب کو دیوت ہو

پاک ہے تو ہر عیب سے مولیٰ، حمد کرے کونین تری
تمرے لئے تعریف ہے ساری تم ہی تو رب العزت ہو

۱۴۹؎

۵۰۔حسن رضوی(۱۹۴۶ء......۲۰۰۲ء)’’کبھی کتابوں میں پھول رکھنا‘‘ جیسی رومانوی شاعری کے خالق حسن رضوی جب حمد و نعت کہتے ہیں،تو یہاں بھی اپنے دلنشیں اسلوب کو آزماتے ہیں۔ ان کی مذہبی شاعری میں’’ جمال احمدؐ مرسل‘‘ ان کا نعتیہ مجموعہ ہے اور’’عقیدتیں‘‘ مناقب و سلام پر مشتمل ہے۔’’عقیدتیں‘‘ کا آغاز رب العالمین سے اپنی پہلی عقیدت کے ساتھ کرتے ہیں:

زمانے میں تیرا نہیں کوئی ثانی
ہر اک شے میں دیکھی تری ہی نشانی
ہر اک جا پہ تیری محبت کے جلوے
ہر اک کی زباں پر ہے تیری کہانی

تو دھڑکن ہے میرے دل و جاں کی یارب
مری زندگی ہے تجھی سے سہانی
ترا نام زندہ ہے، زندہ رہے گا
زمیں بھی ہے فانی، فلک بھی ہے فانی
ترم نام کا ورد کرتا ہے رضویؔ
کرم کر دے مولا تری مہربانی ۱۵۰؎

دُعا میں حسنؔ رضوی کا رنگِ جمال ملاحظہ ہو:

دامن کو مرے گوہرِ نایاب سے بھر دے
یاربِ غمِ شبیرؑ، مقدر مرا کر دے
صحراؤں میں ٹھنڈک کے نئے باب لکھیں ہم
ہم کو بھی وہی شوق، وہی عزمِ سفر دے
ہر شام حسنؔ شام غریباں کی طرح ہے
اک صبح ہمیں صبحِ بشارت کی خبر دے ۱۵۱؎

'مدینے کی ہوا' ان کا نعتیہ مجموعہ ہے ان کی حمدیہ ونعتیہ شاعری، ان کی قرآن وحدیث سے گہری رغبت کا پتا دیتی ہے۔ حسنؔ رضوی کے قلب ونظر کی بیکرانی کا اندازہ ان کی نظم ''حرف دعا'' سے بخوبی ہوتا ہے جس میں انھوں نے ۴۴ معروف ومقبول نعت گویان عربی، فارسی اور اردو کو یاد کیا ہے ''حرفِ دعا'' خالص انبالوی لب و لہجے کی حامل دلکش حمد ہے۔

مدینے کی راتاں، مدینے کی باتاں
مری زندگی کی یہی ہے براتاں
مری رہنمائی کو حسانؓ آئیں
کٹیں ذکرِ احمدؐ میں دن اور راتاں

الٰہی کرم ہو بصیریؒ کے صدقے
ہوں سب کی زبانوں پہ میری بھی نعتاں
خدایا تو سب پر کرم کر دے اپنا
سدا ہوں سبھی پر تری التفاتاں ۱۵۲؎

۵۱۔ حسن اکبر کمال، سید حسن اکبر (۱۹۴۶ء پ) معروف ماہرِ تعلیم، شاعر و ادیب اور اچھے کمپیئر ہیں۔ ان کے مجموعہ ہائے کلام سخن (۱۹۶۹ء) خزاں میرا موسم (۱۹۸۰ء) خوشبو جیسی بات کرو (ملی نغمے اور گیت) ۱۹۹۹ء میں شائع ہو چکے ہیں۔ تنقیدی مضامین اور بچوں کے لیے ناول نگاری بھی کی ہے۔ مجموعہ نعت التجا (۲۰۰۲ء) کے نام سے کراچی سے شائع ہوا۔

''التجا'' میں شامل ان کی حمدیہ شاعری حسن اکبر کمال کی رب ذوالجلال سے وارفتگی کی عکاس ہے۔ وہ

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، قدرت کاملہ اور حاکمیت اعلیٰ کے اس طرح معترف ہیں۔

کنکر سے کہسار تک

آسماں کے پار تک

بوند سے لے کر ساگر تک

پھیلا ہوا اک نام

اس جگ سے ہر جگ تلک

جگمگ اس کی روشنی

ہوا چلے تو گونج اٹھے

داتا نام کی راگنی

وہ اول وہ آخری

پنکھ پکھیرو جپیں نام

کریں فرشتے چاکری

جھک جھک کریں سلام ۱۵۳؎

ایک اور جگہ مالکِ دو جہاں کی بارگاہ میں کس خوبی سے عشق میں ڈوبی ہوئی خواہش کا اظہار کرتے ہیں:

خدائے حاضر، خدائے ناظر

میں تیرا بندہ، ترا مسافر

ہر ایسی دیوار کو ہٹا دے

جو اس مسافر کی راہ میں ہے

مرا عمل ہو کہ میرا ایماں

بس ایک تیری نگاہ میں ہے ۱۵۴؎

ندرتِ اسلوب نے ان کے بیانِ شعری کو چار چاند لگا دیے ہیں۔ ذیل کے اشعار میں تلمیحات و استعارات کی دلکشی اور روانی و سلاست کا حسن ملاحظہ ہو:

رزق اس کیڑے کو، پتھر میں ہے جو پوشیدہ

کون دیتا ہے، وہی دستِ عطا دیتا ہے

دستِ محبوب پہ آتے ہی عطا کر کے نوا

سنگریزوں کو سلامی کی ادا دیتا ہے

زندہ رکھتا ہے نبیؑ کو شکمِ ماہی میں

آگ کو پھولوں میں ڈھل جانا سکھا دیتا ہے

کر کے بندوں کو جوانی میں عطا تاب و تواں

طفلِ ناداں وہی پیری میں بنا دیتا ہے ۱۵۵؎

۵۲۔ منیر قصوری (۱۹۴۷ء پ) لاہور سے تعلق رکھنے والے ممتاز نعت گو ہیں جن کے تین نعتیہ مجموعے شائع ہو کر پذیرائی حاصل کر چکے ہیں۔ ''آیۂ رحمت'' (۱۹۹۸ء) اور چادرِ رحمت، ان کے نعتیہ مجموعے ہیں۔ ان کی حمدیہ شاعری تاثر و تاثیر کی دلکش مثال ہے۔ ان کا حمدیہ رنگ ملاحظہ ہو:

اے کہ نا چیز پہ انعام ہے کیا کیا تیرا

میں ثنا خوانِ کرم ہوں مرے مولا تیرا

تیرے محبوب گرامی کو نہ کیوں چاہے منیرؔ

ان کے صدقے میں ہی ملتا ہے سہارا تیرا ۱۵۶؎

ان کے یہاں دعا و مناجات میں دردمندی اور سوز و گداز نمایاں ہے۔ نیز عشق رسولؐ اور قربِ رسولؐ کی خواہش اور تڑپ نظر آتی ہے کہتے ہیں:

جمالِ روضۂ سرکار سے محروم ہوں یارب

ابھی تک دیدۂ بیدار سے محروم ہوں یارب

مرے الفاظِ مدحت کی پذیرائی نہیں ممکن

کہ میں تو قوتِ گفتار سے محروم ہوں یارب

عطا کر سوز و سازِ رومیؔ و آہنگ خاقانیؔ

کہ میں اس دولت بیدار سے محروم ہوں یا رب

کہیں طیبہ میں کنجِ عافیت مجھ کو بھی مل جائے

مدینہ کے در و دیوار سے محروم ہوں یارب ۱۵۷؎

منیرؔ قصوری اللہ سے مخاطب ہو کر، امت مسلمہ پر رحم و کرم کی التجا کرتے ہیں:

تجھ کو ردائے دوش پیمبرؐ کا واسطہ
اسلامیوں کی ساری خطائیں معاف کر ۱۵۸؎

۵۳۔ پروفیسر جعفر بلوچ(۱۹۴۷ء......۲۰۰۸ء) صاحبِ طرز نعت گو اور قادر الکلام شاعر تھے۔ جن کی طبعِ رواں کا راز''فیضان ثنائے مصطفیٰؐ تھا۔ انھوں نے شعروسخن کی''اقلیم''(۱۹۸۶ء) سر کرتے ہی شاہنشہہ دین و دنیا کے دستِ اقدس پر''بیعت''(۱۹۸۹ء) کی اور پھر''برسبیلِ سخن''(۲۰۰۶ء) سلسبیلِ سخن جاری کر دی۔ اگرچہ پروفیسر جعفر بلوچ صاحب کا کوئی حمدیہ مجموعہ منظر عام پر نہ آسکا، تاہم ان کے ہاں حمدیہ و مناجاتیہ منظومات''سراپا انتخاب'' قرار دی جا سکتی ہیں۔ اپنے پہلے شعری مجموعے''اقلیم'' کا آغاز''ھو اللہ احد'' کے حمدیہ عنوان سے کرتے ہیں اور خدائے بزرگ و برتر کی صفاتِ حسنہ کی یوں تحمید وتوصیف بیان کرتے ہیں:

کرتا ہے اہلِ درد کی دل بستگی وہی
دیتا ہے ظلمتوں میں ہمیں روشنی وہی

اک صادق و امیں نے ہمیں جس کی دی خبر
ہاں ہاں وہی خدائے احد ہے وہی وہی

اللہ رب العزت کی صمدیت و ربوبیت کو یوں سراہتے ہیں:

وہ بے نیاز یاد کسی کو ہو یا نہ ہو
اس بے نیاز کی ہے جہاں پروری وہی ۱۵۹؎

ان کا دوسرا شعری مجموعہ''بیعت'' نعتیہ ہے۔ جو حفیظ تائب کے الفاظ میں بہارِ نعت کے اس دور میں ''سروِ چراغاں'' کی حیثیت رکھتا ہے۔''بیعت'' کی تمہیدی نظم بعنوان''مطلع'' میں اپنے مجموعۂ نعت کو وہ''انعامِ رب'' قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

یہ مجموعہ جو دیوانِ ادب ہے
یہ مجھ مسکین پر انعامِ رب ہے
مری رودادِ شوق انگیز ہے یہ
مری بیعت کی دستاویز ہے یہ
ہے مجموعہ مرا سعیٔ ثنا اک

یہ مجموعہ ہے تمہیدِ دعا اک ۱۲۰؎

پروفیسر جعفر بلوچ کا حال اور قال یکساں تھا۔ وہ منافقت سے کوسوں دور تھے۔ اس لئے اصل 'حمد' اسی کو قرار دیتے تھے جو حسنِ عمل کی صورت میں ہو۔ ان کی دعائیہ شاعری سے تائیداً ذیل کی مثال ملاحظہ ہو:

خدایا تجھ سے ہو یوں ساتھ اپنا
رہے دستِ نبیؐ میں ہاتھ اپنا

یہ قال اب حال میں تبدیل ہو جائے
ہمارے عشق کی تکمیل ہو جائے

بجا ہے یہ کہ حق سے آگہی ہو
مگر ہم میں شعورِ فرض بھی ہو

ہوائے ماسوا سے پاک ہوں ہم
خیانت اور ریا سے پاک ہوں ہم

وہ ظہور قرنِ اولیٰ کے لیے بھی دعا گو ہیں اور ابو بکرؓ و عمرؓ عثمانؓ و علیؓ کی سیرت اقدس میں ڈھلنے کی بھی دعا کرتے ہیں۔ وہ صحیح معنوں میں حبِ الوطنی کے جذبے سے سرشار تھے۔ امتِ مسلمہ اور پاکستان سے ان کی بے پناہ محبت ان کے دیگر شعری مجموعوں میں بھی جھلکتی ہے۔ مگر 'بیعت' کی نعتیہ شاعری میں بھی اسے فراموش نہیں کرتے دعا کرتے ہوئے اور کہتے ہیں:

بہشت آباد اپنی سرزمیں ہو
یہ دھرتی قلعۂ دینِ متیں ہو

عمل بھی نام کے شایاں ہو اپنا
وطن معناً بھی پاکستان ہو اپنا ۱۶۱؎

آیۂ قرآنی ''لا الہٰ الا انت سبحانک'' کے عنوان سے حمدیہ نظم میں اللہ تعالیٰ کی عظمت و بزرگی اور قدرتِ کاملہ کا اعتراف سوالیہ ردیف میں اس طرح کرتے ہیں۔

دن کو منور، شب کو فروزاں تو نہ کرے تو کون کرے؟
ہستی کو امکاں در امکاں تو نہ کرے تو کون کرے؟

اسی حمد میں بڑی دردمندی کے ساتھ امتِ مسلمہ اور پاکستان کے لئے اللہ تعالیٰ سے استمداد طلب کرتے

ہیں:

آج احیائے امت بے جاں تو نہ کرے تو کون کرے؟
اس کے ہر دکھ درد کا درماں تو نہ کرے تو کون کرے؟

پاکستان کو اور بھی ذی شاں تو نہ کرے تو کون کرے؟
اس کو معناً بھی پاکستان تو نہ کرے تو کون کرے؟ ۱۶۲؎

''بیعت'' ہی میں'یا اللہ' کے عنوان سے حمدیہ مخمس کے ابتدائی بند میں اسمائے حسنیٰ کی ضو جھلکتی ہے۔ ملاحظہ فرمایئے:

اے اللہ، رحمن، رحیم، اول، آخر، اعلیٰ، اللہ
تو خالق تو پالنے والا، عالم عالم کا اللہ

تیرے زماں ہیں تیرے مکاں ہیں تیرے ارض و سما اللہ
کوئی نہیں ہے ساجھی تیرا، کوئی نہیں تجھ سا اللہ

حق تیری حمد اور ثنا کا ہم سے ادا ہو کیا اللہ، یا اللہ

وہ ظلم و جہل کے پتلے پر اللہ تعالیٰ کی کرم فرمائی کا اعتراف کرتے ہیں۔ جس نے انسان کو دینِ حنیف کی صورت میں سیدھی راہ دکھلائی اور اس صراطِ مستقیم پر چلنے کی توفیق دینے والی بھی صرف وہی ہستی ہے۔ اس لئے دعا و مناجات کا رخ بھی اسی ذاتِ باری تعالیٰ کی طرف ہے۔ مذکورہ مخمس کے ہر بند کا آخری مصرع دعائیہ ہے۔ کہتے ہیں:

سیدھی راہ پہ چلنے کی توفیق عطا فرما اللہ، یا اللہ
ابر کرم برسا اللہ، پھر اجڑے دیس بسا اللہ، یا اللہ

اور سنور جائے میری بھی دنیا اور عقبیٰ اللہ، یا اللہ ۱۶۳؎

اِن کے تیسرے مجموعہ سخن 'برسبیل سخن' کا آغاز بھی حمدیہ عنوان مشتمل نظم پر 'اللہ اکبر' سے ہوتا ہے۔ نظم کا ایک ایک بند محاسنِ شعری سے مزین ہے۔ الفاظ و تراکیب کی ندرت، معانی کا حسن، تشبیہات و تلمیحات کی دلکشی نے ان کے حسن کو اور بھی بڑھا دیا ہے۔ صنعتِ مراعاۃ النظیر کی خوبصورت مثال ملاحظہ ہو:

کیا کیا ہیں اس کی قدرت کے مظہر
کیا کیا ہیولے، کیا کیا ہیں پیکر
پاتال، دھرتی، آکاش، امبر
میداں، کہستاں، صحرا، سمندر
اللہ اکبر، اللہ اکبر

اعصار اسی کے، آفاق اس کے
اشجار اس کے، اوراق اس کے
آثار سارے، براں اس کے
سورج، ستارے، چاند اور گلِ تر
اللہ اکبر، اللہ اکبر

اللہ تعالیٰ کی صفتِ قہاری کا ذکر کرتے ہوئے وہ اس کی قہر سامانیوں کے شکار سکندر، فرعون و ہامان کی فہرست میں بجا طور پر سابق امریکی صدر بش کو بھی شامل کر دیتے ہیں۔

دشمن ہو اپنا، ظاہر کہ پنہاں
باطل کا جھکڑ، ظلمت کا طوفاں
کتنا ہی بش ہو، کتنا ہی شیطاں
ہو کر رہے گا آخر وہ ابتر
اللہ اکبر، اللہ اکبر

اگرچہ جعفرؔ بلوچ صاحب کی حمدیہ شاعری میں جا بجا مناجات و دعا کے موتی، بکھرے ہوئے ملتے ہیں مگر ''مناجات بہ بارگاہ قاضی الحاجات'' کے عنوان سے با قاعدہ مناجات بھی موجود ہے، جس میں ان کی دعائیں ذاتی نہیں بلکہ اجتماعی نوعیت کی ہیں۔ یہاں بھی امتِ مسلمہ کا دکھ درد، ان کے ایک ایک شعر سے پھوٹتا ہے:

ہمیں سلیقۂ اصلاحِ حال دے یارب
شدید پیاس ہے، آبِ زلال دے یارب
افق افق سے زر افشاں ہو صبحِ فتح و ظفر
نصیبِ ملتِ بیضا اُجال دے یارب

ان کی دعائیہ شاعری میں تلمیحاتِ قرآنی و اسلامی کی کارفرمائی بھی ہے اور شعورِ عصر بھی۔ کہتے ہیں:

پھر آئے فیل، ابابیل بھیج پھر اپنے
ہمیں بشارتِ رفعِ وبال دے یارب
نجات بولہبی سے ہمیں عنایت کر
ہمیں سرشتِ اویسؓ و بلالؓ دے یارب

اور مناجات کا یہ منفرد شعر ملاحظہ ہو، جس میں انھوں نے لفظ کیلنڈر، کو وقت کا استعارہ بنا دیا ہے۔

تیرے کرم کے ہوں مظہر ہمارے کیلنڈر
جو ہوں سعید وہی ماہ وسال دے یارب ۱۶۵؎

ان کے نزدیک حمد مختلف پیرایہ ہائے زبان و بیان پر مشتمل ہے۔ ان میں سے ایک پیرایۂ بیان شکوہ و شکایت کا بھی ہے۔ یہ بھی حمد ہی کا ایک انداز ہے اور انما اشکوابثی وحزنی الی اللہ کا مظہر بھی۔ اگرچہ حرفِ شکایت بے محل اور غلط ہی کیوں نہ ہو۔ یہ جسارت ناروا نا سزا ہی کیوں نہ ہو لیکن درحقیقت:

اعتراف اس گلے اور شکوے میں ہے تیری توحید کا
تیری قدرت کا اور تیری تمجید کا
میری دانست میں
میرا آہنگِ فریاد بھی
شکوۂ درد بھی
اشک غم زاد بھی
ایک پیرایۂ حمد ہے
اے خدا میرا حرفِ شکایت بھی مقبول ہو
اے خدا یہ عبادت بھی مقبول ہو ۱۶۶؎

۵۴۔حافظ عبدالغفار حافظ(۱۹۴۸ء) کی ولادت بھارت میں مارواڑی کھتری گھرانے میں ہوئی۔ نعت کے اچھے شاعر ہیں۔'' ارمغانِ حافظ'' (مجموعہ نعت) 'قصیدہ رسول تہامی' اور نگار عقیدت (سلام) شائع ہو چکے ہیں۔ ان کی حمدیہ شاعری سے ایک مثال پیش کی جاتی ہے۔ نظم مثلث کی ہیت میں ہے:

تار رگ جاں چھیڑا یہ کس نے آیا لبوں پر ''الحمد للہ''
ذکرِ خدا سے ہو گئیں سانسیں میری معطر الحمد للہ
الحمدللہ، الحمدللہ، الحمدللہ، الحمدللہ

مژدۂ رحمت ذکرِ خدا ہے، باعث نعمت شکرِ خدا ہے
دل کی بشاشت ، روح کی تسکین، نطق کا جوہر الحمد للہ
الحمدللہ، الحمدللہ، الحمدللہ، الحمدللہ ۱۶۷؎

۵۵۔قمر وارثی (۱۹۵۰ء پ) قمر وارثی ''دبستانِ وارثیہ'' کے ناظم اعلیٰ ہیں۔ جو فروغِ حمد و نعت کے سلسلے میں ایک سرگرم ادارہ ہے۔ دبستان وارثیہ نے حمد و نعت کے طرحی مشاعروں کے انعقاد کا سلسلہ جاری کر رکھا ہے اور اس سلسلے میں سال کے بارہ مہینوں کے بارہ مشاعروں میں پڑھی گئی حمدوں کے مجموعے کو ''مالک ارض و سما'' کے نام سے مرتب بھی کر دیا گیا ہے۔ حمد و نعت سے محترم قمر وارثی کی عقیدت و محبت قابلِ ستائش ہے۔ 'شمس الضحیٰ' اور 'کہف الوریٰ' ان کے نعتیہ شعری مجموعے ہیں جن میں حمد بھی اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ 'شمس الضحیٰ' کی ایک حمد سے، حمد و دعا پر مبنی چند اشعار ملاحظہ ہوں:

کیا مجھ کو جسارت ہو تری حمد و ثنا کی
تو مالک و مختار ہے میں ذرۂ خاکی
سب کچھ ہے ترے ایک اشارے کی بدولت
دریا کی روانی ہو کہ جنبش ہو ہوا کی
رکھ جھوٹی انا سے مجھے محفوظ ہمیشہ
توفیق عطا کر مجھے تسلیم و رضا کی ۱۶۸؎

۵۶۔ اردو میں غیر منقوط حمدیہ کلام کے شعرا کے نام انگلیوں پر گنے جا سکتے ہیں شاید اس لئے کہ یہ ایک ایسا فن ہے جو بے حد قادر الکلامی کا متقاضی ہے۔ ''روح عالم'' (۱۹۹۷ء) کے شاعر **یوسف طاہر قریشی** ایک ایسے ہی قادر الکلام شاعر ہیں یوسف طاہر قریشی کی (۱۹۵۲ء پ) کی غیر منقوط حمدیہ شاعری، تاثر و تاثیر سے بھر پور ہے۔ مثال ملاحظہ ہو:

مدح اک اللہ ہی کی اول کروں گا
وہ اللہ ہے حمد ہر دم لکھوں گا

دوارہ کھلا ہے اسی کا سدا ہی
سدا اس کے در کا گدا ہی رہوں گا

کرے گا مرے کام وہ سہل سارے
دعا اک اسی سے ہی دائم کروں گا

کرے گا مدد وہ کرے گا کرم وہ
سدا حمد گر اس کا طاہر رہوں گا ۱۶۹؎

۵۷۔ سنتے ہیں شفاف آئینے اسے پسند بہت ہیں
آنکھوں میں برکھارت آئی ہے اس دل کو دھو لو ۱۷۰؎

یہ خوبصورت شعر محمد فیروز شاہ (۱۹۵۲ پ) کا ہے، جو حمد و نعت کے معروف شاعر ہیں ان کا مجموعہ نعت ''باوضو آرزو'' ۲۰۰۴ء میں راولپنڈی سے شائع ہوا۔'حمد باری تعالیٰ' کی ایک دلکشی مثال ملاحظہ ہو جس میں عشق حقیقی سے سرشاری کے کمالات بیان کئے گئے ہیں۔

سر جھکائیں گے ترے آگے تو ہوں گے سر بلند
جانتے ہیں اہلِ عشق اور مانتے ہیں عقل مند
تیرا جلوہ دیکھ لے جو ابرو آب و باد میں
کون سا منظر ہے پھر اس دیدۂ بینا پہ بند
آگہی، فیروزؔ، ہے رب العلی کی ہی عطا
ورنہ مشت خاک کیا جانے مضر اور سود مند ۱۷۱؎

۵۸۔ اقبال نجمی محمد اقبال حسین (۱۹۵۳ء پ) معروف ادیب و شاعر ہیں۔فروغِ ادب اکادمی گوجرانوالہ کے صدر ہیں۔ آپ تقریباً ۲۵ کتب کے مصنف اور مرتب ہیں۔ مجموعہ نعت'' خیرات مدحت'' ۲۰۰۳ء میں منظرِ عام پر آیا۔ پنجابی زبان میں حمدیہ مجموعہ شائع ہوا۔ آپ کا سب سے بڑا کارنامہ اردو حمد کے حوالے سے مفیض 'حمد نمبر' کی اشاعت ہے۔ جو ساڑھے پانچ سو صفحات پر مشتمل ہے۔

ان کی حمد یہ شاعری تاثر و تاثیر کا دلکش امتزاج ہے طویل ردیف میں لکھی ہوئی حمد کو اندرونی قوافی اور تکرارِ لفظی نے نغمگیت و موسیقی عطا کی ہے۔ کہتے ہیں:

تری شان، شانِ عظیم ہے، ترا نقش نقش دوام ہے
ترا وصف وصفِ کمال ہے، ترا لطف ، لطفِ مدام ہے

تو رفیق بھی، تو شفیق بھی، تو رؤف بھی، تو رحیم بھی
مرے دل میں تیری ہی یاد ہے مرے لب پہ تیرا ہی نام ہے

تو کریم بھی، تو علیم بھی، تو حکیم بھی، تو عظیم بھی
مجھے نعمتوں سے نواز دے کہ نوازنا ترا کام ہے ۱۷۲؎

'پہچان' کے عنوان سے ایک حمدیہ آزاد نظم میں اقبال نجمی، عرفانِ ذاتِ الٰہی کے لیے خدا سے وصال کو ضروری قرار دیتے ہیں۔

مظاہر یہ جو بکھرے ہیں
تری پہچان کی مولا، ہمیں تعلیم دیتے ہیں
تری پہچان تو اتنی مرے مولا نہیں مشکل
مگر اس بھید کے بارے میں جب بھی سوچتا ہوں تو مجھے محسوس ہوتا ہے
کہ اسکا اک سرا تو نے دیا ہے میرے ہاتھوں میں
مگر جو دوسرا ہے وہ!
وہاں تک تو رسائی ہی نہیں میری
ازل کا بھید پانے کو
تری جانب مجھے جانا پڑے گا اب ۱۷۳؎

صفت مہملہ/ عاطلہ میں کہے گئے ان کے حمدیہ اشعار ملاحظہ ہوں:

ہمارے دکھوں کی دوا اللہ اللہ
ہمارا سدا مدعا اللہ اللہ
دکھوں کا ملے ہم کو اس سے ہی مرہم
عطاؤں کی وہ ہے گھٹا اللہ اللہ
ملی آگہی اسم احمد کی ہم کو

کرم ہے، اسی کی عطا اللہ ۱۷۴؎

۵۹۔صبیح رحمانی (۱۹۶۵ء پ): 'ماہ طیبہ' اور 'جادۂ رحمت' کے حمد و نعت گو شاعر نے نعت خوانی سے نعت گوئی کا سفر بڑی سُرعت سے طے کیا۔ صبیحؔ نے حمد کو غزل، نظم، آزاد نظم اور ہائیکو کی صنف میں بھی لکھا۔ ان کی حمدیہ شاعری ان کے خلوصِ فراواں اور جذباتِ والہانہ کی عکاس ہے۔ اوصافِ الٰہی کے بیان میں قرآن سے بھی خوشہ چینی کرتے ہیں اور حدیث سے بھی۔ مثلاً ان کی معروف حمد سے چند اشعار ملاحظہ ہو:

وہ نیتوں میں چھپے خیر و شر کو تولتا ہے
قریب رہتا ہے، سازِ نفس میں بولتا ہے
جمال ہم کو دکھاتا ہے اجلی صبحوں کا
وہی جو آنکھ کٹوری میں نیند گھولتا ہے
وہی جو شام کی دہلیز پر سویرے تک
چراغِ ماہ جلاتا، نجوم رولتا ہے
اسی کی یاد دکھاتی ہے ساحلِ تسکیں
غم والم کے سمندر میں دل جو ڈولتا ہے ۱۷۵؎

اور اب ذیل کی آیات دیکھیے:

۱۔ عٰلِمُ الْغَیْبِ وَ الشَّھَادَۃِ وَ ھُوَ الْحَکِیْمُ الْخَبِیْرُ (۶/۷۳)

ترجمہ: وہ کھلی اور چھپی بات کا جانتا ہے اور وہ صاحبِ علم وحکمت ہے۔

۲۔ وَھُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الَّیْلَ لِبَاسًا وَّ النَّوْمَ سُبَاتًا وَّ جَعَلَ النَّھَارَ نُشُوْرًا (۲۵/۴۷)

ترجمہ: اس نے تمہارے لئے رات کو اوڑھنا اور نیند کو آرام بنایا اور دن کو منتشر ہونے کا وقت مقرر کیا ہے۔

۳۔ یُغْشِی الَّیْلَ النَّھَارَ یَطْلُبُہٗ حَثِیْثًا وَّ الشَّمْسَ وَ الْقَمَرَ وَ النُّجُوْمَ مُسَخَّرٰتٍ بِاَمْرِہٖ (۷/۵۴)

ترجمہ: وہ رات کو دن سے ڈھانپ دیتا ہے۔ دن رات کی طلب میں دوڑتا ہے اور سورج اور چاند اور ستارے سب اس کے حکم کے پابند ہیں۔

۴۔ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ تَطْمَئِنُّ قُلُوْبُھُمْ بِذِکْرِ اللّٰہِ اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب (۱۳/ ۲۸)

ترجمہ: جو ایمان لائے، ان کے دل خدا کی یاد سے تسلی پاتے ہیں یاد رکھو اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو اطمینان ملتا ہے۔

ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط ان کی حمد گوئی کی خصائص بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''ان کی حمدیہ شاعری کا خاص وصف یہ ہے کہ صفاتِ الٰہی کے بیان کے مطابق الفاظ کا انتخاب کرتے ہیں۔ شانِ کریمی کا ذکر ہو رہا ہو تو الفاظ بھی نرم و نازک اور شیریں استعمال ہوتے ہیں اور جبر و قہر کے بیان میں ندرت کی بجائے شوکتِ الفاظ کو ترجیح دیتے ہیں۔ حسن و جمال اور نور و انوار کا بیان ہو رہا ہو تو وہ الفاظ کے حسن و جمال پر توجہ دیتے ہیں اور وصفِ جلال کے حامل حمدیہ اشعار میں ان کے یہاں الفاظ کی جلالت اور آہنگ و لے کی صلابت پر زور دیا جاتا ہے۔ مدحت و مؤدت کے حامل ان کے اشعار ذہن کی بیداری اور قلب کی سرشاری اپنے جلو میں لئے ہوتے ہیں۔'' ۱۷۶

'جادۂ رحمت' کا آغاز حمد سے ہوتا ہے۔ تین حمدیں ہیں اور دو 'حمدیہ ہائیکو'۔ شعریت کے سبھی لوازم سے مزین حمد ملاحظہ ہو جو آزاد نظم کی ہیئت میں لکھی گئی ہے:

فصیل پر ہیں ہوا کے روشن چراغ جس کے
سیاہ راتوں میں جس نے روشن شجر کیے ہیں
وہ جس نے موجوں کو تیشہ اندازیاں سکھا کر
رقم چٹانوں پہ راز ہائے ہنر کئے ہیں
وہ جس کے جلوے افق افق ہیں
وہ جس کی کرنیں شفق شفق ہیں
ازل سے پہلے
ابد سے آگے
اسی کو ہر اختیار حاصل

اسی کو عزّ و وقار حاصل

وہ ایک مالک

اسی کا سب ہے

وہی تو رب ہے ۱۷۷؎

'ہائیکو' کی صنف میں حمد نگاری، ان کا ایک اور امتیاز ہے دو مثالیں ملاحظہ ہوں:

کیا تیرا عرفان

ہم کو نہیں ہے خود مولا

اپنی بھی پہچان

اے ربِ رحمان

صورت کے طالب ہیں ہم

بے چہرہ انسان ۱۷۸؎

۶۰۔ سید عاصم گیلانی (۲۰۰۵ء) صوفیانہ مکتب فکر کے نعت نگار ہیں۔ ان کے دو نعتیہ شعری مجموعے ''وسیلہ'' اور وظیفہ، منظرِ عام پر آئے۔ پروفیسر جعفر بلوچ لکھتے ہیں:

''جناب عاصمؔ گیلانی کا اسلوبِ شعر ان کی مقطع شخصیت کا آئینہ ہے۔ ان کا آہنگِ نعت بے ساختہ اور رواں دواں ہے۔ مصرعوں کا حسین صوتیاتی دروبست پڑھنے والوں پر خوش گوار اثر چھوڑتا ہے۔ بحریں وہ ایسی انتخاب کرتے ہیں جو ان کی فکر کے تیکھے پن کا ساتھ دے سکیں روز مرہ کا حسن ان محاسن پر مستزاد ہے۔'' ۱۷۹؎

مذکورہ بالا صفاتِ ان کے حمد یہ کلام کی بھی جان ہیں۔ 'حرفِ سپاس' کے عنوان سے اللہ تعالیٰ کی حمد و شکر ادا کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

تیری توفیق سے رواں ہے قلم

مدحتِ شاہِ انبیاؑ کے لیے

اور کیا ہو گی زیست کی معراج

اک تہی دست بے نوا کے لیے

میں سراپا سپاس ہوں یارب
تیرے اکرامِ بے بہا کے لیے ۱۸۰؎

ان کی حمد میں عجازی و انکساری کے ساتھ شکر گزاری کے جذبات بھی موجزن ہیں۔ کہتے ہیں:

حمد تیری لکھوں بھی کیا یارب
میں تو بندہ ہوں تو خدا یارب
کیسے سورج کے سامنے چمکے
ایک ذرہ حقیر سا یارب
لذتِ درد، کیفِ مہجوری
تو نے کیا کچھ عطا کیا یارب
تیرا انعام ہم پہ لامحدود
تیرا اکرام بے بہا یارب ۱۸۱؎

'وظیفہ' میں شامل حمد اظہارِ عبدیت و محبت کا دلکش امتزاج ہے۔ کہتے ہیں:

جو مجھے یاد رکھے اس کو بھلاؤں کیسے
اس کی دہلیز سے سر اپنا اٹھاؤں کیسے
میری ہر سانس ہے مرہون عنایت جس کی
اس کے اکرام گناؤں تو گناؤں کیسے
میری تخلیق ہے جب اس کے کرم کی محتاج
چھوڑ کر اس کو کہیں اور میں جاؤں کیسے ۱۸۲؎

۶۱۔ خواجہ عزیز الحسن غوری مجذوب(۱۹۴۴ء م) صاحبِ تصوف و معرفت تھے۔ علوم باطنی اور ظاہری دونوں سے آراستہ تھے اور علمی و دینی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے۔ ان کے حمدیہ کلام میں روحانی و عرفانی مضامین کی کثرت ہے۔ نمونۂ حمد ملاحظہ ہو:

ظاہر مطیع و باطن ذکر مدام تیرا
زندہ رہوں الٰہی ہو کر تمام تیرا
سینے میں ہو منقش یارب کتاب تیری

جاری رہے زبان پر ہر دم کلام تیرا
دونوں جہاں میں مجھ کو مطلوب تو ہی تو ہو
ہو بختہ کار وحدت مجذوب خام تیرا ۱۸۳؎

۶۲۔ ضیا محمد ضیا کا پہلا مجموعۂ کلام 'ارمغانِ عشق' کے نام سے منظر عام پر آیا۔ جو ان کے فارسی حمدیہ و نعتیہ کلام پر مشتمل تھا۔ ۲۰۰۱ء میں ''موجِ زمزم'' شائع ہوا جو اردو حمد و نعت پر مشتمل ہے۔ چھبیس حمدیہ و مناجاتیہ نظموں پر مشتمل اس مجموعے میں زبان و بیان کی لطافتیں بھی ہیں، اور فن کی باریکیاں بھی۔ مگر نیت کا خلوص اور جذبے کی صداقت ان کی حمدیہ شاعری کے ہر بیت کی اصل زینت ہے۔ ''موجِ زمزم'' کے صفحہ اوّل پر مرقوم یہ شعر ان کے دل کی آواز ہے کہتے ہیں:

حمدِ رب العالمیں ہے باعث تسکین دل
ہے غذائے روح نعت رحمۃ للعالمیں ۱۸۴؎

مخمس کی ہیئت میں لکھی گئی حمد، مجموعے کا سرِ آغاز ہے۔ اللہ تعالیٰ کی بے انتہا و بے کراں صفات کو سراہتے ہوئے ضیا محمد ضیاؔ کہتے ہیں۔

معطی و مستعاں، مستغاث و معیں
ارحم الراحمیں، احسن الخالقیں
احکم الحاکمیں، مالک یومِ دیں
محرم ہر خِفا، واقفِ ہر نہاں
وہ خدائے زمیں، وہ خدائے زماں ۱۸۵؎

خدا، تمام مظاہر کائنات کا خالق بھی ہے اور تمام مظاہرِ کائنات اُس کے حکم کے پابند بھی۔ اس موضوع کو ضیا محمد ضیاؔ اس طرح شعری لباس عطا کرتے ہیں:

مُنہ دھلاتا ہے اُسی کے حکم سے سبزے کا اوس
بوئے گل کو ہمدمِ موجِ صبا کرتا ہے وہ
برہنہ شاخوں کو پہناتا ہے پتوں کا لباس
بند کلیوں کو تبسّم آشنا کرتا ہے وہ
نور سے معمور ہو جاتا ہے ایوانِ سحر

چاک جب تاریکیٔ شب کی ردا کرتا ہے وہ
گیت گاتے ہیں اُسی کے طائرانِ خوش نوا
حمد میں اپنی انھیں نغمہ سرا کرتا ہے وہ ۱۸۶؎

حمدیہ کلام میں جا بجا آیاتِ قرآنی و احادیث نبویؐ سے خوشہ چینی کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں:

ہے اُس کی ذات واحد یَعلم الجھر و ما یخفٰی

تو آئی غیب سے آواز 'لا موجود الا اللہ'
ہے فرمان نبیؐ ''کو نوا عباد اللہ اخوانا'' ۱۸۷؎

کبھی مفاہیمِ قرآن کو اپنی شاعری میں اس طرح سموتے ہیں۔ مثلاً آیہ قرآنی ''اللّٰہ نور السمٰوٰت والارض'' (۲۴/۳۵) کا بیان شعر میں اس طرح ہے:

زمین و آسماں کا نور ہے تو
تجھی سے ہے دو عالم میں اجالا ۱۸۸؎

یہ شعر دیکھیے جس میں الابذکر اللہ تطمئین القلوب (۱۳/۲۸) کی تفسیر ہے۔

ہے اُس کے ذکر میں دل کی سکینت
ہے اُس کی یاد سے ٹھنڈک جگر میں ۱۸۹؎

ان کے کلام سے ایسی درجنوں مثالیں دی جاسکتی ہیں، جن سے ان کے تبحرِ علمی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔

ان کی دعائیہ شاعری سے چند پُر تاثیر و تاثر مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ اقبال کی بحر و ردیف میں لکھی گئی ایک دُعا یہ ہے:

الٰہی دولتِ عرفان عطا کر
''حریمِ کبریا سے آشنا کر''
مٹا دے ماسوا کا نقش دل سے
مجھے اپنی محبت میں فنا کر
مجلّی کر مرے قلب و نظر کو
جھلک اپنی تجلّی کی دکھا کر
میں تیرے وصل کا طالب ہوں یارب

تو میری ذات سے مجھ کو جدا کر
خجل ہوں اپنی بداعمالیوں پر
ندامت سے کھڑا ہوں سر جھکا کر
تری رحمت کا ہوں تجھ سے طلب گار
کرم اے خالق ارض و سما! کر ۱۹۰؎

۶۳۔ سید امین گیلانی ''سرمایہ درویش'' نعتیہ مجموعے کے شاعر کی نعت گوئی بھی رسمی نہیں ہے اور حمد گوئی بھی۔ اظہار بیان پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔ ندرت خیال وفکر سے آراستہ،اور سہل ممتنع کی عمدہ مثال ملاحظہ ہو:

تیرے بنا سہارا کون
تجھ بن اور ہمارا کون
تو ہی تو اک داتا ہے
تجھ بن کرے گزارا کون
حسن ہی حسن ہے تیری ذات
تجھ سے بڑھ کر پیارا کون ۱۹۱؎

۶۴۔ شوکت ہاشمی بنیادی طور پر نعت گو شاعر ہیں۔ 'شاخِ نور' اور 'بہار طیب و طاہر' ان کے نعتیہ مجموعے ہیں۔ نعت گویانِ اردو میں بلند مقام رکھتے ہیں۔ جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری کے بقول:

''ان کا کلام توحیدِ ربانی کی جلالی کیفیات اور رسالتِ محمدیؐ کی جمالی نسبتوں کے کمالات سے عبارت ہے۔'' ۱۹۲؎

ان کی شاعری میں اگرچہ حمدوں کی تعداد بہت کم ہے، مگر معیار کے اعتبار سے ان کی حمدیہ شاعری سراپا انتخاب ہے۔ مثلاً ذیل کے حمدیہ اشعار ملاحظہ ہوں، جن میں ندرتِ خیال بھی ہے اور کمالاتِ فن بھی قبلِ داد ہیں:

نیت خیر، جزا دیتی ہے
رب سے بندے کو ملا دیتی ہے
میں اسے یاد کروں، یاد اس کی
بات کو حمد بنا دیتی ہے

قدرت قادرِ مطلق، دیکھو
روز اک شہر بسا دیتی ہے

حمد کا منفرد رنگ اور موضوع دیکھیے:

خلق کو پالنے والا، خالق
خلق، ورنہ، اُسے کیا دیتی ہے
خوش وہی رکھتا ہے مجھ کو شوکتؔ
ورنہ دنیا تو رُلا دیتی ہے ۱۹۳؎

۶۵۔اختر شیرازی کی 'توحید و رسالت' ان کا مجموعہ رباعیات ہے۔ یہ رباعیات باعتبار موضوع، حمد، نعت، پند و نصائح اور منقبت پر مشتمل ہیں۔ ان کی حمد یہ رباعیات میں موسیقیت اور شاعرانہ آہنگ کا امزاج ہے۔

ہر شے کو بہت خوب بناتا ہے تو
قدرت سے بہ ہر رنگ سجاتا ہے تو
بے مثل تری ذات گرامی اللہ
جس سمت بھی دیکھیں نظر آتا ہے تو ۱۹۴؎

چاہے تو گداگر کو سکندر کردے
رستے میں پڑے سنگ کو گوہر کر دے
رحمت کی نظر مجھ پہ بھی اکثر کر دے
دربائے کرم دے کے تونگر کر دے ۱۹۵؎

۶۶۔سید انوار ظہوری کا نعتیہ ''مجموعہ حرفِ منزہ'' کے نام سے منظر عام پر آیا کرم کر، کی ردیف میں ان کے دعائیہ اشعار ملاحظہ ہوں جو چھوٹی بحر اور رواں اسلوب میں لکھے گئے ہیں۔

مولا کرم کر آقا کرم کر
کہتی ہے تجھ سے دنیا کرم کر
تو سب کا والی داتا! کرم کر
اپنا بنا لے اپنا کرم کر
میں بھی ہوں تیرا بندہ کرم کر
ہے جب ظہوری

تیرا، کرم کر ۱۹۶؎

حمدیہ شاعری میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ، رحیمیت، مغفرت کی توصیف، شاعرانہ اسلوب میں کرتے ہیں اراس کے ساتھ ساتھ قرآن پاک سے بھی استمداد طلب کرتے ہیں۔

گو بنا لیں ہم، سبھی اشجارِ عالم کو قلم
ہو نہیں سکتے صفات و ذات کے پہلو رقم
تو فروکش ہے دلوں میں سب کی شہ رگ سے قریب
ہے کسے تیری صفات و ذات کا عرفاں نصیب ۱۹۷؎

یہ مناظر، یہ مظاہر، یہ زمیں یہ آسماں
ہر طرف بکھرے ہوئے ہیں شانِ عظمت کے نشان ۱۹۸؎

اسلامی تلمیحات کے ساتھ ساتھ اساطیری تلمیحات بھی ہیں۔

سوہنی کے واسطے کھولی ہے آغوش چناب
بند ہے کچے گھڑے میں عشق و الفت کا نصاب
کر دیا سسی کو مضطر تونے پنّوں کے لیے
وسعتیں صحرا کو دے دیں، پائے مجنوں کے لیے
ہیر کو تونے دیا رانجھا کی خاطر درد و سوز
دل میں رکھی ایک چنگاری وہی آتش فروز ۱۹۹؎

سید انوار ظہوری، اللہ تعالیٰ کی قدرت وصفتِ صمدیت کو سراہتے ہوئے کہتے ہیں:

بے اختیار ہم ہیں، مرضی کہاں چلے گی
وہ اختیار والا، سب کچھ اسے روا ہے
یا تخت پر بیٹھا کے رسی دراز کر دی
یا تخت سے اٹھا کے پھانسی چڑھا رہا ہے
سب نخوتوں کی خاطر دنیا ہے سرد خانہ
اعیان سلطنت کی قفلی جما رہا ہے ۲۰۰؎

یہاں لفظ ''قفلی' جسے عام طور پر 'قلفی' سمجھا جاتا ہے کا انھوں نے بالکل درست استعمال کیا ہے جس سے

ان کی زبان دانی وفہمی کا بھی بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

۶۷۔ انوار فیروزپوری کا نعتیہ مجموعہ ''مختارِکل'' عقیدت و جذبات کا ایمان افروز شاہکار ہے۔ کتاب کا تعارف غلام اصغر حسین خان نظیر لدھیانوی نے رقم کیا ہے۔ حمدیہ قطعہ ملاحظہ ہو۔

تری ثنا کہ خداوند لایزال ہے تو
یہی مثال ہے تیری کہ بے مثال ہے تو
ترا کمال ہی دنیا کے ہر کمال میں ہے
یہ شان تیری کہ ہر شان میں کمال ہے تو ۲۰۱؎

''مناجات'' میں کہتے ہیں:

میرے ہر کام میں تو کفیل　　نام تیرا ہے رب جلیل
مانتا ہوں تجھے بے دلیل　　حسبی اللہ نعم الوکیل
حسبی اللہ نعم الوکیل
سر جھکاتا ہے تیرے حضور　　مغفرت کی طلب ہے ضرور
بخشش دے ہر خطا، ہر قصور　　حشر میں ہو نہ انورؔ ذلیل
حسبی اللہ نعم الوکیل ۲۰۲؎

۶۸۔مقبول احمد قادری مجموعہ حمد ونعت' کیف وسرور' کے شاعر ہیں۔ حصہ حمد میں اٹھائیس حمدیں ہیں۔ بعنوان ''حمد وثنائے رب جلیل'' آغاز اس دعا سے کرتے ہیں:

اے خدائے پاک و برتر زینتِ عرشِ بریں
رحم کر بہر محمد رحمۃ العالمین ۲۰۳؎

وہ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم کی تحسین کرتے ہوئے حمد میں آیاتِ قرآنی سے خوشہ چینی بھی کرتے ہیں مثلاً

عزت ذلت ہاتھ خدا کے وہ ادراک سے باہر ہے
ہر مخلوق کا ملجا ماوا ہر امید کا محور ہے
جس کو چاہے وہ عزت دے جس کو چاہے ذلت دے
ہے وہ مالک جاہ وحشم کا وہ اکبر ہے سرور ہے ۲۰۴؎

'مناجات' میں ذاتی دعائیں بھی کرتے ہیں اور معاشرے کے لاچار، مجبور و بے کس افراد کے رنج وحزن کو

دور کرنے کی بھی دعائیں کرتے ہیں۔ آخر میں یومِ حشر حمد وثنائے الٰہی کے ساتھ بیداری کی دعا کرتے ہیں اور کہتے ہیں:

سارا عالم جس گھڑی ہو جائے گا یکسر فنا ۔۔۔ میرے عصیاں پرتری رحمت کا پردہ ہو پڑا
حشر کے دن زندگانی جب دوبارہ ہو عطا ۔۔۔ قادریؔ کے لب پر ہو مولا تری حمد و ثنا

ہو تری حمد و ثنا ہے تو ہی غم خوارو معین
رحم کر بہرِ محمد رحمۃ للعالمین ۲۰۵؎

۶۹۔ سید ریاض حسین زیدی 'ریاضِ مدحت' ان کا اولین نعتیہ مجموعہ ہے۔ جو ادب سرائے ساہیوال سے شائع ہوا۔ ان کی نعتیہ شاعری کی علمی و ادبی حلقوں سے پذیرائی ملی اور سید نصیر الدین نصیر (گولڑہ شریف) ڈاکٹر عاصی کرنالی، ڈاکٹر ا۔ د نسیم، ڈاکٹر وزیر آغا، سید نفیس الحسینی اور سعود عثمانی نے ان کی شاعری کو سراہا ہے۔

ان کی نعتیہ شاعری کے ساتھ ساتھ ان کا حمدیہ کلام بھی قابلِ توجہ ہے۔ مجموعے کے آغاز میں 'حرفِ ثنا' کے عنوان سے چار حمدیں ہیں جو ایک سے بڑھ کر ایک ہیں۔ ان کے حمدیہ کلام میں تاثر کی گرمی ہے اور وہ صدق و اخلاص کے جذبات سے مزین ہے۔ لغائمِ الٰہی کا اعتراف کرتے ہوئے کہتے ہیں۔

کرم ہے اُس کا ، ملے سانس زندگی کے لیے
حواس ہم کو دیے جس نے آگہی کے لیے

گرے ہوؤں کو اٹھاتا ہے بے دریغ وہی
عزیمتوں کی ہے تحریک بے کسی کے لیے

آخری شعر میں اس طرح دعا گو ہیں:

نیاز و ناز کے لمحے طویل تر ہوں ریاضؔ
جھکی رہے یہ جبیں اس کی بندگی کے لیے ۲۰۶؎

اللہ تعالیٰ کی قدرتِ کاملہ کا اعتراف، کتنے حسین انداز میں کرتے ہیں:

ڈوبتی نبضوں کا لوٹانا اس کا ہے اک خاص خرم

ڈولتے قدموں کا بھی اس سے ٹھیک سنبھلنا دیکھا ہے

قوس قزح میں اس کے جلوے، چلتے بادل اس کا روپ
ہر صورت ، ہر رنگ میں، اس کا سکہ چلتا دیکھا ہے

بڑی خوبصورتی سے 'سمیع الدعا' کے سننے کے عمل کو تصویر کرتے ہیں:

بے کھٹکے سب دکھ سکھ اپنا ہم اس سے کہہ لیتے ہیں
شہ رگ سے وہ اتنا قریں ہے، اس کا سننا دیکھا ہے ۲۰۷ ؎

ایک اور مقام پر بھی اس کی قدرت، خلاقیت اور صفتِ ہدایت کو اس طرح جامۂ شعر پہناتے ہیں:

خدائے مہرباں ہی نے انھیں رستہ دکھایا ہے
پرندے عافیت سے لوٹتے ہیں آشیانوں میں

ہنسانا اس کے بس میں ہے، رلانا اس کی مرضی ہے
مشیت کے ہیں ایسے تیر سب اس کی کمانوں میں

بیابانوں کی ساری رونقیں اس کا کرشمہ ہیں
مہکتے پھول کلیاں ہیں اسی کے گلستانوں میں ۲۰۸ ؎

آخری دو شعری صنعتِ تضاد کی دلکش مثال پیش کرتے ہیں۔ ان کی شاعری کی ایک خوبصورتی یہ بھی ہے کہ وہ اپنے کلام میں حمد کہتے کہتے نعت اور نعت میں حمد کی موتی پرو دیتے ہیں۔ مثلاً

کرم سب سے بڑا ہے یہ خدا کا
سہارا مل گیا ہے مصطفی ؐ کا ۲۰۹ ؎

وحشت دل کی تسلی کے لیے اللہ نے
اسمِ اعظم ہے اتارا رحمۃ للعالمین ۲۱۰ ؎

۷۰۔ **حکیم** شریف احسن کا تعلق فیصل آباد سے ہے۔ معروف نعت گو ہیں۔ ان کا مجموعۂ نعت ''عبدہٗ وَرَسُولُہٗ'' (۲۰۰۰ء) میں منظرِ عام پر آیا۔ مجموعے کا آغاز اس حمدیہ شعر سے ہوتا ہے:

تمام حمد ہے اس ذاتِ کبریا کے لیے
ملی ہے جس سے زباں نعتِ مصطفیٰؐ کے لیے ۲۱۱ ؎

کتاب کا مقدمہ معروف نعت گو 'حافظ لدھیانوی' کے قلم کا شاہکار ہے۔'دعا' ان کے مجموعے کی پہلی نظم حمدیہ بھی ہے اور دعائیہ بھی۔ کہتے ہیں:

اے خدائے نور تیرے نور کا ہر جا ظہور
نور تو، تیری کتابیں، تیرے پیغمبر بھی نور
اے خدائے دو جہاں تیرے زمین و آسماں
ہو مقامِ عبدیت کا مجھ کو ارزانی شعور
چاہیے تیری پنہ اس بندۂ ناچیز کو
ابن آدم ہوں، مرا دشمن ہے شیطان غرور ۲۱۲؎

ایک اور مقام پر دعا میں قصیدے کا سا جلال و جمال ملاحظہ ہو:

اے ربِ ذوالجلال و ذوالاکرام و بے عدیل
تیری کوئی مثال، نہ تیرا کہیں مثیل
اک کُن سے کائنات کو تو بخش دے وجود
تیرے لیے نہیں ہے کوئی چیز مستحیل
دشوار ترمرا، ترے آگے ہے سہل تر
تو قادر و قدیر، میں اک بندۂ ضئیل
ربِ کریم، میری خطائیں ہوں سب معاف
رحمت تری ہو روزِ قیامت مری وکیل ۲۱۳؎

۱۷۔محمد علی اثر بھارت کے ممتاز ماہر دکنیات، نقاد اور محقق بہت اچھے، خوش فکر اور خوش اسلوب شاعر بھی ہیں۔ ان کی شاعری کے پانچ مجموعے شائع ہو چکے ہیں۔ ملاقات (۱۹۸۰ء) حرف نم دیدہ (۱۹۹۰ء) بعثتِ رسولِ خدا (۲۰۰۰ء) انوارِ خط روشن (۲۰۰۲ء) اور خرابے میں روشنی (۲۰۰۵ء) 'اللہ جل جلالہٗ ان کا حمدیہ شعری سرمایہ ہے۔مجموعے میں چھیاسٹھ حمدیں ہیں۔ اور پہلی حمد ''ذکرِ روح افروز'' بھی چھیاسٹھ اشعار پر مشتمل ہے۔

محمد علی اثرؔ کائنات کے ذرے ذرے میں اللہ کے نور کو دیکھتے اور سراہتے ہیں۔

شمس میں بھی تو قمر میں تو
ہے مرے قلب میں، جگر میں تو
تیرا جلوہ کہاں نہیں مولیٰ

ہے موثر میں اور اثر میں تو

ہے حجر میں تو شجر میں تو
سبزہ و گل میں تو ثمر میں تو

کہیں اسمائے الٰہی سے شاعری میں مرصع سازی کرتے ہیں:

وحید ہے وہ کریم ہے وہ
رشید ہے وہ حلیم ہے وہ
وہی ہے ہادی، وہی ہے باری
وہی ہے رحماں، رحیم ہے وہ

ان کی حمدیہ شاعری میں قرآن کریم سے اخذ و استفادہ پر مشتمل اشعار بکثرت پائے جاتے ہیں۔ اثرؔ کی شاعری میں عصری شعور سے آگاہی بھی ملتی ہے۔ بالخصوص امتِ مسلمہ کے مصائب و آلام کی ترجمانی کرتے ہوئے کہتے ہیں:

تو ظالموں کے تکبر کا سر جھکا مولا
کہ جن سے قوم ہماری تنازعات میں ہے
ہمیں پہ ظلم بھی جاری ہمیں پہ تہمت بھی
ہمارا نام ہی ذہنی تحفظات میں ہے
ہراس و خوف و تشدد ہے جس طرف دیکھو
ترے حبیبؐ کی امت تفکرات میں ہے

ان کی حمدیہ شاعری میں روانی اور بے ساختگی ہے خصوصاً چھوٹی بحروں میں کمال سہولت کے ساتھ سہلِ ممتنع کے شعر کہتے چلے جاتے ہیں:

یاں کسی شے کو بھی ثبات نہیں
اور فانی بس اس کی ذات نہیں
وہ ہے رحمان اور رحیم اثرؔ
فکر کرنے کی کوئی بات نہیں ۲۱۴؎

بلاشبہ ان کی حمدیہ شاعری پر مشتمل یہ مجموعہ باعتبارِ موضوع، اسلوب اور معنویت کے نمایاں مقام کا حامل

ہے۔

۷۲۔علقمہ شبلی(بھارت) 'زادِ سفر' ان کی رباعیات کا مجموعہ ہے۔ یہ رباعیات حمد و نعت پر مشتمل ہیں۔ مجموعے کے دو حصے ہیں۔ پہلے میں حمد ہے جس میں شاعر کے خیالات کا محور و مرکز خود رب العالمین ہے اور دوسرے حصے میں نعتیہ رباعیات ہیں۔ ان کی رباعیات ان کی فنی پختگی، شعری غنائیت اور الفاظ کے مناسب انتخاب اور استعمال کی دلیل ہیں۔ ان کی حمدیہ شاعری ان کی علم دین سے واقفیت اور گہرے عرفان و ادراک کی آئینہ دار بھی ہے۔ مثال کے طور پر دو رباعیات ملاحظہ ہوں:

دھرتی ہوئی بیدار سمندر جاگا
تخلیق کے گلزار کا منظر جاگا
تھا نیند کی آغوش میں ذرہ ذرہ
تو نے جو کیا ''کن'' تو مقدر جاگا

ادراک کو آئینہ دکھایا اس نے
احساس کو اظہار بنایا اس نے
قدرت کے بھی ہیں اس کی کرشمے کیا کیا
ایقان ہر اک دل میں جلایا اس نے ۲۱۵؎

ڈاکٹر عبدالمنان(بھارت) نے بجا طور پر فرمایا ہے کہ:

''ان کی حمدیہ رباعیوں میں پھولوں کی مہک بھی ملتی ہے اور چڑیوں کی چہکار بھی۔ طاؤس کا رقص بھی ملتا ہے اور غنچوں کی چٹک بھی۔ وہ عاجزی و انکساری بھی ملتی ہے جو شانِ عبودیت ہے اور وہ شوخی و سپردگی بھی پائی جاتی ہے جس سے بندگی اس بلندی پر پہنچ جاتی ہے۔ جہاں ''خدا بندے سے خود پوچھے بتا تیری رضا کیا ہے۔'' ۲۱۶؎

جائزہ:

''نعت گویان اردو کی حمد و مناجات نگاری'' کے مطالعے سے ہم ان کی اللہ رب العزت سے محبت و عقیدت کے جذبات ان کے والہانہ پن اور شیفتگی کا اندازہ تو لگا ہی سکتے ہیں۔ مگر اہم ترین بات یہ ہے کہ دراصل

ان کی حمد و مناجات نے اردو کے حمدیہ سرمایے کو جہاں وسعت عطا کی ہے، وہاں فنی اعتبار سے نا قابلِ نظر انداز اور دلکش شعری نمونے فراہم کئے ہیں۔

'نعت گوئی' کے لیے شعرا نے صرف غزل ہی کی ہیئت کو نہیں چنا بلکہ ہر صنفِ نظم (مثنوی، قصیدہ، رباعی، دوہے، ماہیے، ہائیکو) میں نعت پر طبع آزمائی کی۔ اور باقاعدہ ان اصناف میں بھی نعتیہ مجموعے منظرِ عام پر آئے۔ اس کے نتیجے میں مذکورہ متفرق اصناف میں حمد بھی لکھی جانے لگی اور حمد کا کینوس بھی وسیع تر ہو گیا نعت گو شعرا کے کلام میں حمد میں نعت اور نعت میں حمد کے دلکش اشعار جداگانہ حیثیت لئے ہوئے نظر آئے۔ مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ نعت گویانِ اردو کی شعری کاوشوں نے حمد و مناجات کی صنف کو معنویت اور وسعت سے نوازا۔

حوالے

۱۔ خواجہ محمد زکریا، ڈاکٹر سیہر ادب کا ایک ان دیکھا سیارہ، مضمون، مشمولہ'ارمغان نیاز، (مرتب) جعفر بلوچ، لیہ: دارالکتاب، ۱۹۸۸ء، ص ۹۷

۲۔ ارمغان نیاز،ص ۱۶۳

۳۔ مذکورہ حوالہ،ص۱۷۱

۴۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۷۳

۵۔ نیاز،محمد عبداللہ ،راجہ، صبح سخن، (مرتب) جعفر بلوچ، لاہور: پاکستان بکس اینڈلٹریری ساؤنڈز، ۱۹۹۳ء،ص۶۱

۶۔ عبدالکریم ثمر: احسن تقویم، لاہور: مکتبہ عرفان، بار اول ۱۹۸۲ء،ص۱۰

۷۔ مذکورہ حوالہ،ص۹،۱۰

۸۔ حفیظ تائب: فلیپ،چشمۂ کوثر، آغا صادق، لاہور: گورا پبلشرز،طبع دوم ۱۹۹۴ء

۹۔ آغا صادق: چشمہ کوثر ، لاہور: گورا پبلشرز، ۱۹۹۴ء،ص۲۱۔۲۳

۱۰۔ آغا صادق:صبح صادق، لاہور: گلزارِ عالم پریس،س ن،ص ۳۷،۳۸

۱۱۔ مذکورہ حوالہ،ص۱۱۷

۱۲۔ مذکورہ حوالہ،ص۱۶۷

۱۳۔ آغا صادق: نوا، کوئٹہ: اسلامیہ الیکٹرک پریس،س ن،ص ۲۴

۱۴۔ مذکورہ حوالہ،ص۸۹

۱۵۔ حافظ مظہر الدین: جلوہ گاہ، راول پنڈی: حریم ادب،۱۹۷۵ء،ص۴۰۔۴۷

۱۶۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر: کلیات راسخ عرفانی، راسخ عرفانی، گوجرانوالہ: فروغ ادب اکادمی، ۲۰۰۲ء،ص ۳۷

۱۷۔ راسخ عرفانی: کلیات راسخ عرفانی،ص۵۱

۱۸۔ مذکورہ حوالہ،ص ۵۳

۱۹۔ شاہ انصار الہ آبادی: ارمغانِ حمد، شاہ انصار الہ آبادی حمد و نعت نمبر، جلد نمبر۸ شمارہ نمبر۸۷،۸۸ اپریل مئی ۲۰۱۱ء،ص۷

۲۰۔ احمد ندیم قاسمی: انوارِ جمال، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، بار اول ۲۰۱۱ء،ص ۲۳

۲۱۔ ....: محیط، لاہور، التحریر، بارِ چہارم، ۱۹۸۳ء، ص ۳۶۲

۲۲۔ ....: انوارِ جمال: ص ۲۷، ۲۸

۲۳۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۲۱

۲۴۔ محشر رسول نگری: فخرِ کونینؐ، کوئٹہ: سجاد پبلی کیشنز، طبع دوم ۱۹۸۱ء، ص ۸۸، ۸۹

۲۵۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۷

۲۶۔ نعیم صدیقی: نور کی ندیاں رواں، لاہور: میٹرو پرنٹرز، ۱۹۸۷ء، ص ۱۹

۲۷۔ نظر زیدی: سید: نورٌ علیٰ نور، لاہور: طیبہ پرنٹرز، ۱۹۹۶ء، ص ۳۵

۲۸۔ مذکورہ حوالہ، ص ۴۵

۲۹۔ عزیز حاصل پوری: صحیفۂ نور، لاہور: المعارف، ۱۹۸۳ء، ص ۲۳

۳۰۔ انتخابِ حمد، غوث میاں (مرتب)، ص ۳۳۹

۳۱۔ افسر ماہ پوری، طوٰہ سے حم تک، کراچی: افسر ماہ پوری میموریل اکیڈمی، ۱۹۹۶ء، ص ۳۵

۳۲۔ مذکورہ حوالہ، ص ۵۱

۳۳۔ علیم ناصری: طلع البدر علینا، لاہور: مکتبہ قدوسیہ، اشاعت اوّل ۱۹۹۹ء، ص ۲۵

۳۴۔ مذکورہ حوالہ، ص ۳۴، ۳۵

۳۵۔ مذکورہ حوالہ، ص ۲۷

۳۶۔ مذکورہ حوالہ، ص ۵۶

۳۷۔ مذکورہ حوالہ، ص ۲۸

۳۸۔ مذکورہ حوالہ، ص ۳۶

۳۹۔ مذکورہ حوالہ، ص ۳۸

۴۰۔ مذکورہ حوالہ، ص ۴۶

۴۱۔ وحید قریشی، ڈاکٹر: فلیپ 'طلع البدر علینا'

۴۲۔ حنیف اسعدی: خیر الانام، کراچی: مکتبہ ارباب قلم، ۱۹۸۴ء، ص ۳۱

۴۳۔ اعظم چشتی: نیر اعظم، لاہور: مکتبہ نثار آرٹ پریس، ۱۹۷۰ء، ص ۲۳

۴۴۔ جمیل جالبی: پیش لفظ، وسیم فردوس، ذوقی مظفرنگری، لاہور: شفاف پرنٹرز، ۱۹۸۹ء، ص ۴

۴۵۔ ذوقی مظفرنگری: وسیم فردوس، ص ۹

۴۶۔ سرور بجنوری: حمد و نعت، فیصل آباد: نعت اکادمی، ۱۴۰۱ھ، ص ۱۲

۴۷۔ مذکورہ حوالہ، ص ۴۳

۴۸۔ عارف، عبدالمتین: بے مثال، ملتان: کاروان ادب، ۱۹۸۵ء، ص ۹

۴۹۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر: حمد و نعت، ابوالامتیاز ع۔س۔ مُسلم، لاہور: مقبول اکیڈمی، اشاعت اول ۱۹۸۴ء، ص ۳۵

۵۰۔ ابوالامتیاز، ع۔س۔ مسلم: حمد و نعت، لاہور: مقبول اکیڈمی، اشاعت اول ۱۹۸۴ء ص ۵۳

۵۱۔ مذکورہ حوالہ، ص ۵۵

۵۲۔ مذکورہ حوالہ، ص ۵۹

۵۳۔ مذکورہ حوالہ، ص ۶۴، ۶۵

۵۴۔ حفیظ تائب (مقدمہ): سمٰوات، حسرت حسین حسرت، لاہور: حسرت اکیڈمی، اشاعت اوّل ۱۹۹۷ء، ص ۱۱

۵۵۔ مذکورہ حوالہ، ص ۳۹

۵۶۔ مذکورہ حوالہ، ص ۴۱

۵۷۔ مذکورہ حوالہ، ص ۴۳

۵۸۔ مذکورہ حوالہ، ص ۴۱، ۴۲

۵۹۔ ساحر صدیقی: جامِ حیات، (مرتبہ) ارشد قریشی، لاہور: مکتبۂ خیال، ۱۹۶۴ء، ص ۱۲

۶۰۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۳، ۱۴

۶۱۔ خوشبوؤں کا سفر، ص ۲۲۸

۶۲۔ عبدالعزیز خالد: فارقلیط، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، طبع چہارم ۱۹۸۵ء ص ۱۴۲

۶۳۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۴۶

۶۴۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۴۰

۶۵۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۴۴

۶۶۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۴۵

۶۷۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۳۹،۱۴۰

۶۸۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۵۲،۱۵۵

۶۹،۸۰۔ عبدالعزیز خالد: منحمنا، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، طبع سوم ۱۹۸۵ء، ص ۱۰۲، ۱۰۳

۷۱۔ فارقلیط: ص ۱۴۸

۷۲۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۵۵

۷۳۔ عاصی کرنالی: تمام و ناتمام، کراچی: ایجوکیشنل پریس، ۱۹۹۴ء، ص ۲۳۲

۷۴۔ مذکورہ حوالہ،ص ۹

۷۵۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۹

۷۶۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۸۵

۷۷۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۳۳

۷۸۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۳۴

۷۹۔ مذکورہ حوالہ،ص ۵۳۸

۸۰۔ مذکورہ حوالہ،ص

۸۱۔ مذکورہ حوالہ،ص ۵۳۹

۸۲۔ شاہد الوری: حمد و ثنا، لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۸۴ء، ص ۲۸

۸۳۔ مذکورہ حوالہ،ص ۳۴

۸۴۔ اردو حمد کا ارتقا،ص ۱۴۸

۸۵۔ خزینۂ حمد،ص ۳۲۶

۸۶۔ حزیں کاشمیری: سلک لٔالی، لاہور: معین الادب، ۱۹۸۵ء، ص ۱۳

۸۷۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۵

۸۸۔ **خوشبوؤں کا سفر،** ص ۲۶۸

۸۹۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۷۱

۹۰۔ حفیظ تائب: **خوشبوؤں کا سفر،** طاہر سلطانی، کراچی: جہان حمد پبلی کیشنز، شمارہ نمبر ۱۷،ستمبر ۲۰۰۷،ص ۶۸

۹۱۔ حفیظ تائب: **کلیات حفیظ تائب،** لاہور: القمر انٹر پرائزز،طبع اول **۲۰۰۵**،ص ۵۸،۵۹

۹۲۔ مذکورہ حوالہ ص ۶۶

۹۳۔ مذکورہ حوالہ ص

۹۴۔ مذکورہ حوالہ ص ۱۲۳

۹۵۔ مذکورہ حوالہ ص ۶۳

۹۶۔ مذکورہ حوالہ ص ۵۸

۹۷۔ مذکورہ حوالہ ص ۸۷

۹۸۔ مذکورہ حوالہ ص ۴۱

۹۹۔ مذکورہ حوالہ ص ۶۰

۱۰۰۔ مذکورہ حوالہ ص ۴۱،۴۲

۱۰۱۔ مذکورہ حوالہ ص ۴۶

۱۰۲۔ مذکورہ حوالہ ص ۴۹

۱۰۳۔ مذکورہ حوالہ ص ۵۰

۱۰۴۔ مذکورہ حوالہ ص ۶۰

۱۰۵۔ مذکورہ حوالہ ص ۶۶

۱۰۶۔ مذکورہ حوالہ ص ۴۷

۱۰۷۔ مذکورہ حوالہ ص ۳۹،۴۰

۱۰۸۔ مذکورہ حوالہ ص ۴۸

۱۰۹۔ مذکورہ حوالہ ص ۵۶

۱۱۰۔ مذکورہ حوالہ ص ۶۳۳

۱۱۱۔ مذکورہ حوالہ ص ۸۳۔۸۵

۱۱۲۔ جسٹس محمد الیاس: ظہور مصطفی، لاہور: المدینہ پبلی کیشنز، س ن، ص ۲۱،۲۰

۱۱۳ جسٹس محمد الیاس، نوائے بے نوا، لاہور: جنگ پبلشرز، ۱۹۹۵ء، ص ۱۵، ۱۷

۱۱۴۔ خوشبوؤں کا سفر، ص ۱۲۵

۱۱۵۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۱۶

۱۱۶۔ راز کاشمیری: لوح بھی تو قلم بھی تو، گوجرانوالہ: عثمان اکیڈمی، ۱۹۸۸ء، ص ۵۱

۱۱۷۔ محسن احسان: اجمل و اکمل، اسلام آباد: القلم، باراوّل، ۱۹۹۶ء ص ۲۷، ۲۸

۱۱۸۔ مذکورہ حوالہ، ص ۲۵، ۲۶

۱۱۹۔ اردو حمد کا ارتقاء، ص ۱۴۹

۱۲۰۔ خورشید انور رضوی، سید: روشنی ھی روشنی، راولپنڈی، نیرنگ خیال پبلی کیشنز، ۲۰۰۱ء، ص ۱۴

۱۲۱۔ مذکورہ حوالہ، ص ۲۰

۱۲۲۔ سہیل غازی پوری: حمد و نعت: کراچی: شعری دائرہ، ۲۰۰۰ء، ص ۱۶

۱۲۳۔ مذکورہ حوالہ، ص ۲۱

۱۲۴۔ خوشبوؤں کا سفر، ص ۲۰۵

۱۲۵۔ حفیظ صدیقی: لازوال، لاہور: صدیقی پبلشرز، ۱۹۹۲ء، ص ۱۳

۱۲۶۔ رفیع الدین ذکی قریشی: ریاضِ نعت، لاہور: مکتبہ القریش، ۱۹۹۳ء، ص ۱۹

۱۲۷۔ شمس الحسن شمس، مرزا: حمد و نعت، لاہور، ماورا پبلشرز، ۲۰۰۲ء، ص ۱۸

۱۲۸۔ مذکورہ حوالہ، ص ۴۶

۱۲۹۔ ص ۵۶

۱۳۰۔ ہارون الرشید، پروفیسر: طوبیٰ، کراچی: ہارون اکیڈمی، طبع اوّل ۱۹۹۵ء، ص ۲۴

۱۳۱۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۶

۱۳۲۔ مذکورہ حوالہ،ص ۳۴

۱۳۳۔ مذکورہ حوالہ،ص ۴۱

۱۳۴۔ غوث متھراوی: بلاوا، کراچی: ایجوکیشنل پریس، ۱۹۹۲ء،ص ۲۳

۱۳۵۔ اردو حمد کا ارتقاء: طاہر سلطانی،ص ۱۵۴

۱۳۶۔ اقبال جاوید، پروفیسر محمد: شعری التجائیں،ص ۲۶۱

۱۳۷۔ ریاض حسین چودھری: زر معتبر، لاہور: عمیر پبلشرز، بار اول 1995ء،ص ۳۴۔۳۷

۱۳۸۔ خوشبوئوں کا سفر: طاہر سلطانی،ص ۱۷۶

۱۳۹۔ ریاض حسین چودھری: زرِ معتبر،ص ۳۴۔۳۷

۱۴۰۔ قیصر نجفی: رب آشنا، کراچی: جہان حمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء،ص ۱۴۱

۱۴۱۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۴۳

۱۴۲۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۳، ۲۴

۱۴۳۔ خوشبوؤں کا سفر، ص

۱۴۴۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۶۵

۱۴۵۔ خوشبوؤں کا سفر،ص ۲۳۹

۱۴۶۔ اردو حمد کا ارتقا،ص ۱۵۹

۱۴۷۔ آفاق صدیقی: نعت رنگ، حمد نمبر، شمارہ ۷، اگست ۱۹۹۹ء،ص ۲۳۸

۱۴۸۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۴۱

۱۴۹۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۴۲

۱۵۰۔ حسن رضوی، ڈاکٹر: عقیدتیں، لاہور: الحسن پبلی کیشنز، طبع اوّل ۲۰۰۳ء،ص ۲۱، ۲۲

۱۵۱۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۰۵، ۱۰۶

۱۵۲۔ حسن رضوی، ڈاکٹر: مدینے کی ھوا، ۳۴، ۴۴

۱۵۳، ۱۵۴۔ ارمغان حمد: حسن اکبر کمال، حمد و نعت نمبر، شمارہ:۸۹، ۹۰، جون جولائی ۲۰۱۱ء ص ۱۲

۱۵۵۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۶۴

۱۵۶۔ بحوالہ اردو حمد کا ارتقا: ص ۱۹۰

۱۵۷۔ جہان حمد: مناجات نمبر، شمارہ نمبر ۱۱، مئی ۲۰۰۳ء، ص ۲۹۰

۱۵۸۔ طاہر سلطانی: اردو حمد کا ارتقا: ص ۱۹

۱۵۹۔ جعفر بلوچ: اقلیم، لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۸۶ء، طبعِ اول ص ۳۵

۱۶۰۔ حفیظ تائب: مقدمہ بیعت: جعفر بلوچ، لاہور: الفیصل، طبع دوم ۲۰۰۱ء، ص ۱۰

۱۶۱۔ جعفر بلوچ: بیعت، ص ۱۶، ۱۸

۱۶۲۔ مذکورہ حوالہ، ص ۲۴

۱۶۳۔ مذکورہ حوالہ، ص ۲۲، ۲۳

۱۶۴۔ جعفر بلوچ: بر سبیل سخن، لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت، طبع اول ۲۰۰۶ء، ص ۱۹، ۲۰

۱۶۵۔ مذکورہ حوالہ، ص ۲۵، ۲۶

۱۶۶۔ مذکورہ حوالہ، ص ۲۴

۱۶۷۔ نعت رنگ، حمد نمبر، ص ۲۶۸

۱۶۸۔ قمر وارثی: شمس الضحیٰ، کراچی: بزم اربابِ سخن، اشاعت اوّل، ۱۴۰۷ھ، ص ۳۴

۱۶۹۔ خوشبوؤں کا سفر، ص ۲۶۳

۱۷۰۔ مذکورہ حوالہ، ص ۲۴۴

۱۷۱۔ مذکورہ حوالہ، ص ۲۵۰

۱۷۲۔ خوشبوؤں کا سفر، ص ۱۹۴

۱۷۳۔ مفیض، حمد نمبر، ص ۳۶۶

۱۷۴۔ خوشبوؤں کا سفر، ص ۱۸۸

۱۷۵۔ نعت رنگ: کراچی: اقلیم نعت، شمارہ نمبر ۲، اشاعت دوم، جنوری ۱۹۹۶ء

۱۷۶۔ یحییٰ نشیط، ڈاکٹر، سید: اردو میں حمد و مناجات،ص ۱۳۶

۱۷۷۔ صبیح رحمانی: جادہ رحمت، کراچی: ممتاز پبلشرز، اشاعت اوّل ۱۹۹۳ء،ص ۳۴،۳۵

۱۷۸۔ مذکورہ حوالہ،ص ۴۰

۱۷۹۔ جعفر بلوچ، پروفیسر،فلیپ نگار، وسیلہ، عاصم گیلانی، سید، لاہور: خزینہ علم و ادب، اشاعت ثانی ۲۰۰۱ء

۱۸۰۔ عاصم گیلانی، سید: وسیلہ،ص ۱۷

۱۸۱۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۸،۱۹

۱۸۲۔ عاصم گیلانی، سید،وظیفہ، لاہور: خزینۂ علم و ادب، بار اول ۲۰۰۱ء،ص ۳۳

۱۸۳۔ عزیز الحسن غوری مجذوب، خواجہ: کشکول، سہارنپور: امداد الغربا، ۱۳۲۹ء ص ۳۰

۱۸۴۔ ضیا محمد: موجِ زمزم، لاہور: ایوانِ ادب، بار اوّل ۱۹۹۵ء،ص ا

۱۸۵۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۶

۱۸۶۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۸

۱۸۷۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۹

۱۸۸۔ مذکورہ حوالہ،ص ۵۳

۱۸۹۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۱

۱۹۰۔ مذکورہ حوالہ،ص ۴۷،۴۸

۱۹۱۔ امین گیلانی، سید: سرمایۂ درویش، شیخوپورہ: ادارہ السادات ،طبع اول ۱۹۹۴ء،ص ۱۷

۱۹۲۔ کرم شاہ الازہری: مقدمہ،بہار طیب و طاہر،ص ۱۲

۱۹۳۔ شوکت ہاشمی: بہار طیب و طاہر، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، بار اوّل ۱۹۹۹ء،ص ۲۵،۲۷

۱۹۴۔ اختر شیرازی: توحید و رسالت، لاہور: مکتبہ ادب، ۱۹۹۷ء،ص ۱۹

۱۹۵۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۳

۱۹۶۔ سید انوار ظہوری: حرفِ منزہ، لاہور: ظہوری اکیڈمی، بار اول ۱۹۹۳ء،ص ۱۱،۱۲

۱۹۷۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۵

۱۹۸۔ مذکورہ حوالہ،ص ۳۷

۱۹۹۔ مذکورہ حوالہ،ص۴۹

۲۰۰۔ مذکورہ حوالہ،ص۷۵

۲۰۱۔ انوار فیروز پوری: مختار کل،لاہور: بزم عرفان مصطفٰی،بار اوّل ۱۹۷۷ء،ص ۲۲

۲۰۲۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۴،۲۵

۲۰۳۔ مقبول احمد قادری: کیف و سرور، راولپنڈی: زیڈ این پرنٹرز،۱۹۹۱ء،ص ۱۳

۲۰۴۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۸

۲۰۵۔ مذکورہ حوالہ،ص ۶۷

۲۰۶۔ ریاض حسین زیدی، سید: ریاضِ مدحت، ساہیوال: ادب سرائے، اشاعت اوّل ۲۰۰۰ء،ص ۴۹،۵۰

۲۰۷۔ مذکورہ حوالہ،ص ۵۱،۵۲

۲۰۸۔ مذکورہ حوالہ،ص ۵۶

۲۰۹۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۷

۲۱۰۔ مذکورہ حوالہ،ص ۶۲

۲۱۱۔ شریف احسن، حکیم: عبدہٗ و رسولہ، لاہور: ادارہ مطبوعاتِ سلیمانی، طبع اوّل ۲۰۰۰ء،ص ۵

۲۱۲۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۷

۲۱۳۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۸،۲۹

۲۱۴۔ ماخوذ از ''محمد علی اثر کی حمدیہ و نعتیہ شاعری'' مشمولہ نعت رنگ، شمارہ نمبر ۲۳، اگست ۲۰۱۲ء ص ۳۳۳۔۳۴۵

۲۱۵۔ بحوالہ ''زادِ سفر ایک مطالعہ'' مضمون: ڈاکٹر عبدالمنان، مشمولہ، نعت رنگ، کراچی: اقلیم نعت شمارہ ۶، ستمبر ۱۹۹۸ء،ص ۳۵۴

۲۱۶۔ مذکورہ حوالہ،ص ۳۵۵

بابِ ہفتم:

اردو کے حمدیہ مجموعے

تحقیقی وتنقیدی جائزہ

گزشتہ ابواب میں شعرائے اردو کی حمدیہ ومناجاتیہ شاعری کا از آغاز تا ۲۰۱۳ء جائزہ پیش کیا جا چکا ہے۔ تاہم اردو حمد کے دامن میں ایسے مجموعہ ہائے شعر بھی ہیں جو اول و آخر حمد و مناجات پر مبنی ہیں۔ چونکہ ان شعرا کا

حمدیہ کلام معیار و مقدار ہر دو اعتبار سے قابلِ ذکر ہے۔ اس لیے درج ذیل باب میں ان کے مجموعہ جات کے سنہ اشاعت کی ترتیب کے ساتھ ان کا مفصل ذکر کیا جاتا ہے:

فہرست مجموعہ ہائے حمد و مناجات

نام شاعر	نام کتاب	سال اشاعت
۱۔ کنہیا لال ہندی	مناجاتِ ہندی	۱۸۷۳ء
۲۔ حکیم غلام محی الدین	مناجات دربارہ توحید	۱۹۰۳ء
۳۔ شیخ عبداللہ خان عبدی	حمد نامہ	۱۹۰۷ء
۴۔ غلام سرور لاہوری	دیوان حمد ایزدی	۱۹۰۸ء
۵۔ ملک ہیمراج	نغمۂ توحید	۱۹۰۹ء
۶۔ شیخ محمد خان قریشی خادمؔ	تحفۂ حقانی	۱۹۱۱ء
۷۔ مضطر خیر آبادی	نذرِ خدا	۱۹۱۲ء
۸۔ مولوی خرم علی	خدا کی قدرت	س۔ن اندازاً قیام پاکستان سے قبل
۹۔ امۃ اللہ تسنیم	بابِ کرم	۱۹۵۴ء
۱۰۔ درد کاکوروی	آہِ سرد	۱۹۷۲ء
۱۱۔ عطا کلیانوی	وجود و شہود	۱۹۷۳ء
۱۲۔ عبدالسلام طور	پتھر میں آگ	۱۹۸۰ء
۱۳۔ مظفر وارثی	الحمد	۱۹۸۴ء
۱۴۔ طفیل دارا	لاشریک	۱۹۸۴ء
۱۵۔ حافظ لدھیانوی	ذوالجلال والاکرام	۱۹۸۶ء
۱۶۔ لطیف اثر	صحیفۂ حمد	۱۹۸۸ء
۱۷۔ تبسم رضوانی	حمد و ثنا	۱۹۸۹ء

۱۸۔ حافظ لدھیانوی	سبحان اللہ و بحمدہ	۱۹۹۰ء
۱۹۔ حافظ لدھیانوی	سبحان اللہ العظیم	۱۹۹۰ء
۲۰۔ کاوش زیدی	بحضورِ حق تعالیٰ	۱۹۹۰ء
۲۱۔ لالۂ صحرائی	قلم سجدے	۱۹۹۳ء
۲۲۔ مسرور بدایوانی	حمدیہ قطعات	۱۹۹۴ء
۲۳۔ ابرار کرت پوری	خالقِ ذوالجلال	۱۹۹۴ء
۲۴۔ خواجہ محمد کریم اللہ عباسی قادری	زمزمۂ حمد	۱۹۹۶ء
۲۵۔ لطیف اثر	صحیفۂ ذات	۱۹۹۶ء
۲۶۔ لطیف اثر	اللھم	۱۹۹۶ء
۲۷۔ محبت خان بنگش	خدائے ذوالجلال	۱۹۹۶ء
۲۸۔ انوار عزمی	نام بنام حمد وثنا	۱۹۹۸ء
۲۹۔ منصور ملتانی	مرسل و مرسل	۱۹۹۸ء
۳۰۔ شیبا حیدری	حمد نامہ	۱۹۹۸ء
۳۱۔ انصار الحق قریشی	اللہ اکبر	۱۹۹۹ء
۳۲۔ طاہر سلطانی	حمد میری بندگی	۲۰۰۰ء
۳۳۔ لطیف اثر	طلوعِ حمد	۲۰۰۰ء
۳۴۔ جمیل عظیم آبادی	الرحمن	۲۰۰۰ء
۳۵۔ اجمل نقشبندی	صحیفہ حمد کا	۲۰۰۰ء
۳۶۔ رشک ترابی	العظمت للہ	۲۰۰۱ء
۳۷۔ سجاد سخن	رب العلمین	۲۰۰۱ء
۳۸۔ نگار فاروقی	اللہ الصمد	۲۰۰۱ء

۳۹۔مظفر وارثی	لاشریک	۲۰۰۱ء
۴۰۔تنویر پھول	زبورِ سخن	۲۰۰۲ء
۴۱۔علیم النساء ثنا	تری ہی حمد وثنا	۲۰۰۲ء
۴۲۔عزیز الدین خاکی	الحمد للہ	۲۰۰۲ء
۴۳۔سائرہ حمید	سرچشمہ حمد	۲۰۰۳ء
۴۴۔سائرہ حمید	کتنا ہے احترامِ خدا	۲۰۰۳ء
۴۵۔محمد اقبال نجمی	نغمہ حمد	۲۰۰۵ء
۴۶۔اعجاز چشتی	لاشریک	۲۰۰۶ء
۴۷۔اعجاز چشتی	ربِ کائنات	۲۰۰۶ء
۴۸۔محمد اقبال نجمی	حمدیہ ہائیکو	۲۰۰۹ء
۴۹۔محمد اقبال نجمی	ریاضِ حمد	۲۰۰۹ء
۵۰۔منیر سیفی	حرفِ ناتمام	۲۰۱۰ء
۵۱۔محمد نواز میاں	حمدِ خالقِ کائنات	۲۰۱۰ء
۵۲۔طاہر سلطانی	حمدِ کردگار	۲۰۱۱ء
۵۳۔خیال آفاقی	احد احد	۲۰۱۳ء

اردو کا اولین مجموعہ حمد ''دیوان مناجات ہندی'' ۱۸۷۳ء۔ایک بازیافت:

دنیا کی بہت سی زبانوں کے ادب کی طرح اردو ادب کا آغاز بھی بنیادی طور پر شاعری سے ہوا۔ اور حمد نگاری کا آغاز اردو کے آغاز ہی میں ہو گیا تھا۔ دواوین کے آغاز میں حمد کا باقاعدہ اہتمام کیا جاتا تھا۔ چنانچہ اردو میں سب سے پہلی حمد لکھنے کا اعزاز فخر دین نظامی کو حاصل ہوا۔ اور حمد روز افزوں فروغ پاتی اور ترقی کرتی رہی۔ سیکڑوں بلکہ ہزاروں شعرا نے دلکش حمد و مناجات سے اردو شاعری کے دامن کو بھر دیا۔

یہ امر قابلِ ذکر اور تعجب انگیز ہے کہ برِعظیم پاک و ہند میں اردو شاعری کی شاندار روایات میں تمام اصنافِ شعری کو بھر پور پذیرائی ملی اور ان کے ان گنت شعری مجموعے بھی شائع ہوئے۔ صرف 'غزل' ہی کی مثال کو لیجیے، جتنا کثیر سرمایہ ہمارے یہاں 'غزل' کا موجود ہے اور کسی صنف کا شاذ ہی ملے۔ مگر گزشتہ چھے سو برس کی علمی و ادبی تاریخ میں حمد و مناجات کے بمشکل ساٹھ کے قریب مجموعے دستیاب ہوئے ہیں جو ہمارے لیے قابل غور وفکر ہے۔ اردو مجموعہ ہائے حمد و مناجات کی تاریخ میں اولیت کا سہرا کس کے سر ہے یہ سوال ہنوز جواب طلب ہے۔ 'حمد' کے موضوع پر اب تک جن محققین نے دادِ تحقیق وصول کی۔ ان میں جناب طاہر سلطانی صاحب اور غوث میاں کے نامِ نامی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ذیل میں پہلے مجموعۂ حمد و مناجات کے حوالے سے ان کی آرا درج کی جاتی ہیں۔ طاہر سلطانی اپنی کتاب ''اردو حمد کا ارتقا'' میں رقم طراز ہیں:

> ''اردو میں اولین مجموعۂ حمد'' دیوان ایزدی'' ۱۳۲۷ھ میں لکھنؤ سے شائع ہوا، اس مجموعے کے خالق مفتی محمد سرور لاہوری ہیں'' ۱؎

مذکورہ بالا کتاب میں 'دیوانِ حمد ایزدی' پر ان کا مفصّل مضمون بھی شامل ہے، مضمون میں ایک مقام پر لکھتے ہیں:

> ''اس یادگار کتاب کو ۱۳۳۷ھ میں مطبع نامی منشی نول کشور کان پور نے زیورِ طباعت سے آراستہ کیا۔'' ۲؎

اس کے بعد قطعاتِ تاریخ درج کرتے ہیں، جن کے مطابق ہجری سنہ ۱۳۲۷ھ ہے۔ مولانا حامد علی خاں حامد شاہ آبادی کا قطعۂ تاریخ درج کرتے ہیں:

یہ دیوان جو ہے حمد اور نعت میں

تو دیوانوں میں سب سے بڑھ کر یہ ہے
نہ کیوں سر برآور دہ ہو اس کی نظم
کہ مشہور تصنیف سرورؔ یہ ہے
تصانیف ہے اس کی مطبوع کل
حقیقت میں اعلیٰ سخنور یہ ہے
ہوئی سالِ تاریخ کی مجھ کو فکر
کہ اب مشغلہ میرا اکثر یہ ہے
لکھا میںنے حامدؔ یہ مصراع طبع
چھپا خوب دیوان بہتر یہ ہے [۳]

۱۳۲۷ھ

ایک ہی کتاب میں ایک ہی مقام سے شائع ہونے والے دیوان کی تاریخ اشاعت وہ کہیں ۱۳۲۷ھ درج کرتے ہیں اور کہیں ۱۳۳۷ھ۔ ہم اسے سہوِ کتابت سمجھ کر نظر انداز کر دیتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ جناب غوث میاں اس امر کی تحقیق کس انداز میں کرتے ہیں۔ وہ اپنی کتاب ''انتخابِ حمد'' میں لکھتے ہیں:

اردو زبان میں حمد کے موضوع پر پہلا مجموعہ ''دیوانِ حمد ایزدی'' غلام سرورؔ لاہوری کا ہے جو ۱۸۸۰ء میں لاہور سے شائع ہوا۔ اس وقت میرے پیش نظر ۱۳۲۷ھ/۱۹۰۹ء میں منشی نول کشور سے شائع ہونے والا نسخہ ہے۔'' [۴]

محترم غوث میاں نے یہ تو ذکر کیا ہے کہ ۱۸۸۰ء میں یہ مجموعہ حمد، لاہور سے شائع ہوا مگر اس کی تفصیل درج نہیں کی کہ ۱۸۸۰ء میں اس کے پہلی بار شائع ہونے کی دلیل کیا ہے؟ آیا یہ نسخہ ان کی نظر سے گزرا؟ یا ان کی اس رائے کا ماخذ کیا ہے؟

اکثر اہلِ علم کے علاوہ پروفیسر سحر انصاری نے بھی محترمہ شیبا حیدری کے مجموعۂ ''حمد نامہ'' میں اسی امر کا اعادہ کیا ہے۔ کہتے ہیں:

''اب تک کی تحقیق کے مطابق اردو زبان میں حمدیہ شاعری کا پہلا مجموعہ غلام سرورؔ لاہوری کا ہے جو'' دیوان حمد ایزدی'' کے عنوان سے ۱۸۰۰ء مطابق ۱۲۹۷ ہجری میں ''باندازِ مرضی

مصنف موصوف'' مطبع نول کشور لکھنؤ سے شائع ہوا۔ میرے پیش نظر ۱۸۸۱ء نول کشوری نسخہ ہے۔''۵؎

پروفیسر صاحب نے بھی ۱۸۰۰ء میں شائع شدہ نسخے کا مستند حوالہ نہیں دیا اور ۱۸۸۱ء کا نول کشوری نسخہ جو ان کے پیش نظر ہے، وہ کس شہر سے چھپا ہے۔ اس کا ذکر نہیں کیا ان کے اس بیان سے ہم یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ ان کے پیش نظر 'دیوانِ حمد ایزدی' کی کون سی اشاعت ہے؟

ڈاکٹر سیّد عبداللہ نے الحمد (از مظفر وارثی) کو اردو حمد کا پہلا مجموعہ قرار دیا ہے جو ۱۹۸۴ء میں شائع ہوا اور ہماری تحقیق کے مطابق حمدیہ مجموعوں میں بارہویں نمبر پر آتا ہے۔ لیکن سید عبداللہ ''تحقیق کے عنوان سے لکھتے ہیں:

''مظفر وارثی صاحب کے مجموعہ حمد (الحمد) کو اپنی نوعیت کی منفرد عطا کہا سکتا ہے۔ جہاں تک مجھے معلوم ہے آج تک فارسی یا اردو کے کسی شاعر نے خالص حمد کے موضوع پر منظومات کا کوئی مجموعہ نہیں پیش کیا......غرض یہ شرف مظفر وارثی کو حاصل ہے۔''۶؎

'تحقیق' کے عنوان سے اس مختصر سی رائے میں ڈاکٹر صاحب جیسے عالمِ باخبر کی بے خبری اور ''تحقیق'' پر شدید حیرت ہوتی ہے۔

اب ہم ''دیوانِ حمدِ ایزدی'' کی طرف رجوع کرتے ہیں اور اس کے اندرونی شواہد دیکھتے ہیں۔

راقمہ کے پیش نظر اس دیوان کا وہ مطبوعہ نسخہ ہے جو:

''حسب استعداد شائقین با تمکین مطبع منشی نول کشور واقع شہر کان پور میں بسر پرستی امیر باذل، سخی، دریا دل معلے القاب، ذی المجد والمحاسن عالیجناب منشی پراگ نراین صاحب بھارگو رائے بہادر مالک مطبع دام اقبالہٗ باہتمام کامل منشی بھگو اندیال صاحب عاقل ایجنٹ مطبع ماہ ستمبر ۱۹۰۹ء بار اوّل طبع ہوا''۔۷؎

اس عبارت سے غلط فہمی پیدا ہونے کا امکان ہے۔ مذکورہ دیوان ستمبر ۱۹۰۹ء میں پہلی بار طبع نہیں ہوا اس سے قبل بھی اس کی ''چند بار'' اشاعتیں ہو چکی تھیں اس بارے میں صراحت و وضاحت اسی مقام پر کی گئی ہے:

''المختصر یہ دیوان برکت تو امان جو اپنی خوبیوں میں اپنا آپ ہی نظیر ہے اس سے پہلے چند بار مطبع منشی نول کشور صاحب سی آئی۔ ای۔ موسوم بہ اودھ اخبار واقع شہر لکھنؤ اور لاہور میں چھپا۔''

مذکورہ عبارت سے اس امر کی تائید ہوتی ہے کہ واقعی یہ دیوان لکھنؤ اور لاہور دو مقامات سے اس سے قبل شائع ہو چکا تھا۔ مگر سالِ تاریخ کا ذکر کہیں نہیں ملتا۔ جس سے ہم یہ معلوم کرسکیں کہ دیوانِ مذکورہ کی اولین اشاعت کس سنہ میں ہوئی تھی۔ اس لئے شواہد کی عدم موجودگی کی بنا پر اور موجودہ نسخۂ واحد کی بنا پر اس رائے پر اصرار کرتے ہیں کہ 'دیوانِ حمد ایزدی' کی اولین اشاعت کے سال کا تعین نہیں کیا جا سکتا۔

غلام سرورؔ لاہوری کے مذکورہ دیوان کو حمد کے پہلے مجموعے کے مذکور دعوے کے برعکس ہم دیکھتے ہیں کہ حمد ومناجات کا پہلا دستیاب مجموعہ ''دیوانِ مناجاتِ ہندی'' ہے جو ۱۸۸۲ء میں وکٹوریہ پریس لاہور سے چھٹی بار شائع ہوا، رائے بہادر لالہ کنہیا لال ہندی کی طبع لطیف کا شاہکار ہے۔ آپ کا نام لالہ کنہیا لال اور ہندیؔ تخلص تھا۔ آپ جون ۱۸۳۰ء میں قصبہ جلبیسر (سابق علی گڑھ حال ضلع ایٹہ۔ یو) میں پیدا ہوئے۔ مسرّت یاسمین اپنے ایم۔اے فارسی کے مقالے ''کنہیا لال ہندی لاہوری۔ شخصیت و شاعری'' میں کنہیا لال کے حالات زندگی درج کرتے ہوئے لکھتی ہیں:

> ''ان کے والد ہرنارائن کالیستھ برادی کے تھے۔ ان کے خاندان کے لوگ سرکاری ملازمتوں کے باعث اردو، فارسی، عربی اور انگریزی پر بھی عبور رکھتے تھے۔ یہ لوگ سلاطین لودھی کے عہد میں فارسی وغیرہ میں تحصیل علوم کر کے سرکاری ملازمتوں میں داخل ہوئے اور مغلیہ حکومت کے زمانے میں بھی نظام حکومت میں دخیل تھے۔ جب ہندوستان میں ایسٹ انڈیا کمپنی کی حکومت قائم ہوئی تو انھوں نے ان کی طرف دستِ تعاون بڑھانے میں سبقت حاصل کی اور انگریزی زبان کی تحصیل کو ضروری سمجھا۔ اپنے کلام میں ہندیؔ اپنے خاندان کا تعارف اس طرح کرواتے ہیں۔
>
> منم ہندی ہند کالیستھ قوم
> کہ کایستھ باشند شائستہ قوم ۱۰ے

۱۸۴۶ء میں میٹرک میں نمایاں کامیابی حاصل کر کے سو روپے وظیفہ برائے انجینئر نگ کالج رڑکی حاصل کیا۔ دو سال میں انجینئر نگ کی تعلیم مکمل کر کے سرکاری ملازمت حاصل کی۔ ۱۸۶۶ء میں ملازم ہوئے اور ۱۸۸۵ء میں پچپن برس کی عمر میں ریٹائر ہوئے۔ وہ پہلے ہندوستانی ہیں جو ایگزیکٹو انجینئر کے عہدہ جلیلہ تک پہنچے۔ انھوں

نے ۲۳ فروری ۱۸۸۸ء کو وفات پائی۔ ان کی وفات کے بعد نواں کوٹ لاہور کے مقام پر ان کی سمادھ کے طور پر ایک یادگار بنوائی گئی اور اس سے متصل مندر رام چندر جی بھی تعمیر کروایا گیا۔۱۱؎

کسریٰ منہاس نے اپنے مضمون'' لاہور کے مورخ'' مشمولہ نقوش''لاہور نمبر ۲'' میں ان کی گیارہ تصانیف نظم و نثر کا مفصل ذکر کیا ہے۔ جن میں گلزارِ ہندی، بندگی نامہ، مامقیمان کوئے دلداریم، یادگارِ ہندی، مناجاتِ ہندی، مخزن التوحید، اخلاقِ ہندی، ظفر نامہ رنجیت سنگھ المعروف بہ رنجیت نامہ، تاریخِ پنجاب، نگاریں نامہ اور تاریخِ لاہور شامل ہیں۔۱۲؎ ان کی منظوم و منثور تصانیف میں''تاریخِ لاہور'' ایک یادگار تصنیف ہے۔ جسے تاریخی دنیا میں''امٹ تالیف'' کہا جاسکتا ہے۔جس طرح 'تاریخِ لاہور' ان کی نثری کتب میں زندہ و جاوید حیثیت کی حامل ہے، اسی طرح 'دیوانِ مناجاتِ ہندی' اردو شاعری میں حمد و مناجات کا اولین اور معیاری مجموعہ ہونے کے ناطے، ان کی شہرتِ دوام کا باعث ہے۔

مفتی محمد سرور لاہوری، جن کے 'دیوانِ ایزدی' کو حمد کا اولین مجموعہ قرار دیا جاتا ہے۔ کنہیا لال کے صرف استاد ہی نہ تھے بلکہ ان پر حد درجہ مہربان اور کمال شفقت فرماتے تھے۔ مفتی صاحب کی سرپرستی میں لالہ کنہیا لال ہندی کے جوہرِ کمالات چمکے اور ان کا فطری ذوق جلا پانے لگا۔ ان دونوں کے درمیان عقیدت، احترام اور مہر و محبت کی جھلکیاں ہندیؔ کی زندگی اور ان کے کلام میں بھی ملتی ہیں۔

مفتی سرورؔ لاہوری نے کنہیا لال کے تقریباً ہر شعری مجموعے کے قطعات تاریخ کہے اور بعض اوقات ایک ہی کتاب کے ایک سے زاید قطعات کہے اور ہر اشاعت پر نئے قطعات کہتے رہے۔ مثلاً 'مناجات ہندی' کی اولین اشاعت ۱۲۹۰ھ پر آپ نے ذیل کا قطعہ کہا:

یہ ہے سالِ تاریخ طبع عجیب
مناجات ہندی عجیب و غریب
یہ تاریخ ہجری ہے اے اہلِ دیں
مناجات ہندی ہے روشن یقین ۱۳؎

۱۲۹۰ھ

اور 'مناجات ہندی' کی چھٹی اشاعت پر یوں تاریخ کہی:

سرورِ لاہور نے لکھی عجب تاریخ طبع
عمدہ یہہ دیواں برابر چھپ چکا چھہ مرتبہ [14]

۱۲۹۹ھ

کنہیا لال ہندیؔ کے اس تاریخی دیوان کے سرورق پر یہ الفاظ مرقوم ہیں:

’’الدعوات و الحاجات و باعث المغفرۃ والنجاۃ بہ تفضلات ایزدی و تلقّاتِ سرمدی یہہ کتاب الموسوم بہ ’’دیوانِ مناجات ہندی ۱۸۸۲ء مصنفہ شاعر نازک خیال جناب رائے بہادر کنہیا لال صاحب ایگزیکٹو انجینئر لاہور ڈویژن، وکٹوریہ پریس لاہور میں باہتمام راہِ سیّد حبعلیشاہ کے]کذا] دفعہ ششم، تعداد چھاپہ ۵۰۰ جلد‘‘

کتاب کے سرورق پر ہی دفعہ ششم کے الفاظ درج ہیں جن سے پتا چلتا ہے کہ ۱۸۸۲ء میں دیوان مناجات ہندی چھٹی بار شائع ہوا۔ متن میں اندرونی شواہد اس امر کی دلیل ہیں کہ دیوانِ مناجاتِ ہندی پہلی بار ۱۲۹۰ھ/ ۱۸۷۳ء میں شائع ہوا۔ کنہیا لال ’’تمہید وعرضِ حال مصنف‘‘ کے عنوان کے تحت اپنی مطبوعہ کتب کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

لکھی پہلے ’’گلزارِ ہندی‘‘ کتاب
ہوئے بہرہ ور جس سے اہلِ صواب
لکھا ’’بندگی نامہ‘‘ دلربا
ہوئے جس سے خوش بندگانِ خدا
لکھا اور ایک نسخۂ زرنگار
کہ ہندی کے ہے نام سے یادگار

حاشیے میں ’’یعنی یادگار ہندی‘‘ کے الفاظ بھی درج ہیں۔

لکھا اور نسخہ بصد انتظام
کیا جس کا اخلاقِ ہندی ہے نام

ان اشعار سے پتا چلتا ہے کہ کنہیا لال نے مناجات ہندی سے قبل چار شعری مجموعے تخلیق کئے جن کے نام بہ ترتیب گلزار ہندی، بندگی نامہ، یادگارِ ہندی اور اخلاقِ ہندی تھے۔ اور اب اپنے پانچویں مجموعے ’’مناجات

ہندی‘‘ کی بابت کہتے ہیں:

یہ نسخہ ہوا پانچواں اب رقم
بلطفِ خداوندِ اہلِ کرم
بصد شوق لکھی گئی یہہ کتاب
بحمد خداوندِ روزِ حساب
ہوئی ہے کہیں حق کی وحدت بیاں
کہیں اوسکی کثرت کا ہے ترجماں
کہیں ہے ندا اور کہیں التجا
کہیں ہے دعا اور کہیں ہے ثنا
ہے دلچسپ ہر ایک اوسکی غزل
محل پر ہے لکھی گئی برمحل
یہ دیواں ہے مرغوب روحانیاں
یہ نسخہ ہے محبوب یونانیاں
یہ ہے مدحِ فرمان دہ کارساز
یہ ہے وصف دادار دانائے داز
یہ ہے حمد پروردگارِ جہان
یہ ہے مدحِ روزی دہِ بندگان
یہے نظم مطبوع ہر خاص و عام
خدا سے فقط جس کو ہے انتظام
یہ تحریر اب ہو چکی جب رقم
ہوا سرنگوں بندگی میں قلم
’’مناجات ہندی‘‘ ہوا اس کا نام
بصد فخر مطبوع اہلِ کلام
بتاریخ تصنیف و ختم کتاب
کیا جبکہ ہندی نے دلمیں حساب

کہا ہاتفِ غیب نے اس کا سال
مناجاتِ ہندی عدیم المثال ۱۶؎

۱۲۹۰ھ

اس طرح یہ امر پایۂ ثبوت کو پہنچتا ہے کہ دیوانِ مناجات ہندی ۱۲۹۰ھ بمطابق ۱۸۷۳ء کی تصنیف ہے اور اسے بجا طور پر اردو کا پہلا حمدیہ و مناجاتیہ دیوان ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ اس لیے کہ اگر ہم پروفیسر سحر انصاری اور غوث میاں کے اس دعویٰ بے دلیل کو تسلیم بھی کر لیں کہ ''دیوانِ حمد ایزدی'' از مولوی غلام سرور لاہوری پہلی بار ۱۸۸۰ء میں لاہور سے شائع ہوا، پھر بھی دیوانِ مناجات ہندی کو تقدیم حاصل ہے کہ یہ اس سے سات برس قبل زیور طباعت سے آراستہ ہوا۔

مجموعے کے آخری صفحات پر خاتمہ الطبع کے عنوان سے ناشر کی رائے سے پتا چلتا ہے کہ اس سے قبل یہ دیوان پانچ مرتبہ چھپ کر بے قیمت تقسیم ہوا اور اب مع اضافہ شائع ہو رہا ہے۔ لکھتے ہیں:

''اگرچہ پہلے ہی پانچ مرتبہ یہہ عمدہ دیوان لاہور میں چھپ کر با ارشاد جناب مصنف صاحب شائقین باتمکین کو مفت بے قیمت تقسیم ہوا ہے مگر اب کے چھاپہ مین رائے صاحب ممدوح نے اور بہے اس عجیب و غریب دیوان کو زیادہ کیا اور بحرِ طویل کے بتیس بند لکھ کر اس کے آغاز میں ایزا کردی، جس سے اس عارفانہ کتاب کے زیب و زینت دو چنداں ہو گی۔'' ۱۷؎

'کنہیا لال' نے چھٹی اشاعت پر دو قطعات تاریخ بھی آخر میں نظم کئے ہیں۔ ہجری اور عیسوی دونوں حوالے سے ہمارے پیش نظر سند موجود ہے۔ عیسوی سنہ کے ۹ اشعار پر مبنی قطعہ تاریخ سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

یہہ مناجات کنہیا لال ہندیے دوستو
ہی خدا کے فضل سے چھاپی گئی چھہ مرتبہ
مطلع امید پر چھہ بار نکلا ہے یہ چاند
چار سو پھیلی ہے اس کی روشنی چھہ مرتبہ
مصرع تاریخ لکھ ہندی بسالِ خاتمہ
نظم ہندی کی بس اب کے چھپ چکے چھہ مرتبہ ۱۸؎

۱۸۸۲ء

ہجری سن ۱۲۹۹ھ کے مطابق قطعہ تاریخ ۱۱ اشعار پر مشتمل ہے۔ آخری شعر جس سے تاریخ اشاعت نکلتی ہے، درج ذیل ہے۔

بہر سال طبع ہندیے کر رقم تاریخ و سال

۱۲۹۹ھ

چھپ چکا ابتک یہہ دیوانِ کلاں چھہ مرتبہ ۱۹؎

مفتی غلام سرورؔ لاہوری نے، جن کے ''دیوان حمد ایزدی'' کو پہلا دیوانِ حمد قرار دیا جاتا ہے نے بھی اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں قطعات تاریخ رقم کئے ہیں۔ جن سے ان دونوں ہم عصر شعرا کے درمیان ربط وتعلق کا بھی علم ہوتا ہے اور کنہیا لال کی عظمت شاعرانہ کا بھی۔ مفتی صاحب، کنہیا لال کی شاعری کے لفظی ومعنوی محاسن اور کلام کی مقبولیت کی اس طرح تحسین فرماتے ہیں:

چہ دیوان است دیوانِ مناجات
عجائب نسخہ و نظم گہر بار
حروفش صورت و اللیل مشکیں
بشکل والضحٰی مضمون پر انوار
چوشد مطبوع طبع نکتہ داناں
زمانہ شد بنقد جاں خریدار
بہر قریہ بہر شہر و بہر ملک
شد از دیوانِ ہندی گرم بازار
راقم]رقم] کرد است این دیوانِ رنگیں
کنہیا لال ہندی بخت بیدار
بدین نسخہ رجوع خاطر آورد
ہرآن شخصیکہ گشت از عشق بیمار
پئ تاریخ طبش طبع سرورؔ
بگفتا طبع شد دیوان ششم بار ۲۰؎

۱۲۹۹ھ

اگر دونوں دواوین (دیوان مناجات ہندی اور دیوان حمد ایزدی) کے مشمولات کا بغور مطالعہ کیا جائے تو بھی ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ غلام سرور لاہوری کے دیوان کو اردو مجموعۂ حمد کہنا بھی درست نہیں ہے۔ اپنی رائے کی تائید میں ہم درج ذیل دلائل پیش کرتے ہیں۔

1- دیوانِ حمدِ ایزدی میں صرف اردو کلام نہیں ہے بلکہ اس میں ۷ غزلیات بزبانِ فارسی بھی ہیں اور اس کا آغاز بھی فارسی غزل سے ہوتا ہے۔ جبکہ مناجاتِ ہندی میں کسی بھی قسم کا فارسی کلام شامل نہیں اور وہ از آغاز تا اختتام صرف اردو کلام ہے۔

۲۔''دیوانِ حمد ایزدی'' کے سرورق پر دیوان کی خصوصیات کی صراحت ان الفاظ میں کی گئی ہے:

''مجموعہ غزلیات کا ردیف وار، حمد باری میں کلام گہر بار نصائح کا ماخذ و مبادی''۲۱۔ جس سے پتا چلتا ہے کہ یہ ''ردیف وار غزلیات'' کا مجموعہ ہے جبکہ دیوان میں غزلیات کے علاوہ مسدس، مخمس اور ترکیب بند بھی موجود ہے۔ اس لئے اسے صرف 'مجموعہ غزلیات کا ردیف وار' کہنا مناسب نہیں۔

دوسری طرف ''مناجات ہندی'' کے سرورق کی جو تفصیل گزشتہ صفحات میں دی گئی، اس سے پتا چلتا ہے کہ مصنف نے اسے ''دیوان'' ہی کا نام دیا ہے۔ جبکہ اس کے مشمولات میں چھ مسدس، سات مخمس اور قطعات شامل ہیں۔

3- دیوانِ حمد ایزدی کو مصنف کے اپنے الفاظ میں نصائح کا ماخذ و مبادی'' قرار دیا گیا ہے اور یہی درست ہے کیونکہ پورے دیوان میں نصائح پر مبنی اشعار کی تعداد، حمدیہ اشعار سے کہیں زیادہ ہے۔

پروفیسر شفقت رضوی لکھتے ہیں:

''پورے دیوان میں موجود اشعار کا موازنہ نصائح پر مبنی اشعار کی تعداد سے کیا جائے تو تناسب ایک اور چار کا ہوگا۔ اگر حمدیہ شعر ایک ہے تو اس کے مقابلے میں نصائح پر مبنی اشعار چار ہیں۔ اکثر یہ صورت حال سامنے آتی ہے کہ مطلع حمد میں ہے اس کے بعد ایک شعر اسی نوعیت کا ہے پھر نصیحتیں شروع ہوگئیں جن کا سلسلہ ۸ / ۱۰ اشعار تک جاری رہتا ہے۔ اس میں چند ہی غزلیں ایسی ملیں گی جو از ابتدا تا انتہا حمدیہ اشعار پر مشتمل ہوں''۲۲۔

دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ مناجاتِ ہندی میں بھی اگرچہ پند و نصائح موجود ہیں مگر ان کا تناسب 'دیوانِ ایزدی' کی نسبت کم ہے۔ دوسرے ان کے ہاں نصائح اور حمدیہ موضوعات ساتھ ساتھ چلتے ہیں مثلاً ان کی واسوخت سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

خدا کے روبرو کر اپنے فریاد
خدا سے مانگ ہر بیداد کی داد
چھڑاتا ہے خدا رنج والم سے
خدا کرتا ہے بندِ غم سے آزاد ۲۳؎

ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ بہ اعتبار مقدار بھی کنہیا لال ہندیؔ کی حمدیہ شاعری غلام سرورؔ لاہوری کی نسبت زیادہ ہے۔ سرورؔ صاحب کا دیوانِ حمدِ ایزدی ۹۷ صفحات پر جبکہ کنہیا لال کا دیوان مناجات ہندی ۲۳۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ دیوان کے علاوہ بھی کنہیا لال کی کتاب بندگی نامہ (فارسی) اور مخزن توحید (فارسی) بھی حمد و مناجات پر مشتمل ہے۔ ایک اور خصوصیت ان کی تمام کتب میں مشترکہ طور پر پائی جاتی ہے یہ ہے کہ وہ اپنی تمام کتب کا آغاز، جن کا تعلق نظم سے ہے یا نثر ہے، حمد سے کرتے ہیں اور یہ خصوصیت صرف انہی سے مخصوص ہے ہمیں اردو نظم سے قطع نظر، نثری کتب میں آغاز منظوم حمد سے کرنے کی روایت، تاحال، نظر نہیں آتی۔ مثلاً 'تاریخِ لاہور' جو ان کی منثور کتاب ہے کا آغاز ذیل کا حمدیہ اشعار سے ہوتا ہے:

وہ کیا ایک ہے ذات پروردگار
فقط بے شماری ہے جس کا شمار
وہ کیا ایک خالق ہے نام خدا
نہیں جس کا ثانی کوئی دوسرا

طویل حمد کے آخر میں کہتے ہیں:

بہ تعریف و توصیف پروردگار
بہ تشریح ذات خداوند گار
کرے کیا بیاں ہندیؔ کم زباں
کہ ہے طول توحید کی داستان ۲۴؎

اسی طرح ''تاریخ پنجاب' کے آغاز میں حمد و مناجات پر مبنی اشعار دیکھئے:

سب کا حاکم جنابِ باری ہے
حکم جس کا ہمیشہ جاری ہے
جتنے انساں ہیں یا کہ حیواں ہیں
ساری اس کے مطیع فرماں ہیں
......یا الٰہی مری خبر لیجیے
ہندیؔ زار پر نظر کیجیے ۲۵؎

'بندگی نامہ' اور 'مخزن توحید' کا تو ذکر ہی کیا کہ دونوں فارسی میں حمد و مناجات کے دفتر ہیں۔'بندگی نامہ' میں خدا کے متعلق اپنے صوفیانہ اور عارفانہ تصورات اس طرح منظوم کرتے ہیں:

ذاتِ حق رابہیں تو در ہر چیز
باش مشغول در نکو کاری
ذاتش از جسم و جوہراست بری
مظہرش جن و انس و حور و پری
ذات حق را ہمیشہ می جویم
'وحدہ لا شریک' می گویم ۲۶؎

دیوان مخزن التوحید، میں اپنے دیوان کا تعارف ان الفاظ میں کراتے ہیں:

ہندیا کردۂ درین دیوان
راز وحدت عیان زہر مصرع ۲۷؎

شکر حق ہندی کہ درحمد خداوند کریم
در زبان پارسی این عمدہ دیواں یافتم ۲۸؎

'دیوان مناجات ہندی' کا باقاعدہ آغاز ۳۴ چونتیس بند پر مشتمل طویل حمدیہ نظم سے ہوتا ہے جو چھوٹی بحر میں لکھی گئی ہے اس سے قبل کے صفحات پر ایک مختصر حمد اور تمہید و عرض حال مصنف کے عنوان کے تحت شاعر نے اپنی کتب منظوم کا تعارف کروایا ہے اور دعا بھی کی ہے۔نظم کیا ہے، شاعر کے صوفیانہ و عارفانہ ذوق کا مظہر ہے۔ پہلا بند فارسی میں ہے، دوسرے بند میں اسمائے الٰہیہ کو منظوم کیا گیا ہے۔

وہی قادر و قیوم
وہی عادل و مظلوم
وہی راقم و مرقوم
وہی عاصم و معصوم
وہی موجد و معصوم
وہی ناظم و منظوم ۲۹؎

اس کی پہلی ہی غزل ہمیں ہندیؔ کے تصور توحید سے آ گاہ کرتی ہے۔ کہتے ہیں:

اے احد تجھسے ہوا جلوہ عیاں توحید کا
لا مکانی سے نظر آیا مکاں توحید کا
مسلم اور ہندو تری وحدت کے قایل ہیں تمام
کلمہ پڑھتے ہیں سبھے خورد و کلاں توحید کا
ہے وجود جزو کل میں تیری وحدت کا وجود
نیست اور ہستی میں ظاہر ہے نشاں توحید کا
گنگ کلک دو زباں اپنی ہے وحدت سے مری
کہہ سکی ہندیؔ بھلا کیونکر بیاں توحید کا ۳۰؎

ہندی کا انتخاب ردیف دیکھیے تو یا لطیف، الغیاث، کبریا، پروردگار جیسے الفاظ بطور ردیف نظر آتے ہیں۔ ان کے کلام میں جا بجا قرآن مفاہیم اپنی درست صورت میں منظوم ملتے ہیں۔''مناجات ہندی'' کے موضوعات حمد و ثنائے الہ، مناجات،معاشرے کے احوال، اور پند و نصائح پر مبنی ہیں۔ ہندیؔ جا بجا اپنا احوال بیان کر کے خدا تعالی سے راہِ مستقیم پر چلنے کی دعا مانگتے ہیں۔ روزِ حساب اور روزِ حشر سے ڈراتے ہیں۔'امر بالمعروف ونہی عن المنکر' پر مشتمل اشعار ان کے یہاں کثرت سے ہیں۔ خدا کو اتنی کثرت سے یاد کرتے ہیں اور بالخصوص اس کے وحدہٗ لاشریک ہونے پر ان کا ایمان، قابل رشک ہے۔ اپنی بندگی اور اس کی خدائی پر ان کا کامل ایمان ملاحظہ ہو:

نکال سکتے نہیں جس سے پاؤں اے ہندی
خدا کے بندوں کو ہے اس کی بندگی زنجیر ۳۱؎

'دیوانِ مناجاتِ ہندیؔ' میں غزلیات کے علاوہ چار ترکیب بند، واسوخت، چار ترجیع بند، سات مخمس، چار مسدس، سات قطعے اور پانچ رباعیات بھی ہیں۔ جو سب کی سب حمد و مناجات پر مبنی ہیں۔ دوسرے ترکیب بند کے آخری مناجاتی بند کے چند دلکش اشعار دیکھیے جن میں ہندیؔ کی عاجزی انکساری، اعتراف درماندگی و گناہ گاری ایک مخلص مسلمان کے جذبات سے قطعاً مختلف نہیں۔ کہتے ہیں:

تیرا بندہ ہے ناتواں ہندیؔ
تیری الفت پہ جاں فشاں ہندیؔ
کس زباں سے کرے تری تعریف
عاجز و زار و بے زباں ہندیؔ
اے خدائے جہاں ترے در کو
چھوڑ کر جائے اب کہاں ہندیؔ
اپنی حالت کو دیکھ کر یارب
ہے ندامت میں ہر زباں ہندیؔ
کب تلک اے کریم بندہ نواز
کرے فریاد اور فغان ہندیؔ
تیرا وصاف سے کنہیا لال
ہے فقط تیرا مدح خواں ہندیؔ
ہندیٔ زار پر کرم کیجیے
دور سب اوسکا رنج و غم کیجیے ۳۲؎

کنہیا لال ہندیؔ کے دیوان کے مطالعے سے ہمیں ایک ہندو شاعر کے ایمان باللہ اور اس کی وحدانیت، ربوبیت، رزاقیت، قادریت، صمدیت غرض تمام اوصاف کے صدقِ دل سے اعتراف پر خوشی محسوس ہوتی ہے اور اس امر کا دل میں یقین مزید پختگی سے بیٹھ جاتا ہے کہ کوئی بھی انسان، عہدِ الست کا انکار نہیں کرسکتا اور توحید کا اعتراف اس کی گھٹی میں پڑا ہوا ہے۔ نیز یہ کہ حدیث نبویؐ کے مطابق:

مامن مولو دیو لدعلی الفطرة...الخ ۳۳؎

اس لئے اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ایک غیر مسلم بھی سچا موحد ہوسکتا ہے۔ مگر ایمان لانے

میں یقیناً اس کے والدین کی ابتدائی ذہنی پرداخت و پرورش رکاوٹ بن جاتی ہے۔ اسی لئے ہندیؔ جیسا پرستار وحدت بھی اپنے کلام میں نصیحت کرتا ہے کہ:

رسم و راہِ غیر پر ہرگز نہ چلنا دوستو
اپنا مذہب چھوڑ کے یا اپنی ملت چھوڑ کے ۳۴؎

۲۔مناجات دربارۂ توحید۔ اردو کا دوسرا دستیاب مجموعۂ حمد و مناجات ہے، جو مطبع گلزار محمدی، لاہور سے ۱۹۰۳ء میں شائع ہوا حکیم غلام محی الدین کی یہ دلکش تصنیف صرف سات صفحات پر مشتمل انتہائی مختصر مگر اپنی قدامت و اولیت کے سبب اہم ہے۔ مولوی غلام محی الدین انصاری نومبر ۱۸۶۰ء میں پیدا ہوئے۔ وہ ڈاکٹر وحکیم غلام جیلانی کے برادرِ بزرگ تھے۔ انھوں نے فیض الحسن سہارنپوری سے تعلیم حاصل کی۔ فنِ کتابت میں منشی ممتاز علی'نزہت رقم' دہلوی کے شاگرد تھے اور خود کو'زینت رقم' لکھتے تھے۔ انڈیا گزٹ بمبئی کے نام سے ہفتہ وار پرچہ بھی نکالا۔ ۱۹۰۲ء میں آپ لاہور آئے اور پھر یہیں کے ہو رہے۔ آپ کا مطب گمٹی بازار میں تھا۔'ارمغان فارسی' ان کی معروف کتاب ہے۔ ۱۱ ذی الحجہ ۱۳۲۷ء/۱۹۰۹ء کو وفات پائی۔ ۳۵؎

مناجات دربارۂ توحید، مخمس کی ہیئت میں لکھی گئی ہے۔ بعد از حمد و ثنا اللہ تعالیٰ سے صحت کی دعا کرتے ہیں:

یہ نہیں کہتا مجھے دارا کی دارائی ملے
یہ نہیں کہتا شکوہ و شان کسرائی ملے
یہ نہیں کہتا مطاع حاتم طائی ملے
ہے تمنا طاقت و تاب و توانائی ملے
سینہ و قلب و دماغ و دست پا کے واسطے ۳۶؎

اللہ تعالیٰ سے رحمت ورافت کے طلب گار حکیم غلام محی الدین خدا کے حبیب، رسول اکرمؐ کے واسطے سے دعا کرتے ہیں:

امتّی ہوں میں لحاظِ صاحبِ معراج کر
کشور دل سے غنیم فکر کو اخراج کر
ہے مجھے پیدا کیا، پیدا کیے کی لاج کر

اپنے بیگانے کا مجھ کو اب نہ تو محتاج کر
کر سدا لطف و عطا اس پر خطا کے واسطے ۳۷؎

مجموعی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ حمد و مناجات کا یہ مختصر سا مجموعہ اردو کے اولین مجموعوں میں شمار ہونے کے باعث اہمیت کا حامل ہے۔

۳۔ حمد نامہ از شیخ عبداللّٰہ خان عبدی، ۱۹۰۷ء میں طبع ہوا۔ عبداللہ خان عبدی کا اصل نام شیخ محمد یار تھا۔ وہ ۱۸۳۳ء میں رسول نگر کے مقام پر پیدا ہوئے اور ۱۹۱۸ء میں بمقام گوجرانوالہ وفات پائی۔

آپ کی کتاب 'حمد نامہ' کے سرورق پر آپ کے نام کے ساتھ 'پنشنر' کے الفاظ بھی درج ہیں جس سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ آپ غالباً گورنمنٹ ملازم تھے۔ یہ کتاب دراصل دو شاعروں عبدیؔ اور خادمؔ کا حمدیہ کلام ہے۔ ص ۲۔۵ عبداللہ خان عبدیؔ کا حمدیہ کلام ہے اور ص ۵ تا ۱۶ خادمؔ صاحب کا کلام ہے جس کے تعارف میں درج ہے ''مصنفہ محبی مشفقی مخلصی شیخ محمد خاں قریشی قادری تخلص خادمؔ ساکن گوجرانوالہ، ملازم دفتر لوکل فنڈ ضلع ہذا۔'' خادمؔ صاحب کے ۱۸۷ ابیات شامل ہیں۔ خادمؔ نامی شاعر کی بابت صرف یہی معلومات فراہم ہوسکی ہیں۔ آگے چل کر ان کے مکمل مجموعہ حمد ''تحفۂ حقانی'' کا بھی ذکر کیا جائے گا۔

''حمد نامہ'' کا آغاز 'قرآنی رباعی' سے ہوتا ہے۔ آیات قرآنی کو سلیقے سے اس طرح جوڑ دیا ہے کہ وہ رباعی کی شکل اختیار کر گئی ہے:

ربک الغفور ذوالرحمۃ
کتب علیٰ نفسہٖ الرحمۃ
رحمتی وسعت کل شئی
سمع اللہ لمن حمدہٗ ۳۸؎

عبدیؔ صاحب کے حمدیہ کلام کی خاصیت یہ ہے کہ وہ آیات قرآنی سے استمداد طلب کرتے ہوئے ان کے حوالے، حاشیے میں درج کرتے چلے جاتے ہیں۔ فلسفہ وحدت الوجود کے موضوعات و مضامین اور آیات قرآنی کا امتزاج جا بجا ہے۔ وہ خدا کو متصوفانہ نگاہ سے دیکھتے ہیں اور کہیں کہیں ان کے کلام میں 'موضوع احادیث' بھی ملتی ہیں اور گمراہ کن خیالات بھی مثلاً کہتے ہیں:

انا احمد بلا میم نبی صاحب نے بولا ہے

ہٹا کر میم کو دیکھو نبی اللہ کی صورت سب ۳۹؎

مگر ایسے اشعار بھی ان کے یہاں ملتے ہیں جہاں وہ حمد میں، وحدانیت کا موضوع بڑی درستی اور صائب نظری سے پیش کرتے ہیں۔ مثلاً

اللہ ہے اور کچھ بھی نہیں بیش اور نہ کم
حاضر حضور آپ وہی سر سے تا قدم ۴۰؎

ثم وجہ اللہ کا سب نورؔ یہاں ہے روشن
جا بجا ہستی اللہ کا کھلا کیا گلشن ۴۱؎

ہر حال حمد حق کہ حاضر حضور وہ
ھو معکم فانی قریب نہ دوروہ
عبدیؔ کہو دمادم حمد و ثناء حق
بینا سمیع علیم بذات الصدور وہ ۴۲؎

وحدت الوجودی نظریات سے بے حد متاثر ہیں۔ ابن عربی اور منصور حلاج کے مسلک سے متاثر دکھائی دیتے ہیں۔

دریا سے حباب کہے ہے سدا تو اور نہیں میں اور نہیں
ہے پنبہ سے کہتا سوت صفا تو اور نہیں میں اور نہیں
جب جسم میں سجدہ جاں کو ہوا تب فرق بدن اور جاں کا کیا
اس جسم نے جان سے کہہ دیا تو اور نہیں میں اور نہیں
عبدیؔ ہے نہ باہر ہیچ ذرا سب دیکھ لیا سر سے تا پا
اب بولتا آپ کو آپ خدا تو اور نہیں میں اور نہیں ۴۳؎

شیخ حمد خاں قریشی خادمؔ کا ایک حمدیہ قصیدہ، تین غزلیات اور مثنوی ۱۸۷ ابیات پر مشتمل ہے۔ خادمؔ صاحب کے کلام میں روانی ہے۔ نہایت سادگی و سلاست کے ساتھ حمد الٰہی کہتے چلے جاتے ہیں۔

ثنا و حمد کے ہے آپ لایق ہر زماں اللہ
محیطِ کل شی صاف بے نقص و زیاں اللہ

وہ موجودات کا بانی کوئی اس کا نہیں ثانی
وہی کرتا نگہبانی وہی خود غیب داں اللہ
ثنا و حمد اپنی کا وہ حامد آپ قرآں میں
سب اپنی ہر طرح تعریف کرتا ہے بیاں اللہ
وہی بے رنگ ہے ہر رنگ میں جلوہ نما خادمؔ
وہ جو کچھ چاہتا کرتا یہاں ہے اور وہاں اللہ [۴۴]؎

خادمؔ بھی تصوف کے روایتی جال میں پھنسے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور یہاں تک کہ آیات قرآنی کی من مانی تفسیر کرتے ہیں۔ کہتے ہیں:

بنایا ہے بت اس نے مٹی کا آپ
دو ہاتھوں سے اپنے سبھی تول ماپ
رکھا بت کا اول بشر آپ نام
کیا بت کی جب پھر درستی کا کام
ہوا آپ اس بت میں من روحہٖ
ہوا خود فرشتوں کا مسجود بھی
فرشتوں نے سجدہ خدا کو کیا
خدا بن کسی کو نہ سجدہ روا
دوئی کو خدا نے اڑایا ہے آپ
بمعہ بُت کے سجدہ کرایا ہے آپ
بتوں میں اسی کی ہے جلوہ گری
سبھی آپ وہ اس کی سب افسری [۵]؎

یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بغوذ باللہ خدا کو فرشتوں سے سجدہ کروانے کے لیے خود بت میں ملفوف ہونے کی کیا ضرورت تھی؟ فرشتے تو یوں بھی ہمہ وقت اس کے حضور سجدہ ریز ہیں۔ قرآن میں ہے:

وَلِلّٰہِ یَسْجُدُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ مِنْ دَآبَّۃٍ وَّ الْمَلٰٓئِکَۃُ وَھُمْ لَا یَسْتَکْبِرُوْنَ

ترجمہ: یقینا آسمان و زمین کے کل جاندار اور تمام فرشتے اللہ تعالیٰ کے سامنے سجدے کرتے

ہیں اور ذرا بھی تکبر نہیں کرتے۔(۱۶۔۴۹)

اسی طرح ان کی حمد میں یہ مشرکانہ خیال جو انھوں نے 'من روحہٖ' سے مستعار لیا ہے کہ ''نعوذ باللہ خود خدا اس بت میں جاگزیں ہوا اور فرشتوں سے سجدہ کروایا۔ اور درحقیقت یہ سجدہ خدا ہی کو تھا۔سراسر گمراہ کن اور شرک پر مبنی ہے۔جس آیت کا وہ حوالہ دیتے ہیں اس طرح ہے:

اِذْ قَالَ رَبُّکَ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اِنِّی خَالِقٌ بَشَرًا مِّنْ طِیْنٍ ٥ فَاِذَا سَوَّیْتُہٗ وَنَفَخْتُ فِیْہِ مِنْ رُّوْحِی فَقَعُوْا لَہٗ سَاجِدِیْنَ ٥ (۳۸/۷۲۔۷۱)

ترجمہ: جب آپ کے رب نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ میں مٹی سے انسان پیدا کرنے والا ہوں۔سو جب میں اسے ٹھیک ٹھاک کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو تم سب اس کے سامنے سجدے میں گر پڑنا ''یہاں ''روحی'' سے مراد 'روح اللہ' نہیں بلکہ روح من جانب اللہ ہے۔ حافظ صلاح الدین یوسف، 'تفسیر احسن البیان' میں لکھتے ہیں:

''یعنی وہ روح جس کا میں ہی مالک ہوں، میرے سوا اس کا کوئی اختیار نہیں رکھتا اور جس کے پھونکتے ہی یہ پیکر خاکی، زندگی، حرکت اور توانائی سے بہرہ یاب ہو جائے گا۔''[۴۶]

''اس طرح جو سجدہ فرشتوں نے آدم کو کیا، وہ سجدۂ عبادت نہیں بلکہ سجدۂ تعظیمی تھا۔ یہ تعظیمی سجدہ پہلے جائز تھا اس لیے اللہ نے آدمؑ کے لیے فرشتوں کو اس کا حکم دیا اب اسلام میں تعظیمی سجدہ بھی کسی کے لیے جائز نہیں ہے۔''[۴۷]

تیسرا اعتراض ان اشعار پر یہ ہے کہ اگر خدا کی جلوہ گری بتوں میں ہے اور بت خدا کے تصور کو واضح کرنے کے لیے کافی تھے تو پھر سورۃ الکافرون کی وجہ نزول کیا تھی؟

ترجمہ: ''تو کہہ دے اے کافرو! جسے تم پوجتے ہو اسے میں نہیں پوجتا اور جسے میں پوجتا ہوں اسے تم پوجنے والے نہیں''(۱۰۹/۱۔۳)

کیا ایسے اشعار کو ہم شرک آمیز اشعار نہیں کہیں گے؟ یہ حمد اور شرک کا کیسا ملاپ ہے؟

وَمَا یُؤْمِنُ اَکْثَرُھُمْ بِاللّٰہِ اِلَّا وَھُمْ مُّشْرِکُوْن (۱۲/۱۰۶)

ترجمہ: اکثر لوگ ایسے ہیں کہ اللہ کو مانتے بھی ہیں اور شریک بھی کئے جاتے ہیں۔

اور سچ تو یہ ہے کہ:

سُبۡحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الۡعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوۡنَ (۱۸۰/۳۷)

ترجمہ: تیرا رب جو رب العزت ہے، ان باتوں سے پاک ہے۔

مجموعی طور پر ُحمد نامہ' میں کہیں تو خالص حمدِ واحد ملتی ہے اور کہیں مذکورہ بالا باطل خیالات کی حامل شاعری۔ جن کی وجہ سے مجموعے کی بطور حمد یہ مجموعہ اہمیت کم ہو جاتی ہے۔

۴۔مفتی غلام سرور لاہوری (۱۸۲۸ء......۱۸۹۰ء) کے''دیوانِ حمد ایزدی'' کو اردو میں حمد یہ کلام کا پہلا مجموعہ قرار دیا جاتا ہے۔ ہمارے پیش نظر اس دیوان کا وہ مطبوعہ نسخہ ہے جس کے آخری صفحے (۹۹) پر درج ہے:

''المختصر یہ دیوان برکت تو امان جو اپنی خوبیوں میں اپنا آپ ہی نظیر ہے، اس سے پہلے چند بار مطبع منشی نولکشور صاحب سی۔ آئی۔ ای۔ موسوم بہ اودھ اخبار واقع شہر لکھنؤ اور لاہور میں چھپا اور فی الحال حسب استبداد شائقین باتمکین مطبع منشی نولکشور واقع شہر کان پور میں بسر پرستی امیر باذل، سخی، دریا دل، معلے القاب، ذی المجد والمحاسن عالیجناب منشی پراگ نراین صاحب بھارگو رائے بہادر مالک مطبع دام اقبال باہتمام کامل منشی بھگواندیال صاحب عاقل ایجنٹ مطبع بماہ ستمبر ۱۹۰۹ء بار اوّل طبع ہوا''۴۸؎

گویا دیوان کی ابتدائی چند اشاعتیں مطبع اودھ اخبار واقع لکھنؤ اور لاہور سے ہوئیں۔ بعد میں یہ مطبع نولکشور واقع شہر کانپور میں ستمبر ۱۹۰۹ء میں پہلی بار چھپا۔ اس سے پہلے یہ کتنی بار اور کن سنین میں چھپا، تفصیل معلوم نہ ہوسکی۔

دیوانِ حمد ایزدی کی خصوصیات کی وضاحت اس کے سرورق پر ان الفاظ میں کی گئی ہے:

''مجموعہ غزلیات کا ردیف وار، حمد باری میں کلام گہر بار نصائح کا ماخذ و مبادی''

'دیوان ایزدی' صرف غزلیات ہی کا مجموعہ نہیں ہے بلکہ اس میں دیگر اصناف مثلاً مخمس، مسدس اور ترکیب بند بھی شامل ہیں۔ اس لئے اسے غزلیات کا مجموعہ قرار دینا درست نہیں ہے دیوان میں حمد بھی ہے اور نصائح آمیز اشعار بھی۔ مؤخر الذکر بہ اعتبار مقدار اوّل الذکر سے بڑھ کر ہے اور از اوّل تا آخر حمد یہ اشعار پر

مشتمل غزلیات بہت ہی کم ہیں۔

مفتی غلام سرورؔ لاہوری کی دیگر کتب میں ''گلدستہ کرامت''، ''خزینۃ الاصفیا''، ''گنجینۂ سرور''، ''تاریخ مخزنِ حکمت''، '' اخلاقِ سروری''، ''بہارستانی معرف بہ گلزار شاہی''،'' لغات سروری''، ''حدیقۃ الاولیا''، ''دیوان سروری مدحیہ حضرت محبوب سلطانی''، ''دیوان نعت سروری'' وغیرہ۔ مذکورہ کتب کے ناموں سے ہی ان کے پسندیدہ ومحبوب موضوعات کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ دیوان کا آغاز دو حمدیہ فارسی غزلوں سے ہوتا ہے۔ جن کے مطلعے درج ذیل ہیں۔

بحمد ایزدی ترکن زبان گوہر افشاں را
چو ابر آذری کن گوہر افشاں چشم گریاں را

زچشم خون فشاں بے آبروکن ابر گریاں را
زجوش دیدۂ گریاں بگریاں برق خنداں را ۴۹؎

پروفیسر شفقت رضوی نے چار فارسی غزلیات کی نشاندہی کی ہے۔۵۰؎ مگر دیوان میں ایک اور غزل (اُن چار غزلیات کے علاوہ) فارسی کی ہے۔جس کا مطلع ہے۔

دیدہ بکشا و چشم دل ببین اظہار روح
تادہد جلوہ بنور دیدہ ات دیدار روح ۵۱؎

اس طرح دیوان میں موجود فارسی غزلیات کی تعداد پانچ بنتی ہے۔دیوان کا آغاز جس اردو حمد سے ہوتا ہے وہ بیشتر پندونصائح پر مبنی ہے اور اس کا پہلا مصرع ان کی فارسی کی پہلی غزل کا ترجمہ ہے۔ کہتے ہیں:

زباں پر ذکر حمد ایزدی ہر دم رواں رکھنا
فقط یاد الٰہی سے غرض اے میری جاں رکھنا

ان کی اولین اردو غزل سے ہی ان کی حمدیہ شاعری کی صوری محاسن کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ دیوان میں تو ایسی مثالیں بکثرت پائی جاتی ہیں۔ مثلاً اندرونی قوافی کا استعمال دیکھیے:

خدا کا ذکر جاری عمر ساری بر زباں رکھنا
زباں رطب اللساں رکھنا، بیاں عذب البیاں رکھنا

صنعت تجنیس اور تضاد کی دلکش مثال مندرجہ ذیل شعر ہے:

کسی گھر میں نہ گھر کر بیٹھنا اس دار فانی میں
ٹھکانا بے ٹھکانا اور مکاں بر لامکاں رکھنا

تکرار لفظی کی خوبی دیکھیے:

نہ تن رکھنا، نہ دل رکھنا، نہ جی رکھنا، نہ جاں رکھنا

مراعاۃ النظیر کی دلکشی ملاحظہ ہو:

جھکا رکھنا بدر گاہ خداوندِ جہاں گردوں
سر عجزو نیاز و بندگی برآستان رکھنا ۵۲؎

جہاں تک سرورؔ لاہوری کی حمدیہ شاعری کے موضوعات کا تعلق ہے تو ہم دیکھتے ہیں کہ ان کے کلام میں حمدیہ شاعری بہ اعتبار مقدار بہت کم ہے۔ بلکہ ان کا سارے کا سارا کلام مذہبیات و دینیات اور اپنے ہم عصروں کو نصیحت پر مشتمل ہے۔ وہ شاعری سے تبلیغ کا کام لیتے نظر آتے ہیں۔ ان کی حمدیہ شاعری میں اس نوعیت کے اشعار ملاحظہ ہوں:

نہ کر اندیشہ امروز و فردا
کہ ہے ہر وقت مولٰی دینے والا
ہمیشہ اپنے خالق سے مدد مانگ
بہر حال و بہر وقت و بہر جا ۵۳؎

حکمت و معرفت کا موضوع دیکھیے:

بن کے صابر تھوڑے سے لقموں سے بھر لینا شکم
پیٹ کر رکھنا نہ اپنا بندۂ نادان فراخ
جان بہت تنگی سے دیتے ہیں وہی وقتِ اخیر
جن کے دنیا میں محل اونچے ہیں اور ایواں فراخ ۵۴؎

انسان کا انجام بالآخر کیا ہے؟ کہتے ہیں۔

ترے مرنے کے سب ہیں منتظر صبح و مساوارث
اجل تیری خدا سے چاہتے ہیں اقربا وارث

نہ ہنستا ہے نہ روتا ہے کوئی اس کے جنازے پر
سفر کرتا ہے جب ملک جہاں سے مرد لاوارث ۵۵؎

ان کی حمدیہ شاعری میں مضامینِ تصوف بھی جا بجا ملتے ہیں۔ ان کے خیال میں خدا تمام مظاہرِ فطرت میں موجود ہے۔ ان کے کلام میں کہیں وحدت الوجودی نظریات نظر آتے ہیں اور کہیں وحدت الشہودی۔ ذیل میں چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

جب نہ تھا یہ عالم ایجاد کیا موجود تھا
پردہ دار پردۂ وحدت خدا موجود تھا
صفحۂ ایجاد پر جاری نہ تھا جس دم قلیم
سب کا نقشہ لوحِ قدرت پر لکھا موجود تھا
سب کے آنے سے یہاں پہلے تھا جاناں کا ظہور
دل نہ تھا موجود لیکن دلربا موجود تھا ۵۶؎

پھولتے پھلتے رہیں گے حشر تک گلزار ذات
ہے شگفتہ تا قیامت گلشن بے خار ذات
تیری صورت سے مصور کی نمایاں شکل ہے
ہے عیاں خود تیری اپنی ذات میں آثار دوست ۵۷؎

ہے چاروں طرف جلوہ گر اس کی صورت
ادھر اس کی صورت اُدھر اس کی صورت
اگر دیدۂ دل سے اٹھ جائے پردہ
بہر صورت آئے نظر اس کی صورت
ذرا دیکھ سرورؔ کہ تجھ کو نظر آئے
چپ وراست زیر وزبر اس کی صورت ۵۸؎

مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ بیانِ وحدت میں احتیاط کی بات بھی کرتے ہیں۔

مسئلہ وحدت کا جب کرنے لگے سرورؔ بیان
ہے وہاں ہر بات میں تجھ کو سزاوار احتیاط ۵۹؎

سرورؔ لاہوری کے حمدیہ کلام میں قرآنی مفاہیم پر مبنی اشعار بھی ملتے ہیں۔

مثلاً درج ذیل آیہ قرآنی

وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَان (۲/۱۸۶)

اور (اے پیغمبر) جب تم سے میرے بندے میرے بارے میں دریافت کریں تو (کہہ دو) میں نزدیک ہوں، پکارنے والا جب مجھے پکارتا ہے۔تو میں اس کی پکار کا جواب دیتا ہوں۔

سے اس طرح خوشہ چینی کرتے ہیں:

جھکا کر سر بدر گاہِ الٰہی کی دعا جس دم

وہیں سرورؔ نے دروازہ اجابت کا کھلا پایا ۶۰؎

بعض مقامات پر وہ اپنے عہد کی معاشرتی برائیوں کی نشاندہی بھی کرتے ہیں۔مثلاً

آج کل کا وقت سرورؔ کیسا نازک وقت ہے

وقت پر بے جھوٹ کے دیتا نہیں ہے کام سچ ۶۱؎

طنزاً کہتے ہیں:

پرانے وقتوں کی برباد ہو چکی تاریخ

نئے زمانہ کی ہے آج کل نئی تاریخ ۶۲؎

سرورؔ لاہوری کے قادر الکلام ہونے میں اگرچہ کوئی شک نہیں کہ ان کا ضخیم دیوانِ شاعری خود اس کی دلیل ہے۔مگر ایک خامی کی طرف نشاندہی بھی ضروری ہے کہ ان کے حمدیہ کلام میں بعض اوقات ایسے الفاظ کا استعمال ملتا ہے جو حمدِ ایزدی کے شایانِ شان قطعاً نہیں ہے۔مثلاً لفظ ''بے حیا'' کا استعمال

عمر کے باقی جو ہیں اے بے حیا دو چار دن

اسی غزل میں پنجابی لفظ لھنگ اور لھنگا کا استعمال مناسب نہیں لگتا۔

خیر سے گر لھنگ سکیں اپنے لھنگا دو چار دن ۶۳؎

ایک اور مقام پر لفظ 'کمینہ' کا استعمال کرتے ہیں جو شائستگی کے سراسر خلاف ہے۔

ایک مقام پر انھوں نے غالباً اپنے دیوان 'حمدِ ایزدی' کا ذکر کرتے ہوئے اس کے ختم ہونے کی امید ظاہر کی ہے یہاں لفظ حمدِ ایزدی کو واوین میں لکھا جانا چاہیے تھا۔مگر اس کا اہتمام نہ کرنے سے مغالطہ ہوتا ہے:

ختم ہم کر لینگے انشاء اللہ حمد ایزدی
زندگی اپنی مگر سرورؔ ہے دن دو چار شرط ۶۴؎

سرورؔ لاہوری کی مذہبی شاعری کو ان کے عہد میں خاصی مقبولیت بھی حاصل ہوئی اور انھیں اپنی حمدیہ نوعیت کی اس شاعری کی مقبولیت کا احساس بھی تھا۔ اسی لئے لکھتے ہیں:

جانتے ہیں اس کو مردانِ خدا تعویذ جاں
حمد میں لکھے ہیں جتنے تونے اے سرورؔ ورق ۶۵؎

۵۔ملک ہیمراج، ست سری مہاراج سوامی ہیمراج صاحب چداکاسی حمد کے پانچویں مجموعے''نغمۂ توحید'' کے خالق ہیں۔نغمۂ توحید۱۹۰۹ء میں مفید عام پریس۔ لاہور سے شائع ہوا۔یہ مجموعہ جناب الٰہی بخش لیکھی سرائی کے کتب خانے میں موجود ہے جو لّیہ شہر کے رہنے والے ادیب و شاعر ہیں۔ اس مجموعے کے ابتدائی صفحات کی فوٹو کاپی راقمہ کو پروفیسر جعفر بلوچ مرحوم کے ذاتی کتب خانے سے حاصل ہوئی۔'' نغمہ توحید'' ۱۲۰صفحات پر مشتمل ہے۔جس میں ملک ہیمراج کا فارسی کلام بھی شامل ہے۔'' نغمۂ توحید'' سرورق پر ذیل کی عبارت مرقوم ہے جس میں دو اشعار بھی درج ہیں:

اوم

واہ واہ عجب یہ نغمہ ساقی
دیتا ہے وصال ذاتِ باقی

نغمۂ توحید

مصنف ہے جس کا ملک ہیمراج
فروزاں ہے جس پر حقیقت کا تاج

جس کو ست سبھا ملتان نے بغرض رفاہ عام۱۹۰۹ء مفید عام پریس لاہور میں باہتمام لالہ موتی مینجر رام چدا کاسی کے لیے چھپوایا۔

ملک ہیمراج صاحب تصانیف کثیرہ تھے۔ ان کی بارہ تصانیف اردو، فارسی اور ہندی میں گلزار معانی، آئینہ ہند، مناجات،تعویذ اطفال، آفتابِ حقیقت، چشمۂ طہارت، مکاشفۂ فارسی، شانت سروور، بال رکھیا، ادویت سدھانت، سدھانت پنچک، ست دھرم سمرتی شامل ہیں۔

دولت رائے چدا کاسی، اپنے اس حمدیہ مجموعے کا تعارف اس طرح کراتے ہیں:

''غرضیکہ یہ ترانہ آن مرغ قدسی، پیمانۂ دل کو وحدت سے لبریز کر کے دنیا سے مدہوش بناتا ہے۔ اور اپنے پیارے پیارے دہن اور میٹھے میٹھے گیت سے کام جان کو قندِ حقیقی چکھاتا ہے۔ یہ چغانۂ ازلی ہر پیرو جواں کو عوارض روحانی سے صحت پہنچاتا ہے اور طبیعت کو جمعیت وطمانیت سے ہمدم بناتا ہے...... ہر جویندۂ اسرار پنہانی و طالبِ نجات ازکشاکش روحانی اس سرودِ سبحانی سے سرورِ جاودانی کا حظ اٹھاوے اور آلام نفسانی و اوہام جہانی سے نجات پاوے۔ بلبل حقیقی کے گیت گاوے۔ آمین ثم آمین فرد۔

نغمہ توحید کا ہے بلبل قدسی سے یہ
دل کو فرخندہ معطّر کرے گل بن کے یہاں ۶۶؎

قابل غور یہ ہے کہ دولت رائے دعا کے اختتام پر مسلمانوں کی تقلید میں آمین ثم آمین کہتے ہیں۔ دیوان کا آغاز مناجات سے ہوتا ہے جس میں حمدیہ اشعار غالب ہیں۔ ان کے حمدیہ کلام میں صفات باری تعالیٰ مذکور ہیں۔ کہتے ہیں:

اے ذات کبریائی تو قابلِ ثنا ہے
اپنے میں آپ قائم یکتا ہے دائما ہے
میں تو سے دور مولا صدق و صفا کا معدن
کبرو ریا سے برتر بے چون و بے چرا ہے

اللہ تعالیٰ کو وہاب اور بے ریب کہتے ہیں:

ذات وہاب، بے عیب، عالی جناب، بے ریب
دانندہ عیب تو ہے سب کا سبب بنا ہے

اللہ تعالیٰ کی قدرت وخالقیت، برکات عالیہ، فضل وکرم اور بخشش ومغفرت کو سراہتے ہوئے کہتے ہیں:

شمس و قمر کے موجد، بحرو زمیں کے موید
طیرو وحوش و انساں سب کی تو ہی بنا ہے

اے منبع حسن و خوبی سب برکتوں کے چشمے
فضل و کرم کا مصدر غفّار تو بجا ہے ۶۷؎

۶۔ تحفۂ حقانی کے خالق شیخ محمد خان قریشی خادم ہیں، جن کا کلام 'حمد نامہ' میں بھی موجود ہے۔ ان کے صوفیانہ خیالات پر 'حمد نامہ' کی ذیل میں مفصّل تبصرہ کیا جا چکا ہے۔

'تحفۂ حقانی کے دیباچے میں انھوں نے خود وضاحت کر دی ہے کہ:

''یہ کتاب تحفۂ حقانی ان خیالات کا اردو نظم میں اظہار ہے جو ہمہ اوست مشرب کے صوفیائے کرام نے اپنی تصانیف میں لکھا ہے۔ پس یہ تحفۂ حقانی بھی اسی گلشن کا ایک عمدہ گلدستہ اردو زبان میں ہے جس کے ہر شعر سے وحدت حقانی کی خوشبو آ رہی ہے'' ۶۸؎

''وحدت حقانی کی خوشبو' (بلا تبصرہ) ملاحظہ ہو:

جب خدا کا نور اور نور نبیؐ ہے ایک نور
پھر وہی نور ایک جلوہ گر ہے سب خلق خدا ۶۹؎

خاکی ہے جسم ظاہر جس کا بشر ہے نام
حق کے سوا نہ اس میں کوئی جلوہ گر ہوا ۷۰؎

اسم احمدؐ کے سوا ملتا نہیں اسم اعظم اور
درمیاں سے میم کا پردہ اٹھایا چاہیے ۷۱؎

ہوا جب آپ وہ جلوہ نما آدم کی صورت میں
پھر اس نے آپ کو سجدہ فرشتوں سے کرایا ہے ۷۲؎

کہیں کہیں ان کے حمد یہ کلام میں قرآنی مضامین کی روشنی میں بھی حمد کی سعی کی گئی ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

بے انتہا ہے فضل و کرم اس کا جلوہ گر
رحمت کے جبکہ گھیرے میں ہر شے کو ہے لیا ۷۳؎

وہ بے نیاز ظاہر و باطن ہے پُر کرم
جب دیکھتا ہے عیب و خطا پھر ہے بخشتا ۷۴؎

اس ذات حق کی حمد و ثنا دو جہاں میں ہے
یہہ سورۃ القصص میں آیت ہے رہنما ۷۵؎

مختصراً تحفۂ حقانی کو ہم حمدیہ سے زیادہ صوفیانہ حمدیہ مجموعہ قرار دے سکتے ہیں۔

۷۔مضطر خیر آبادی، سید افتخار حسین معروف شاعر فضل حق خیر آبادی کے نواسے تھے۔ ان کے خاندان کا ہر فرد شاعر تھا۔ والدہ کا تخلص حزیںؔ تھا۔ مضطرؔ وکیل تھے اور سیشن جج کے عہدے تک پہنچے۔ ان کا شمار اپنے عہد کا اساتذہ سخن میں تھا۔ ان کا مجموعہ ''نذرِ خدا'' ۱۹۱۲ء میں شائع ہوا۔

''نذرِ خدا'' جس کے سرورق پر اسے مجموعۂ حمد قرار دیا گیا ہے۔ بہ حیثیت مجموعی حمدیہ، نعتیہ اور غزلیہ اشعار پر مبنی ہے۔ جب ہم 'نذرِ خدا' کی حمدیہ شاعری پر نظر دوڑاتے ہیں تو ہمیں ایک صاحبِ ایمان کے خدا کی ذات پر کامل ایقان، اس کی وحدانیت، ربوبیت، قادریت اور عطائے فراواں پر ان کے قلم کی سجدہ ریزی صاف دکھائی دیتی ہے۔

تری ذات ہی ہے صفت تری ، ترا وصف کوئی کرے گا کیا
جو قلم ملا تو لکھے گا کیا، جو زباں ملی تو کہے گا کیا
جسے تو بنا کے بگاڑ دے، کہیں جا کے پھر وہ بنے گا کیوں
جسے تو بسا کے اجاڑ دے کہیں جا کے پھر وہ بسے گا کیا
نہ کسی کو تیرے سوا کبھی، کوئی دے سکا ہے نہ دے سکے
جسے تو ہی دے وہی لے تو لے کسی اور سے کوئی لے گا کیا
۷۶؎

ایک اور مقام پر 'احدیتِ الٰہی' کی توصیف اس طرح کرتے ہیں:

دوسرا ہو نہیں سکتا ہے کسی طور خدا
ہے وہی ایک، سوا اس کے نہیں اور خدا ۷۷؎

ان کے دیوان میں بہت سی حمدیں رفیع العالی، رب العلیٰ اور جل جلالہٗ کی ردیف لئے ہوئے ہیں۔ وہ

کائنات کے مظاہر و آثار میں اس کے صانع و خالق کو تلاشتے دکھائی دیتے ہیں۔صنعت سے صانع کا تصور ان کے کلام میں جا بجا نظر آتا ہے۔ کہتے ہیں:

پہاڑوں کے دامن میں سبزہ اگایا
تو وہ ہے کہ پھولوں سے جنگل بسایا
تو وہ ہے کہ سوکھی زمیں تو نے سینچی
سمندر کی موجوں سے پانی کو لایا ۷۸؎

مضطرؔ بلند پایہ شاعر تھے۔شاعری کے فن پر قادر اور اس کے باریکیوں، نزاکتوں سے آشنا۔ ان کے کلام میں بدیع و بیان کے کتنے ہی موتی جگمگ کرتے نظر آتے ہیں ذیل میں چند مثالیں درج کی جاتی ہیں۔تشبیہ کی مثال دیکھیے۔

تو نے یوں ابرِ عطا سے مرا دل سینچا ہے
جیسے مالی نے کسی پیڑ میں پانی ڈالا ۷۹؎

صنعت حسن التعلیل کی دلکشی ملاحظہ ہو:

خود نمائی سے تجھے نفرت ہے بے شک اے خدا
آئینے نے خود نمائی کی تو اندھا کر دیا ۸۰؎

صنعت ایراد المثل کی مثال میں تو مضطرؔ کی پوری مخمس درج کی جا سکتی ہے۔ ذیل میں اس کے ٹیپ کے شعر پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھیے احوال
کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے ۸۱؎

مضطرؔ حمد کہتے ہوئے قرآن سے رہنمائی لیتے ہیں۔ ان کے کلام میں ایسے حمدیہ اشعار کی کمی نہیں جہاں بالواسطہ یا بلاواسطہ آیات قرآن سے خوشہ چینی کی گئی ہے۔مثلاً

ہے تو ہی لم یلد و لم یولد
جاودانی ثبات والا ہے ۸۲؎

آنے والے تری دنیا میں ہیں جانے والے

تو فقط ایک ہے ان سب کو بلانے والا ۸۳؎

ان کے دیوانِ حمد میں ایک کثیر مقدار ناصحانہ اور اخلاقی موضوعات کی بھی ہے۔عشقِ رسولؐ بھی ان کے حمدیہ اشعار میں موج زن ہے۔ بالخصوص 'مدینہ' سے بے پناہ محبت ان کے اشعار میں جا بجا جھلکتی ہے۔ دعا میں حمد اور نعت تینوں کا دلکش امتزاج ملاحظہ ہو:

الٰہی اس طرح سے عرصۂ محشر میں آنا ہو
زباں پر نام تیرا ہاتھ میں دامن محمدؐ کا ۸۴؎

۸۔ خدا کی قدرت، مولوی خرم علی کے قلم کا شاہکار ہے۔ جن کا تعلق حیدر آباد دکن سے تھا۔''خدا کی قدرت'' پر سال اشاعت درج نہیں ہے تاہم متن کے اندرونی شواہد پتا دیتے ہیں کہ مذکورہ مجموعہ قیام پاکستان سے قبل کا ضرور ہے۔ سب سے پہلے تو املائے مصنف اس کا پہلا جواز ہے۔جس طرح کنہیا لال ہندیؔ اور مضطرؔ خیرآبادی کے مجموعوں میں املا کا طرز ہے اور وہ الفاظ کو ملا کر لکھتے ہیں، اس طرح خرمؔ علی کے اس مجموعے میں بھی اسکے، اُسنے، دوسریکا، مجو بونسے بیجیا وغیرہ کے الفاظ ملا کر لکھے گئے ہیں۔ یہ طرزِ املا انیسویں صدی کا ہے۔ اسی طرح واحد الفاظ مثلاً یہ کو یہہ، ہے کو ہی، سے کو سی، آگے کو آگی، آئے کو آوے، میرے کو میری، نہ ہووے کو نہووی کی طرز میں لکھتے ہیں۔ دوسری دلیل اشعار ذیل سے ملتی ہے:

کبھی ہندو سے مانگیں جا کر حاجت
کریں گاہے کرستاں سے لجاجت
کبھی نیچر کی کرتے ہیں خوشامد
خوشامد ہر کرا کردی خوش آمد
کبھی ہو پارسی کے پاس جاتے
اور اس کے سامنے ہو گڑگڑاتے ۸۵؎

ان اشعار میں وہ اپنے عہد کے مسلمانوں پر تنقید کرتے ہیں کہ کبھی وہ امداد کے لیے ہندوؤں، عیسائیوں، نیچریوں اور پارسیوں کے پاس جاتے ہیں۔ مؤخر الذکر میں سے عیسائی اور پارسیوں کی اکثریت قیام پاکستان سے قبل ہندوستان میں مقیم تھی اور صاحبِ مال بھی تھی۔ بالخصوص ''نیچر'' کے لفظ سے، تحریک علی گڑھ میں نیچر، اور نیچریوں کے کردار فوراً ذہن میں آتے ہیں۔تیسری اہم دلیل نسخے کی قدامت اور اس کے اوراق کی شکستگی و پارینہ

حالی ہے۔

''خدا کی قدرت'' سات صفحات پر مشتمل مختصر سی نظم ہے جس میں شاعر کا پورا زور قدرت، اللہ کی قدرت کاملہ کو منظوم کرنے میں صرف ہوا ہے۔ وہ مسلمانوں کے خدا کے علاوہ اور کسی سے بھی مانگنے پر سخت معترض ہیں غیر اقوام سے مانگنا، مزارات پر مانگنا، اولیاء اللہ سے مانگنا غرض یہ تمام امور ان کے نزدیک شرک کا درجہ رکھتے ہیں۔ کہتے ہیں:

وہ کیا ہی جو نہیں ہوتا خدا سے
جسے تم مانگتے ہو اولیا سے
جو کچھ تم چاہتے ہو اولیا سے
وہ سب بے شبہ ہوتا ہی خدا سے
تو مانگو واسطہ سے اولیا کے
دلا دیں گے دعا کر کے خدا سے ۸۶؎

مجموعے کے آغاز میں جو حمد یہ اشعار درج ہیں، وہ بھی خدا کی قادریتِ مطلقہ کے موضوع پر ہے۔ کہتے ہیں:

خدا کی قدرت کامل عیاں ہے
اسی کی ساری قدرت ہی جہاں ہے
دیے انساں کو اُسنے فہم و ادراک
کیا کرتا ہے جس سے سیرِ افلاک
اُسکے قبضۂ قدرت میں سب ہے
ہیں سب مخلوق اور وہ سب کا رب ہے
اسکے ہاتھ ہے ساری خدائی
خدائی سب اسی کی ہے بنائی ۸۷؎

۹۔باب کرم۔امتہ اللہ تسنیم(۱۹۰۹ء......۱۹۷۶ء) اردو کی پہلی صاحب مجموعہ حمد شاعرہ ہیں۔ وہ ندوہ العلما لکھنو کے ناظم مولانا عبدالحی مولف ''گل رعنا'' کی صاحبزادی تھیں۔ ان کی والدہ خیر النساء بھی شاعرہ تھیں۔ وہ بریلی میں پیدا ہوئیں۔ ان کے مجموعۂ نعت ''موج تسنیم'' اور مجموعہ حمد ''باب کرم'' شائع ہو چکے ہیں۔ تسنیمؔ

کی حمدیہ شاعری ان کے پاکیزگی جذبات وخیالات کی ترجمانی ہے۔ وہ قرآن وحدیت سے بھی گہرا شغف رکھتی ہیں اور ان کی شاعری پر اس کے اثرات بھی دکھائی دیتے ہیں۔ ان کے کلام سے نمونہ حمد ملاحظہ ہو:

ہم ہیں بندے اور تو معبود ہے
ہم ہیں ساجد اور تو مسجود ہے
ہم صفت تیری بھلا کیونکر کریں
بندۂ عاجز ہیں کب طاقت ہمیں

دین و دنیا کی بھلائی دے مجھے
اور بچا ہر اک برائی سے مجھے
اے خدا تسنیمؔ کو کر سرخرو
دین و دنیا میں رہے با آبرو ۸۸؎

۱۰۔ علامہ میر نذر علی، درد کاکوروی(۱۸۹۱ء......۱۹۷۲ء) کا تعلق اٹاوہ سے تھا۔ صوفیانہ مزاج رکھتے تھے اور متصوفانہ اور مذہبی نوعیت کی شاعری بھی کرتے تھے۔ جام کوثر، دردو درماں، صوفیانہ نظمیں اور آہِ سرد ان کی تخلیقات شعری ہیں۔ وہ کراچی میں مدفون ہیں۔''آہِ سرد'' مختصر سا مجموعۂ حمد و مناجات ہے جو اکتیس صفحات پر مشتمل ہے۔آغاز کے چند حمدیہ اشعار درج ذیل ہیں:

حمد تیری تو ہے علام الغیوب
حمد تیری تو ہے ستار العیوب
حمد ہے تیرے لئے پروردگار
حمد ہے تیرے لئے آمرزگار ۸۹؎

مناجات کے اشعار میں ہر شعر'' اللہ اللہ'' سے شروع ہوتا ہے۔

اللہ اللہ دل کو بھر دے نور سے
اللہ اللہ مست کر دے نور سے
اللہ اللہ درد دل کے واسطے
میرے مولا منتخب کرلے مجھے
اللہ اللہ ورد کو ہو تیری سیر

اللہ اللہ خاتمہ کردے بخیر ۹۰؎

۱۱۔'وجود و شہود' مجموعہ ہائے حمد و مناجات میں گیارہویں نمبر پر ہے۔ عطا کلیانوی کا یہ مجموعہ مشتمل بر حمدیہ رباعیات ۱۹۷۳ء میں حیدر آباد سے شائع ہوا۔ عطا کلیانوی بعنوان''عرضِ حال'' لکھتے ہیں:

''میں نے خمریات سے ابتدا کی اور رفتہ رفتہ میرے خصوصی مسلک نے مجھے الٰہیات کے لیے وقف کر دیا۔ اب میری رباعیات کا یہی خصوصی موضوع ہے۔''۹۱؎

عطا کلیانوی ۱۹۳۸ء سے رباعی کہہ رہے تھے۔ ان کی حمدیہ رباعیات پر متصوفانہ اثرات کا غلبہ ہے۔ کہتے ہیں:

کثرت کے مظاہر میں احد آیا ہے
دس میں وہی ایک عدد آیا ہے
ایک چاند کی چاندنی کا دیکھو تو اثر
دریا میں اچانک کوئی مد آیا ہے ۹۲؎

مستی میں نعرہ ہائے' اناالحق' صرف منصور ہی سے مخصوص نہیں، عطا کہتے ہیں:

ہیں میری زباں پہ نعرہ ہائے منصور
ہیں دل پہ مرے تجلیات سرِ طور
ہو جاتا ہوں اس دم متکبر میں بھی
ہوتا ہے جو شانِ کبریائی کا ظہور ۹۳؎

وہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود میں کوئی فرق روانہیں رکھتے۔ ان کے نزدیک دونوں ایک ہی ہستی کا نام ہیں۔ کہتے ہیں:

میرے نہیں یہ جسم، یہ جاں، یہ رگ و پوست
پیدا ہے اس آئینے میں خود جلوۂ دوست
ہیں ایک ہی ہستی کے مظاہر لاکھوں
اب خواہ ہمہ زوست کہو یا ہمہ اوست ۹۴؎

۱۲۔پتھر میں **آگ**۔ عبدالسلام طورؔ نے باقاعدہ شاعری کا آغاز ۱۹۷۷ء میں کیا جب وہ سولہ برس کے تھے۔ مگر صرف تین برس بعد ہی اپنی تمام غزلوں اور شعری تخلیقات کو تلف کر دیا اور قلم کو صرف حمدِ

باری اور نعت سید المرسلینؐ کے لیے وقف کر دیا۔ ''پتھر میں آگ'' ۹۹ حمدوں پر مشتمل ہے۔ ڈاکٹر یاسین رضوی نے تقریظ رقم فرمائی ہے۔ لکھتے ہیں:

''حمدِ ذاتِ نعیمی درحقیقت اعترافِ ختم رسالتؐ کا دوسرا نام ہے۔ آدم سے آخر تک حمد ربیّ ہوتی رہے گی۔ جب تک سرورِ خلائق کے غلام اور کلمہ گو زندہ ہیں۔ حمدلم یلد اور ثنائے لم یولد جاری رہے گی۔ عبدالسلام طور کی دلاویز حمدیں بھی اسی لامتناہی سلسلے کی ایک کڑی ہیں۔ عبدالسلام طورؔ کے ہاں اوزان وقوافی کی استادانہ پابندی کے ساتھ ادائے مضامین و عرضِ عبودیت کا اہتمام کیا گیا ہے۔'' ۹۵؎

طُورؔ کا حمدیہ کلام، غزل کی ہیئت میں ہے۔ جناب طاہر سلطانی اپنی کتاب 'اردو حمد کا ارتقا' میں ان کی حمدیہ شاعری کی بابت اس طرح اظہار خیال کرتے ہیں:

''عبدالسلام طورؔ کی حمدیہ شاعری سلیقۂ بیان اور حسنِ فکر سے سجی ہوئی ہے۔ طورؔ کی حمد نگاری میں روح پرور کیفیات کے ساتھ ساتھ نغمگی کا ایک حسین سنگم پایا جاتا ہے۔ طورؔ کے اکثر اشعار عام روایتی سطحی سے بلند نظر آتے ہیں۔'' ۹۶؎

کلامِ طور اگرچہ بہت سی انفرادیتیں اپنے اندر لئے ہوئے ہے۔ مگر سب سے پہلے جو چیز قاری کو چونکا دیتی ہے، وہ ان کا انتخابِ ردیف ہے۔ وہ ایسے ایسے الفاظ کو بطور ردیف نبھاتے ہیں کہ جس کی مثال باید و شاید۔ مثلاً

جلوۂ حق کی تو متلاشی گہر کی ایڑیاں

اڑا دی اس نے تخت و تاج کی توقیر چٹکی میں

کیوں نہ جائے نغمہ حق ہر نیستاں سے لپٹ

تجھے رحم کی جو پر کتنا گھمنڈ

ہر، حسن ترا، روئے درخشان پہ چھٹی

عرش پر رک جائے ہر تخت و حکومت کی بحث

بھلا دھڑ سے لگی رہتی کہاں، منصور کی گردن

طاعت میں تری چاک گریباں کے کاغذ

مذکورہ بالا منفرد اور قدرے مشکل ردیفوں کو کامیابی سے نبھاہنا کارِ آسان نہ تھا۔ مگر طورؔ کے سلیقۂ شعری نے اسے ممکن کر دکھایا۔ تاہم بعض مقامات پر چند مصرعے روانی کے اعتبار سے کھٹکتے بھی ہیں مثلاً پہلی ہی غزل:

در گزر کرتا نہ گر، وہ جو رحیمِ کل ہے طور
جائے دوزخ بھڑکتی اعمال کے دفتر میں آگ ۹۷؎

میں انھوں نے بَھَڑکتی کو بھڑ کتی باندھ دیا ہے۔ اسی طرح

تھامتا ہے تو ستونِ آہ کو، ہر دم گئی
روشنی کی کرن جیسے چھیدِ زنداں سے لپٹ ۹۸؎

میں بھی کِرَن کو کِرن پڑھا جائے تو وزن درست شمار ہوتا ہے۔ مگر ایسی چند کمزوریوں سے قطعِ نظر، ان کے کلام کی روانی کی داد دینا پڑتی ہے۔

طورؔ کی حمدیہ شاعری میں اثر انگیز اور حسنِ معنوی سے آراستہ اشعار کی کمی نہیں ہے۔ ذیل میں ایسی چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں:

جلوۂ حق کی تو متلاشی گہر کی ایڑیاں
ٹک نہیں سکتیں کبھی پائے نظر کی ایڑیاں
تیری رحمت ڈھونڈتی ہے مانگنے والوں کو خود
ہر گھڑی مشتاق ہوویں تیرے در کی ایڑیاں ۹۹؎

عشق ہو اگر عنقا سیڑھیاں نہیں کھلتیں
عقل سے تو منزل کی بیڑیاں نہیں کھلتیں ۱۰۰؎

اس قدر حمد و ثنا میں غرق ہیں موجیں تمام

مستیوں سے ڈر کے کھلتا جائے ہے ساحل کا ہاتھ ۱۰۱؎

ہے اس کی ذات ہی، کہ کرے عفوو در گزر
آدم وہی ہے جس نے کہ غلطی ضرور کی ۱۰۲؎

تری قدرت نے ہر اعجاز میں حیرت نہاں رکھ دی
کہ تو نے لا مکانوں میں بھی بنیادِ مکاں رکھ دی ۱۰۳؎

توحیدِ خالص پر مبنی ذیل کے شعر کی صداقت تو ان کے سارے دیوان پر حاوی ہے۔ اس لئے کہ اردو کے بڑے بڑے شعرا بھی نبیؐ اکرم کی محبتؐ میں انھیں احمد بے میم قرار دینے سے نہیں چوکتے۔ مگر طورؔ کا یہ شعر پڑھئے اور دیکھیے کہ انھیں توحید خالص کا کس قدر ادراک وعرفان حاصل ہے اور ان کی حمدیہ شاعری رسماً حمد نہیں بلکہ مزاجاً حمد ہے:

جُز حوالے سے ترے کوئی نہیں ہے نامور
ذات سے تری ہے رتبہ صاحبِ لولاکؐ کا ۱۰۴؎

طورؔ کا حمدیہ کلام اپنے دامن میں دلکش تشبیہات، تلمیحات اور تراکیب لئے ہوئے ہے۔ جنھوں نے اُس کے صوری حسن میں خاطر خواہ اضافہ کیا ہے۔ مثلاً

یاد ہے عالم کو طوفان نوح کا اے مقتدر
کس طرح سے کوئی مانگے تیری قوت کا ثبوت ۱۰۵؎
وہ لا شریک، کسریٰ و فرعون ہیچ سب
بندہ کرے مقابلہ کیسے خدا کے ساتھ ۱۰۶؎

منفرد تشبیہ دیکھیے:

اے منیب کل تری رحمت ہے ایسے پر فشاں
جس طرح کہ میزباں جائے ہے مہماں سے لپٹ
۱۰۷؎

مختصراً کہا جا سکتا ہے کہ عبدالسلام طور کا حمدیہ کلام باعتبار معیار و مقدار ہر دو طرح سے لائقِ تحسین ہے اور وہ بجا طور پر اتنی کم عمری میں پہلا مجموعہ حمد مرتب کرنے کا اعزاز رکھتے ہیں۔

۱۳۔الحمد، لاشریک عہدِ حاضر کے معروف شاعر اور پرکشش لب و لہجے کے حامل حمد گو جناب مظفر وارثی نے اردو حمدیہ ادب کو ۱۹۸۴ء میں ایک انمول تحفہ ''الحمد'' کے نام سے دیا۔''الحمد'' کی شاعری اور بے پناہ مقبولیت نے دنیائے ادب کو چونکا دیا۔'الحمد' کی شاعری ایک صاحبِ اسلوب اور پختہ کار وقادر الکلام شاعر کی شاعری ہے اور خاص و عام میں مقبول ہے۔معروف گلوکاروں نے بھی ان کے کلام کو لحن کے ساتھ پیش کیا ہے۔

ڈاکٹر سیّد عبداللہ نے 'الحمد' کے تعارفی پیش لفظ میں لکھا ہے:

''مظفر وارثی کے مجموعہ حمد (الحمد) کو اپنی نوعیت کی منفرد عطا کہا جا سکتا ہے..........وارثی صاحب ہر چند کہ بنیادی طور پر غزل کے نمائندہ شاعر ہیں لیکن نعت گوئی میں بھی اپنا ایک انداز رکھتے ہیں اور یہ ان کا امتیازی وصف ہے کہ انھوں نے خداوند تعالیٰ کی حمد وثنا پر مشتمل نظموں کا یہ مجموعہ مرتب کیا ہے......وہ جذباتی انداز میں پروردگار کی قدرتوں اور نعمتوں کا ذکر کرتے ہیں۔''۱۰۸؎

'الحمد' کا آغاز جس حمد سے ہوتا ہے، اس کا پہلا ہی شعر فلسفیانہ حمد ومتصوفانہ کی ذیل میں آتا ہے اور شاعر کے علم الاعداد سے واقفیت کا مظہر بھی ہے۔

خدا ہے ایک مگر ایک کی بھی حد میں نہیں
اکائی اُس کی کسی زمرۂ عدد میں نہیں ۱۰۹؎

وحدت الوجودی فلسفے کے پرچارک شعرا اس نکتے کو اپنے مسلک کی تشریح کے طور پر بیان کرتے ہیں۔یعنی خدا 'ایک' تو ہے مگر خود 'ایک' عدد کی ذیل میں آتا ہی، نہیں مگر تمام اعداد میں شامل بھی ہوتا ہے۔ یہی موضوع امجدؔ حیدر آبادی نے اس طرح بیان کیا ہے۔

ذرہ ذرہ میں ہے خدائی دیکھو
ہربت میں ہے شانِ کبریائی دیکھو
اعداد تمام مختلف ہیں باہم
ہر ایک میں ہے مگر اکائی دیکھو

اس کی وضاحت امجد حیدر آبادی نے خود اس رباعی کے حاشیے میں اس طرح کی ہے:

''مثلاً ۲ مجموعہ ہے۱+۱ کا اور ۳ مجموعہ ہے۱+۱+۱ کاقس علی ہذا اکائی ہر عدد میں موجود ہے اور(۱) خود عدد نہیں ہے کیونکہ عدد حاشیتین کے مجموعے کو کہتے ہیں، جیسے(۲) اس کا حاشیہ(۱) ہے اور دوسرا حاشیہ(۳) (۱) اور(۳) کا مجموعہ(۴) اور اس کا نصف(۲) ہوتا ہے۔ فافہم''۱۱۰؎

مظفر وارثی کا حمدیہ کلام ہمیں ان کی قرآن و حدیث فہمی سے متعارف کراتا ہے اور سچ تو یہ ہے کہ ایک اچھا حماد، بغیر مطالعہ قرآن اور شعور دینی کے اعتماد کے ساتھ حمد کہنے سے قاصر ہے۔مظفر وارثی کے کلام میں بھی ہمیں جا بجا قرآن و حدیت سے خوشہ چینی نظر آتی ہے۔مثلاً آیہ قرآنی

قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَ نُسُکِیْ وَ مَحْیَایَ وَ مَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ o (۶/۱۶۲)

کی تفسیر پر مشتمل ان کی حمد سے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

آنکھ اُٹھے تیرے لیے، کھُلتے ہیں لب تیرے لیے
میرا جینا، میرا مرنا، میرے رب تیرے لیے

اللہ تعالیٰ کی رضا کو دائرہ اور اپنی زندگی کو پرکار سے تشبیہ دیتے ہیں:

دائرہ تیری رضا، پرکار میری زندگی
ہر تمنا، ہر ارادہ، ہر طلب تیرے لئے

ذیل کے شعر میں مظفر وارثی نے''مسجدِ الفاظ'' کے استعمال سے تمثال آفرینی کی دلکش مثال پیش کی ہے:

مسجدِ الفاظ میں بھی دے رہا ہوں میں اذاں
میرا فن ، میرا ہنر، میرا ادب تیرے لیے ۱۱۱؎

ذیل کی آیات دیکھیے:

(i) وَ خُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا (۴/۲۸)

ترجمہ: اور انسان کو کمزور پیدا کیا گیا ہے۔

(ii) اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ (۱۰۳/۲)

ترجمہ: بے شک انسان گھاٹے میں ہے۔

(iii) الَّذِیْ جَعَلَکُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ (۶/۱۶۵)

ترجمہ: وہی ہے جس نے تمہیں زمین میں اپنا خلیفہ بنایا ہے۔

اور مظفر وارثی کا یہ شعر پڑھئے۔

مجھے ہی تو نے دیا اختیار لغزش بھی
مجھی پہ اپنی خلافت کا بوجھ بھی ڈالا ۱۱۲؎

انهٗ علیمٌ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۷۵(۳/ ۵) کوشعری لباس اس طرح پہناتے ہیں:

پانی کے اندر وہ دیکھے پانی کو
دل ہی دل میں بات کروں تو سنتا ہے ۱۱۳؎

مظفرؔ وارثی کا حمدیہ کلام ان کی علمیت کے ساتھ ساتھ محاسن شعری سے بھی آراستہ ہے۔ ان کی حمدیہ شاعری میں تشبیہات و استعارات صنائع بدائع اور شاعرانہ پرکاریاں بھی جلوہ گر ہیں۔ مثلاً

تاریخ بھی میری نہیں پہچانتی مجھ کو
کیسا میں یہ جغرافیہ بردار ہوں مولا ۱۱۴؎

'جغرافیہ بردار' کی اصطلاح کیسی منفرد اور جدت کی حامل ہے۔اسی طرح ذیل کی مصرع میں وقت کو ''تجسیم'' کرتے ہیں:

سکوتِ وقت کے لب پر کلام تیرا ہے ۱۱۵؎

پروفیسر اسرار احمد سہاوری کے بقول:

''تغزل ان کے مزاجِ شعری اور فطرت موزونیت کی بنیاد ہے اور پہلے انھوں نے اس تغزل کو غزل میں پروان چڑھایا اس کے بعد عملِ ترفیع کے ذریعے سے اس کی لغت میں شامل کیا اور تیرے ترفیعی عمل میں اس کی انتہائی نمود حمد میں جلوہ پیرا کر دی۔''۱۱۶؎

ذیل میں ان کے کلام سے ''تغزل'' کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

اس برف سی جاں کو بھی پگھلتے ہوئے دیکھوں
دریوزہ گرِ شعلۂ دیدار ہوں مولا ۱۱۷؎

ہر ایک سانس سے آواز آرہی ہے تری
مرا دھڑکتا ہوا دل پیام تیرا ہے ۱۱۸؎

صنعت تلمیح کی برجستہ مثال دیکھیے:

اک سُوت کی انٹی مرے سانسوں کا اثاثہ
اور یوسفِ ہستی کا خریدار ہوں مولا ۱۱۹؎

ان کے حمدیہ کلام سے انتہائے عجز کی ترجمانی ان کی یہ آزاد حمدیہ نظم بخوبی کرتی ہے۔

مولا
تو مولا میں بندہ
تو ہے ساری خوبیوں والا
میں ادنیٰ تو اعلیٰ
تو شیشہ میں کنکر پتھر
تو اجلا میں گندہ مولا تو مولا میں بندہ ۱۲۰؎

''لاشریک'' میں شامل مناجات کے اشعار ذاتی رنگ کے حامل ہیں اس لیے داخلیت نے ان کے اشعار کا حسن فزوں تر کر دیا ہے:

دنیا سے دین، دین سے دنیا سنوار دے
دونوں جہان مالک و مولا سنوار دے
مجھ سے زیادہ کمتر و کوتاہ کون ہے
تیرے سوا مرا مرے اللہ کون ہے؟
اندر کی آنکھ درد کی آواز کھول دے
مجھ پر مرے ضمیر کے سب راز کھول دے ۱۲۱؎

۱۴۔لاشریک کے خالق طفیل دارا(۱۹۲۳ء/پ) پختہ کار اور قادرالکلام شاعر تھے۔ان کا شعری مجموعہ ۱۹۸۴ء میں شائع ہوا۔سنہ ندارد مگر مرزا ادیب کی تحریر پر ۱۹۸۴ء کی تاریخ درج ہے اور وہ لکھتے ہیں:

''اس کلام میں ایک عاجز بندے کا عجز بھی ہے اس کی آہ وزاری بھی اور وہ گلے شکوے بھی جن کا اظہار اپنے رب کا ایک سچا بندہ اپنے رب کی بارگاہ میں ایک ناقابل شکست اعتماد کے ساتھ کرتا ہے۔''۱۲۲؎

بکتا ہوں مگر کوئی خریدار نہیں ہے
کہتے ہیں کہ تو نخل ثمر دار نہیں ہے
جھولی مری خالی ہے تو کیوں ہے مرے مولا
میں مانگ رہا ہوں تجھے انکار نہیں ہے!
ہے تو بھی وہی اور وہی ہے تری رحمت
پہلا سا اگرچہ مرا کردار نہیں ہے ۱۲۳؎

ان کی دعائیہ شاعری بڑی پرتاثیر ہے ۔ یہ دعائیں ذاتی بھی ہیں اور اجتماعی بھی۔ اللہ کے حضور بڑی عاجزی و انکساری سے دامن پھیلائے دعا کرتے ہیں:

یا رب مرے قلم سے کسی کا برا نہ ہو
سوچوں سے آدمی کی محبت جدا نہ ہو
میری زباں کو آپؐ سی گفتار بخش دے
مجھ بے عمل کو آپؐ سا کردار بخش دے
میرے وطن کے شام و سحر شاداں رہیں
سارے جہاں کے لوگ سدا پراماں رہیں ۱۲۴؎

۱۵۔ حافظ لدھیانوی (۱۹۲۰ء......۲۰۰۰ء) تین حمدیہ شعری مجموعوں سبحان اللہ وبحمدہٖ (۱۹۹۰ء) سبحان اللہ العظیم (۱۹۹۰ء) اور ذوالجلال والاکرام (۱۹۸۶ء) کے خالق کسی تعارف کے محتاج نہیں۔۱۹۳۸ء میں سلسلہ شعر گوئی شروع کیا اور مرتے دم تک حمد و نعت کہتے رہے۔ اردو نعت کے حوالے سے آپ اس اعتبار سے ممتاز ترین مقام کے حامل ہیں کہ نعتیہ قطعات و رباعیات میں اولین کتب آپ کی ہیں۔ آپ نے اردو میں حرمین شریفین کا منظوم سفر نامہ بھی لکھا۔ نیز مدینہ منورہ کے ۱۹ ترانے لکھے آپ کی شعری و نثری تصانیف کی تعداد ۲۰ سے زائد ہے۔آپ کی دینی و مذہبی خدمات کے صلے میں آپ کو بہت سے اعزازات سے نوازا گیا جن میں نعت میں صدارتی ایوارڈ، حسان حمد و نعت ایوارڈ جنگ ادبی ایوارڈ اور سیرت ادبی ایوارڈ قابل ذکر ہیں۔ آپ کے بارے میں لکھے گئے مضامین ، مقالات، تبصروں اور نظموں کی قابل ذکر تعداد موجود ہے۔

حافظؔ صاحب کے تینوں حمدیہ مجموعوں کے عنوانات، قرآن و حدیث سے ماخوذ ہیں۔ بقول حفیظ تائبؔ

''انھوں نے قرآن و حدیث سے اپنی حمدیہ شاعری کی بنیادیں اٹھائی ہیں اور وہ اس میں کچھ اس طرح ڈوبے ہیں کہ ان کا نفس نفس اور لفظ لفظ ذکر بن گیا ہے۔''۱۲۵؎

حافظ صاحب کی حمد میں متغزلانہ اسلوب نے حمد کو ادبِ عالیہ کے درجے پر فائز کر دیا ہے۔ ان کی حمدان کی باطنی کیفیات کی آئینہ دار ہے۔ کہتے ہیں:

حمد کا قافلۂ شوق رواں دیکھا ہے
ہم نے ہر سانس میں اک ربطِ نہاں دیکھا ہے
تیرے ہونے کی خبر دیتا ہے ذرہ ذرہ
نقشِ فطرت میں تجھے ہم نے عیاں دیکھا ہے
اس میں دیکھی تیری قدرت کی نشانی کیا کیا
جب کہیں سایہ کناں ابرِ رواں دیکھا ہے ۱۲۶؎

حافظ صاحب مظاہرِ فطرت میں آیات الٰہی دیکھتے ہیں تو ان کی زبان سراپا حمد بن جاتی ہے۔

حافظ لدھیانوی کے حمدیہ کلام کا یوں تو ہر شعر ہی سراپا انتخاب ہے، مگر جہاں وہ اللہ کی قدرت و خالقیت کے اعتراف میں اپنی قلبی خلوص میں تخیل کی رنگینیاں شامل کرتے ہیں تو ان کی حمدیہ شاعری، صحیح معنوں میں نکھر جاتی ہے مثلاً

تھامتا ہے وہی پرندوں کو
بند کرتے ہیں جب ہوا میں پر
وہ سجاتا ہے ان کو رنگوں سے
کیا منقش ہیں تتلیوں کے پر ۱۲۷؎

حافظؔ صاحب کے دعائیہ و مناجاتی کلام میں ذاتی اور اجتماعی ہر دو طرح کی دعائیں ملتی ہیں۔ ان کی دعاؤں میں دردِ ملت خاص طور پر نمایاں ہے۔ مگر اظہارِ غم میں شکوہ و شکایت کی بجائے احساسِ تشکر نمایاں ہے۔

ترا در ہی وجہ سکون ہے، تو سب کا رکھوالا ہے
ہم دکھیارے، ہم بیچارے، غم کے مارے تیرے ہیں
تیرا لطف نہ ہو جو شامل، سانس بھی لینا مشکل ہے
سارے کام بنائے تو نے سارے سہارے تیرے ہیں ۱۲۸؎

مثنوی ''حمدیہ استمدادیہ'' میں کہتے ہیں:

المدد اے خالق ارض و سما
ارض پاکستاں میں ہے محشر بپا
ہیں لہو کی ندیاں ہر سو رواں
محو حیرت ہیں زمین و آسماں
بن گئی مقتل کراچی کی زمیں
بے گناہوں کا کوئی حامی نہیں

ملتِ بیضا کے غم پر ان کی افسردہ خاطری ملاحظہ ہو:

تو ہی مظلوموں کی سنتا ہے دعا
کوئی بھی اپنا نہیں تیرے سوا
رحم کی ہو خستہ حالوں پر نظر
ہو شبِ تاریک میں پیدا سحر
بے کسوں پر میرے مولا رحم کر
ڈال دے ان پر محبت کی نظر ۱۲۹؎

ان کی حمد و مناجات سے کہاں تک مثالیں پیش کی جائیں۔ ہر مثال قابل داد و تحسین ہے۔اپنے حمدیہ کلام میں وہ خود بھی اپنے ممدوح کے اسم ذاتی کی تسبیح کرتے نظر آتے ہیں اور دوسروں کو بھی اس کی دعوت دیتے ہیں:

اک پل بھی غافل نہ رہو تم یاد سے اپنے خالق کی
روح میں اس کا نام اتارو اللہ اللہ کیا کرو
اس کا ذکر ہی وجہ سکوں ہے اس کے نام میں لذت ہے
اپنے سارے کام سنوارو اللہ اللہ کیا کرو ۱۳۰؎

''حمدیہ مثنوی'' میں حمد و مناجات کے مضامین ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔

کھلا مثنوی کا درخشندہ باب
ہے پیش نظر میرے ام الکتاب
مرے لب پہ ہے حمدِ ربِّ کریم
ہے مخلوق پر جس کا لطفِ عمیم

......مرے ذہن کو بخش دے روشنی
ہو تیرے تصور سے تابندگی
ہو یوں حمد میں مجھ کو حاصل کمال
نہ آئے کبھی میرے فن کو زوال
جو ہو بات وہ استعارے میں ہو
کمالِ فصاحت اشارے میں ہو ۱۳۱؎

۱۶۔ لطیف اثر(۱۹۲۲ء پ)بنیادی طور پر غزل کے شاعر ہیں۔ ان کے حمدیہ شعری مجموعے ''صحیفہ حمد'' سے قبل ان کے دو شعری مجموعے 'حصارِ انا' اور 'سیلِ تمنا' منظر عام پر آئے۔ اس کے علاوہ تین حمدیہ شعری مجموعے ''صحیفۂ ذات''، ''اللھم'' اور'' طلوعِ حمد'' شائع ہوئے۔ 'صحیفۂ حمد' اس اعتبار سے منفرد مجموعۂ حمد ہے کہ اس میں اللہ رب العزت کے ننانوے اسمائے صفاتی کو ردیف بنا کر حمدیں کہی گئی ہیں۔ اس اعتبار سے یہ اپنی نوعیت کا پہلا مجموعہ حمد ہے۔ اس انداز میں حمد لکھنے کا خیال مصنف کو اپنے ایک خواب سے آیا، جس کا ذکر انھوں نے 'صحیفہ حمد' کے آغاز میں کیا ہے۔

''مجموعی طور پر اس مجموعے میں اللہ کی صفات کا ایک آئینہ خانہ نظر آتا ہے''۱۳۲؎ لطیف اثر نے بڑی مہارت اور قدرت کلام سے اسمائے حسنیٰ کو منظوم کیا ہے۔ اگرچہ بعض مقامات پر 'ردیف' کی سنجیدگی نے ان کے کلام کی خوبصورتی کو متاثر بھی کیا ہے۔ تاہم بیشتر مقامات پر، قابلِ داد حمدیہ اشعار ملتے ہیں۔ مثلاً

ایک طلب ہے ایک ہی خو لا الہ الا ھو
اب تو ہے تُو اور تُو ہی تُو لا الہ الا ھو ۱۳۳؎

جو مانگنا ہے اسی وقت مانگ لوں تجھ سے
ابھی ہے ذوقِ تمنا بحال المتعال
ہر اک نظر میں تجلی تری فروزاں ہے
ہر آئینے میں ترے خدوخال المتعال ۱۳۴؎

کیا جانے کس کی شکل نظر آگئی اُسے
حیرت سے مجھ کو آئینہ دیکھا کیا بدیع

جس کا وجود بھی نہ کبھی تھا جہاں میں
کُن کہہ کے تونے اس کو بھی پیدا کیا بدیع ۱۳۵؎

لطیف اثر، اسمائے حسنیٰ کو تخاطب کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔

تجھ کو دل میں چھپا لیا ہے وکیل
ایک کعبہ بنا لیا ہے وکیل ۱۳۶؎

گلشن دل میں تذکرہ تیرا
غنچہ و گل کی کائنات لطیف
جس کو نسبت ہے تیرے جلوں سے
اس کی حد تعینات لطیف ۱۳۷؎

لطیف اثر کا دوسرا حمدیہ دیوان **'صحیفۂ ذات'** ہے جو اس اعتبار سے منفرد ہے کہ انھوں نے قرآن سے ۹۹ ایسے فقرے یا جملے تلاش کئے جو حمد باری تعالیٰ کے لیے آتے ہیں اور ان کو اس طرح حمد کا موضوع بنایا کہ وہ بطور ردیف استعمال ہوئے۔ ان کے اس مجموعے کے مطالعے سے ان کی قرآن فہمی اور عربی دانی کی بجا طور پر داد دینا پڑتی ہے۔

''اللّٰھم'' کے عنوان سے ان کا حمدیہ و نعتیہ مجموعہ بھی اس اعتبار سے منفرد ہے کہ یہ سارے کا سارا صفتِ مہملہ یا عاطلہ کی دلکش مثال ہے۔ پروفیسر شفقت رضوی کہتے ہیں:

''کسی نوع کی سخت پابندی عائد کر کے شعر کہنا آسان نہیں۔ اس میں صنعت گری کے قابل قدر نمونے تیار ہو جاتے ہیں لیکن دل نشینی، دل گرفتگی، اثر افزونی سے عاری ہوتے ہیں۔ لطیف اثر نے غیر منقوط حمدیہ کلام میں یہ خامیاں پیدا نہیں ہونے دی ہیں...........'اللّٰھم' میں پر تاثیر اشعار کی کمی نہیں ہے اور اس صفت نے اس مجموعے کے وقار کو قائم اور باقی رکھا ہے''

چند مثالیں ملاحظہ ہوں جن میں ان کی مرصع سازی کی جھلک ہے:

اللہ اللہ ھو لا الٰہ الا ھو
وہ اللہ ہر دم ہر کو لا الٰہ الا ھو

اللہ ھو کی ہر دھمک وحدۂ کے اردگرد
اے رگ دام گلو لا الٰہ لا ھو ۱۳۹؎

ہوتی محسوس دھمک کلمہ کی
دل مرا ہے کہ ہے اللہ کا گھر ۱۴۰؎

''طلوعِ حمد'' ان کا چوتھا حمدیہ مجموعہ ہے۔'صحیفۂ حمد' اور 'اللّٰھم' کے برخلاف یہ کسی بھی قسم کی فنی پابندی سے عاری ہے۔ اس لئے اس میں ان کے پرخلوص جذبات و احساسات بھرپور شعری رنگ میں نظر آتے ہیں۔ ان کی حمدیہ شاعری کا پسندیدہ ترین موضوع وحدانیت ہے اور وہ سبھی مجموعہ ہائے کلام میں اسی کا پرچار کرتے ہیں:

ہو گیا وحدانیت پر تیری دنیا کو یقین
وقت تیری راہ میں جب ہو گیا ثابت قدم ۱۴۱؎
ہوئی ازل سے جو پہلے وہ ابتدا تو ہے
جو ختم ہو نہ ابد پر وہ انتہا تو ہے
تو ہی ہے مالک یومِ حساب قادرِ کل
جو مجھ سے عاصی کو دے گا سزا جزا تو ہے ۱۴۲؎

ان کی دعائیہ شاعری سے ایک دلکش مثال ملاحظہ ہو:

جینے کے واسطے مروں مرنے کو کیوں جیوں
اب دل میں ہے مروں تو تیری راہ میں مروں
وہ حوصلہ، وہ عزم عطا کر مجھے کہ میں
تونے جو غم دیے ہیں خوشی سے انھیں سہوں ۱۴۳؎

مختصراً ہم کہہ سکتے ہیں کہ لطیفؔ اثر کو اردو کی حمدیہ شاعری کی روایت میں یہ اعزاز حاصل ہے کہ وہ سب سے زیادہ دواوین حمد رکھتے ہیں۔

۱۷۔ڈاکٹر تبسّم رضوانی (۱۹۲۹ء......۱۹۹۰ء) کا اصل نام حبیب اللہ قریشی تھا۔ آپ معروف اردو ادیب و شاعر و صحافی تھے۔ صدر مجلس شمع ادب اور نگران اعلیٰ ویلفیئر ایسوسی ایشن آف ہومیوپیتھی بھی تھے۔ لب ورخسار، لہو کے چراغ، چہرہ، کرب زار اور حمد و ثنا کے خالق تھے۔ سولہ صفحات پر مشتمل مختصر سے مجموعے

''حمدو ثنا'' میں ''دعائے حمد و ثنا'' کا آغاز اس طرح ہوتا ہے:

سوچتا ہوں تری ثنا لکھوں
فکر یہ ہے لکھوں تو کیا لکھوں
تیری وسعت کا کچھ حساب نہیں
اور مجھ میں تو اتنی تاب نہیں

علم دے دے، شعور دے یارب
مجھ کو لکھنے کا نور دے یارب
حمد تیری بیاں کروں میں بھی
کیف سے آرزو بھروں میں بھی ۱۴۴؎

اس کے بعد تبسمؔ رضوانی حمد و ثنا میں اسمائے الٰہی سے مدد لیتے ہیں اور خدا کی ایک ایک صفت کا ذکر کرتے جاتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ شعر میں اس کی وضاحت بھی۔ مثلاً

تو ہے قدوس، عیب تجھ میں نہیں
تجھ سا پاکیزہ ہم نہ پائیں کہیں
تو مصور ہے، نقش گر تو ہے
وائی خامہ و ہنر تو ہے
ہے معز المزل تری ہی صفات
عزت اور ذلت دینا، تیرے ہات

آخری شعر ہے:

در گزر کر دے ہو گئی جو بھول
تحفۂ حمدِ پاک کر مقبول ۱۴۵؎

۱۸۔'بحضورِ حق تعالیٰ' کے شاعر کاوش زیدی، سید ماجد علی زیدی کا تعلق فیصل آباد شہر سے ہے۔ پیشے کے اعتبار سے استاد ہیں۔ ان کی نثری تصانیف تاریخ پاک و ہند(۱۹۵۶ء) تاریخ اسلام(۱۹۵۷ء) اور تاریخ انگلستان (۱۹۵۹ء) ہیں۔'بحضورِ حق تعالیٰ' ۱۹۹۰ء میں منظرِ عام پر آیا۔

کاوشؔ زیدی کی حمدیہ شاعری ان کی قرآن و حدیث سے رغبت کا پتا دیتی ہے۔ ان کی شاعری میں مظاہرِ

فطرت کی آڑ میں صانع کی حمد بھی ملتی ہے۔ کہتے ہیں:

موسم گل کی ہواؤں میں لطافت تیری
بحر ذخّار کی موجوں میں جلالت تیری
موجۂ باد بہاری میں ہے فرحت تیری
سبزہ زاروں کی بہاروں میں ہے نزہت تیری
وادیٔ وہم و گماں میں وہ بھٹکتا پھرتا
ذہن کاوشؔ پہ جو نہ کھلتی حقیقت تیری ۱۴۶؎

ان کی دعائیہ شاعری، قلب مومن کی اتھاہ گہرائیوں سے اخلاص کے ساتھ پھوٹنے والی روشنی ہے۔ کہتے ہیں:

علم و عرفاں کی روشنی دے دے
ذات سے اپنی آگہی دے دے
ذرہ ذرہ میں تجھ کو دیکھوں میں
ایسی آنکھوں میں روشنی دے دے
خدمتِ خلق میں بسر ہو تمام
ایسی کاوشؔ کو زندگی دے دے ۱۴۷؎

۱۹۔لالۂ صحرائی، چودھری محمد صادق(۱۹۲۰ء......۲۰۰۰ء) حمد ونعت کے معتبر قبیلے سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے نعتیہ مجموعے لالہ زارِنعت، بارانِ نعت، نعت ستارے، نعت دھنک، نعت سویرا، نعت صدف اور غزوات رحمۃ اللعالمین ہیں۔''**قلم** سجدے'' ان کا حمدیہ مجموعہ ہے جو ۱۹۹۳ء میں منظر عام پر آیا اور اسے ادارہ مطبوعاتِ تکبیر، کراچی نے شائع کیا۔قلم سجدے ۱۴۴ صفحات پر مشتمل ہے اور اس میں ایک سو دو حمدیں شامل ہے۔ جناب عاصی کرنالی نے''حمدِ الٰہی کا باغ'' کے عنوان سے تقریظ رقم کی ہے۔''قلم رکوع'' کے عنوان سے لالۂ صحرائی لکھتے ہیں:

''میں کوئی شاعر نہیں، محض نعت گو ہوں..........حمد و مناجات کی سو منظومات پر مشتمل میرا زیر نظر مجموعہ ان دعاؤں کی قبولیت کا ایک اور کرشمہ ہے، یہ حاشا وکلّا کسی بھی اعتبار سے میرا کوئی

کارنامہ نہیں۔''۱۴۸؎

آیۂ قرآنی قل ان کنتم تحبون اللہ فاتبعونی یحببکم اللہ......الخ کے مصداق وہ نعت سے حمد کی طرف آئے۔ ان کی ہر حمد کا آخری شعر نعتیہ ہے، جو ان کی قائم کردہ منفرد روش ہے اور اسے وہ حمد ہی کی ایک صورت قرار دیتے ہیں:

تعریف گر بیاں ہو، خدا کی رسولؐ کی
اسلوب اک ہے یہ بھی خدا ہی کی حمد کا ۱۴۹؎

ان کا حمدیہ کلام، بارگاہ رب العزت میں''عاجزانہ و نیاز مندانہ سجدے'' ہے۔ کہتے ہیں:

پھر ورق پر چھا گیا نور سعادت مرحبا
حمد لکھنے کو قلم نے آج جو سجدہ کیا ۱۵۰؎

قلم سجدے، حمد و مناجات دلکش امتزاج ہے۔ آغاز اس خوبصورت دعا سے ہوتا ہے۔

حمد خدائے پاک کی توفیق پاؤں میں
نغمے عبودیت کے شب و روز گاؤں میں
تشکیک و انحراف کے جنگل اجاڑ کر
ایمان کی، یقین کی بستی بساؤں میں

نعتیہ مقطع ملاحظہ ہو:

عرفاں خدا کی ذات کا پاؤں گا بالیقیں
گر مصطفی کی ذات کا عرفان پاؤں میں ۱۵۱؎

ڈاکٹر عبدالغنی فاروق اپنے مضمون''قلم سجدے۔ ایک تاثر'' میں لالۂ صحرائی کی حمدیہ شاعری کی بابت لکھتے ہیں:

''قلم سجدے کے مطالعے سے محض خالی خولی رسمی انداز کے تعلق کے بجائے اللہ العزت سے ایک ایسی وابستگی اور عبدیت کا محکم احساس ہوتا ہے جو ہمہ جہت ہے، متحرک ہے اور جس میں شاعر اللہ تعالیٰ کو حی و قیوم اور سمیع و بصیر ہستی سمجھتا ہے اور پورے یقین اور شعور کے ساتھ سمجھتا ہے۔'' ۱۵۲؎

ڈاکٹر صاحب کی رائے کی تائید میں جناب لالۂ صحرائی کے کلام سے چند حمدیہ اشعار ملاحظہ ہوں:

مانگوں میں کیوں کسی سے خدایا ترے سوا
مالک ہے جب کہ تو ہی فقط کائنات کا
نقشِ سجود میں نے سجایا ترے لیے
میری عبودیت کا فقط تو ہے مدعا
میں کیا ہوں اور کیا ہے مری سطحِ بندگی
حق یہ ہے حق نہ تیرا ہوا آج تک ادا ۱۵۳؎

طاہر سلطانی صاحب کے نام ارسال کی گئی ان کی حمد، جو ان کے مجموعے میں شامل نہیں ہے، کے چند اشعار یہاں درج کئے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے بے پناہ محبت و وارفتگی اور سرشاری کے جذبات سے بھرپور اظہار دیکھیے:

فردِ اعمال پہ جو میری خطا نے لکھا
عفو کا حرف وہاں تیری عطا نے لکھا
تو ہی کرتا ہے عطا بادِ موافق ان کو
بادبانوں پہ تیرا نام ہوا نے لکھا
وہ چمک اٹھے گا محشر میں ستارہ بن کر
نقشِ سجدہ جو جبینوں پہ وفا نے لکھا ۱۵۴؎

'قلم سجدے' میں ایک ہی ردیف وقافیہ میں متعدد حمدیں ملتی ہیں۔ جن سے شاعر کی قدرت کلام کا بھی اظہار ہوتا ہے۔ مثلاً 'مولا' ردیف میں ۸ حمدیں، 'خدا' ردیف میں ۴، اے مرے خدا کی ردیف میں ۳ اور لا الٰہ الا اللہ کی ردیف میں ۲ حمدیں ہیں۔

شعرائے حمد کے یہاں ایک روایت آیاتِ الٰہی سے اثباتِ الٰہی کی ہے۔ مگر لالۂ صحرائی کی انفرادیت دیکھیے کہ وہ اپنے آپ کو بھی اسی کی ہی ایک آیت گردانتے ہیں:

آیات تیری چار سو دیکھوں ہے کیا ضرور
میں خود بھی ایک تیری ہی آیت ہوں اے خدا ۱۵۵؎

اچھی اور معیاری حمد گوئی کے لیے ایک حماد کی قرآن و حدیث سے گہری واقفیت اور علم کا ہونا بہت

ضروری ہے۔ لالۂ صحرائی اس معیار پر پورا اترتے ہیں۔ ان کے کلام میں ایسے اشعار کثرت سے ملتے ہیں جہاں ان کے پس پردہ قرآن و حدیث کا نور جھلکتا ہے۔ مثلاً

اَللّٰہُ الَّذِیۡ رَفَعَ السَّمٰوٰتِ بِغَیۡرِ عَمَدٍ تَرَوۡنَہَا (۱۳/ ۲)

ترجمہ: اللہ وہ ہے جس نے بے ستون آسمان اونچے کیے جنھیں تم دیکھتے ہو۔

لالۂ صحرائی کہتے ہیں:

ہے ایستادہ قدرت رب کے ستون پر
خیمہ فلک کا دیکھنے میں بے طناب ہے ۱۵۶؎

اِنَّ الَّذِیۡنَ تَدۡعُوۡنَ مِنۡ دُوۡنِ اللّٰہِ لَنۡ یَّخۡلُقُوۡا ذُبَابًا وَّ لَوِ اجۡتَمَعُوۡا لَہٗ وَ اِنۡ یَّسۡلُبۡہُمُ الذُّبَابُ شَیۡـًٔا لَّا یَسۡتَنۡقِذُوۡہُ مِنۡہُ ضَعُفَ الطَّالِبُ وَ الۡمَطۡلُوۡبُ ٥ (۲۲/ ۷۳)

ترجمہ: اللہ کے سوا جن جن کو تم پکارتے ہو، وہ ایک مکھی بھی تو پیدا نہیں کر سکتے۔ گو سارے کے سارے ہی جمع ہو جائیں بلکہ اگر مکھی ان سے کوئی چیز لے بھاگے تو یہ تو اسے بھی اس سے نہیں چھین سکتے۔ بڑا بودا ہے طلب کرنے والا اور بڑا بودا ہے جس سے طلب کیا جا رہا ہے۔

اور لالۂ صحرائی کہتے ہیں:

بنا سکتے نہیں مکھی بھی، گر مل جائیں سب صانع
جہاں کے کارخانے کی بقا تو ، ابتدا تو ہے

لالۂ صحرائی کا کلام صرف معنوی ہی نہیں بلکہ لفظی خوبیوں اور صنائع بدائع کا بھی ایک مرقع ہے۔ مثلاً ذیل کے اشعار صنعتِ تضاد کے حامل ہیں:

پڑ گیا اس پہ پرتو رحمت
میرے دل کا خزف ہوا ہیرا
یہ جہاں ہیچ، کمتر اور ادنیٰ
میرے آقا ہی سب سے ہیں اعلیٰ ۱۵۸؎

اور حسنِ تشبیہ دیکھیے:

یادِ گنہ سے گرچہ میں لرزاں ہوں مثلِ بید

لطفِ خدا کی آس سے ہوتا ہوں میں نہال ۱۵۹؎

صنعت لف ونشر معکوس نے اس شعر کو کیسا دلکش رنگ عطا کیا ہے۔ ملاحظہ ہو:

دشتِ جہاں ہے تیرا، ہر ذرہ جاں کا تیرا
وحدت تری خدایا، کثرت تری خدایا ۱۶۰؎

مختصراً کہاں جاتا ہے کہ لالۂ صحرائی کی حمدیہ شاعری کو رسمی یا مذہبی نوعیت کی شاعری کہہ کر نظر انداز نہیں کیا جا سکتا بلکہ ان کا کلام ادبیت کی چاشنی سے بھر پور، تغزل سے مزین اور حسنِ معانی و مفاہیم سے آراستہ ہے۔ پروفیسر فوزیہ رانی کے بقول:

''قلم سجدے کی شاعری دور تشکیک میں تیقن کی شاعری ہے لالۂ صحرائی نے رسمی حمد نہیں کہی بلکہ ان کی حمد کا تعلق ان کے قلب و روح سے بہت گہرا ہے۔ ان کے فکر و فن کا تعلق رب تعالیٰ اور رسول کریمؐ کی محبت کے ان چشموں سے ہے جن کی روانی میں کبھی فرق نہیں آتا۔''

۱۶۱؎

اہلِ دنیا موسیقی کو روح کی غذا گردانتے ہیں، لالۂ صحرائی کے نزدیک اطاعتِ خدا اور اطاعتِ رسولؐ کا مزا اس سے دو چند ہے۔ کہتے ہیں:

ہے رُوح کی پر لطف غذا، تیری اطاعت
کرتے ہیں اسے نوش تو ہوتی نہیں سیری ۱۶۲؎

۲۰۔مسرور بدایونی(۱۹۲۵ء پ)سید مسرور الحسن، بدایوں میں پیدا ہوئے۔ ان کے دو مجموعہ ہائے نعت اور مجموعہ حمد''حمدیه قطعات'' (۱۹۹۴ء) شائع ہوئے۔ حمدیہ قطعات ان کی منفرد کاوش ہے۔ کتاب کی پشت پر ڈاکٹر ریاض مجید رقم طراز ہیں:

''حمدیہ قطعات، احساس و اظہار اور ترتیب و پیشکش کے اعتبار سے منفرد کتاب ہے۔ اس سے قبل حمد گوئی میں اس تکرار و تسلسل سے حمد گوئی کے فن و برکات پر قطعات نہیں لکھے گئے۔ حافظ لدھیانوی نے نعتیہ قطعات کا اولین مجموعہ پیش کیا اب حمدیہ قطعات میں اوّلیت کا شرف مسرور بدایونی حاصل کر رہے ہیں۔''۱۶۳؎

مسرورؔ بدایونی نے حمد کے فن، منصب اور صنف کی تعریف سے لے کے اس کے برکات وثمرات کو موضوعِ حمد بنایا ہے۔ ان کے سیکڑوں قطعات 'حمد' کے لفظ سے شروع ہوتے ہیں اور سیکڑوں 'حمد' کے لفظ پر ختم ہوتے ہیں۔ مثلاً 'حمد' کی فضیلت بیان کرتے ہیں:

حمد کا ایک ایک جملہ سیرِ عالم کی کتاب
حمد نے کھولے ہزاروں رنگ کے دنیا میں باب
حمد ہی سے زندگی کی کشت یہ سر سبز ہے
حمد بن کر چھا گئی اقصائے عالم پر سحاب ۱۶۴؎

حمد کے آداب کیا ہیں؟ مسرور بدایوانی کہتے ہیں:

حمد کو دل میں بنایا چاہیے ہر دم مکیں
حمد سے اخلاق ہو جاتا ہے اخلاق حسیں
حمد کے آداب میں یہ بھی ضروری ہے ادب
حمد پڑھتے وقت رہنی چاہیے نیچی جبیں ۱۶۵؎

خوبصورت قوافی سے سجے ہوئے ان قطعاتِ حمد کے شاعر کو خود بھی ان کی دلکشی کا احساس ہے۔ اس لئے کہتے ہیں:

میں سجا لایا بہر صورت یہاں ابروئے حمد
ہر طرح کے ملتے ہیں قطعات میں پہلوئے حمد
قافیے سب پھول کی مانند آتے ہیں نظر
کی بیاں ان قافیوں میں جو ملی ہے خوئے حمد ۱۶۶؎

مسرورؔ بدایونی کا ہر ہر قطعہ حمد اپنی جگہ مکمل اور سراپا انتخاب ہے اور وہ یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ:

جس قدر قطعات لکھے بن گئے شہ کار حمد
کس قدر یہ خوبصورت ہیں کہو آثارِ حمد
سیکڑوں قطعات لکھے ہیں خدا کے فضل سے
ہے مگر مسرورؔ اس پر بھی تو باقیدار حمد ۱۶۷؎

۲۱۔ابرار کرت پوری، قاضی ابرار حسین(۱۹۳۰ پ) کا تعلق انڈیا سے ہے۔

'خالق ذوالجلال'، ۱۹۹۴ء میں دہلی سے شائع ہوا۔ وہ ایک کہنہ مشق شاعر ہیں۔ ان کی حمد میں جدتِ اسلوب و مضمون نمایاں ہے۔ کتاب کے عنوان پر مشتمل نظم میں ان کے اسلوب میں موسیقیت و نغمگیت ملاحظہ ہو:

تو ہی معبود ہے میرا مسجود ہے
سب خلائق فنا تو ہی موجود ہے
استعانت تری ہے ضرورت مری
کر یہ چارہ گری ہر غضب سے نکال

خالق ذوالجلال ۱۶۸؎

چھوٹی بحر میں لکھی ہوئی دلکش حمد میں عبدیت کا اظہار کتنے اچھے طریقے سے کیا ہے:

میں بندہ تو بندہ پرور
اللہ اکبر ، اللہ اکبر
پالنے والے صاحبِ رحمت
تیری مدد کی ہم کو چاہت
تیرے لیے ہر ایک عبادت
تیرے بس میں عزت و ذلت
آج کے مالک، عادلِ محشر
اللہ اکبر، اللہ اکبر ۱۶۹؎

۲۲۔ خواجہ محمد کریم اللہ عباسی قادری (۱۸۷۶ء......۱۹۴۲ء) کا 'زمزمۂ حمد'، ان کی وفات کے عرصہ دراز بعد ۱۹۹۶ء میں شائع ہوا۔ آپ کا تعلق گوجرانوالہ سے تھا۔ ان کی حمدیہ شاعری، معرفت کے مضامین سے بھرپور ہے کہتے ہیں:

اللہ اللہ نام کیا ہے جان کا تعویز ہے
اللہ اللہ دین کا ایمان کا تعویز ہے
اللہؑ ہے اسم ذاتی، باقی اسمائے صفات
یہ جہاں میں اک نرالی شان کا تعویز ہے
ذات واحد کنت کنزاً مخفیاً تھی اے کریم

گوہر گنجینۂ فرقان کا تعویز ہے ۱۷۰؎

ان کے یہاں حمد میں قرآنی آیات، نگینوں کی طرح جڑی ہوئی ہیں اور شاعر کی قدرت الکلامی اور قرآن فہمی کی بھی دلیل ہیں۔ کہتے ہیں۔

پاک ہے وہ جس نے خود سبحٰنک اللہ کہہ دیا
حمد اس کی جس نے خود الحمد للہ کہہ دیا
پاک غیریت سے ہے وہ لا شریک ولامثال
ذات احدیت ہے جس نے قل ھُو اللہ کہہ دیا
ہو اسے منظور جو ہوتا ہے عالم میں وہی
دیکھ اس نے مَایَشاء یَفْعَلُ اللہ کہہ دیا
اَحسن التقویم، میں پیدا کیا انسان کو
اور حبیب با وفا کو لی مَعَ اللہ کہہ دیا ۱۷۱؎

وہ اپنی دعائیہ شاعری میں بھی کمالِ مہارت کے ساتھ قرآنی دعاؤں کومنظوم کرتے چلے جاتے ہیں:

یا الٰہی تجھ سے ہے ہر دم ندا لا تقنطوا
مجھ کو ہے امید کافی التجا کے واسطے
یا الٰہی انت ھبلی من لدنک رحمۃً
در پہ تیرے ہاتھ پھیلائے دعا کے واسطے
ربنا فاغفرلنَا اَسْرَافنا فی اَمْرِ نَا
انت مولٰنَا رسولِ مجتبٰی کے واسطے
واعفُ عَنَّا رَبَّنَا فاغفرلنا وارحم لنَا
سید الثقلین محبوبِؐ خدا کے واسطے ۱۷۲؎

۲۳۔ محبت خان بنگش صوبہ سرحد کے پہلے صاحب مجموعۂ حمد شاعر ہیں۔ ان کا حمدیہ مجموعہ ''خدائے ذوالجلال'' ۱۹۹۶ء میں شائع ہوا۔ وہ کوہاٹ سے تعلق رکھنے والے محقق، نقاد، شاعر اور ادیب ہیں اور ان کی بیس سے زائد کتب منظر عام پر آ چکی ہیں۔ ان کے حمدیہ شاعری خدا پر ان کے ایمان و ایقان کی بیّن دلیل ہے۔ کہتے ہیں:

دنیا میں تیرے دم سے ہی میرا وقار ہے

میرا خدا ہے تو میرا پروردگار ہے
ہر پھول ہر شجر میں ملا ہے ترا ظہور
ہر پھول اور شجر میں تو ہی آشکار ہے ۱۷۳؎

ان کی مناجاتیہ اور دعائیہ شاعری میں ذاتی اور اجتماعی دونوں نوعیت کی دعائیں عاجزانہ رنگ لیے ہوئے ہیں:

اپنے سوا کسی کا بھی محتاج تو نہ کر
اپنی محبتیں مجھے تو لازوال دے
نفرت نہ ہو کسی کو کسی سے جہان میں
ہم سب کے دل سے ساری کدورت نکال دے
یا رب مجھے حرام کی روزی سے تو بچا
ہے التجا یہ تجھ سے کہ رزق حلال دے ۱۷۴؎

۲۴۔ انوار عزمی کا مجموعہ حمد ''نام بنام حمد و ثنا'' اسی اعتبار سے بہت اہمیت کا حامل ہے کہ انھوں نے اسمائے حسنیٰ کی روشنی میں راہِ سخن طے کی ہے۔ عزمیؔ صاحب کہتے ہیں:

''زیر نظر مجموعہ ''نام بہ نام حمد و ثنا'' اللہ تعالیٰ کے اسماء الحسنیٰ پر مشمول ہے میں نے ہر مقدس اسم کا عنوان بنا کر حمد کہنے کی کوشش کی ہے تمام حمدیں صنعت توشیع میں ہیں۔ اگر مصرعۂ اولیٰ کے ہر پہلے حرف کو جوڑتے چلے جائیں تو مقدس اسم نظر کے سامنے آجاتا ہے۔''

حمد گوئی خود ایک مشکل کام ہے۔ انوارؔ عزمی نے اس کو صنعت توشیع سے مزین کرنے میں مشکل تر بنا دیا۔ مگر ان کی شاعرانہ قدرت الکلامی نے اسے سہل کر دیا۔ اور ہم دیکھتے ہیں کہ کس روانی و سلاست اور سہولت کے ساتھ وہ اسمائے الٰہی کو نظم کرتے چلے جاتے ہیں مثلاً ''الودود جل جلالہ'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

ا الٰہی دوستی ہے ختم تجھ پر
محب کوئی نہیں ہے تجھ سے بہتر
ل لٹائیں کیوں نہ تجھ پر جان اپنی
بہت ہیں تیرے احسانات ہم پر
و وہاں پر تونے پہنچایا ہے ہم کو

فرشتے بھی نہیں پہنچے جہاں پر
درختوں کو عطا کی چھاؤں تونے
نگاہوں کو دکھائے تونے منظر
وجاہت بھی تجھی سے پائی ہم نے
وفا کا بھی بنایا تونے پیکر
دکھوں کا بھی کیا تونے مداوا
تری ہستی ہے کیا اللہ اکبر ۱۷۶؎

انوار عزمیؔ بعض اوقات ایک ہی اسم پر ایک سے زاید نظمیں بھی کہہ ڈالتے ہیں۔ تمام منظومات ایک ہی بحر میں ہیں۔ کتاب کے آخر میں درج ایک خوبصورت حمدیہ رباعی پیش کی جاتی ہے۔

سنتا ہے وہی اہلِ جہاں کی فریاد
کرتا ہے وہی سارے غموں سے آزاد
ہم کیا ہیں حقیقت ہی ہماری کیا ہے
نبیوں نے بھی مانگی ہے خدا سے امداد ۱۷۷؎

۲۵۔منصور ملتانی (۱۹۵۰ء پ) کا اصل تنویر عارف ہے۔ معروف شاعر اسدؔ ملتانی سے ان کا قریبی تعلق ہے۔ ان کا مجموعۂ حمد ''حمد و مناجات'' ۲۰۰۰ء میں شائع ہوا۔ حمدیہ و نعتیہ قطعات ''مرسل و مرسل'' ۱۹۹۸ء میں منظر عام پر آئے۔ ''مالک الملک'' (نعتیہ مجموعہ) کے علاوہ غزل و نظم کے مجموعے بھی شائع ہو چکے ہیں۔ افسانہ نگاری کا بھی معتبر نام ہیں۔ اردو کے علاوہ سرائیکی زبان میں بھی شاعری اور افسانے لکھتے ہیں۔غزل کی ہیئت میں لکھی گئی ان کی حمدیں متغزلانہ رنگ میں وارفتگی و شیفتگی کی مظہر ہیں:

لطف و کرم سے تیرے بہار آشنا ہوا
بخشا نمو کو شوق تو پتا ہرا ہوا
میں بھی کہاں کہاں نہ گیا دشت ذات میں
شہ رگ کے ساتھ ساتھ تجھے ڈھونڈتا ہوا ۱۷۸؎

اللہ تعالیٰ کی بے حد و حساب نعمتوں احسانات اور عنایتوں کا ذکر عاجزی و انکساری کے ساتھ اس طرح کرتے ہیں:

جو میرے تصرف میں ہے دولت ہے اسی کی
ہر سانس جو لیتا ہوں عنایت ہے اسی کی
کم ظرف کو بھی رزق کی کثرت سے نوازے
یہ اس کا تحمل ہے یہ شفقت ہے اُسی کی
خود وقت ہے مصروفِ ثنا روز اوّل سے
ہر آن جو بجتی ہے وہ نوبت ہے اُسی کی ۱۷۹؎

منصورؔ ملتانی کی مناجاتوں سے ان کی قرآن فہمی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے وہ بہت سی قرآنی دعاؤں سے اپنے کلام میں خوشہ چینی کرتے ہیں مثلاً مندرجہ ذیل آیات اور ان کے مفاہیم پر مبنی اشعار دیکھیے:

ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الاخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار ۝

ہمارے رب بھلائی ہم کو دنیا کی عطا کر دے
بھلائی آخرت کی دے بچا نارِ جہنم سے

رَبَّنَا اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّ ثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَ انْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (۲/۲۵۰)

ہمیں دے صبر کی دولت رہیں ثابت قدم مولا
مقابل کافروں کے تو ہماری کر مدد آقا

رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَ هَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ۝

(آل عمران ۳/۸)

ہمارے رب ہمیں اک بار جو تونے ہدایت دی
ہمارے دل میں اب داخل نہ ہو پائے کجی کوئی

رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَ ذُرِّيّٰتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ وَّ اجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا (۲۵ الفرقان/ ۷۴)

ہمارے رب ہمیں اولاد سے خوشیاں عطا کر دے
ملے اولاد سے آنکھوں کو ٹھنڈک اور سکوں گھر سے ۱۸۰؎

ان کا حمدیہ مجموعہ 'مُرْسِل و مرسَلؐ حمدیہ قطعات پر مشتمل ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

ان قطعات میں کچھ تو خالصتاً حمدیہ قطعات ہیں جن میں اسم الٰہی کے مفہوم کے پیش نظر اس کی تعریف کی گئی ہے کچھ قطعات دعائیہ ہیں۔اور طرف وہ قطعات آتے ہیں جن میں بنی نوع انسان کو اسماء الٰہی کے مفاہیم کو

پیش نظر رکھتے ہوئے اپنے آپ کو مختلف تاریک پہلوؤں سے بچا لینے کی تلقین کی گئی ہے۔'اللہ' کے عنوان سے لکھتے ہیں:

''اللہ'' جو کوئی ہر نماز کے بعد اس اسم کو سو بار پڑھے تو اس کا دل بُرے خیالات اور گناہوں سے صاف ہو جائے گا۔

وہ ایک نام جو ہر ابتدا کا محور ہے
جسے عباد جمیع الصفات کہتے ہیں
وہ ایک نام ہے اللہ لا شریک لۂ
اسی لئے تو اسے اسمِ ذات کہتے ہیں ۱۸۱؎

'المومن' کے اسم کے تحت دعا کرتے ہیں:

حصارِ امن دے سوزِ نہاں دے
مجھے عافیتِ ہر دو جہاں دے
برنگِ خوف دنیا ہے مسلط
اے المومن! مجھے اپنی اماں دے ۱۸۲؎

'الباعث' کا مفہوم کتنی صراحت کے ساتھ اس دعا میں بیان کرتے ہیں:

جبینِ عجز کو رخشندہ کر دے
ہماری سوچ کو تابندہ کر دے
عطا کر علم و حکمت کے خزانے
اے الباعث دلوں کو زندہ کر دے ۱۸۳؎

مختصراً یہ کہ منصور ملتانی کا حمدیہ مجموعہ، اردو کے حمدیہ مجموعوں میں ایک اچھا معیاری اضافہ ہے۔

۲۶۔ شیبا حیدری (۱۹۷۴ء پ) اردو ادب میں دوسری خاتون شاعرہ ہیں جن کا مجموعۂ حمد شائع ہوا۔''حمد نامہ''۱۹۹۸ء میں زیور طباعت سے آراستہ ہوا۔

نئی نسل کی نمائندہ شاعرہ کا پہلا شعری مجموعہ''ان کے لیے'' جو غزلیات پر مشتمل ہے ادبی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا گیا ہے۔ شیبؔا منفرد حمد نگار ہیں کہ مشکل راہوں کو اختیار کرتی ہیں۔ مثلاً ان کی مسدس کی شکل میں کہی جانے والی حمد اس کی بہترین ترجمانی کرتی ہے۔ کہتی ہیں:

شان ہے لا الٰہ میں جس کی
ہے ضیا مہرو ماہ میں جس کی
آشتی ہے پناہ میں جس کی
اس کو ظلِ ظلیل کر شیبا
حمد رب جلیل کر شیبا
اس کا ذکر جمیل کر شیبا ۱۸۴؎

اس حمد میں انھوں نے کمیل، نبیل، انیل، بسیل، حبیل، فطیل، تلیل اورخمیل جیسے ثقیل قافیے کمال، مہارت سے برتے ہیں جوان کی قدرت الکلامی پر دال ہے۔ وہ پُر گو شاعرہ ہیں اورفن کی نزاکتوں سے بھی آگاہ ہیں۔ ان کی حمد سے چند دلکش اشعار ملاحظہ ہوں:

جب بھی شیبا زبان کھولے ہے
حمد پروردگار بولے ہے
نام لب پر جو اس کا رکھتے ہیں
ان پہ دنیا کے راز کھولے ہے
وہی دنیا ہے ساتھ دکھ سکھ میں
رس وہی تلخیوں میں گھولے ہے ۱۸۵؎

اپنے مجموعہ حمد کے مندرجات کو انھوں نے ''نور'' کے عنوان سے منقسم کیا ہے۔ نورِ چہارم میں اسماء الحسنیٰ کو منظوم کیا ہے۔ انھوں نے اسماء الحسنہ کو اس خوبی کے ساتھ منظوم کیا ہے کہ ساتھ ہی ساتھ اس کی شرح بھی کرتی جاتی ہیں مثلاً 'الباریٔ' کو اس طرح نظم کرتی ہیں:

ہے جو یاں اس کا ہی بھکاری ہے
فکر اُس کو سدا ہماری ہے
کیوں نہ روئیدگی نظر آئے
ساری دنیا پہ فضلِ ''باری'' ہے ۱۸۶؎

''البصیر'' کی وضاحت اس طرح کرتی ہیں:

وہ مدبر خبیر دنیا ہے
وہ قدیر و کبیر دنیا ہے

سارے جگ پر نگاہ ہے اُس کی
اس لئے وہ ''بصیر'' دنیا ہے ۱۸۷؎

'الاثر' کو اس طرح منظوم کیا ہے کہ معنی بھی واضح ہو گئے ہیں:

وہی ناظر ہے وہ ہی حاضر ہے
جو بھی زاہد ہے اُس کا ذاکر ہے
وہی رہ جائے گا یہاں باقی
آخرش اُس کی ذات ''آخر'' ہے ۱۸۸؎

مختصراً شیبا کا کلام 'آورد' نہیں 'آمد' کی روانی لیے ہوئے ہے اور 'حمد نام' حمدیہ ادب میں یادگار حیثیت رکھتا ہے۔

۲۷۔انصار الحق قریشی، گہرا اعظمی (۱۹۳۷ء پ) کے شعری مجموعے ''ثنائے رسولؐ'' خیر البشرؐ، اللہ اکبر اور رب العالمین ورحمۃ اللعالمین، منظرِ عام پر آ کر اہل نقد و نظر سے دادِ تحسین پا چکے ہیں، ''اللہ اکبر'' ان کا حمدیہ مجموعہ ہے جو اپریل ۱۹۹۹ء میں شائع ہوا ہے۔ زیر نظر مجموعہ دو حصوں میں منقسم ہے۔ حصہ اوّل میں بارہ حمدیہ نظمیں اور دعا شامل ہے جب کہ دوسرے حصے میں ایک طویل حمد ایک ہی بحر و ردیف میں کہی گئی ہے۔ البتہ جا بجا قافیے تبدیل کر دیتے ہیں۔ گہرا اعظمی کی حمدیہ شاعری کی نمایاں خوبی عجز و انکساری، تضرع، جذبات فراواں کے اظہار کے ساتھ سلاست و روانی کا مظہر ہے۔ کہتے ہیں:

نیک بختی و پارسائی دے
سب ترا فضل کبریائی دے
تو غفور الرحیم سنتا ہے
جب یہ بندہ تری دہائی دے
اور کچھ دے نہ دے مرے معبود
دین و دنیا میں بس بھلائی دے ۱۸۹؎

آخری شعر میں مذکور دعا، دعائے نبویؐ کی منظوم شکل ہے۔ سورۂ رحمن کی آیت ''فبای الاء ربکما تکذبن'' کے عنوان سے مظاہرِ کائنات میں آیات الٰہی ڈھونڈتے ہیں۔

رات دن اور موسم کی تبدیلیاں

سردی و گرمی و برشگال و خزاں
عہدِ طفلی، جوانی، ضعیفی کے دن
ٹھیکرے والی مٹی کے انساں کی شاں
جا بجا جن کا قرآں میں ہے تذکرہ
راحتیں، نعمتیں ، رحمتِ بے کراں
سب کی سب ہیں تری کار فرمائیاں
سب کرشمے ترے صاحب کن فکاں ۱۹۰؎

ان کی طویل حمد میں اسمائے الٰہی کی صفات کا تذکرہ بھی ہے اور قرآنی مضامین و موضوعات بھی خوبصورتی سے نظم کیے گئے ہیں۔ اسلوب میں کمال کی روانی ہے۔ کہتے ہیں:

کام سب لا جواب کرتا ہے
بے حد و بے حساب کرتا ہے
وہ سمیع و خبیر ہے سب کے
پورے دیرینہ خواب کرتا ہے

تشبیہ کی دلکشی دیکھیے:

پیدا ہر ایک طفل ناداں کو
مثلِ تازہ گلاب کرتا ہے ۱۹۱؎

مختصراً ہم کہہ سکتے ہیں کہ گہراعظمی کا 'اللہ اکبر' حمدیہ مجموعوں میں ایک قابلِ تحسین اضافہ ہے۔

۲۸۔طاہر سلطانی، محمد طاہر حسین (۱۹۵۳ء پ) کا تعلق اٹاوہ سے ہے اور عروس البلاد شہر کراچی میں رہائش پذیر ہیں۔ طاہرؔ سلطانی حمد و نعت کی تخلیق اور اس کے روز افزوں فروغ کے لیے لگاتار سرگرم عمل شخصیت ہیں۔ انھوں نے خود کو حمد و نعت اور مناجات نگاری کے سلسلے میں تحقیق، تخلیق اور تنقید کے لیے وقف کر رکھا ہے۔ حمد نگاری کے شعبے میں بلا شک و شبہ معیار اور مقدار ہر دو اعتبار سے ان کی خدمات نا قابلِ فراموش ہیں اور ہمیشہ رہیں گی۔ وہ چار نعتیہ اور دو حمدیہ مجموعوں کے خالق ہیں۔ حمدیہ شاعری کے مرتبین میں بھی آپ اس اعتبار سے سر فہرست ہیں کہ حمد کے سب سے زیادہ مرتبہ مجموعے آپ کے ترتیب کردہ ہیں۔ ان میں خزینۂ حمد، انتخاب مناجات، اذانِ دیر (غیر مسلم شعرا کا انتخاب حمد) 'اردو حمد کا ارتقا، گلشنِ حمد' اور خوشبوؤں کا سفر (صاحب

کتاب نعت گویان اردو پنجاب و سندھ) شامل ہیں۔ مذکورہ بالا کتب ترتیب و تحقیق دونوں سے مزین ہیں۔ علاوہ ازیں بہت سی شخصیات کے حمد و نعت نمبر بھی شائع کر چکے ہیں۔ ان میں بہزاد لکھنوی، صبا اکبر آبادی، حفیظ تائب، امام احمد رضا بریلوی، علامہ اقبال، ڈاکٹر شمس جیلانی اور ڈاکٹر ابو الخیر کشفی کے حمد و نعت نمبر شامل ہیں۔'ارمغان حمد' ان کا جاری کردہ ماہنامہ ہے، مذکورہ بالا نمبروں کی اشاعت بھی اسی کے تحت ہوئی ہے۔ اس شمارے کے اب تک تقریباً ۱۰۰ شمارے شائع ہو چکے ہیں۔ علاوہ ازیں آپ کتابی سلسلہ 'جہاں حمد' اور ماہنامہ ''ارمغانِ حمد'' کے بھی مدیر اعلیٰ ہیں۔ جو اردو میں حمد کے موضوع پر اولین کتابی سلسلہ ہے اور اس کے اب تک /۵۰۰ ۷ صفحات پر مشتمل ۱۸ شمارے شائع ہو چکے ہیں۔

طاہرؔ سلطانی کا اولین حمدیہ مجموعہ ''حمد میری بندگی'' ۲۰۰۰ء میں منظرِ عام پر آیا اور دوسرا مجموعہ ''حمد کردگار'' ۲۰۱۱ء میں شائع ہوا۔

'حمد میری بندگی' طاہرؔ سلطانی کا پہلا مجموعہ حمد ہے۔ اس کی قابل ذکر انفرادیت ہے کہ اس میں شامل تمام کلام کی بحور و اوزاں مع تقطیع درج ہے۔ یہ کام ڈاکٹر خورشید خاورؔ امروہی نے کیا ہے جو اس ہنر میں یکتا ہیں۔ حمد کے حوالے سے ان کی شبانہ روز کاوشوں اور ان کے کلام کے مطالعے سے پتا چلتا ہے کہ ان کا قلب و ذہن مسلمان ہے۔ ان کے ایمان افروز کلام میں سلاست و روانی ہے اور سادگی و پرکاری ہے۔ انھوں نے حمد کو اپنی زندگی بنا لیا ہے ایسی زندگی جو بے بندگی، شرمندگی کا دوسرا نام ہے۔ کہتے ہیں:

خدا کا ذکر یوں وردِ زباں ہے
منور نور سے دل کا مکاں ہے
یقیں کی روشنی ہے میرا جادہ
جہانِ حمد اب میرا جہاں ہے
غمِ دنیا سے باہر آ گیا ہوں
خدا کی حمد میرا سائباں ہے
بلند اصناف میں ہے حمد باری
یہی طاہرؔ یقین نکتہ داں ہے ۱۹۲؎

اگرچہ ان کا کلام قافیہ پیمائی نہیں بلکہ معنی آفرینی ہے مگر طاہر سلطانی قوافی کو اپنی گرفت میں اس طرح

رکھتے ہیں کہ بڑی مہارت سے حمد میں قوافی در قوافی لے آتے ہیں اور اسے اندرونی قوافی سے موسیقیت و نغمگیت عطا کرتے ہیں:

یہ جو لمحے باقی ہیں عمر کے انھیں وقف حمد خدا کروں
اسی جستجو میں اجل ملے، اسی آرزو میں جیا کروں
ترا ذکر ہے مری زندگی، تری فکر ہے مری بندگی
ترا نام ورد زباں رہے، ترا نام دل پہ لکھا کروں
مرے قلب کو تو جگا بھی دے، یہ جو فاصلے ہیں مٹا بھی دے
تو مرے قریب تو ہے مگر، میں ترے قریب رہا کروں
ترا بندہ طاہرؔ پر خطا، تری بارگاہ میں دے صدا
جو قبول تیرے حضور ہو، وہی خاص سجدہ ادا کروں ۱۹۳؂

ان کے کلام میں ماہیے بھی ہیں اور حمدیہ ہائیکو بھی۔ وہ ہر صنف میں حمد کہنے کے خواہاں ہیں۔ ذیل میں چند مثالیں درج کی جاتی ہیں: حمدیہ ماہیے:

توصیف رب اعلیٰ
فرمانِ مصطفیؐ سے
ہے رحمتوں کی بالا ۱۹۴؂

مٹ جائے گا اندھیرا
طاہر جہاں سے کہہ دو
رب پاسباں ہے میرا ۱۹۵؂

''ہائیکو'' سے مثال ملاحظہ ہو:

مولا تیری بات
مانی جس نے دنیا میں
اس کی چمکی ذات ۱۹۶؂

''حمد میری بندگی'' کی ایک اور انفرادیت اس کے دوسرے ایڈیشن کا پاکٹ سائز ہونا ہے۔ جو

ستمبر ۲۰۰۰ء میں شائع ہوا۔ یہ بھی ان کا قابلِ تحسین کارنامہ ہے اور اردو کے حمدیہ دواوین میں ''حمد میری بندگی'' کو یہ اعزاز عطا ہوا ہے کہ وہ حمدیہ ادب میں پہلا پاکٹ سائز مجموعہ ہے۔

'حمد کردگار' کے نام سے ان کا دوسرا حمدیہ مجموعہ ۲۰۱۰ء میں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا۔ اس میں غزل کی ہیئت میں لکھی گئی چھیاسٹھ حمدیں، سات حمدیہ نظمیں، پندرہ حمدیہ قطعات و رباعیات تین دو ہے، دوسانیٹ، نوہائیکو اور ایک مناجات شامل ہے۔

ایک سو بیاسی صفحات پر مشتمل اس مجموعے میں اکیاسی صفحات پر اہلِ علم وقلم اور ناقدینِ فن کے مضامین اور قطعاتِ تاریخ شامل ہیں۔ایک پر مغز مقدمہ، محسن اعظم محسن ملیح آبادی نے رقم کیا ہے جو انیس صفحات پر مشتمل ہے۔

حمد کے اس دوسرے مجموعے سے بھی طاہرؔ سلطانی کی شاعرانہ صلاحیتوں کی عکاسی ہوتی ہے، اس کے ساتھ ساتھ ان کا خلوص اور جذبات کی سچائی دامن دل کو اپنی جانب کھینچتی ہے۔ ان کے لہجے میں سادگی بھی ہے اور بلا کی شیفتگی و وارفتگی بھی۔ حمد کہنے کے لیے ایک حماد کو مندرجہ بالا صفات کے حامل ہونے کے علاوہ قرآن و حدیث اور درست معلوماتِ دینی سے واقفیت بھی ضروری ہے۔ طاہرؔ سلطانی اس رمز سے بھی آ گاہ ہیں۔ ان کے حمدیہ کلام پر قرآن پاک کا اثر صاف دکھائی دیتا ہے۔ مثلاً آیہ قرآنی نحن اقرب الیہ..................الخ کو شعر میں اس طرح ڈھالتے ہیں۔

سب کی شہ رگ سے وہ قریں ہے، وہ ہی سب سے اعلیٰ ہے
واحد ہے وہ قادر ہے وہ، اچھے اس کے سارے رنگ ۱۹۷؎

شہ رگ سے تو قریں ہے ، ہر قلب میں مکیں ہے
تیرا قیام ہر جا اے مالک حقیقی ۱۹۸؎

الا بذکر اللّٰہ تطمئن القلوب (۲۸:۱۳) کے حوالے سے کہتے ہیں:

پیغام ملا ہے ہمیں قرآن سے طاہرؔ
دل کا تو سکوں صرف محبت ہے خدا کی ۱۹۹؎

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یُوْلِجُ الَّیْلَ فِی النَّھَارِ وَیُوْلِجُ النَّھَارَ فِی الَّیْلِ (۳۱/۲۹)

کو شعر کا رنگ اس طرح دیتے ہیں:

شب سے نکالے دن کو نکالے وہ دن سے رات
ہر شے پہ اختیار ہے ، اُس کار ساز کا ۲۰۰ ؎

خدا نے انسان کو اپنا خلیفہ مقرر کیا، عزت و فضیلت سے نوازا، لفظ 'اقرا' سے جہالت دور کی یہ سب موضوعات قرآن میں جا بجا مذکور ہیں۔ طاہرؔ سلطانی اللہ تعالیٰ کو پیار سے سائیں ، کہہ کر بھی مخاطب کرتے ہیں اور اس امر کا اظہار بھی کرتے ہیں:

میرا رتبہ خوب بڑھایا، تونے خلیفہ مجھ کو بنایا
فکر و نظر کا عطیہ دے کر، اقرا کہہ کر مجھ کو پڑھایا
ادنیٰ غلام ہوں تیرا سائیں، ہو جائے اک پھیرا سائیں

اسی نظم میں اپنے وطن کی محبت میں مناجات بھی کہتے ہیں۔ وہ بہت حساس اور دردمند دل رکھتے ہیں۔ ملک کے دلخراش حالات پر ان کا دل کڑھتا ہے اور وہ بڑی دل سوزی کے ساتھ مناجات کرتے ہیں۔

تیرے دین کی تاک لگائے، چاروں طرف سے دشمن آئے
میرے وطن میں آگ لگا دی، اپنوں نے ہر آن دغا دی
میرے وطن پہ کرم ہو سائیں، دور وطن سے غم ہو سائیں

وہ دعا تو کرتے ہیں، مگر ایک سچے بندۂ مومن کی طرح رضا برضا بھی رہتے ہیں، صرف ایک مصرع ملاحظہ ہو:

یہ میری عرضی ہے سائیں، آگے تری مرضی ہے سائیں ۲۰۱ ؎

طاہر سلطانی نے اپنے اس حمدیہ مجموعے میں حمدیہ سانیٹ بھی شامل کئے ہیں۔ جو اطالوی صنف ہے اور بعد ازاں انگریزی ادب میں رائج ہوئی۔ اردو میں نعتیہ سانیٹ بھی لکھے گئے ہیں۔ طاہر سلطانی کے سانیٹ میں حمد و مناجات دونوں پہلو ہیں۔ کہتے ہیں:

تو ہے داتا تو ہے خالق تیرے ہی ہیں سارے جہاں
تو ہی رہبر تو ہی منزل سب کا ہے تو پالن ہار
قادرِ مطلق صرف تو ہی ہے تجھ سے ہیں یہ لیل و نہار
تجھ سے ہی ہم آس لگائیں، ہم کو عطا کر اپنی اَماں ۲۰۲ ؎

طاہر سلطانی نے حمدیہ دوہے بھی لکھے ہیں۔ یہ دوہے سرسی چھند میں ہیں۔ حمدیہ دوہے کی روایت اگرچہ

اس سے قبل موجود تو ہے مگر ان کی تعداد بہت ہی قلیل ہے۔ ان کے دوہوں میں ہندی اور اردو دونوں الفاظ کا استعمال ہوا ہے۔ دوہے میں بھی قرآنی مضمون سموتے ہیں:

چھے دن میں سنسار بنانا، جگ داتا کا کام
سورج چاند، ستارے جھومیں لے کر ان کا نام ۲۰۳؎

اردو کے بجائے دوہوں میں ہندی الفاظ کے استعمال سے ان کا حسن متاثر ہوا ہے مثلاً

پرسنشا کے شبہ ہوں نرمل، سوچ میں ہوا جیارا
ہے جگ داتا میری بالی شدرش ہو اک تارا ۲۰۴؎

مختصر یہ کہ ''حمد کردگار'' اور ''حمد میری بندگی'' طاہر سلطانی کے اہم ادبی کارنامے ہیں۔

اردو حمد و مناجات کے حوالے سے ان کی سعیٔ پیہم، قابلِ تحسین و ستائش ہے اور بلاشک و شبہ، حمد و مناجات کے حوالے سے جس قدر تحقیقی و تدوینی کام انھوں نے سر انجام دیا ہے، اب تک کسی اور کو یہ سعادت نصیب نہ ہوسکی۔ اردو حمد و مناجات کی تاریخ ان کے ذکرِ خیر کے بغیر کبھی مکمل نہیں ہوسکتی۔

۲۹۔ جمیل عظیم آبادی، محمد جمیل احسن (۱۹۲۴ء پ)، الرحمن، کے خالق کراچی سے تعلق رکھتے ہیں۔ ان کے مجموعۂ حمد میں ۱۰۶ حمدیں شامل ہیں۔ جمیل عظیم آبادی کے نزدیک حمد کہنے کے لیے بہتر ذخیرہ الفاظ درکار ہے۔ کہتے ہیں:

حمد لکھنے کے لیے الفاظ بہتر چاہئیں
حرف کے دریا نہیں بلکہ سمندر چاہیں
موتیوں کے حرف سے میں حمد لکھوں گا جمیلؔ
مخزن الفاظ میں تابندہ گوہر چاہیں ۲۰۵؎

وہ بچے تلے انداز میں، سلیقے کے ساتھ لفظ و معانی کو باہم مربوط کرتے ہیں۔ ان کا اسلوب دلکش اور نمایاں ہے۔ 'روشنی' ردیف میں کہی گئی ایک روشنی حمد کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

جلوۂ تاباں سے تیرے لامکاں میں روشنی
کہکشاں در کہکشاں ہے آسماں میں روشنی
ذرہ ذرہ سے نمایاں نورِ وحدت کی ضیا
دشت و دریا، کوہ و صحرا گلستان میں روشنی

صدقِ دل سے جس نے تیرے نام کی تسبیح کی
غیب سے در آئی اس کے جسم و جاں میں روشنی ۲۰۶؎

۳۰۔اجمل نقش بندی: محمد بدر الدین نقش بندی کا تعلق بھارت سے ہے۔ ان کا حمدیہ مجموعہ 'صحیفہ حمد کا' سنہ ۲۰۰۰ء میں زیورِ طباعت سے آراستہ ہوا۔ وہ بڑے ذہین اور پر گوشاعر ہیں، اور ان کی پر گوئی اور قادر الکلامی کا ثبوت 'صحیفہ حمد کا' ہے۔اس حمدیہ مجموعے میں نظمیں بھی ہیں، ہائیکو اور سانیٹ کی مغربی اصناف بھی ہیں۔ ان کے حمدیہ کلام میں تغزل، داخلیت اور سوز و گداز نے ان کے شاعری کو حسین تر بنا دیا ہے۔ کہتے ہیں:

نوکِ مژگاں پہ جو ستارے ہیں
سب ترے درد نے اتارے ہیں
روشنی، تیرگی، حیات، ممات
تیری قدرت کے یہ اشارے ہیں
قیمتی ہیں وہ زیست کے لمحات
جو تری یاد میں گزارے ہیں ۲۰۷؎

دعا صرف خدا ہی سے کی جانی چاہیے۔ وہی مستجاب الدعوات ہے اس کے علاوہ اور کوئی داتا نہیں۔ کہتے ہیں:

مرے مولا نہ کسی سے مانگوں
جو بھی مانگوں میں تجھی سے مانگوں
ماسوا تیرے مجھے دے گا کون
عاجزی سے کہ خوشی سے مانگوں ۲۰۸؎

۳۱۔رشک ترابی، احمد حسین(۱۹۳۴ء پ) کا تعلق بھارت کے ضلع ہوشیار پور سے ہے۔ ان کا تعلق ایک علمی و ادبی گھرانے سے ہے، جس میں سلسلۂ تصوف نسل در نسل چلا آ رہا ہے۔ ان کا شعری مجموعہ ''العظمت للہ''(۲۰۰۱ء) حمد و نعت دونوں اصناف پر مشتمل ہے۔ مجموعے کا آغاز اللہ تعالیٰ کے ننانوے منظوم اسمائے حسنہ سے ہوتا ہے۔ رشک ترابی نے ہر اسم کے اعداد بھی رقم کئے ہیں جن کی مدد سے ہر آدمی اپنے نام کی مناسبت سے اپنے لئے اسم تلاش کر سکتا ہے اور یہی اس شخص کا اسم اعظم ہے۔۲۰۹؎ ''اللہ'' کے ذاتی نام کو

اس خوبصورتی سے منظوم کرتے ہیں:

اللہ اسی ذات کا ہے اسمِ گرامی
ثانی ہے کوئی جس کا نہ ہے مثل نہ ہم سر

وہ قائم و دائم ہے سرِ بزم زمانہ
کہتے ہیں اسے اہلِ جہاں داورِ محشر

وہ اللہ تعالیٰ کے اسماء کو اس طرح منظوم کرتے ہیں کہ ان کا مفہوم بڑی صراحت کے ساتھ قاری کے ذہن نشین کرا دیتے ہیں:

باری اسے کہتے ہیں سر بزمِ زمانہ
کرتا ہے بہ ہر وقت نئی چیز جو ایجاد
بے مثل ہے اس کام میں وہ صاحبِ قدرت
اجڑے ہوئے شہروں کو وہی کرتا ہے آباد ۲۱۱؎

ان کے کلام میں حمدیہ قطعات بھی بڑی وقیع تعداد میں ہیں۔ ایک قطعے میں خدا سے مخاطب ہو کر اپنی محبت کا اس طرح اظہار کرتے ہیں:

نہ کوئی آس کسی سے نہ کوئی ہے امید
سوائے تیرے نہیں کوئی آسرا میرا
میں جانتا ہوں نہیں تجھ سا مہرباں کوئی
ہے تو ہی خالق و مالک تو ہی خدا میرا ۲۱۲؎

پکارتا ہوں میں جب یا الٰہی کہہ کے اسے
مری صدا کا وہ مجھ کو جواب دیتا ہے
میں کیوں نہ ٹوٹ کے اس بے بدل سے پیار کروں
سخی ہے ایسا کہ جو بے حساب دیتا ہے ۲۱۳؎

رشکؔ ترابی کی مناجاتیہ شاعری میں ذاتی اور اجتماعی دونوں رنگ کی حامل دعائیں شامل ہیں۔ اپنے لیے اس طرح دعا کرتے ہیں:

الٰہی آس نہ رکھوں کسی سے تیرے سوا
الٰہی کر دے زمانے سے بے نیاز مجھے
الٰہی میرے گناہوں سے در گزر فرما
الٰہی پھر سے دکھا دے رہِ حجاز مجھے ۲۱۴؎

پاکستان اور امتِ مسلمہ کا دکھ، ان کی دعائیہ شاعری کے بیشتر اشعار سے پھوٹتا ہے ۔ ان کا قلب گداز، مسلمانان عالم کی حالت زار پر کڑھتا ہے اور وہ اس طرح اس کی سرافرازی کے لیے دعا کرتے ہیں:

الٰہی عالمِ اسلام پر کرم فرما
عطا ہو اس کو بساطِ جہاں کی دارائی
جبیں زمانے کی جھک جائے روبرو اس کے
ترے زمانے میں پھر اس کی ہو پزیرائی ۲۱۵؎

''سب تعریفیں اس کو زیبا ہیں'' کے عنوان سے طویل حمدیہ نظم میں لفظ''اللہ'' کی انفرادیت بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

ہٹے ''الف'' تو لِلّٰہ باقی
'ل' نہ ہو تو پھر وہ لَہٗ ہے
'ل' 'لَہٗ' کا ساتھ نہ دے تو
اسم گرامی اُس کا ھُو ہے ۲۱۶؎

وہ نہ صرف خود حمد کہتے ہیں بلکہ اپنے قارئین کو بھی ناصحانہ انداز میں یاد الٰہی پر مائل کرتے ہوئے کہتے ہیں:

بھول گئے ہو کیوں تم اس کو
دل کو لگا کر اس دھندے سے
ستّر ماؤں جتنا اس کو
پیار ہے اپنے ہر بندے سے ۲۱۷؎

۳۲۔سجاد سخن، سجاد علی خاں(۱۹۳۴ء پ) حمدیہ مجموعے'رب العالمین'(۲۰۰۱ء) کے خالق، اردو شاعری کا ایک معتبر نام ہیں۔ اس سے قبل ان کا نعتیہ مجموعہ''رنگ روشنی خوشبو' شائع ہوا تھا۔ سجاد

سخن نے پہلے مختلف شعری اصناف میں دادِ سخن دی، پھر نعت گوئی اور بعد ازاں حمد گوئی کی طرف آئے۔'رب العالمین' میں ساٹھ سے زاید حمد یہ غزلیں اور چند حمد یہ نظمیں ہیں۔کتاب کی پہلی حمد'رب العالمین' کے عنوان سے ہے۔ان کی تمام حمد یں اللہ تعالیٰ کی بزرگی، کبریائی، اس کی عظمتوں اور صفات و کمالات کی آئینہ دار ہیں۔''حرفِ آغاز'' کے عنوان سے دعا گو ہیں:

مرے احساس کو تنویر کر دے
الٰہی خاک ہوں اکسیر کر دے
جو سوچوں جو لکھوں تیرے لئے ہو
مجھے اپنے لیے زنجیر کر دے ۲۱۸؎

عاجزی وانکساری کے ساتھ استمداد و استعانت کے مضامین جا بجا ان کے کلام میں نظر آتے ہیں۔'دعا' کے نام سے ان کی نظم میں از اول تا آخر اجتماعی معاشرتی آشوب ملتا ہے۔اور وہ اپنی ذات کے لیے نہیں بلکہ پوری امتِ مسلمہ کے لیے کس خلوص دل اور گدازِ قلب کے ساتھ دعا گو ہیں۔دیکھیے:

ہجومِ غم ہے احساس خوشی سوغات میں دے دے
اندھیروں میں گھرے ہیں روشنی سوغات میں دے دے
گنوا بیٹھے زباں و رنگ و نسل و زر کے میلے میں
الٰہی قلب کی آسودگی سوغات میں دے دے
جو گدڑی پوش ہو کر دبدبہ رکھتے تھے شاہوں کا
بزرگانِ سلف کی سادگی سوغات میں دے دے

سجادؔ سخن کا تعلق شہرِ کراچی سے ہے۔اپنے محبوب شہر عروس البلاد میں امن وسکون کی آرزو وفطری بھی ہے اور حب الوطنی کا اظہار بھی۔اپنے شہر اور باشندگانِ شہر کے لیے ان کی دعائیں دیکھیے ان کا دل کس قدر پارہ پارہ اور قلم خوں چکاں ہے۔

زمانے میں مری بستی کو جو ممتاز کرتی تھی
وہی رونق، وہی زندہ دلی سوغات میں دے دے
بہت دن ہو گئے صبر و سکوں دامن کشیدہ ہیں
ہمارے روز و شب کو بہتری سوغات میں دے دے

تباہی سے بچالے اس دیارِ نور و نکہت کو
سکوں شاموں کا، صبحوں کی خوشی سوغات میں دے دے
۲۱۹؎

'رب العالمین' کی حمدیہ شاعری سجادسخن کی قرآن فہمی کی بھی دلیل ہے۔ ان کے کلام میں جا بجا مضامین قرآن، دامنِ دل کو اپنی جانب کھینچتے ہیں۔مثلاً

مجھے الف کی سمجھ ہے نہ فہم لام و میم
میں اور حمدِ خدائے رحیم و ربِ عظیم
سمندروں کی سیاہی، قلم درختوں کے
بنا بھی لوں تو نہ لکھ پاؤں گا ثنائے کریم ۲۲۰؎

میں آیۃ قرآنی کا مفہوم مضمر ہے۔سجادسخن نے اپنی حمدوں میں اللہ کے اسم ذات کو میاں کے لاحقے کے ساتھ کئی جگہ استعمال کیا ہے۔ اگرچہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ میاں، کا لاحقہ ناپسندیدہ ہے مگر جس سادگی اور معصومیت کا اظہار سجادسخن کے یہاں اسکے استعمال میں نظر آتا ہے وہ اپنی مثال آپ ہے مثلاً

نظر سے روح کی گہرائیوں تک
مرے اللہ میاں بس تو ہی تو ہے ۲۲۱؎

جو ترے شایاں ہوں قندیلوں سے ان الفاظ کی
فکر کا ایوان کر اللہ میاں آراستہ ۲۲۲؎

ان کی حمدیہ شاعری ان کے شاعرانہ ہنر اور فنی کمال کی آئینہ دار ہے۔ یہ وہ شاعری ہے جو دل سے نکلتی ہے اور دل تک پہنچتی ہے۔

۳۳۔ نگار فاروقی، ضامن حسین (۱۹۲۴ء۔۲۰۰۴ء) حمد ونعت کے شاعر ہیں۔ ان کا مجموعہ حمد ''اللّٰہ الصمد'' ۲۰۰۲ء میں آب وتاب کے ساتھ منصۂ شہود پر نمودار ہوا۔ وہ پختہ کار، قادرالکلام شاعر ہیں اللہ کی یاد کے بغیر، انسان کا وجود شکستہ فصیل ہے۔ کہتے ہیں:

اے رب کائنات تری یاد کے بغیر
میرا یہ جسم جاں کی شکستہ فصیل ہے ۲۲۳؎

وہ حمد گوئی کے تقاضوں سے بھی بخوبی باخبر ہیں اور جانتے ہیں کہ ہر لفظ پر حسین معنی کا غلاف آراستہ کیے بغیر حمد کا حق ادا نہیں ہوتا۔ کہتے ہیں:

ہر موئے بدن اگر زباں ہو
ممکن نہیں حمد رب بیاں ہو
پھر کیجیے ثنائے رب کا آغاز
جب دل کی زمین آسمان ہو ۲۲۴؎

مناجات میں اللہ تعالیٰ سے حسن تحریر، حبِ الٰہی اور امت مسلمہ کے لیے بھی دعائیں ملتی ہیں۔ کہتے ہیں:

مجھ پہ مولا مرے کرم کر دے
معتبر میرا بھی قلم کر دے
ہر طلب کو مٹا کے دنیا کی
دل پہ نام اپنا تو رقم کر دے
تو ہے خلاقِ قادرِ مطلق
تو جسے چاہے محترم کر دے
یہ جو امت ترے رسولؐ کی ہے
اس کو آپس میں پھر بہم کر دے ۲۲۵؎

۳۴۔ تنویر پھول، تنویر الدین احمد صدیقی (۱۹۴۷ء پ) حمد و نعت کے پختہ کار شاعر ہیں۔ تاریخ گوئی پر کامل عبور رکھتے ہیں۔ ان کا حمدیہ مجموعہ ''زبور سخن'' ۲۰۰۲ء میں منظرِ عام پر آیا۔ اور اہل نقد و نظر سے پذیرائی حاصل کی۔ ان کے ایک سانیٹ سے چند حمدیہ اشعار جو قرآنی مفاہیم سے مستعار ہیں، ملاحظہ ہوں:

شہ رگ سے بھی قریب ہے، سنتا ہے سب کی تو
بندوں کا اپنے تو ہی ہے معبود ذوالجلال
یکتا ہے تو، وحید ہے، واحد ہے بے مثال
پھیلی ہوئی نشانیاں تیری ہیں چار سو ۲۲۶؎

ان کی دعاؤں میں امت مسلمہ کی زبوں حالی پر کرب وغم اور اضطراب نمایاں ہے۔ اپنی ذات کے لیے دعا کرتے ہوئے ان کے لب و لہجے پر انتہائے عجز دکھائی دیتا ہے۔ کہتے ہیں:

بار الٰہ! تیری توجہ ہمیں ملے
بے کس ہیں بے نوا ہیں بڑے ظلم ہیں سہے
غفار تیرا نام ہے رحمت کی ہو نظر
بارِ خطا سے سر ہیں ہمارے جھکے ہوئے ۲۲۷؎

۳۵۔علیم النساء ثناخواتین شاعرات میں حمد گو شاعرہ کے طور پر نمایاں مقام رکھتی ہیں۔ آپ کی چار شعری تصانیف مہکتے پھول، کرن کرن روشنی، نورِحق اور''تری ہی حمد و ثنا'' شائع ہوئے۔''تری ہی حمدوثنا'' ۲۰۰۲ء میں منظرِ عام پر آیا اور اہلِ علم و بصیرت سے داد وصول پائی۔

مجموعے کا عنوان''تری ہی حمد وثنا'' مجموعے میں شامل پہلی طویل نظم کا عنوان بھی ہے۔ اٹھائیس بند پر مشتمل اس ترجیع بند کا ٹیپ کا مصرع''لا الہٰ الا اللہ'' ہے۔ یہ طویل نظم، ثنؔا کی قدرت الکلامی کی دلیل ہے ۔ آثار کائنات اللہ تعالیٰ کی وحدانیت وخلاقیت کی دلیل ہیں۔ کہتی ہیں:

وجودِ حق کے شواہد ہیں ہر جگہ موجود
زمین کا چاند ستاروں کا آسماں کا وجود
تو ہی ہے خالق و مالک مصور و مودود
تو ہی ہے خلق کی ہر شے کا شاہد و مشہود
فلک گواہ ترا لا الہ الا اللہ
تری ہی حمد و ثنا لا الہ الا اللہ ۲۲۸؎

ثنؔا، حمد گوئی میں قرآن وحدیث سے استمداد طلب کرتی ہیں اور ان کے اس مجموعے کی خوبی یہ ہے کہ جہاں کہیں انھوں نے مفاہیم قرآن سے خوشہ چینی کی ہے، وہیں حاشیے میں 'ماخذ القرآن' کے الفاظ بھی درج کر دیے ہیں۔ ذیل میں ایسے چند اشعار درج کیے جاتے ہیں:

جو درخت سارے جہان کے ملیں اور ان سے قلم بنیں
تری باتیں پھر بھی نہ لکھ سکوں تری شان کیسے بیان ہو
بنے روشنائی سمندروں سے جہان کے بھی اگر ثنا

تری باتیں پھر بھی نہ ختم ہوں ترا ذکر کیسے بیان ہو
میں ضعیف ہوں میں نحیف ہوں جو ترا کرم نہ ہو میرے رب
تو میں ایک پل بھی نہ رہ سکوں نہ زمیں پہ میرا نشاں ہو
مجھے اپنے غیظ سے تو بچا مجھے اپنی نعمتیں کر عطا
جو ہے سیدھا رستہ مرے لیے اسی راہ پر مرا دھیان ہو ۲۲۹؎

مندرجہ ذیل اشعار کے ہر ہر شعر کا مفہوم قرآنِ مجید سے ماخوذ ہے۔ اس سے ہمیں ثنا کی قرآن فہمی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ کتاب کا دوسرے حصے میں اسمائے الٰہی کو منظوم کیا گیا ہے۔ یہاں بھی وہ اسماء و صفاتِ الٰہی کو نہایت روانی کے ساتھ بیان کرتی چلی جاتی ہے اور کہیں کوئی رکاوٹ یا بندش ان کے راستے میں نہیں آتی۔ مثال ملاحظہ ہو:

اَلآخِرُ

فنا ہر شے کو ہے دنیا کی ہر اک چیز فانی ہے
فقط باقی ہے آخر تک وہ تیری ذات باقی ہے
تری اس کارگاہِ زیست کو اک دن فنا ہو گی
مگر خالق تری ہی ذات باقی رہنے والی ہے ۲۳۰؎

۳۶۔ عزیز الدین خاکی، شیخ عزیز الدین قادری(۱۹۶۶ء پ) کا حمدیہ مجموعہ ’الحمدللہ‘ ۲۰۰۲ء میں منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا۔ ان کی حمدیہ شاعری نور و نکہت کا حسین امتزاج پیش کرتی ہے۔ حمد میں مناجات کا رنگ بھی نمایاں ہے۔ پہلی غزل میں کہتے ہیں:

یہ رو پوش ہے کون؟ جاناں نظر میں
عیاں کس کی ہیں خوبیاں خشک و تر میں
رگ جاں ہے کیا؟ تیرا قرب مسلسل
تو پھر کون ہے یہ نہاں برگ و بر میں
ترے سامنے جب بھی سجدہ کیا ہے
اتر آئی ہے کہکشاں سنگ در میں
الٰہی ترا بندہ نا چیز خاکی
پھرے آخرش کیوں پریشاں نگر میں ۲۳۱؎

'ہائیکوٗ' کی جاپانی صنف میں بھی کمال مہارت سے حمد کہتے ہیں:

یا رب یا رحمن

سب پہ تیری رحمت ہے

ہر ساعت ہر آن ۲۳۲؎

'مناجات' کا نمونہ ملاحظہ ہو:

اپنے کعبے میں بلانا مرے مولیٰ مجھ کو
اپنا دربار دکھانا مرے مولیٰ مجھ کو
اپنے جن بندوں پہ انعام کیا ہے تو نے
ان کی راہوں پہ چلانا مرے مولیٰ مجھ کو

خاکئ عاجز و مسکین کا ٹھکانہ ہے کہاں
تیرا بندہ ہوں نبھانا مرے مولیٰ مجھ کو ۲۳۳؎

۳۷۔ سائرہ حمید تشنہ (۱۹۵۶ء پ) ''سرچشمۂ حمد'' ۲۰۰۳ء میں شائع ہوا۔ کلام میں اخلاص و محبت کے جذبات پر کوئی شبہ نہیں کیا جا سکتا مگر ان کا بیشتر کلام بے وزن ہے۔

گلشن ہستی کا ہے یا رب تیرے سوا رکھوالا کون
ٹھوکر کھا کے جو گر جائے دے گا اسے سنبھالا کون
کارِ سیاہ کے باعث دل میں داغ جو پڑتا جاتا ہے
توبہ کی توفیق دے کے کرے گا دل میں اجالا کون ۲۳۴؎

''کتنا ہے احترام خدا'' ان کا شعری مجموعہ دو الگ حصوں میں شائع ہوا ہے۔ نمونۂ حمد ملاحظہ ہو:

حمد تیری الٰہی میں کیا کروں
ذکر تیرا ہو لب پر جیوں یا مروں
میری ہستی کا کچھ اور مقصد نہ ہو
حکم تیرے بیان ہوں، جب تک جیوں ۲۳۵؎

۳۸۔ نغمہ حمد، ریاضِ حمد اور حمدیہ ہائیکو، محترم محمد اقبال نجمی کے تین حمدیہ

مجموعے ۲۰۰۵ء اور ۲۰۰۹ء میں منظرِ عام پر آئے۔ اقبال نجمی معروف ادیب، شاعر، نقاد، محقق اور مدیر ہیں۔ ان کا شمار عصرِ حاضر کے معروف حماد و نعت گو شعرا میں ہوتا ہے۔ انھیں وزارتِ مذہبی امور کی طرف سے ایوارڈ سے بھی نوازا گیا ہے۔ ان کے زیرِ ادارت 'مفیض' کا ضخیم اور معیاری حمد نمبر بھی شائع ہوا۔

محمد اقبال نجمی نے حمد گوئی میں شاعری کی تمام اصناف میں طبع آزمائی کی ہے۔ حمدیہ ہائیکوز پر تو ان کا مکمل مجموعہ شائع ہوا ہے اس کے علاوہ انھوں نے حمدیہ رباعیات، پابند و آزاد حمدیہ منظومات، حمدیہ دوہے، حمدیہ سانیٹ اور بچوں کے لیے حمدیہ نظمیں بھی کہی ہیں۔

ان کے حمدیہ کلام کے مطالعے سے ان کی قرآن و حدیث فہمی کا بخوبی اندازہ ہوتا ہے۔ وہ بڑے سلیقے اور مہارت شعری کے ساتھ آیات قرآنی کو اپنے مختلف اشعار میں اس خوبصورتی کے ساتھ ڈھالتے ہیں کہ بے ساختہ داد دینا پڑتی ہے۔ مثلاً

یغشی اللیل النهار یطلبهٗ حثیثاً (۷ / ۵۴) کا مفہوم ذیل کے شعر میں ملاحظہ ہو:

ڈھانپ دیتا ہے سیاہی سے وہ سارا منظر
نور خورشید سے پھر اس کو ضیا کرتا ہے ۲۳۶؎

مولانا محمد علی جوہرؔ کے درج ذیل شعر میں مماثل نجمیؔ کا شعر ملاحظہ ہو:

توحید تو یہ ہے کہ خدا حشر میں کہہ دے
یہ بندہ دو عالم سے خفا تیرے لیے ہے

اور نجمیؔ کہتے ہیں:

اس سے بڑھ کر کسے عرفان ہوا ہے تیرا
تیری خاطر جو زمانے کو خفا کرتا ہے ۲۳۷؎

اسی طرح اقبالؔ کے اثرات بھی ان کے حمدیہ کلام میں نظر آتے ہیں مثلاً اقبالؔ کی ردیف میں کہتے ہیں:

لبوں پہ ذکر سجا لا الہ الا اللہ
ہوئی ہے خوب عطا لا الہ الا اللہ

بیاض دل پہ رقم ہے ترے جو یہ کلمہ
اُجال صبح و مسا، لا الہ الا اللہ ۲۳۸؎

اسمائے حسنہ سے بھی حمد کو آراستہ کرنے کی روش بھی ان کے کلام میں دکھائی دیتی ہے مثلاً

تو رفیق بھی، تو شفیق بھی، تو رؤف بھی ، تو رحیم بھی
مرے دل میں تیری ہی یاد ہے، مرے لب پہ تیرا ہی نام ہے

تو کریم بھی، تو علیم بھی، تو حکیم بھی، تو عظیم بھی
مجھے نعمتوں سے نواز دے کہ نوازنا ترا کام ہے ۲۳۹؎

ان کا دوسرا مجموعہ حمد ''ریاضِ حمد'' ایک ہی بحر اور وزن یعنی بحر ہزج مسدس سالم محذوف جو خصوصاً صنفِ مثنوی میں مستعمل ہے میں تخلیق کی گئی ایمان افروز حمدوں کا ایک خوبصورت مجموعہ کلام ہے۔'سورہ اخلاص' کی روشنی میں لکھی گئی ایک خوبصورت حمد ملاحظہ ہو:

ترے جیسا کوئی مولا نہیں ہے
تو جیسا ہے کوئی ویسا نہیں ہے
تو یکتا ہے ، یگانہ ہے، صمد ہے
بڑا کوئی ترے جیسا نہیں ہے

اور آیت قرآنی یُرِیْدُوْنَ لِیُطْفِئُوْا نُوْرَ اللّٰہِ بِاَفْوَاھِھِمْ وَاللّٰہُ مُتِمُّ نُوْرِہٖ وَلَوْ کَرِہَ الْکٰفِرُوْنَ (۸:۶۱) کی جھلک اس شعر میں دیکھیے۔

ستاروں کا نظاروں کا تو خالق ہے
ترا جو نور ہے بجھتا نہیں ہے ۲۴۰؎

ان کی دعائیہ شاعری ان کی اللہ تعالیٰ سے والہانہ محبت اور جذبات فریفتگی و شیفتگی کی مظہر ہے۔ ان کی دعاؤں میں عشق رسولؐ بھی موجزن ہے اور عشقِ خدا بھی کہتے ہیں۔

مری ادنیٰ عبادت معتبر کر
مری جانب محبت کی نظر کر
تجھے ہر سانس میں جو یاد رکھے
مرے مالک مجھے ایسا بشر کر
مجھے حرمین کے جلوے دکھا دے
مری قسمت میں پھر سے وہ سفر کر ۲۴۱؎

یہ ان کی محبت بلکہ انتہائے شوق ہے کہ وہ اپنے رب کے بارے میں ہمہ وقت سوچتے بھی ہیں اور اس کا اظہار بھی کرتے ہیں:

ترے بارے میں اکثر سوچتا ہوں
تو کیسا ہے برابر سوچتا ہوں
خدائے لم یزل تیری عطا سے
ثنا کرنے کو پیکر سوچتا ہوں ۲۴۲؎

''حمدیہ ہائیکو'' ہائیکو کی صنف میں حمد کا اولیں مجموعہ ہونے کا اعزاز رکھتا ہے۔ تین مصرعوں کی اس چھوٹی سے صنف میں بڑی سوچ کا اظہار کرنا کارِ مشکل ہے۔ مگر نجمی کی شاعرانہ صناعی اسے ممکن کر دکھاتی ہے اور وہ ہائیکو کا دامن حمد و ثنا اور دعا و مناجات سے بھر دیتے ہیں۔ دعا کرتے ہیں:

میری بگڑی سنوار دے مولا
مجھ کو شان وقار دے مولا
زیست میری تری رضا چاہے ۲۴۳؎

رزقِ حلال کے لیے ان کی دعا دیکھیے:

لقمہ پاک حلال
میرے رازق کہتا ہوں
میرے منہ میں ڈال ۲۴۴؎

۳۹۔ اعجاز چشتی، اصغر علی دو حمدیہ، دو نعتیہ مجموعات، تین مجموعہ ہائے غزل، تین مجموعہ ہائے مسالمہ اور ایک مزاحیہ شعری مجموعے کے خالق ہیں۔ان کے حمدیہ مجموعہ جات میں لاشریک(۲۰۰۶ء)اور رب کائنات (۲۰۰۶ء) شامل ہیں۔ ان کے نعتیہ مجموعے ''باغِ عبدؐ'' میں ۱۶، لاشریک میں ۲۰۴ اور رب کائنات میں ۲۶۰ حمدیں ہیں۔ مقدر میں اعجاز چشتی رقم طراز ہیں کہ:

''رب کائنات سے قبل'' لاشریک'' حمدیہ و التجائیہ کلام آپ لوگوں کی خدمت میں پیش کر چکا ہوں...... یہ بھی خیال رہا کہ وہ وحد الاحد ذات وتر میں ملتی ہے، جفت میں نہیں اس لئے ایک کتاب کی بجائے دو کتابیں حمیدؐ مجید اور سلامؐ ہادترتیب دی گئیں۔'' ۲۴۵؎

مالی حالات آڑے آنے کے سبب تین کے بجائے دو کتب چھپوائیں اور رب کائنات کے ٹائٹل پر رقم کیا’’ حمدیہ کلام بشمول حصہ اول حمید مجید و حصہ دوم سلامٌ ھادٔ‘‘۔اعجاز چشتی کی حمدیہ شاعری میں اظہارِ عبدیت اور اللہ تعالیٰ کے احسانات فراواں پرشکر گزاری کے جذبات غالب ہیں۔اسمائے الٰہی کوبھی منظوم کرتے ہیں:

تیرا کرم الٰہی بے حد و بے حساب ہے
رحمت سے تیری زندگی میری شباب ہے
عالی غفور تو ہے ، رحیم و کریم بھی
مولا اٹھالے جن پہ بھی تیرا عذاب ہے ۲۴۶؎

خدائے واحد کے علاوہ کوئی قادرِ مطلق، رحمان اور رحیم نہیں ہوسکتا۔کہتے ہیں:

اے خدا ان سب دلوں کا آسرا اک تو ہی ہے
سب ترے مملوک ہیں سب کا خدا اک تو ہی ہے
ذات ہے سبحان تیری وحدہٗ اور لا شریک
ہیں جہاں میں سب ہی سائل ذوالعطا اک تو ہی ہے
تو ہے رب العالمین واحد ہے تو یکتا ہے تو
سب ترے در کے گدا اور پالتا اک تو ہی ہے ۲۴۷؎

چھوٹی بحر میں حمد ونعت کا امتزاج ملاحظہ ہو:

ورد زبان اللہ ھُو
سب نے پکارا ایک تو

شوق نظارہ میں یہ خلق
دیکھی سراپا جستجو

تھی دید موسیٰ ؑ کی طلب
محبوب ﷺ تیرا رو برو

اصرار تھا موسیٰ ؑ کا پر
ہے اُذنُ مِنّی اِذْنِ ھُو ۲۴۸؎

ان کے حمدیہ کلام میں تغزل کی چاشنی ہے۔روانی، سلاست اور معنوی خوبیوں سے آراستہ حمد ملاحظہ ہو:

تشنہ لب کو صرف پانی چاہیے

تیری رحمت کی روانی چاہیے

درد کی تلخی گھلے تو ہو شراب
ہجر کی ہی جاودانی چاہیے

عشق میں چلتے نہیں شکوے گلے
اس روش میں چپ زبانی چاہیے ۲۴۹؎

رب کائنات کے آخر میں 'دعا' شامل ہے کہ وہ ہمیشہ اللہ رب العزت کی حمد لکھتے رہیں۔ کہتے ہیں:

ایسی قوت ہو عطا تیری ثنا لکھنے لگوں
جو بھی لکھنا چاہوں میں لفظِ خدا لکھنے لگوں
لب پہ میرے ہو خدایا تیرا ہی ذکرِ جمیل
میری قسمت چمکے تجھ کو ذوالعطا لکھنے لگوں ۲۵۰؎

۴۰۔ منیر سیفی کی حمدیہ مثنوی ''حرف نا تمام'' ۲۰۱۰ء میں منظر عام پر آئی۔ اس سے قبل ان کے تین شعری مجموعے مثال (نعتیہ کلام) ''لو'' اور ''الست'' (غزلیات) شائع ہوئے تھے۔

منیر سیفی کی حمدیہ مثنوی کا موضوع وحدت الوجود اور وحدت الشہود ہے۔ انھوں نے دونوں نظریات کو گھلا ملا دیا ہے۔ وہ کائنات کی ہر شے بشمول شخصیات، فن، تاریخ، ادب، موسیقی، مصوری غرض سب کچھ میں ذاتِ احد کو محسوس کرتے ہیں۔ مگر ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ:

پھول میں جس طرح ملے خوشبو
جسم ہستی میں اس طرح ہے تو
تیرا مخلوق میں حلول نہیں
اے خدا! تیرا یہ اصول نہیں
تیری مخلوق سے تجھے جانا
تجھ کو تیری صفات سے مانا
اے خدا! میں نے تجھ کو پہچانا
دیکھ کر جگ کا آئینہ خانہ
تیری صنعت سے تجھ کو پہچانا
تو ہے ذات وجوب، دل مانا ۲۵۱؎

اللہ اپنی ہر مخلوق میں ہے۔تشبیہ دیتے ہوئے کہتے ہیں:

ایسے مخلوق میں ہے تیرا نور
جیسے شیشے میں آفتاب کا نور ۲۵۲؎

مخلوق میں خالق کو تلاشنا ان کے نزدیک شرک نہیں ہے۔ بلکہ

تجھ کو ہر شے میں دیکھنا میرا
نہیں ہے کام شرک کا میرا
تیرے عرفاں کا اک طریقہ ہے
تجھ سے ملنے کا اک سلیقہ ہے ۲۵۳؎

وہ خدا کو ہر جا دیکھتے ہیں، چند مثالیں درج کی جاتی ہیں:

تو پہاڑوں کی چوٹیوں میں ہے
تو بھکاری کی روٹیوں میں ہے ۲۵۴؎

توہی پانی بھی، پیاس بھی تو ہے
تو بدن بھی، لباس بھی تو ہے ۲۵۵؎

توہی بچوں کی چلبلاہٹ میں
تو حسینوں کی مسکراہٹ میں ۲۵۶؎

ان کی شاعری شعریت کے تمام رنگوں سے مزین ہے۔بعض مقامات پر تو 'سہلِ ممتنع' کے حامل اشعار بھی ملتے ہیں۔منفرد شاعرانہ اسلوب میں لکھی گئی ان کی یہ مثنوی حمدیہ ادب میں ایک اچھا اضافہ ہے۔

۴۱۔حمد خالق کائنات۔ڈاکٹر محمد نواز میاں علی محمد۔کی یہ تصنیف ۲۹۹ صفحات پر مشتمل ہے اس کتاب میں حمدیہ نظمیں، مناجاتیں اور پنجابی حمد و مناجات بھی ہے۔کہتے ہیں۔

ہو فضل و کرم کی بارش
رحمت بھی اس میں ڈال
یا ربی ذوالجلال

یا ربی ذوالجلال ۲۵۷؎

ان کی حمد میں قرآنی مفاہیم کی جھلک دکھائی دیتی ہے آیت الکرسی کے مضامین ملاحظہ ہوں:

تو کچھ نہ پئے نہ کھائے
تجھے اونگھ بھی نہ آئے
تو لامکاں ہے
لیکن ہر دل میں ہی سمائے
ہر حال کو درست آئے
تجھے نہیں زوال
یا ربی ذوالجلال ۲۵۸؎

شاعر کے اخلاص و ایمانیات کا ذکر ہے۔مگر شعریت کی بہت زیادہ کمی ہے۔اشعار بیشتر بے وزن ہیں۔

''تو واحد کردگار ہے'' کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

تو کیا ہے خدایا نہیں سمجھ میں یہ آیا
پھر بھی میرا ایمان ہے تو رب کل جہان ہے
تو مالک کون و مکاں ہے تیرا جنت و رضوان ہے
دل سے بھی یہ اقرار ہے تو واحد کردگار ہے ۲۵۹؎

۴۲۔''اَحد اَحد''، پروفیسر خیال آفاقی کا اولین مجموعہ حمد ہے، جسے ۲۰۱۳ء میں حمد و نعت ریسرچ سنٹر کراچی سے شائع کیا ہے۔مجموعے کے عنوان کی مناسبت سے شاعر نے درج ذیل قطعے سے مجموعے کا آغاز کیا ہے:

روز ازل کا اولین نغمہ ''احد احد''
ہر عہد کا ہے منظرِ تازہ ''احد احد''
ممکن نہیں کہ یاد نہ ہو تجھ کو اے فلک
دشتِ وفا میں عشق کا نعرہ ''احد احد'' ۲۶۰؎

پروفیسر خیال آفاقی معروف ادیب، شاعر، سیرت نگار اور سفر نامہ نگار ہیں۔ان کے نعتیہ مجموعے ''تری آواز مکے مدینے'' اور ''عودِ سخن'' شائع ہو کر پذیرائی حاصل کر چکے ہیں۔سفر نامہ حجاز ''اور تمنا بر آئی'' اور مجموعہ کلام ''

شب نامہ‘‘ ان کی یادگار کتب ہیں۔خیالؔ آفاقی کے حمدیہ کلام میں اللہ کے حضور میں عاجزی انکساری اورفروتنی کے مضامین بھی ہیں اور وارفتگی و شیفتگی بھی۔ کہتے ہیں:

اک بندۂ نا چیز اگر حمد سرا ہے
تو یہ بھی حقیقت میں میرے رب کی عطا ہے
رحمت تری مایوس نہیں کرتی بروں کو
پر مجھ سے زیادہ بھی کوئی اور بُرا ہے؟ ۲۶۱؎

دینے والی ذات فقط خدا ہی کی ہے۔ وہی خالق کونین اور مالک و مختار ہے۔ خیال آفاقی انھی خیالات کے حامل ،مومن کامل ہیں۔ کہتے ہیں:

کوئی بھی شخص کسی شخص کو کیا دیتا ہے
جو بھی دیتا ہے ، جسے میرا خدا دیتا ہے
جو بھی ملتا ہے ہمیں اس کا کرم ہے ورنہ
کون ہم جیسے نکموں کو صلہ دیتا ہے
مانگنے والے تو پاتے ہی ہیں اس سے لیکن
دینے والوں کو بھی وہ حد سے سوا دیتا ہے
ہم اسے بھول بھی جاتے ہیں مگر وہ ہم کو
یہ سمجھنا ہی غلط ہے کہ بھلا دیتا ہے

قرآن مفہوم پر مبنی ذیل کا شعر دیکھیے:

ہر نئے لمحے، نئی شان سے آتا ہے نظر
چشمِ بینا کو بھی انداز نیا دیتا ہے

اسی حمد میں اقبال سے متاثر لب و لہجے کا حامل ذیل کا ذیل ملاحظہ ہو:

اس کا درویش جب آتا ہے خودی پر اپنی
شہ نشینوں کو بھی محفل سے اٹھا دیتا ہے

توحید کے فضایل و برکات تو اپنی جگہ،مگر عشق رسولؐ کا فیض دیکھیے:

تیری توحید کے قربان، مگر عشق رسولؐ
ایک بے نام کو ممتاز بنا دیتا ہے ۲۶۲؎

خیالؔ آفاقی، صاحبِ ایمان ہونے کے ساتھ ساتھ عاشق رسول، محبِ وطن، محبِ امت مسلمہ بھی ہیں۔ ان کی شاعری اکیسویں صدی کے عصری شعور سے ہم آہنگ ہے۔ ان کے کلام میں ایسے اشعار وقیع تعداد میں موجود ہیں جہاں ان کے عہد کا آشوب، صاف دکھائی دیتا ہے۔ مثلاً

الٰہی اپنے ہی لوگوں کو مار کر ہم نے
خود آج کر لیا سامان جگ ہنسائی کا ۲۶۳؎

کب تک یہ آپریشن ، کب تک ڈرونی حملے
کب ختم ہو گا موسم ظلم و ستم کا یارب ۲۶۴؎

آزما اپنی خدائی وائٹ ہاؤس کے مکیں
جانچتا ہوں میں بھی اپنے نالہ شب گیر کو
عافیہ کا جذبۂ شوق شہادت دیکھ کر
دم بخود دیکھا ہے ظالم کے دم شمشیر کو ۲۶۵؎

ان کے حمدیہ مجموعے میں ایسے اشعار بھی ہیں جن کی دلکشی بے مثال ہے مگر جن کا بظاہر کوئی تعلق حمد سے نہیں ہے۔ مثلاً

کہتے ہیں اک دوسرے کی بات بھی سنتے تھے لوگ
اس بھلے منظر کو دیکھے ایک مدت ہو گئی
کل ڈرا کرتے تھے جس سے آشیاں والوں کے دل
اب وہی بجلی ہر اک گھر کی ضرورت ہو گئی ۲۶۶؎

ہمارے خیال میں ایسے اشعار کو حمد کے بجائے 'غزل' میں ہونا چاہیے تھا۔ مجموعی طور پر خیالؔ آفاقی کی حمدیہ ومناجاتیہ شاعری کو ''چراغِ حمد'' کہا جانا چاہیے اور یہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہو گی۔

حوالے

۱۔ طاہر سلطانی: اردو حمد کا ارتقاء، کراچی: جہان حمد پبلی کیشنز، طبع اوّل ۲۰۰۴ء، ص ۵۸

۲۔ مذکورہ حوالہ، ص ۲۲۳

۳۔ مذکورہ حوالہ، ص ۲۲۳، ۲۲۴

۴۔ غوث میاں: انتخاب حمد، کراچی: حضرت حسانؓ حمد و نعت بینک، بار اوّل ۱۹۹۸ء، ص ۲۱

۵۔ سحر انصاری: مقدمہ، حمد نامہ، شیبا حیدری، کراچی: ایس این پبلشرز، ۱۹۹۸ء، ص ''ع''

۶۔ سید عبداللہ: ڈاکٹر: تقریظ، الحمد، مظفر وارثی، لاہور: ماورا پبلشرز، ۱۹۸۴ء، ص ۷

۷۔۸۔ غلام سرور لاہوری: دیوان حمد ایزدی، کانپور: مطبع نامی منشی نول کشور، ۱۹۰۹ء، ص ۹۹

۹۔ حمیر ہاشمی، محمد اسلم انصاری: لاہور میں دفن خزینے، لاہور: علم و عرفان پبلشرز، ۱۹۹۸ء، ص ۲۶۷

۱۰۔ مسرت یاسمین: کنھیا لال ہندی لاہوری، شخصیت و شاعری، مقالہ برائے ایم۔اے فارسی، مخزونہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور: (۱۹۹۰ء۔ ۱۹۹۲ء) ص ۱۳

۱۱۔ لاہور میں دفن خزینے، ص ۲۶۸

۱۲۔ کسریٰ منہاس: لاہور کے مورخ،(مضمون)مشمولہ،نقوش،لاہور نمبر۲،شمارہ نمبر۹۲،
فروری۱۹۶۲ء،لاہور: ادارہ فروغ اردو،ص ۹۸۲۔۹۸۳

۱۳۔ **کنھیالال ھندی لاھوری، مقالہ برائے ایم۔اے فارسی،ص ۲۰**

۱۴۔ رائے بہادر کنہیا لال: **دیوان مناجات ھندی**، لاہور: وکٹوریہ پریس، بارِششم ۱۸۸۲ء،ص ۲۳۲

۱۵۔ **دیوان مناجات ھندی**: سرورق

۱۶۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۔۴

۱۷۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۳۰

۱۸۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۳۱

۱۹۔۲۰ مذکورہ حوالہ،ص ۲۳۲

۲۱۔ غلام سرور لاہوری: **دیوان حمد ایزدی**، سرورق

۲۲۔ شفقت رضوی، پروفیسر: **اردو میں حمد گوئی**، کراچی: جہان حمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء،ص ۱۱۶

۲۳۔ **دیوان مناجات ھندی**،ص ۱۹۶

۲۴۔ کنہیالال ہندی: **تاریخ لاھور**، لاہور: تخلیقات،س ن،ص ۱۷۔۱۸

۲۵۔ کنہیالال: **تاریخ پنجاب**، لاہور: وکٹوریہ پریس، ۱۸۸۱ء،ص ۲

۲۶۔ کنہیالال ہندی: **بندگی نامہ**، کان پور: منشی نول کشور، ۱۸۷۳ء،ص ۵

۲۷۔ کنہیالال ہندی: **مخزن التوحید**، لاہور: وکٹوریہ پریس، ۱۸۸۰ء،ص ۱۳۶

۲۸۔ **کنھیالال ھندی لاھوری**: ص ۱۶۷

۲۹۔ **دیوان مناجات ھندی**،ص ۶

۳۰۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۰

۳۱۔ مذکورہ حوالہ،ص ۶۶

۳۲۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۶۰

۳۳۔ **صحیح مسلم شریف**: ج ۱، مع مختز شرح نووی (مترجم) علامہ وحید الزمان، لاہور: نعمانی کتب خانہ،

۱۹۸۱ء، ص ۲۶۴

۳۴۔ دیوان مناجات ہندی، ص ۱۵۰

۳۵۔ نقوش، لاہور نمبر ۲، ص ۸۲

۳۶۔ غلام محی الدین، حکیم: مناجات دربارۂ توحید، لاہور: مطبع گلزارِ محمدیؐ، ۱۹۰۳ء، ص ۴

۳۷۔ مذکورہ حوالہ، ص ۵

۳۸، ۳۹۔ عبداللہ خان عبدی، شیخ: حمدنامہ، گوجرانوالہ: مطبع میکی پریس، ۱۹۰۷ء، ص ۲

۴۰، ۴۱۔ حمدنامہ، ص ۳

۴۲۔ مذکورہ حوالہ، ص ۶

۴۳۔ مذکورہ حوالہ، ص ۴

۴۴۔ مذکورہ حوالہ، ص ۸، ۹

۴۵۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۱

۴۶، ۴۷۔ صلاح الدین یوسف، حافظ: تفسیر احسن البیان، الریاض: دارالسلام، ۱۹۹۸ء، ص ۱۰۷۵

۴۸۔ غلام سرور، لاہوری: دیوان حمد ایزدی، کانپور: مطبع منشی نول کشور، ۱۹۰۹ء، ص ۹۹

۴۹۔ مذکورہ حوالہ، ص ۲

۵۰۔ شفقت رضوی: اردو میں حمد گوئی، ص ۱۱۷

۵۱۔ دیوان حمد ایزدی، ص ۱۶

۵۲۔ مذکورہ حوالہ، ص ۳

۵۳۔ مذکورہ حوالہ، ص ۴

۵۴۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۹

۵۵۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۱

۵۶۔ مذکورہ حوالہ، ص ۳

۵۷۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۱

۵۸۔ مذکورہ حوالہ،ص۱۰

۵۹۔ مذکورہ حوالہ،ص۴۱

۶۰۔ مذکورہ حوالہ،ص ۴

۶۱۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۳

۶۲۔ مذکورہ حوالہ،ص۱۷

۶۳۔ مذکورہ حوالہ،ص ۶۳

۶۴۔ مذکورہ حوالہ،ص۳۹

۶۵۔ مذکورہ حوالہ،ص ۵۳

۶۶۔ ملک ہیراج: نغمۂ توحید، لاہور: مفید عام پریس،۱۹۰۹ء،ص ۲

۶۷۔ مذکورہ حوالہ،ص ۳

۶۸۔ شیخ محمد خان ،قریشی، خادمؔ، تحفۂ حقانی، گوجرانوالہ: میکی پریس،۱۹۱۱ء،ص ۲

۶۹۔ مذکورہ حوالہ،ص ۳

۷۰۔ مذکورہ حوالہ،ص۱۸

۷۱۔ مذکورہ حوالہ،ص ۳۵

۷۲۔ مذکورہ حوالہ،ص۴۱

۷۳۔ مذکورہ حوالہ،ص۱۷

۷۴۔مذکورہ حوالہ،ص۱۹

۷۵۔ مذکورہ حوالہ،ص۲۱

۷۶۔ مضطر خیر آبادی: نذر خدا،مؤلفہ،حکیم امیر احمد عثمانی، امیر احمد عثمانی،طبع دوم۱۹۹۶ء،ص ۱۲

۷۷۔ مذکورہ حوالہ،ص۱۰

۷۸۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۳

۷۹۔ مذکورہ حوالہ،ص۱۹

۸۰۔ مذکورہ حوالہ،ص ۴۰

۸۱۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۷۱

۸۲۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۸۸

۸۳۔ مذکورہ حوالہ،ص ۳۵

۸۴۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۷۳

۸۵،۸۶۔ خرم علی، مولوی: خدا کی قدرت، حیدر آباد دکن: دائرۃ المعارف النظامیہ، س ن،ص ۶

۸۷۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲

۸۸۔ طاہر سلطانی: اردو حمد کا ارتقاء،ص ۵۵۳

۸۹۔ درد کاکوروی: **آہ سرد**، کان پور: انتظامی پریس، س ن،ص ۴

۹۰۔ مذکورہ حوالہ،ص ۳۰،۳۱

۹۱۔ عطا کلیانوی: وجود و شہود، حیدر آباد: سلسلہ مطبوعات ولا اکیڈمی عزیز باغ، بار اوّل ۱۹۷۳ء،ص ۸

۹۲۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۳

۹۳۔ مذکورہ حوالہ،ص ۳۲

۹۴۔ مذکورہ حوالہ،ص ۸۵

۹۵۔ یاسین رضوی، ڈاکٹر: تقریظ، پتھر میں آگ، لاہور: ٹیلنٹ کلب، طبع اوّل ۱۹۸۰ء،ص ۱۳

۹۶۔ طاہر سلطانی: اردو حمد کا ارتقا،ص ۲۳۹

۹۷۔ عبدالسلام طور: پتھر میں آگ،ص ۱۷

۹۸۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۲

۹۹۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۹

۱۰۰۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۸

۱۰۱۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۱

۱۰۲۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۷

۱۰۳۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۹

۱۰۴۔ مذکورہ حوالہ،ص ۸۷

۱۰۵۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۶

۱۰۶۔ مذکورہ حوالہ،ص ۴۲

۱۰۷۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۲

۱۰۸۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر: پیش لفظ، **الحمد**، لاہور: ماورا پبلشرز، طبع اوّل ۱۹۸۴ء، ص ۷

۱۰۹۔ مظفر وارثی، **الحمد**،ص ۱۱

۱۱۰۔ امجد حیدر آبادی: **رباعیات امجد**، ج ۱، حیدر آباد دکن: عماد پریس، س ن، ص ۳۰

۱۱۱۔ مظفر وارثی: **الحمد**، ص ۱۳

۱۱۲۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۰

۱۱۳۔ مذکورہ حوالہ،ص ۵۲

۱۱۴۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۷

۱۱۵۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۷

۱۱۶۔ اسرار احمد سہاوری: **مفیض** (حمد نمبر) جلد ۷، شمارہ ۲۳، ۱۹۹۷ء، ص ۲۸۲

۱۱۷۔ مظفر وارثی: **الحمد**،ص ۱۸

۱۱۸۔ مذکورہ حوالہ،ص ۳۰

۱۱۹۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۷

۱۲۰۔ مظفر وارثی: **لاشریک**، لاہور: علم وعرفان پبلشرز، ۲۰۰۱ء، ص ۱۵

۱۲۱۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۵۴۔۱۵۹

۱۲۲۔ مرزا ادیب: اندرونی فلیپ، **لاشریک**، طفیل دارا، لاہور: آئینہ ادب، بار اوّل س ن

۱۲۳۔ طفیل دارا: **لاشریک**، ص ۵،۶

۱۲۴۔ طفیل دارا: **لاشریک**،ص ۲۶،۲۸

۱۲۵۔ نعت رنگ، حمد نمبر، شمارہ ۷، اگست ۹۹ ص ۲۲۲

۱۲۶۔ مذکورہ حوالہ ص ۲۲۳

۱۲۷۔ شفقت رضوی: اردو میں حمد گوئی، ص ۱۶۰

۱۲۸۔ حافظ لدھیانوی: سبحان اللہ العظیم، فیصل آباد: بیت الادب، ۱۹۹۰ء، ص ۸۷

۱۲۹۔ مذکورہ حوالہ ص ۳۹، ۴۰

۱۳۰۔ مذکورہ حوالہ ص ۱۵۹

۱۳۱۔ حافظ لدھیانوی: سبحان اللہ و بحمدہ، فیصل آباد: بیت الادب، ۱۹۹۰ء، ص ۳۱، ۳۲

۱۳۲۔ ابوالخیر کشفی: (تعارف) صحیفۂ حمد: کراچی: وقاص اکیڈمی، طبع اوّل ۱۹۹۸ء، ص ۱۱

۱۳۳۔ لطیف اثر: صحیفۂ حمد، ص ۳۳

۱۳۴۔ مذکورہ حوالہ ص ۱۸۵، ۱۸۶

۱۳۵۔ مذکورہ حوالہ ص ۲۲۲

۱۳۶۔ مذکورہ حوالہ ص ۱۳۵

۱۳۷۔ مذکورہ حوالہ ص ۹۴

۱۳۸۔ شفقت رضوی، پروفیسر: اردو میں حمد گوئی، ص ۱۷۲

۱۳۹۔ طاہر سلطانی، مرتب: حمد اللہ و مدح رسول، کراچی: حمد و نعت ریسرچ سنٹر، ۲۰۱۱، ص ۵۵

۱۴۰۔ مذکورہ حوالہ، ص ۵۷

۱۴۱۔ لطیف اثر، طلوع حمد، کراچی: جہان حمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء بارِ اوّل، ص ۴۷

۱۴۲۔ مذکورہ حوالہ، ص ۴۸

۱۴۳۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۲۷

۱۴۴۔ تبسم رضوانی، ڈاکٹر: حمد و ثنا، لاہور: س ن، مطبع ندارد، ص ۲

۱۴۵۔ مذکورہ حوالہ، ص ۳۔ ۸

۱۴۶۔ طاہر سلطانی، اردو حمد کا ارتقاء، ص ۲۹۱

۱۴۷۔ مذکورہ حوالہ،ص ۵۶۵

۱۴۸۔ لالۂ صحرائی: قلم سجدے، کراچی: ادارہ مطبوعاتِ تکبیر، بار اوّل ۱۹۹۳ء، ص ۱۳، ۱۴

۱۴۹۔ مذکورہ حوالہ،ص ۶۱

۱۵۰۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۲۵

۱۵۱۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۹، ۲۰

۱۵۲۔ عبدالغنی فاروق، ڈاکٹر: ''قلم سجدے ایک تاثر'' مشمولہ نعت رنگ، حمد نمبر، شمارہ ۷، ۱۹۹۹ء، ص ۳۸

۱۵۳۔ لالۂ صحرائی: قلم سجدے، ص ۳۲

۱۵۴۔ طاہر سلطانی: اردو حمد کا ارتقا، ص ۲۹۲

۱۵۵۔ قلم سجدے، ص ۵۶

۱۵۶۔ مذکورہ حوالہ،ص ۴۸

۱۵۷۔ مذکورہ حوالہ،ص ۳۱

۱۵۸۔ مذکورہ حوالہ،ص ۶۰

۱۵۹۔ مذکورہ حوالہ،ص ۵۲

۱۶۰۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۹

۱۶۱۔ فوزیہ رانی: لالۂ صحرائی۔ حیات اور ادبی خدمات، تحقیقی مقالہ برائے ایم۔ فل اردو، ۲۰۰۲ء ص ۲۱۸

۱۶۲۔ لالہ عمرائی: قلم سجدے، ص ۵

۱۶۳۔ ریاض مجید، ڈاکٹر: فلیپ، حمدیہ قطعات، فیصل آباد: نعت اکادمی، ۱۴۱۵ھ

۱۶۴۔ مسرور بدایونی: حمدیہ قطعات، ص ۱

۱۶۵۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۹

۱۶۶۔ مذکورہ حوالہ،ص ۳۱۷

۱۶۷۔ مذکورہ حوالہ،ص ۳۲۵

۱۶۸۔ طاہر سلطانی: اردو حمد کا ارتقاء، ص ۳۰۶

۱۶۹۔ مذکورہ حوالہ، ص ۳۰۷

۱۷۰۔ کریم اللہ عباسی، خواجہ محمد: زمزمۂ حمد، گوجرانوالہ: عباسی پبلی کیشنز، ۱۹۹۶ء، ص ۹، ۱۰

۱۷۱۔ مذکورہ حوالہ، ص ۲۳

۱۷۲۔ مذکورہ حوالہ، ص ۷۵

۱۷۳۔ طاہر سلطانی: اردو حمد کا ارتقاء، ص ۳۲۵

۱۷۴۔ مذکورہ حوالہ، ص ۵۷۳

۱۷۵۔ انوار عزمی: نام بنام حمد و ثنا، کراچی: مرکزی انجمن سہروردیہ، ۱۹۹۸ء، ص ۸

۱۷۶۔ مذکورہ حوالہ، ص ۸۱

۱۷۷۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۴۱

۱۷۸۔ طاہر سلطانی، اردو حمد کا ارتقا، ص ۵۹۵

۱۷۹۔ نعت رنگ، حمد نمبر، ص ۲۶۹

۱۸۰۔ اردو حمد کا ارتقا، ص ۵۹۴

۱۸۱۔ منصور ملتانی: مرسل و مرسل، کراچی: ڈائیلاگ پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء، ص ۱۱

۱۸۲۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۳

۱۸۳۔ مذکورہ حوالہ، ص ۳۵

۱۸۴۔ شیبا حیدری: حمد نامہ، کراچی: ایس این پبلشرز، طبع اول ۱۹۹۸ء، ص ۲۹

۱۸۵۔ مذکورہ حوالہ، ص ۴، ۵

۱۸۶۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۰۶

۱۸۷۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۲۱

۱۸۸۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۶۵

۱۸۹۔ انصار الحق قریشی: اللہ اکبر، کراچی: انصار الحق قریشی، ۱۹۹۹ء، ص ۲۸

۱۹۰۔ مذکورہ حوالہ،ص۱۹، ۲۰

۱۹۱۔ مذکورہ حوالہ،ص۶۰

۱۹۲۔ طاہر سلطانی: حمد میری بندگی، کراچی: جہان حمد پبلی کیشنز، بارِ اول ۲۰۰۰ء،ص۲۹، ۲۸

۱۹۳۔ مذکورہ حوالہ،ص۹۹، ۱۰۰

۱۹۴۔ مذکورہ حوالہ،ص۱۲۰

۱۹۵۔ مذکورہ حوالہ،ص۱۲۲

۱۹۶۔ مذکورہ حوالہ،ص۱۲۴

۱۹۷۔ طاہر سلطانی: حمد کردگار، کراچی: جہان حمد پبلی کیشنز، ۲۰۱۱ء،ص۱۱۹

۱۹۸۔ مذکورہ حوالہ،ص۵۱

۱۹۹۔ مذکورہ حوالہ،ص۶۶

۲۰۰۔ مذکورہ حوالہ،ص۱۷

۲۰۱۔ مذکورہ حوالہ،ص۴۷، ۴۸

۲۰۲۔ مذکورہ حوالہ،ص۱۲۰

۲۰۳۔ مذکورہ حوالہ،ص۱۱۸

۲۰۴۔ مذکورہ حوالہ،ص۱۱۷

۲۰۵۔ طاہر سلطانی: اردو حمد کا ارتقا،ص۳۸۳

۲۰۶۔ مذکورہ حوالہ،ص۳۸۴

۲۰۷۔، ۲۰۸۔ مذکورہ حوالہ،ص۴۱۱، ۴۱۲

۲۰۹۔ رشک ترابی: العظمت للہ، سرگودھا: انصار آرٹ پریس، بار اول ۲۰۰۱ء،ص۱۵

۲۱۰۔ مذکورہ حوالہ،ص۲۹

۲۱۱۔ مذکورہ حوالہ،ص۳۳

۲۱۲۔ مذکورہ حوالہ،ص۹۹

۲۱۳۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۶۳

۲۱۴۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۶۴

۲۱۵۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۶۵۔۱۶۷

۲۱۶۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۷۵

۲۱۷۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۸۵

۲۱۸۔ سجاد سخن: **رب العالمین**، کراچی: دبستان وارثیہ،۲۰۰۱ء،ص ۴۵

۲۱۹۔ مذکورہ حوالہ،ص ۵۱، ۵۲

۲۲۰۔ مذکورہ حوالہ،ص ۵۵

۲۲۱۔ مذکورہ حوالہ،ص ۶۱

۲۲۲۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۱۷

۲۲۳۔ طاہر سلطانی: **اردو حمد کا ارتقا**، ص ۴۲۸

۲۲۴۔ مذکورہ حوالہ،ص ۴۲۷

۲۲۵۔ مذکورہ حوالہ،ص ۵۸۹

۲۲۶، ۲۲۷۔ مذکورہ حوالہ ،ص ۴۳۷

۲۲۸۔ علیم النساء ثنا: **تری ھی حمد و ثنا**، کراچی: جہان حمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء ص ۱۴

۲۲۹۔ مذکورہ حوالہ،ص ۷۶

۲۳۰۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۱۵

۲۳۱۔ عزیز الدین خاکی: **الحمد للہ**، کراچی: تنظیم استحکام پاکستان، ۲۰۰۲ء،ص ۳۹، ۴۰

۲۳۲۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۰۵

۲۳۳۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۱۱، ۱۱۲

۲۳۴۔ سائرہ حمید تشنہ: **سر چشمۂ حمد**، لاہور: اسلامک بک ویژن، س ن،ص ۵۹

۲۳۵۔ سائرہ حمید تشنہ: **کتنا ھے احترام خدا**، لاہور: اظہار سنز، س ن،ص ۱۳

۲۳۶۔ اقبال نجمی، محمد: نغمۂ حمد، گوجرانوالہ: فروغ ادب اکادمی، ۲۰۰۵ء، ص ۹۷

۲۳۷۔ مذکورہ حوالہ، ص ۹۶

۲۳۸۔ مذکورہ حوالہ، ص ۶۹

۲۳۹۔ مذکورہ حوالہ، ص ۹۰

۲۴۰۔ اقبال نجمی، محمد: ریاض حمد، گوجرانوالہ: فروغ ادب اکادمی، ۲۰۰۹ء، ص ۶۷

۲۴۱۔ مذکورہ حوالہ، ص ۵۹

۲۴۲۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۳

۲۴۳۔ اقبال نجمی، محمد: حمدیہ ھائیکو، گوجرانوالہ: فروغ ادب اکادمی، ۲۰۰۹ء، ص ۱۳۳

۲۴۴۔ مذکورہ حوالہ، ص ۹۳

۲۴۵۔ اعجاز چشتی: رب کائنات، لاہور: انداز پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء، ص ۹

۲۴۶۔ مذکورہ حوالہ، ص ۲۳

۲۴۷۔ مذکورہ حوالہ، ص ۷۷

۲۴۸۔ مذکورہ حوالہ، ص ۲۷

۲۴۹۔ مذکورہ حوالہ، ص ۲۷۴

۲۵۰۔ مذکورہ حوالہ، ص ۲۸۷

۲۵۱۔ منیر سیفی: حرف ناتمام، کراچی: ادبی دائرہ، ۲۰۱۰ء ص ۱۳۷

۲۵۲۔ مذکورہ حوالہ، ص ۱۹

۲۵۳۔ مذکورہ حوالہ، ص ۲۰

۲۵۴۔ مذکورہ حوالہ، ص ۵۷

۲۵۵۔ مذکورہ حوالہ، ص ۳۷

۲۵۶۔ مذکورہ حوالہ، ص ۴۷

۲۵۷۔ محمد نواز میاں، علی محمد، ڈاکٹر: حمد خالق کائنات، لاہور: علق پرنٹرز، ۲۰۱۰ء، ص ۵

۲۵۸۔ مذکورہ حوالہ،ص۶

۲۵۹۔ مذکورہ حوالہ،ص۸۷

۲۶۰۔ خیال آفاقی: احداحد، کراچی: حمد ونعت ریسرچ سنٹر، بارِاول ۲۰۱۳ء،ص ۴

۲۶۱۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۳

۲۶۲۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۳۷۔۱۳۹

۲۶۳۔ مذکورہ حوالہ،ص۲۰

۲۶۴۔ مذکورہ حوالہ،ص۵۵

۲۶۵۔ مذکورہ حوالہ،ص ۵۳

۲۶۶۔ مذکورہ حوالہ،ص۱۰۷

بابِ ہشتم:

حمد ومناجات کے متفرق پہلو

فصل اوّل: بارگاہ الٰہی میں اردو شاعرات کی حمد مناجات

فصل دوم: غیر مسلم شعرا کی حمدیہ ومناجاتیہ شاعری

بارگاہِ الٰہی میں اردو شاعرات کی

حمد و مناجات

عربی شاعری میں حمد و مناجات کے ضمن میں پہلا اعزاز حضرت آمنہ، والدہ رسول اللہ کو حاصل ہے جنھوں نے آپؐ کے عہدِ طفلی میں آپؐ کی محبت میں ایسے اشعار کہے جن میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا، نعت اور دعائیں شامل ہیں۔ گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ شاعرات کی حمد و ثنا، سیرتِ آمنہؓ کی تقلید ہے۔ اردو شاعری کی ہر صنف میں خواتین نے اپنے جوہر دکھائے اور حمد و مناجات بھی اسی صنف میں شامل ہے۔ ذیل میں خواتین کی حمدیہ و مناجاتیہ شاعری کا مختصر جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

اردو زبان میں حمدیہ شاعری کے موضوع پر شاعرات میں پہلا حمدیہ مجموعہ ''باب کرم'' امۃ اللہ تسنیم کا ہے۔ جو ۱۹۶۶ء میں مکتبہ اسلام گوسن روڈ۔ لکھنو سے شائع ہوا۔ اس میں ۲ حمدیں اور ۲۷ مناجاتیں شامل ہیں۔

خیر النساء بہتر کا حمد و مناجات پر مشتمل مجموعہ ''بابِ رحمت'' ۱۳۴۲ھ میں بنیر پریس باٹا نالہ لکھنؤ سے شائع ہوا۔ ۲۸ صفحات کے اس مجموعے میں دو نعتیں، ۴۳ حمد و مناجات ایک رمضان المبارک اور دو بے ثباتی دنیا

پر منظومات ہیں۔ شیبا حیدری کا 'حمد نامہ' ۱۹۹۸ء میں منظر عام پر آیا اور سائرہ حمید تشنہ کے دو حمدیہ شعری مجموعے ۲۰۰۳ء میں جبکہ نجمہ یاسمین یوسف کا ''دست دعا'' ۲۰۰۰ء میں شائع ہوا۔

حمد گو شاعرات کے تذکرے پر مشتمل پہلی کتاب ''حریم ناز میں صدائے اللہ اکبر'' ۱۹۹۹ء میں کراچی سے منظر عام پر آئی۔ ۲۴۸ صفحات کی اس کتاب میں طاہر سلطانی نے ۹۹ شاعرات کے حالات زندگی اور نمونہ کلام پیش کیا ہے۔ اردو میں یہ اپنی نوعیت کی پہلی مرتب کردہ کتاب ہے۔ کتابی سلسلہ 'جہان حمد'' کا چوتھا شمارہ طاہر سلطانی کی زیرادارت اپریل ۲۰۰۰ء میں 'خواتین نمبر' کے عنوان سے شائع ہوا۔ جس میں ۱۹ شاعرات کے حمدیہ و نعتیہ کلام کا جائزہ اور ۳۸ شاعرات کے ۱۷ حمدیں اور ۲۲ نعتیں شامل ہیں۔ ۲۰۰۲ء میں ''خواتین کی حمدیہ شاعری'' کے عنوان سے غوث میاں کا انتخاب کراچی سے شائع ہوا۔ اس انتخاب میں ۱۰۷ شاعرات کی حمدیہ نگارشات شامل کی گئی ہیں۔

اردو کی حمدیہ شاعری کی ایک روایت ، خدائے بزرگ و برتر کے اسمائے حسنہ کو منظوم کرنے اور اس حوالے سے اس کی تحمید کی ہے۔ اردو شاعرات بھی اس روایت پر عمل کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ مثلاً صفیہ شمیم ملیح آبادی (۱۹۲۰ء پ) جن کے تین شعری مجموعے شائع ہوئے، اسمائے الٰہی کو اس طرح منظوم کرتی ہیں:

یا خدا یا رحیم رب جلیل
اول و آخر و سمیع و بصیر
حاضر و ناضر و لطیف و خبیر
ظاہر و باطن و مجیب و رشید اے

رضیہ انور امروہی کی مکمل نظم ہی اسی موضوع پر ہے۔ مخمس کی ہیئت میں لکھی گئی نظم میں وہ اسمائے الٰہی کی تعریف کتنے پیارے پیارے انداز میں کرتی ہیں:

ہیں مرے اللہ کے بھی کیا کیا پیارے پیارے نام
مالک، خالق، رازق، حاذق، صاحب عرش مقام
کوئی کہے ہے تجھ کو ربّا، کوئی کہے ہے رام
جپتے ہیں سب تیری مالا صبح ہو یا شام
ہیں مرے اللہ کے بھی کیا کیا پیارے پیارے نام

انسان کی فطرت ہے کہ وہ مظاہر قدرت پر جب غور کرتا ہے تو اس صانع کل کی ضاعی پر دنگ رہ جاتا ہے اور بے ساختہ اس کی زبان سے حمد و ثنا ادا ہوتی ہے۔عشرت جہاں نوری(۱۹۶۲ء پ) کی حمد کے چند اشعار ملاحظہ ہوں:

پھولوں کی مہکار میں تو ہے چڑیوں کی چہکار میں تو
حد نظر تک تو ہی تو ہے ہستی کی جھنکار میں تو
تیرا جلوہ کوہ ودمن میں دریا کی گہرائی میں
تیرا پرتو شام و سحر میں ہر شب کے آثار میں تو ۳؎

چند مزید مثالیں ملاحظہ ہوں: سیدہ رابعہ نہاں کہتی ہیں:

کس قیامت کی پہاڑوں کو بلندی دے دی
آبشاروں کے بھی نغمے ہیں سنائے تونے
عقل حیراں ہوئی صحرا کی جو وسعت دیکھی
اور گاتے ہوئے دریا بھی بہائے تونے ۴؎

ایک حماد، حمد کہتے ہوئے اعترافات کے ڈھیر لگا دیتا ہے۔ ان میں سے ایک اعتراف اس کی عطاؤں کا بھی ہے اور حمد نگار شاعرات بھی اللہ کی بے پایاں عطاؤں پر اس کا شکر ادا کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ مثلاً ثمر بانو ہاشمی (۱۹۳۵پ)''صرف خواب میرے ہیں'' کی شاعرہ اور معروف ناول و افسانہ نگار کہتی ہیں۔

دلوں کو اطاعت نگاہوں کو ذوق
جبینوں کو در بھی اسی کی عطا
فضاؤں میں وسعت اسی کا کمال
پرندوں کو پر بھی اس کی عطا
شگوفوں میں مہکار، پھولوں میں رنگ
شجر پر ثمر بھی اسی کی عطا ۵؎

خواجہ میر دردؔ کی پڑپوتی 'شاعرہ وحید' کا مجموعہ کلام''شکست ساز سے پہلے'' لاہور سے ۱۹۷۲ء میں چھپا۔ اسی موضوع پر ان کے اشعار ملاحظہ ہوں:

خالق کون و مکاں اے مصدر نور و ظہور

روحِ دوراں سرنگوں ہے تیرے جلووں کے حضور
تیرے ہی فیضانِ رحمت سے ہیں روشن شش جہات
تیرے نطقِ کن سے ہے آفاق میں سوز و سرور ۶؎

آیاتِ قرآنی اور مفاہیمِ قرآن سے حمدیہ شاعری کو مزین و مرصع کرنے کا رجحان بھی اردو کی حمدیہ شاعری میں عام ہے۔ شاعرات نے بھی اپنے حمدیہ کلام میں آیاتِ الٰہی سے خوشہ چینی کی ہے۔ مثلاً سورۃ الاخلاص کے مفاہیم و معانی اس حمد سے کس طرح مترشح ہوتے ہیں:

کہیے دل میں رکھ کے کوئی بھی نہ کد
ہے خدائے لم یزل ہی بس احد
ذات اس کی خود ہے اس کی ذات سے
لم یلد بھی وہ ہے اور ہے لاولد

سورۂ اخلاص ہے اس کی دلیل
وہ ہے یکتا اور وہ ہی ہے احد ۷؎

اسی طرح آیت قرآنی کا مفہوم جہاں آرا لطفی کے اس شعر میں ملاحظہ ہو:

سارے بحر دوات ہوں، سارے درخت قلم
ہوں پھر بھی تیری مدح سرائی کے لیے کم ۸؎

اسی طرح نحن اقرب الیہ..........الخ کی تفسیر تہنیت النساء کے کلام میں دیکھیے:

کہیں پا لیتا ہے کوئی تجھے شہ رگ کے قریب
ڈھونڈتا ہے جو سرِ عرشِ معلیٰ کوئی ۹؎

تغزل و شعریت کے حسن سے آراستہ، اندرونی قوافی سے 'مزّین' اور نغمگیت و موسیقیت سے معمور اردو شاعرات کے حمدیہ کلام میں سہل ممتنع کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔ شہناز مزمل کی یہ دلکش حمد ملاحظہ ہو:

میرے دل کے آئینے پر
ایک انوکھا نام لکھا ہے
اس کے گھر کو جانے والا
رستہ میں نے ڈھونڈ لیا ہے

دنیا کی ہر شے کے بدلے
میں نے اس کو مانگ لیا ہے
اس کے در سے بن مانگے ہی
کیا کچھ ہم سب کو ملتا ہے ۱۰؎

نجمہؔ خان نہایت عقیدت سے حمد کہتی ہیں۔ محاسنِ لفظی و معنوی سے آراستہ ان کی حمد کے چند اشعار:

سحر کے وقت جب کوئی مرے دل میں اترتا ہے
خدا کی ذات ہوتی ہے، خدا کا نور ہوتا ہے

مجھے محسوس ہوتا ہے کہ کوئی مجھ سے گویا ہے
جو اپنے حرفِ مرہم سے مرے زخموں کو چھوتا ہے

وہ میری زندگی کا جزو لاینفک ہے اب نجمہؔ
کسی کا خوف کیوں ہو جب وہ میرے ساتھ رہتا ہے

حمد گو شاعرات نے صرف غزل ہی کی ہیئت میں حمد نہیں کہی بلکہ شاعری کی ہر صنف میں حمد گوئی کی ہے۔

ذیل میں وضاحت نسیم کا حمدیہ ہائیکو درج کیا جاتا ہے۔

نقش ہوا دل پر
کعبے کا اک اک منظر
اللہ اکبر ۱۲؎

اسی طرح پروین سلطانہ حنا کا مناجاتیہ مخمس ملاحظہ ہو:

مری چشم نم کی یہ بات ہے
مرے سامنے تری ذات ہے
جو اٹھا ہوا مرا ہات ہے
اسے رد نہ کر، اسے رد نہ کر
اے مرے خدا ، مرے چارہ گر ۱۳؎

حمدیہ مسدس میں نوشابہ خاتون، توصیفِ الٰہی میں اس طرح مگن ہیں:

یکتا ہے ذات اس کی ہے جسم سے مبرّا

وہ سب کو دیکھتا ہے ، کون اس کو دیکھ سکتا
بے مثل ہے، یگانہ ہمسر نہیں ہے اس کا
تھرا رہا ہے اس کی ہیبت سے عرشِ اعلیٰ
نظروں سے گونہاں ہے دل میں بسا وہی ہے
میرا خدا وہی ہے، میرا خدا وہی ہے ۱۴؎

قطعے کی ہیئت میں اورتشبیہاتی انداز میں کی گئی دعا ملاحظہ ہو:

بارگاہِ حق میں اک اشک ندامت کی طرح
چاہتی ہوں خاک میں ملنا امانت کی طرح
اے مسیحائے زماں ربِ کریم و ذوالجلال
مجھ کو بھی تو مل کبھی صبحِ بشارت کی طرح ۱۵؎

خواتین کی حمدیہ شاعری میں 'نظم آزاد' خاص طور پر قابل ذکر ہے اس لیے بھی کہ خاصی تعداد میں کہی گئی ہیں اور دوسرے یہ کہ ان نظموں میں خواتین نے نو بہ نو انداز میں حمد کہنے کی کوشش کی ہے اور اچھوتے، منفرد اور دلکش موضوعات حمد سامنے آئے ہیں۔ ان شاعرات میں فاطمہ حسن، نوشی گیلانی، فہمیدہ ریاض، عرفانہ عزیز، صائمہ اسماء شاہد اور خورشید سلطانہ کے نام نمایاں ہیں۔ ذیل میں فقط دو مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

جہاں سو دوزیاں کے مالک
کبھی تو بابِ کرم کھلے میرے روز وشب پر
گلاب ہاتھوں میں پتھروں کے بجائے میں کوئی رنگ بھر دوں
سنوار دوں چاند سے میں چہرے
مجھے اجالوں کا گنگناتا ہوا کوئی آبشار دے دے
مری فلاکت زدہ ذہانت کو سہل سا کاروبار دے دے ۱۶؎

(عرفانہ عزیز)

تیرے نام سے صبح کروں میں
تیرے نام سے رات

تیرے نام ایک سچا لفظ

باقی جھوٹی بات

سچا لفظ جو حمد ہے تیری

تیرے نام پہ ابھرے سورج

تیرے نام پہ پھیلے شام

یارب میں ہوں رحم کی طالب

تیرا نام رحمن ۱۷؎

اور اب آخر میں خواتین کے مناجاتیہ کلام سے چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ دعا و مناجات جو بندۂ مومن کا ہتھیار ہیں۔ خواتین بھی اس ہتھیار سے لیس ہو کر، انتہائی تضرع و عاجزی اور دردمندی کے ساتھ اپنے خالق و مالک کے حضور دعا گو ہیں:

اے رب کائنات قلم کو کمال دے
فکر جمیل دے، مجھے حرفوں کا جال دے
بھٹکے ادھر ادھر نہ مرا ذہن نارسا
جس کا جواب تو ہے فقط وہ سوال دے ۱۸؎

شمع صدیقی (۱۹۶۴ء پ) ''من شمع جاں گدازم'' کی شاعرہ بڑی دلکش معنویت سے بھرپور دعائیں کرتی ہیں:

میرے الفاظ کو وسعت میں سمندر کر دے
میرے افکار سے ہر نفس کو ششدر کردے

وہ کہ بے مہر ہے خود سر بھی ہے مالک میرے
حسن کو حسن کی مانند ہی سندر کردے

میری مٹی کو عداوت کی فصا چھو نہ سکے
خلق و اخلاص کو دھرتی کا سکندر کر دے ۱۹؎

فصل دوم:

غیر مسلم شعرا کی حمدیہ شاعری

توحید ایک عالم گیر متفقہ صداقت ہے۔ وید مقدس کہتی ہے''ایکو برھم دوتیو ناستی'' گرنتھ صاحب میں ہے''ایکواونکار'' اور قرآن کریم'لا الٰہ الا اللہ' کی صدائے حق بلند کرتا ہے۔حقیقت وہی ہے جو سیکڑوں برس پہلے کہہ دی گئی تھی کہ **کل مولود یولد علی الفطرة**...... الخ اور اسی طرح **الست بربکم (القرآن)** کے عہد سے کوئی انسان انکار نہیں کر سکتا۔

فطرتِ اسلام پر پیدا ہونے کی وجہ سے توحید کا اقرار کائنات کے ہر انسان کے دل سے اٹھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر مبعوث فرمائے۔ جن میں سے چند کا ذکر ہم قرآن کریم میں دیکھتے ہیں۔''ولکل قوم ہاد یقینا''ہر قوم کے لیے ایک ہادی ہے'' کے مصداق ہر خطے میں توحید اور صرف توحید کا ہی پیغام لے کر پیغمبرانِ خدا نے تبلیغ کا فریضہ سرانجام دیا ہوگا۔ بے شک و شبہ دنیا کا کوئی بھی خطہ اس پیغام سے محروم نہ رہا ہوگا۔

برعظیم پاک و ہند بھی ایک ایسا خطہ تھا، جہاں ہندوؤں کے پیغمبر(اوتار) ان کو درسِ وحدت دیتے رہے۔ پھر جب محمد بن قاسم کی فتح کے بعد مسلمانوں نے اپنے قدم یہاں مضبوطی سے جما لیے اور مقامی قوموں کو اس کا بخوبی اندازہ ہوگیا کہ مسلمان قوم'' ہر ملک ملک ماست کہ ملک خدائے ماست'' کی قائل ہے تو رفتہ رفتہ نہ صرف ان کے وجود کو قبول کر لیا گیا بلکہ مسلمانوں کی تبلیغی مساعی سے ہزاروں ، لاکھوں ، غیر مسلم، شرفِ قبول اسلام سے مستفیض بھی ہوئے مسلمان اس سرزمین پر صدیوں حکمران رہے اور علم دینیات، معاشرت، فنون، شاعری غرض ہر شعبے پر ان کے ان مٹ نقوش مرتب ہوئے۔ شاعری بھی انہی میں سے ایک تھی۔

مسلمان شعرا نے شاعری کی بہتر روایت (جو اس زمانے میں فارسی شاعری کی تھی) کی طرف رجوع کیا۔ ان کی دیکھا دیکھی غیر مسلم شعرا نے بھی فارسی روایت کو پورے طور پر اپنایا۔ اور ان کے یہاں ہمیں وہی استعارے، علامتیں اور تشبیہات ملتی ہیں جو مسلمان شعرا سے خاص تھیں۔ اردو شاعری کی ابتدا میں گرونانکؔ اور کبیرؔ کے یہاں خالص توحید کے مضامین بطور دلیل ہمارے سامنے ہیں۔

پھر یہ بھی اپنی جگہ حقیقت ہے کہ شاعر کا بحیثیت شاعر کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ وہ معاشرے کا حساس فرد ہوتا ہے اور 'سچ' کا اعلان کرتا ہے۔ اسی لئے اسے ہر جگہ صرف خدا دکھائی دیتا ہے۔ لالہ لعل چند فلک کہتے ہیں:

آتش کدے کے اندر روشن ہے نور تیرا
کعبہ میں بتکدہ میں بھی ہے ظہور تیرا

مندر میں کوئی تجھ کو ماتھا نوا رہا ہے
مسجد میں کوئی سجدہ میں سر جھکا رہا ہے ۲۰؎

غیر مسلم شعرا کے حمدیہ کلام کے مطالعے کے بعد ہم یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ ان کی حمد گوئی محض روایت کی پاسداری ہے۔ یہ نکتہ بھی اپنی جگہ درست ہے مگر بعض غیر مسلم شعرا نے اس عقیدت کے ساتھ تصور توحید سے اپنی وابستگی ظاہر کی ہے کہ مسلمان بھی مبہوت رہ جاتے ہیں اور بے اختیار کہہ اٹھتے ہیں۔

پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے

ہم دیکھتے ہیں کہ برعظیم پاک و ہند میں غیر مسلم شعرا کے یہاں حمد گوئی کا آغاز کیسے ہوا؟ مسلمان شعرا اور نثار اپنی ہر تحریر کا آغاز بسم اللہ الرحمن الرحیم سے کرتے تھے۔ اس روایات کو غیر مسلموں نے بھی بعینیہ اپنایا

اور اپنی ہر نوع کی کتب کو 'بسم اللہ' سے مزین کیا۔ اس کی درجنوں مثالیں ہمیں بہ آسانی دستیاب ہو جاتی ہیں۔

حمد سے آغازِ کلیات یا دیوان کی روایت بھی ان کے یہاں خاصی قوی رہی ہے اور اردو کی قدیم مثنویات کے آغاز میں حمد، نعت اور منقبت بھی ملتی ہے۔ حمدیہ نظمیں بھی ہندو شعرا کے کلام میں بکثرت موجود ہیں۔ یہاں تک کہ ایک ہندو شاعر دیوان چند گڈ ہوک نے ''ترانۂ توحید'' کے نام سے حمدیہ نظموں کا مجموعہ انتخاب بھی مرتب کیا ہے جو ایک سو آٹھ صفحات پر مشتمل اور ۹۳ حمدیہ منظومات اس میں شامل ہیں۔ ناشر رام داس کوہلی بک سیلر اینڈ پبلشر، لاہور۔ س۔ن۔ اگرچہ اس پر سنہ اشاعت درج نہیں ہے۔ مگر دیوان چند کی ایک اور کتاب 'لمالۂ' کے نام سے دستیاب ہوئی ہے جو دیال سنگھ لائبریری میں دیکھی جا سکتی ہے اور جس پر ۱۳۹۰ء کا سال اشاعت درج ہے۔ اس لیے ہم کہہ سکتے ہیں کہ ''ترانہ توحید''، بھی اسی کے لگ بھگ شائع ہوا ہو گا۔ اور اسی بنیاد پر ہم اسے اولین حمدیہ انتخاب بھی قرار دیتے ہیں۔

دوسرا حمدیہ انتخاب ''نغمہ توحید'' کے نام سے ۱۹۸۱ء میں صوفی عبدالغفار اور ظفر صابری نے لاہور سے شائع کیا۔

اسی طرح اردو کا پہلا حمدیہ و مناجاتیہ دیوان کا اعزاز بھی ایک ہندو شاعر کنھیا لال ہندی کو نصیب ہوا۔ گذشتہ ابواب میں ہندو شاعروں میں دیا شنکر نسیم، منشی درگا سہائے سرور، تلوک چند محروم، جگن ناتھ آزاد، کنھیا لال ہندی اور ملک ہیمراج کا ذکر تفصیل سے کیا جا چکا ہے۔ ذیل میں دیگر غیر مسلم شعرا کی حمد و مناجات کا مختصراً جائزہ پیش کیا جاتا ہے۔

۱۔ عاشق: مہاراجہ کلیان سنگھ (۱۷۵۱ پ) مہاراجہ شتاب رائے کے فرزند دہلی میں پیدا ہوئے۔ فارسی اور اردو پر کامل دستگاہ رکھتے تھے۔ متعدد فارسی اور اردو تصانیف کے خالق تھے۔ ان کی مثنوی قاضی عبدالودود نے مرتب کی۔ ان کی حمدیہ شاعری سے ان کے عاشق خدا و رسولؐ اور آلِ رسولؐ ہونے کا پتا چلتا ہے۔ نیز تلمیحات اسلامی بھی برتتے نظر آتے ہیں۔

اللہ کی حمد لکھ رہا ہوں

مداح رسول کبریا ہوں

عاشق ہوں دل سے پنج تن کا

وصاف حسین وحسن کا ۲۱؎

۲۔منشی جگن ناتھ، خوشترؔ(۱۸۰۹ء...... ۱۸۶۴ء) خوشتر کی بہت سی مذہبی تصانیف ہیں۔مگر سب سے معرکہ آرا تصنیف ''رامائن خوشتر'' ہے۔ انھوں نے تلسی کی رامائن کا۱۸۵۱ء میں منظوم ترجمہ کیا۔ جو اپنے بھر پور اسلوب، پرشکوہ الفاظ ور تراکیب ، چستی بندش اور اعلیٰ تخیل کے لحاظ سے مایۂ ناز تصنیف ہے۔ ان کی مناجات کے چند اشعار درج ذیل ہیں۔مناجات کے ایک ایک شعر سے خوشترؔ کے تصور توحید باری کی درست سمتی کا احساس ہوتا ہے۔

مناسب ہے بشر کو وقت حاجات
کرے درگاہ باری میں مناجات

وہی حاجت روائے دو جہاں ہے
کرم فرمائے عالم بے گماں ہے

اسی کی ذات ہے غفار و ستار
اسی کا نام ہے قہار و جبار

وہی دوزخ وہی دیتا ہے جنت
وہی ذلّت وہی دیتا ہے عزّت ۲۲؎

۳۔ منشی جوالا پرشاد برق (۱۸۶۳ء......۱۹۱۱ء) اردو کے پہلے مزاحیہ اخبار''اودھ پنچ'' سے منسلک رہے۔ انھوں نے بنگالی اور انگریزی کے کئی ناول ترجمہ کئے۔ ان کی''مثنوی بہار'' خاصی معروف ہوئی۔حمد کے چند اشعار دیکھیے جن میں وہ مظاہر قدرت میں خدا کی جلوہ گری دیکھتے ہیں:

دنیا میں ظہور صبح ہوا گلشن پر کیا جوبن ہے
خورشید کا غنچہ کھلنے لگا، اللہ کی قدرت روشن ہے
ہر پھول میں اس کی خوشبو ہے، اکسیر ہے بوٹی بوٹی میں
ہر شاخ میں اس کی خاصیت ، تاثیر ہے پتی پتی میں ۲۳؎

۴۔کشن پرشاد شاد (۱۸۶۴ء......۱۹۴۰ء) کا تعلق حیدر آباد سے تھا۔ اقبالؔ کے دوستوں میں شمار ہوتے تھے۔ داغؔ کے شاگرد تھے۔ کلام شادؔ، رباعیات شادؔ کے علاوہ نعتیہ مجموعے'خمکدۂ رحمت' کے بھی خالق

ہیں۔نمونہ مناجات ملاحظہ ہو جس میں وہ اللہ تعالیٰ سے ''بادہ توحید'' کے طلب گار ہیں۔ اور مدینے کی زیارت کے شدید خواہاں ہیں۔

ہاں بس اب بادۂ توحید عطا کر مجھ کو
جلوہ ہر رنگ میں تو اپنا دکھا دے یارب
ہے تمنا کہ مدینے کی زیارت کر لوں
اپنے محبوب کا تو روضہ دکھا دے یارب
مرضِ ہجر کا بیمار ہے مدت سے یہ شادؔ
داروئے وصلِ محمدؐ سے شفا دے یارب ۲۴؎

۵۔جویا آنولوی(۱۸۷۵ء......۱۹۴۸ء) قوم کے کائستھ تھے۔ ان کے مثنوی ''سروچراغاں'' میں تعارف کے زیرِعنوان منشی بشیشور پرشاد منور لکھنوی نے آپ کے حالات لکھے ہیں اور ۱۴ فروری ۱۹۵۶ء کی تاریخ درج کی ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یہ مثنوی ۱۹۵۶ء میں طبع ہوئی۔ ان کی 'حمد و مناجات' میں اپنی عبدیت ، عاجزی و انکساری اور اللہ تعالیٰ کی صفات کاملہ کا بیان ہے۔ کہتے ہیں:

مطلع سرِ دیواں ہے رقم حمد خدا کا
روشن ہو سخن کیوں نہ مجھ آشفتہ نوا کا
الحمد وظیفہ ہو نہ کیوں فکرِ رسا کا
مشہور ہے ''استاد خدا ہے شعرا کا''
تیرے متوکل کا، غنی دست نگر ہے
سلطان بھکاری ہے ترے در کے گدا کا

مناجات کا شعر دیکھیے:

جوؔیا ہوں مرا طرزِ سخن سب سے جدا ہو
ہو رنگ سخن خاص مجھ آشفتہ نوا کا ۲۵؎

۶۔جوش ملسیانی،منشی لبھورام معروف شاعر تھے۔''جنون و ہوش'' ان کا مجموعہ کلام ہے۔ ان کے نزدیک خدا، کائنات کی رگ رگ میں ہویدا ہے۔''خدا کس جگہ نہیں'' کے عنوان سے کہتے ہیں:

جو شرق و غرب میں دیکھو وہاں بھی ہے موجود

جو فوق و تخت میں دیکھو وہاں بھی ہے وہ ضرور
اگر نہیں تو امیروں کی محفلوں میں نہیں ۲۶؎

آرزو کرتے ہیں کہ ان کا سر بارگاہ الٰہی میں متصل جھکا ہی رہے کہتے ہیں۔

عبودیت پہ الٰہی مجھے بھی ناز رہے
جھکا ہوا ترے در پر سرِ نیاز رہے
یہ آرزو ہے عطا کر مجھے وہ ذوقِ نظر
شہود و غیب میں باقی نہ امتیاز رہے ۲۷؎

اسکول کے بچوں کے لیے انھوں نے قیام پاکستان کے بعد ۱۹۴۸ء میں دعا لکھی، جو اپنے سہل اسلوب اور مضامین وحدت و عبودیت کی دلکشی سے معمور ہے۔ کہتے ہیں:

مرے داتا مرے بگڑی کو بنانے والے
مجھ کو ہر ایک مصیبت سے چھڑانے والے

ایک میرا ہی نہیں سب کا سہارا تو ہے
درد مندوں کے ہر اک درد کا چارا تو ہے

میں غریبوں کے ہر اک دکھ کی دوا ہو جاؤں
یعنی دوزخ میں بھی جنت کی ہوا ہو جاؤں

دل سے نکلی ہوئی سن لے یہ صدائیں میری
تیری رحمت کو ترستی ہیں دعائیں میری ۲۸؎

۷۔ چکبست، پنڈت برج نرائن (۱۸۸۲ء......۱۹۲۶ء) کا شعری مجموعہ ''صبحِ وطن'' سرتیج بہادر سپرو کے مقدمے کے ساتھ ۱۹۲۶ء میں شائع ہوا۔ مذہبی اور علمی شاعری کے حوالے سے چکبست کا نام بہت معروف و مقبول ہوا۔ ان کے کلام میں خدا سے شکوے کے عناصر بھی ہیں۔ کہتے ہیں:

رنج و راحت کا سبب دنیا میں کچھ پایا نہیں
حشر میں ہم صاف کہہ دیں گے خدا کے سامنے ۲۹؎

اب کی تو شام غم کی سیاہی کچھ اور ہے

منظور ہے تجھے مرے پروردگار کیا ۳۰؎

نظم ''جلوہ معرفت'' میں ذات باری کا وجود مظاہر کائنات میں دیکھتے ہوئے اعتراف کرتے ہیں:

رنگ و بو ہو کے سمایا وہی گلزاروں میں
ابر بن کر وہی برسا کیا کہساروں میں
شوق ہو کر دل مجذوب پہ چھایا ہے وہی
درد بن کر دل شاعر میں سمایا ہے وہی ۳۱؎

۸۔ شام موہن لال، جگر بریلی (۱۸۹۰ء پ) کا تعلق لکھنو سے تھا۔ ان کی مثنوی ''پیام ساوتری'' کو خاصی مقبولیت ملی۔ مثنوی کے آغاز میں دی گئی حمد، اعترافِ خداوندی کی مظہر ہے۔ کہتے ہیں:

اے قادرِ مطلق اور مختار
ہیں جس کے ازل ابد پرستار
آغاز کی ابتدا ہے جس سے
انجام کی انتہا ہے جس سے
تو آتا نہیں سمجھ میں کیا ہے
لیکن یہ یقین ہے بڑا ہے
خالق ہے تو دو جہاں کا آقا
مالک ہے تو جسم و جاں کا آقا ۳۲؎

۹۔ مہر دہلوی، سورج نرائن (۱۹۳۰ء م) بڑے عالم و فاضل، ویدانت کے ماہر اور باکمال شاعر تھے۔ بچوں کے لیے متعدد نظمیں لکھیں۔ دو دیوان موسوم بہ 'کلام مہر' جلد اول و دوم یادگار ہیں۔ حمد یہ مسدس سے ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

برسات کا ہے موسم جگنو چمک رہے ہیں		تاروں کے آسماں پر ہیرے دمک رہے ہیں
کلیاں چٹک رہی ہیں گلشن مہک رہے ہیں		کویل کی ہیں صدائیں بلبل چہک رہے ہیں
سب میں ہے نور تیرا سب میں ضیا ہے تیری
سب کی زباں پہ یارب حمد و ثنا ہے تیری ۳۳؎

۱۰۔ فضا، منشی گوبند پرشاد کی مثنوی 'گلزارِ فضا' کے اشعار سے پتا چلتا ہے کہ وہ سلطان واجد علی شاہ کے بڑے پرستار ہیں۔ یہ مثنوی ۱۸۵۹ء میں طبع ہوئی۔ اس سے زیادہ ان کے حالات دستیاب نہ ہو سکے۔

مثنوی کا آغاز حمد و مناجات سے ہوتا ہے۔ صفحہ اول پر ''بسم اللہ'' بھی رقم ہے۔ قدیم طرز املا میں لکھے گئے چند حمدیہ اشعار ملاحظہ ہوں:

جھکا سرای قلم لکھہ حمد باری
کہ حاصل ہو سخن کو پایداری
وہی شاہنشہہ کون و مکاں ہی
وہی سلطان ملک جسم و جان ہی
وہی ہے عالم پیدا و پنہاں
وہی ہے ناسخ طومار عصیاں

غرض بے مثل اس خالق کی ہے ذات
فضاؔ اب صدق دل سے پڑھ مناجات ۳۴؎

مناجات میں اپنے گناہوں کا صدق دل سے اعتراف کرتے ہیں اور محمدؐ وآلِ محمدؐ کے طفیل مغفرت کی طلب کرتے ہیں۔

خداوندا مری امید بر لا
کرم سی مجھکو راہ راست پر لا
نہ مجھسی راست کوئی کام آیا
زباں پر بھی نہ تیرا نام آیا
اگرچہ ہیں گنہ میری شب تار
کرم تیرا ہی خورشید پر انوار
نرکھہ رحمت سی اپنی دور مجھکو
سمجھہ بیچارہ و مجبور مجھکو
دعا مقبول ہو ای ربِ غفّار
بحقِ مصطفیٰؐ وآلِ اطہار ۳۵؎

۱۱۔ ہمدم اکبر آبادی کا اصل پنڈت کنور گوری پرشاد تھا۔ ان کا شعری مجموعہ ''غنچہ طرب'' آگرہ سے شائع ہوا۔ اندرونی شہادتوں سے پتا چلتا ہے کہ وہ مولانا ظفر علی خان کے ان معاصر تھے ان کے مذکورہ مجموعے

میں حمد اور قصیدہ در حمد خدائے قدیر‘ کے عنوان کے تحت دلکش حمدیہ اشعار ہیں۔تلمیحاتِ اسلامی کا بکثرت استعمال کرتے ہیں۔کلام میں روانی و شگفتگی نمایاں ہے۔

یہ بحرو بر سب اوسکے ہیں، نہیں کوئی شریک اوسکا
وہی ظاہر، وہی باطن، وہی پنہاں، وہی پیدا
زمیں اوسکی، زماں اوسکا، مکیں اوسکے، مکاں اوسکا
ادھر اوس کا اُدھر اوسکا، یہاں اوسکا، وہاں اوسکا ۳۶ے

مذکورہ بالا اشعار میں صنعتِ تضاد اور صنعتِ تکرار نے شعر کے ظاہری حسن میں اضافہ کیا ہے۔تلمیحاتِ اسلامی دیکھیے:

بچائی نوحؑ کی کشتی، دیا اعجاز عیسیٰؑ کو
ہوا غرق فنا فرعون، اوتارا پار موسیٰؑ کو
کہیں نمرود کی آتش بنی گلزار کی صورت
خلیلؑ اللہ پر نازل کہیں اوسکی ہوئی رحمت
کہیں پر قید زنداں سے دیا یوسفؑ کو چھٹکارا
کہیں پر رام بنکر بھائیوں کا ہو گیا پیارا ۳۷ے

حمدیہ قصیدے کے اختتام پر دعا کرتے ہیں:

تا کجا طولِ سخن ہمدمؔ خموش
اس سخن کی بھی ہے کوئی انتہا
لکھنے والے لکھ گئے اسمیں بہت
تو لکھے گا کیا، تیرا کیا حوصلا
در اجابت کا کھلا ہے سامنے
مانگ لے اب مانگنی ہے جو دعا
ورد تیرا نام ہو آٹھوں پہر
بندۂ عاجز کی ہے یہ التجا ۳۸ے

۱۲۔دلورام کوثری (۱۹۳۹ء پ)ہندو شعرا کے فہرست میں واحد شاعر ہیں جو مذہب اسلام کی حقانیت سے اس حد تک متاثر ہوئے کہ بالاخر اسلام قبول کر کے مسلمانیت کے شرف سے معزز ہوئے کوثری کو

اسلام اور ذات رسولؐ سے بے پناہ عقیدت تھی۔ آپ کا نعت گویان میں اہم مقام اور نام ہے۔ تصانیف میں آبِ کوثر، بزم کوثری، مسدس کوثری اور بشارت انجیل شامل ہیں۔ نمونۂ حمد ملاحظہ ہو جس میں نعت کے اشعار بھی شامل ہیں۔

خدا نے کئے جب تقسیم رتبے
تو یوں سب کو پھر قدر دانی میں رکھا
غرض سب سے اول خدا نے بالاخر
محمدؐ کو یاران جانی میں رکھا
مرے منہ سے منظور تھی نعت احمدؐ
مجھے فرد رطب اللسانی میں رکھا ۳۹؎

۱۳۔ جے چند **پریم** منشی جے چند پریم، حصار (ہریانہ) کے معروف شاعر تھے۔ 'تلخئ حیات' کے عنوان سے ان کا مجموعہ کلام ۱۹۷۰ء میں منظرِ عام پر آیا۔ ''گزارش'' کے عنوان سے انھوں نے اپنا مختصر تعارف دیا ہے مگر سال ولادت درج نہیں کیا۔ ۱۹۳۵ء میں شعر گوئی شروع کی۔ ۱۹۳۶ء میں ریلوے ہیڈ کوارٹرز آفس لاہور میں بطور آفس کلرک تعینات ہوئے۔ اور وہاں پنڈت دتستہ پرشاد صاحب فدا سے اصلاح لیتے رہے۔ ملتان ریلوے ڈویژنل آفس تبدیلی پر بلند پایہ شاعر و مضمون نگار حضرت کشفی ملتانی کی شاگردی اختیار کی۔ پریمؔ، کشفی ملتانی کا نہایت احترام سے ذکر کرتے اور شکریہ ادا کرتے ہیں۔

باوجود ہندو ہونے کے پریمؔ کے کلام میں حمد و ثنا کے علاوہ دیگر اسلامی تہواروں پر بھی اشعار ملتے ہیں جس سے اُن کے وسیع المشرب اور تارک رسوم و قیود ہونے کا اندازہ ہوتا ہے۔ ''التجا'' کے عنوان سے دعا کرتے ہیں:

دل اگر دے تو خدا دے ہمیں عالی ظرفی
ہم کو منظور تنک ظرفیٔ منصور نہیں
پہلے اُس کے ذرا بندوں کی تو خدمت کرے
پھر یہ کہہ دے کہ خدا ہم سے کہیں دُور نہیں ۴۰؎

''حمد و ثنا'' میں بھی اسی وسیع المشربی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور اسلامی تلمیحات سے مستفید ہوتے ہیں:

تجھے ہم تو دل میں نہاں دیکھتے ہیں　　　کوئی جائے کاشی کوئی کعبہ ڈھونڈے

زمیں پر فلک پر یہ کس کے ہیں جلوے | کہ پُر جن سے ہر دو جہاں دیکھتے ہیں
تو ہی تو نظر آیا اہلِ نظر کو | تجھے کورِ باطن کہاں دیکھتے ہیں
سردارِ بھی ہم کہیں گے انا الحق | کہ مرنے میں کب ہم زیاں دیکھتے ہیں

۱۴۱ ؎

رام بابو سکسینہ نے اپنی کتاب European and Indoeuropean poets of urdu and Persian میں جن غیر مسلم شعرا کا ذکر کیا ہے ان میں فراسو، شور میرٹھی، الیگزنڈر ہیڈرے آزاد، حکیم عاصی اور ملکہ جان کی حمدیہ شاعری قابلِ ذکر ہے۔

۱۴۔ فراسو، فرانسس گاولیب کوئن (۱۷۷۷ء۔۱۸۶۱ء)

Francois Gotlieb Koine "Farasu" جرمن نسل سے تھا اور ہندوستان میں پیدا ہوا۔ اس کے خالو نواب ظفر یاب خان مظفر جنگ نے اس کی پرورش کی۔ فراسو کے والد نے ایک ہندوستانی عورت سے شادی کی تھی۔ وہ بیگم سمرو (Sumero) کی عدالت سے وابستہ تھا۔ کلیات فراسو، لالہ سری رام کی لائبریری میں تھا۔ اس کے دیوان کا نام ''گنبدِ گیتی نما'' ہے۔ اس کا ایک قصیدہ ''مقولات تعالیٰ'' کے نام سے تصوف اور خدا کے بارے میں تھا۔ فراسو کا کلام نے مرتب ہو سکا اور نہ ہی شائع ہوا۔ فراسو کے استاد خیراتی خان دل سوز مقیم علی گڑھ تھے جو شاہ نصیؔر کے شاگرد تھے۔ فراسو کی ایک حمدیہ مثنوی کے چند اشعار جن میں حمد و مناجات کے ملے جلے مضامین ملتے ہیں، درج ذیل ہیں:

خدایا کر مجھے وحدت سے آگاہ
اسیرِ دام کثرت ہوں میں ہر راہ
گناہوں سے نہایت ہوں میں دل ریش
مثل ہے کردنی خویش آمدہ پیش
کر اپنا فضل اب مجھ پر نہایت
سجھا دے اب مجھے راہ ہدایت
توہی تو چارۂ بے چارگاہ ہے
تو ہی قوت دہِ ہر ناتواں ہے
رکھ اپنی ہی محبت میں ہمیشہ

مرے دل کو تو کر دے عشق پیشہ
مجھے الفت میں تو دیوانہ کر دے
شرابِ عشق سے مستانہ کر دے
فراسوؔ ہے تری الفت کا طالب
کہ تیری ذات ہے ہر شے پہ غالب ۴۲؎

مندرجہ بالا اشعار سے فراسو کی فارسی دانی، مہارت شعر گوئی اور توحید فہمی کا اندازہ بخوبی ہوتا ہے۔

۱۵۔ شور میرٹھی (۱۸۲۳ء......۱۸۹۴ء):George Poech 'Shore' فرانسیسی تھا۔ شور کے آباو اجداد فرانس سے آ کر ریاست گوالیار میں ملازم ہوئے تھے۔ اپنے دور کے معروف شاعر تھے۔ ان کی وفات پر داغؔ نے قطعہ وفات لکھا۔ شورؔ چھ دیوان اردو اور ایک فارسی دیوان کے خالق تھے۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو:

چلیں گے کیونکر اٹھا کے سر پر ٹلے گا دل سے یہ بار کیونکر
کہ ہے گناہوں کا بوجھ بھاری الٰہی توبہ الٰہی توبہ
ہوئے تھے پی کر ہم ایسے غافل کہ خوفِ عقبیٰ رہا نہ اے دل
کیا تھا کیوں شغلِ بادہ خواری الٰہی توبہ الٰہی توبہ ۴۳؎

سکسینہ شورؔ کے اسلوب شعری اور اردو و فارسی پر اس کی کامل دستگاہ کی بابت لکھتے ہیں:

"As a peot shore occupies a very high niche in the temple of Anglo Indian Urdu Poetry. He has the rare distinction of writing with ease in persian and urdu. He has a remarkable Knowledge and considerable command over these languages and wrote well as copiously." ۴۴؎

۱۶۔ آزاد، الیگزنڈر ہیڈرلی (۱۸۲۹ء......۱۸۶۱ء) نے صرف بتیس برس کی عمر پائی۔ وہ نواب زین العابدین خان عارفؔ کے شاگرد تھے۔ انھوں نے عارفؔ کا مرثیہ بھی لکھا ہے۔ سکسینہ نے ان کی شاعری جو انتخاب دیا ہے۔ اس میں سے 'حمد' کا نمونہ پیش کیا جاتا ہے۔

زہے وحدت وہی دیرو حرم میں جلوہ آرا ہے
ازل سے محو ہوں جس کے جمال حیرت افزا کا ۴۵؎

۱۷۔ **حکیم** ایلس ڈی سلوا عاصی بقول سکسینہ Hakim Ellice De Sylva Asi،

بھوپال کے ڈی سلوا شاخ کے شعرا میں بہترین شاعر تھے۔ وہ پرتگالی النسل تھے۔ ان کے کلام سے حمد کی دلکش اور معیاری مثالیں دستیاب ہیں۔ مثلاً

گل و گوہر تو کیا ہر شے میں ہے جلوہ عیاں تیرا
خدا تو بے نشاں تھا پر ملا ہم کو نشاں تیرا
پکارا دیر میں ناقوس سے تجھ کو برہمن نے
حرم میں نام زاہد نے لیا وقت اذاں تیرا
تیری موجودگی ہر شے کے جزو کل سے ثابت ہے
مگر حسرت یہ ہے دل میں نہیں ملتا نشاں تیرا ۴۶؎

حمدیہ رباعی کی ردیف ہی 'قادر مطلق' ہے۔ کہتے ہیں۔

اب موقع امداد ہے یا قادرِ مطلق
شیطاں ستم ایجاد ہے یا قادرِ مطلق
مظلموں پہ بیداد ہے یا قادرِ مطلق
فریاد ہے! فریاد ہے! یا قادر مطلق ۴۷؎

۱۸۔ ملیکہ Malika اینگلو انڈین شاعرات کی فہرست میں Armenian Malika کا نام حمد گو شاعرات میں لیا جا سکتا ہے۔ ملکہ کلکتہ میں رہتی تھی۔ معروف رقاصہ، مغنیہ اور شاعرہ تھی۔ دیوان ''مخزن الفت ملکہ'' کے نام سے شائع ہوا۔ جو تاریخی نام ہے اور اس سے ۱۳۰۳ھ برامد ہوتے ہیں۔ حضرت شوقؔ اور داغؔ ملکہ کے دادا استاد تھے۔ 'نمونہ حمد' ملاحظہ ہو:

بخشے گا ہر گناہ وہ عصیاں شعار کا
بے حد ہے رحم بندوں پہ پروردگار کا
تردامنی سے اپنی نہیں غم مجھے ذرا
بحر کرم ہے جوش پہ آمرزگار کا
ملکہ ہے جس کے ورد زباں نامِ کبریا
صدمہ نہ ہو گا اس کو لحد کے فشار کا ۴۸؎

غیر مسلم شعرا کی کلام سے مندرجہ بالا مثالوں کی روشنی میں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اردو کے حمدیہ و مناجاتی کلام میں ان کا بھی نا قابل نظر انداز حصہ ضرور ہے۔ رہا یہ سوال کہ وہ غیر مسلم ہیں یا ان کے ظاہری اخلاص پر اعتبار نہیں

کیا جا سکتا۔ یا یہ کہ اتنے موحد ہونے کے باوجود کیا چیز ان کے ایمان لانے میں مانع ہے؟ تو اس کا آسان سا جواب یہ دیا سکتا ہے کہ ہم اسے ان کا طرز احساس نہ کہیں تو طرزِ اظہار تو کہہ ہی سکتے ہیں۔ اور ان کے طرز اظہار میں تو اخلاص کی صفت وخوبی ہوسکتی ہے۔ دراصل یہ بھی اللہ کا نام لینے کا ایک بہانہ ہے۔ بقول مفتوں شکوہ آبادی:

کوئی کہے نہ منکر دنیا میں منکروں کو
انکار کے بہانے لیتے ہیں نام تیرا ۴۹؎

جب انکار کے بہانے نام لیا جا سکتا ہے تو اقرار کے ظاہری بہانے کے طور پر نام لینا اور بھی مستحسن ہے۔

حوالے

۱؎ طاہر سلطانی (مرتب): حریم ناز میں صدائے اللہ اکبر، کراچی: جہان حمد پبلی کیشنز، ۱۹۹۹ء، ص ۱۲

۲؎ غوث میاں (مرتب): خواتین کی حمدیہ شاعری، کراچی: حضرت حسان حمد و نعت بک بینک، ۲۰۰۲ء، ص ۲۳

۳؎ حریم ناز میں صدائے اللہ اکبر، ص ۱۵۴

۴؎ مذکورہ حوالہ، ص ۲۲۸

۵؎ مذکورہ حوالہ، ص ۶۶

۶؎ مذکورہ حوالہ، ص ۱۰۶

۷؎ خواتین کی حمدیہ شاعری، ص ۶۰

۸؎ مذکورہ حوالہ، ص ۲۴۰

۹؎ مذکورہ حوالہ، ص ۶۲

۱۰۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۲۴

۱۱۔ حریم ناز میں صدائے اللہ اکبر،ص ۲۰۴

۱۲۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۱

۱۳۔ خواتین کی حمدیہ شاعری،ص ۶۸

۱۴۔ حریم ناز میں صدائے اللہ اکبر،ص ۱۵۸

۱۵۔ نجمہ یاسمین یوسف، دست دعا، لاہور، فرحان پبلشرز، ۲۰۰۰ء،ص ۳۲

۱۶۔ حریم ناز میں صدائے اللہ اکبر،ص ۱۴۷

۱۷۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۲۷

۱۸۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۴۱

۱۹۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۱۳

۲۰۔ لالہ لعل چند فلک: ترانۂ توحید، (مرتبہ) دیوان چند گڈ ہوک، لاہور: رام داس کوہلی بک سیلر اینڈ پبلشرز، س ن،ص ۴۷

۲۱۔ عاشق، مہاراجہ کلیان سنگھ: اذان دیر، (مرتبہ) طاہر سلطانی، کراچی: چمنستان حمد و نعت، ۱۹۹۷ء،ص ۹۹

۲۲۔ منشی جگن ناتھ خوشتر: کاروان ادب، اپریل، مئی، جون ۱۹۹۴ء شمارہ ا، لکھنؤ: ندوۃ العلماء،ص ۱۹۱

۲۳۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۹۶

۲۴۔ اذان دیر: ص ۸۷

۲۵۔ جو یا آنولوی: سرو چراغاں، لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، س ن

۲۶۔ جوش ملسیانی، جنون و ہوش، دہلی: منشی گلاب سنگھ اینڈ سنز لمیٹڈ، بار اوّل س ن ،ص ۲۱

۲۷۔ مذکورہ حوالہ،ص ۴۶۵

۲۸۔ مذکورہ حوالہ،ص ۲۳۶، ۲۳۷

۲۹۔ چکبست لکھنوی: صبح وطن، الہ آباد: انڈین پریس لمیٹڈ، ۱۹۲۶ء،ص ۱۲۹

۳۰۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۲۲

۳۱۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۳۲

۳۲۔ جگر بریلوی: پیام ساوتری، لکھنؤ: مکتبہ دانش محل امین آباد، ۱۹۵۴ء، ص ۲

۳۳۔ کاروان ادب، ص ۱۹۷

۳۴۔ فضا، منشی گوبند پرشاد، گلزار فضا، لکھنؤ: مطبع منشی نول کشور: ۱۸۵۹ء ص ۲

۳۵۔ مذکورہ حوالہ،ص ۳

۳۶،۳۷۔ ہمدم اکبرآبادی، غنچۂ طرب، آگرہ: ابو العلائی اسٹیم پریس، س ن ،ص ۲

۳۸۔ مذکورہ حوالہ،ص ۴

۳۹۔ اذان دیر، ص ۱۰۹

۴۰۔ جے چند پریم، تلخئ حیات، دہلی: اعلیٰ پرنٹنگ پریس، طبع اول ۱۹۷۰ء، ص ۴۲

۴۱۔ مذکورہ حوالہ،ص ۱۳

42. Ram Babu Saksena: European & Indo European Poets of Urdu & Persian, LHR. Book Traders Pg.342-345
43. As Above Pg 255
44. As Above Pg 235
45. As Above Pg 12
46. As Above Pg 130
47 .As Above Pg 131
48. As Above Pg 379

۴۹۔ اذانِ دیر، (مرتبہ) طاہر سلطانی، ص ۱۲۵

نتائج

'حمد' اللہ ہی کے لیے ہے کہ وہ تمام ستودہ صفات کا منبع اور مرجع ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کی تعریف و ثنا میں لکھے گئے الفاظ خواہ نثر کی شکل میں ہوں یا نظم کی صورت میں، حمد کہلاتے ہیں۔

حمد مدح سے خاص اور شکر سے عام ہے اس لیے ہر شکر حمد ہے مگر ہر حمد شکر نہیں ہے اور حمد مدح ہے اور ہر مدح حمد نہیں ہے۔ حمد و مناجات باہم لازم و ملزوم ہے۔ اس کی بہترین مثال قرآن پاک کی اولین 'سورۃ الفاتحہ' ہے جو حمد بھی ہے اور مناجات بھی۔ ایک حماد جب دعا کرتا ہے تو وہ مختلف کیفیات سے گزرتا ہے جن میں شکر بھی ہے، صفات الٰہی کی تمجید بھی ہے، مدد طلبی بھی ہے، راز و نیاز بھی ہیں، عفو و بخشش کی درخواست بھی ہے اور اپنی خطاؤں پر استغفار بھی ہے اس طرح حمد کے ساتھ دعا و مناجات بھی چلتی رہتی ہے اور ان کی اصل دلکشی و حسن ان کی یکجائی میں ہے۔

تمام مذاہب عالم میں خدا کا تصور اتنا ہی قدیم ہے جتنا کہ خود انسان۔ عرب معاشرے میں قبل از اسلام جن بتوں اور دیوتاؤں کی پرستش ہوتی تھی، وہ انھیں خدا جان کر ہی کی جاتی تھی۔ قرآن میں ان دیوتاؤں میں

سے شعریٰ، سواع ، یعوق، نسر اور یغوث کا ذکر ملتا ہے۔ تاہم دیوتاؤں سے قطع نظر ان کے یہاں نہ صرف خدائے واحد کا تصور موجود تھا بلکہ لفظ ''اللہ'' سے وہ اس کو یاد بھی کرتے تھے۔ ہندو مذہب میں کسی ایک خدا کا تصور تلاش کرنا بھی بے سود ہے۔ کیونکہ وحدت الٰہ کا کوئی تصور وہاں پایا نہیں جاتا۔ اور ان کی مذہبی کتب میں دیوتاؤں کی بھر مار ہے۔ یہودیت میں عبد و معبود کے درمیان گہرے تعلقات کا پتا چلتا ہے اور وہ خدا کی ذات کا اعتراف بھی کرتے ہیں۔ اس کے برعکس عیسائی تثلیث، کے قائل ہیں۔ حالانکہ حضرت عیسیٰ کے موحد ہونے کے دلائل ان کی کتب میں موجود ہیں۔ اسلام کے علاوہ تمام مذاہب میں خدا کی تلاش کا کام ابھی تک جاری و ساری ہے۔

ہر مذہب و قوم کے پیروکار اپنے اپنے مذہبی نظریات کی روشنی میں اپنے خداؤں کی تعریف و ثنا میں گیت بھجن اور مزامیر، لکھتے رہے۔ اور دعائیں اور مناجاتیں بھی کرتے رہے ہیں۔ ان اقوام میں سومیریوں، مصریوں، ہندوستانیوں اور یونانیوں کی حمدیں خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں۔ مذکورہ مذاہب کے برعکس اسلام میں 'حمد' کا تصور ہی بڑا منفرد و ممتاز ہے۔ اسلام کا خدا بلکہ 'اللہ' دیگر مذاہب کے برعکس قادرِ مطلق ہے، عالم کل ہے، عادل کامل ہے، اب العالمین ہے، آسمانوں اور زمین کا صانع ہے، زندگی اور موت کا خالق اور ان پر قادر ہے۔ غرض معلوم اسمائے حسنہ و صفاتِ الٰہی کے علاوہ بھی ان گنت صفات کا حامل ہے۔ قرآن کی اولین آیت بسم اللہ، اور اولین سورت 'الفاتحہ' حمد الٰہی ہے۔ اسلام اللہ کو اچھے ناموں سے پکارنے کی تلقین کرتا ہے۔ اس کی حمد کا حق ادا ہی نہیں ہو سکتا۔ اپنی حمد کی بابت خود ذات باری نے فرمایا کہ اگر زمین پر موجود تمام درختوں کی شاخوں سے قلم بنا لیے جائیں اور سمندروں کے پانی کو سیاہی بنا لیا جائے مگر پھر بھی اللہ کی حمد و ثنا ختم نہ ہو سکے گی۔ 'دعا' سے مقصود بھی حمد و ثنا ہے اور خدا سے ہم کلامی کی سعادت کا حصول ہے۔ موضوعاتِ حمد کا اولین اور اہم ترین موضوع وحدانیت یا توحید باری تعالیٰ ہے۔ شعرائے حمد عموماً اسمائے الٰہی کو منظوم کرنے کا خاص التزام کرتے ہیں۔ حمد میں صوفیانہ موضوعات و مضامین بھی اردو شاعری کے ابتدائی دور سے تاحال دکھائی دیتے ہیں۔ حمد میں فلسفہ و فکر کی کارفرمائی بھی ملتی ہے۔

جہاں تک حمد بطور 'صنف سخن' تسلیم کیے جانے یا نہ کیے جانے کا تعلق ہے تو ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ اصناف دو طرح کی ہوتی ہیں موضوعی اور ہیئتی۔ اور موضوعاتی اصنافِ سخن میں ہیئت کی کوئی قید نہیں اور ہیئتی اصنافِ سخن میں موضوع کی کوئی پابندی نہیں ہوتی۔ اس لیے حمد کو اصناف کی فہرست سے نکالنے کا کوئی جواز باقی

نہیں رہ پاتا۔ اگر شاعری اچھے حقیقی جذبات اور موزوں و دلکش الفاظ کا اشتراک ہے تو حمد سے زیادہ اچھی اور دلکش شاعری کسی اور صنفِ سخن میں ممکن نہیں۔ حمد کے لیے کسی مخصوص صنف کی بھی کوئی قید نہیں اور حمد غزل، نظم، قصیدہ مثنوی، مرثیہ، رباعی، قطعہ، ہائیکو، نظم مصری، نظم آزاد اور سانیٹ میں بھی کہی جا رہی ہے۔

اردو شاعری میں حمد گوئی کے جائزے سے قبل عربی اور فارسی شاعری میں حمد کی روایت کا جائزہ بھی باب اول میں لیا گیا ہے کیونکہ بنیادی اسلامی معتقدات کو عام کرنے میں ان دونوں زبانوں کے ادب کا گہرا ہاتھ ہے۔عربی شاعری کے ابتدائی نمونے ''سبع معلقات'' کی صورت میں ملتے ہیں جو احتراماً خانہ کعبہ کے دروازے پر آویزاں کیے جاتے تھے۔قبل از اسلام ممتاز عرب شعرا میں زہیر بن ابی سلمٰی، امراء القیس، حاتم طائی اور امیہ بن ابی ا لصلت نمایاں ہیں جو اگرچہ ایمان کی سعادت سے محروم رہے، تاہم ان کے کلام میں توحید، توکل اور یوم حشر کے اثبات پر مبنی اشعار ملتے ہیں۔مخضرمی شعرا میں سے لبید بن ربیعہؓ، حسانؓ بن ثابت، حضرت خنساؓ اور حضرت علیؓ کے اسمائے مبارکہ کے نام حمد گو شعرا میں ممتاز مقام کے حامل ہیں اِس لیے کہ ان کے کلام میں خالص توحید کا تصور ملتا ہے۔طبقۂ اسلامین کے شعرا میں فرزدق اور جریر کو جو بلند مقام نصیب ہوا وہ اور کسی کو نہ مل سکا۔ طبقہ مولدین کے شعرا ابو العتاہیہ، ابو العلا معرّی اور ابو نواس کی حمدیہ شاعری میں حمد کا ایک واضح تصور ملتا ہے۔ جدید عربی شعرا میں اسماعیل صبری پہلا شاعر ہے جس نے اپنے دیوان کا آغاز حمد سے کیا ہے۔

فارسی شاعری میں حمد کے آثار، شاعری کے آغاز سے ہی ملتے ہیں۔محمد بن وصیفؔ سگزی طاہریوں اور صفاریوں کے عہد کا حمد گو شاعر ہے۔ فارسی کے معروف حمد گو شعرا میں فردوسیؔ، بابا طاہرؔ عریاں، ابو سعیدؔ ابو الخیر، حکیم ناصر خسروؔ، سنائیؔ، نظامی گنجوی عطارؔ، رومیؔ، سعدیؔ، خسروؔ، فیضیؔ، عرفیؔ، بیدلؔ، مظہرؔ جان جاناں، غالبؔ اور اقبالؔ شامل ہیں۔شعرائے فارسی نے حمد گوئی میں تغزل کی چاشنی اور قصیدے کا جاہ و جلال شامل کیا ہے۔

باب دوم میں جنوبی ہند میں حمد و مناجات نگاری کا مفصل جائزہ پیش کیا گیا ہے اور اردو کے ابتدائی شعرا امیر خسرو، نانک، کبیر، عبدالرحیم خان خاناں کی حمد گوئی کے جائزہ کے بعد گجری، بہمنی، عادل شاہی اور قطب شاہی دور کے ادب میں حمد و مناجات کے موضوعات، مضامین اور اسلوبِ حمد کا جائزہ ان ادوار کے سیاسی، معاشرتی اور معاشی حالات کے تناظر میں پیش کیا گیا ہے۔ اس عہد کے صوفیائے کرام بالخصوص شیخ بہاؤ الدین باجنؔ، شیخ علی محمد جیو گام دھنی، خواجہ بندہ نواز گیسو دراز، شاہ میراں جی شمس العشاق، شاہ برہان الدین جانم، شاہ امین الدین اعلیٰ اور

شیخ غلام محمد داول نے حمد کی صنف میں گیت اور جکریاں لکھ کر، مترنم بحروں کو حمد میں شامل کیا۔ ان کی حمدیہ شاعری کی زبان بھی عام فہم اور سادہ تھی کیونکہ ان کے پیش نظر تبلیغ کا مقصد تھا۔ اس عہد کے سلاطین شعرا علی عادل شاہ ثانی شاہیؔ اور قلیؔ قطب شاہ بھی خدائے واحد کی عظمت و بزرگی کے گیت گاتے اور اس سے استمداد و استغاثہ طلب کرتے نظر آتے ہیں۔ حمد اس عہد کی ہر صنف مثلاً مثنوی، قصیدہ، مرثیہ، غزل، رباعی، قطعہ اور مخمس میں دکھائی دیتی ہے۔ شعرائے حمد قرآن کے معانی اور احادیث رسولؐ کے مفاہیم کو بھی اپنے حمدیہ کلام میں جگہ دیتے ہیں۔ تصوف کے مضامین، صوفیا کے ساتھ ساتھ دیگر شعرا کے حمدیہ کلام میں بھی جگہ پاتے ہیں۔

باب سوم میں ''شمالی ہند کی شاعری میں حمد و مناجات گوئی'' کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اس عہد کے ابتدائی شعرا اسمٰعیل امروہی، فائزؔ دہلوی، یقینؔ، ترابؔ علی تراب، حاتم محمد باقر آگاہ اور ممنونؔ دہلوی کی حمدیہ شاعری دور ایہام گوئی اور ما قبل سے ہے۔ زبان کے نت نئے ذائقوں سے سرشار اس دور میں ہمیں حمد و مناجات کی خوش رنگ مثالیں بھی ملتی ہیں۔

سیاسی اعتبار سے اس عہد زوال کی شاعری میں تصوف اس عہد کا تخلیقی استعارہ تھا۔ اس لیے حمدیہ شاعری پر بھی متصوفانہ مضامین و موضوعات کے اثرات بڑے گہرے اور صاف دکھائی دیتے ہیں۔ تصور برائے شعر گفتن خوب است' نے اس عہد کے چھوٹے بڑے ہر شاعر کو اپنی گرفت میں لے رکھا تھا۔ تاہم اس کے باوجود ہمیں سوداؔ، میرؔ، دردؔ، قائمؔ، سوزؔ، اثرؔ، شاہ نصیرؔ، ذوقؔ، غالبؔ، مومنؔ، ظفرؔ اور شیفتہؔ کے حمدیہ شاعری میں داخلیت، گداز، تضرع و عاجزی اور دردمندی کے جذبات بکثرت ملتے ہیں اور یہ صورت حال صرف اہل دلی تک محدود نہ تھی بلکہ لکھنوی شعرا کا قلم بھی 'حمد' کہتے ہوئے اسی عاجزی و انکساری اور درد و سوز کے ساتھ سجدہ ریزی کرتا تھا جو اہل دلی سے مخصوص تھی۔ لکھنوی شعرا میں سے انشاؔ، جرأتؔ، رنگینؔ، نظیرؔ اکبر آبادی، آتشؔ، نسیمؔ، انیسؔ، دبیرؔ، شوقؔ، الٰہی بخش خان معروفؔ، مہجورؔ اور صباؔ لکھنوی کے حمدیہ کلام کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ شمالی ہند کے شعرا کی حمدیہ شاعری کا خاص وصف ان کے تبحرِ علمی کی حمد و مناجات میں عکاسی کا بھی ہے۔

باب چہارم ''جنگ آزادی ۱۸۵۷ء سے آزادی ۱۹۴۷ء تک'' اردو شاعری میں حمد و مناجات کا احاطہ کرتا ہے۔ یہ دور سیاسی اعتبار سے انتہائی شورش زدہ اور ہنگامہ افروز تھا۔ ہندوستان میں آزادی، ترقی اور اسلام کے نام پر کئی تحریکوں نے جنم لیا۔ اس عہد کے شعرا کی حمدیہ شاعری میں بھی بیداری کی ایسی لہر دکھائی دیتی ہے جس میں

'تعلق باللہ' مضبوط سے مضبوط تر ہوتا نظر آتا ہے۔ تحریک علی گڑھ سے وابستہ شعرائے کرام حالیؔ، آزادؔ، ڈپٹی نذیر احمد کی حمد و مناجات میں استغاثے و استمداد کا رنگ نمایاں ہے تو اکبرؔالہ آبادی طنز و مزاح کی آڑ میں خدائے واحد کی حقانیت اور توکل و قناعت کے مضامین کی شمعیں روشن کرتے ہیں۔ اسمٰعیل میرٹھی کے حمدیہ کلام میں اخلاص و شیفتگی کے جذبات نمایاں ہیں تو اقبالؔ کا فلسفۂ اللہ سب سے الگ، منفرد اور جدا ہے۔ اقبالؔ کے حمد و مناجات کا رنگ اس عہد کے تمام شعرائے کرام کی نسبت مفکرانہ و فلسفیانہ رنگ لیے ہوئے ہے۔ مولانا محمد علی جوہرؔ کے حمدیہ کلام میں توحید اور رضا برعطائے الٰہی کے جذبات جس خالص رنگ میں ہیں اس کی نظیر اردو کی حمدیہ شاعری میں ملنا ناممکن ہے۔ حمد میں متصوفانہ موضوعات کی روایت اگرچہ بتدریج کم ہوتی نظر آتی ہے مگر ریاضؔ خیرآبادی، اصغرؔ گونڈوی، اور شادؔعظیم آبادی جیسے معتبر ناموں نے ابھی بھی تصوف کی شمع روشن کررکھی ہے۔ اردو شاعری کے ابتدائی ادوار کی نسبت اس عہد میں حمد و مناجات، شاعری کا جزو لاینفک بن گئی اور اس میں بہترین نمونہ ہائے شعر سامنے آئے۔

باب پنجم ''تقسیم ہند سے عصرِ حاضر تک'' حمد و مناجات نگاری کا جائزہ پیش کرتا ہے۔ اوّل تو شعرائے کرام کی شاعری میں قیام پاکستان کے بعد، شکرو سپاس الٰہی کے جزبات غالب نظر آتے ہیں مگر جہاں کہیں انھیں نئے نظامِ مملکت میں ناانصافیوں کے عناصر نظر آئے، وہاں شکوے کی فضا بھی مرتب ہوئی۔ اس عہد کے نامور حمد گو شعرا میں سے امینؔ حزیں سیالکوٹی، امجدؔ حیدر آبادی، صوفی غلام مصطفی تبسّمؔ، حفیظؔ جالندھری، بہزادؔ لکھنوی، ماہرؔ القادری، عدمؔ، احسانؔ دانش، یوسفؔ ظفر، طفیلؔ ہوشیار پوری، ضمیرؔ جعفری، انجمؔ رومانی، منیرؔ نیازی، جابرؔعلی سید، وحیدؔ قریشی، احمدؔ فراز، اسلمؔ انصاری، افتخارؔ عارف، امجدؔ اسلام امجد، تحسینؔ فراقی اور خورشیدؔ رضوی کے حمدیہ کلام کے متنوع پہلوؤں کا جائزہ لیا گیا ہے۔

باب ششم میں شامل شعرائے کرام کا تعلق بھی اگرچہ تقسیم ہند سے عصر حاضر تک ہے، مگر وہ شعرا اپنی نعت گوئی کے سبب زیادہ مصروف ہیں اور ان کا حمدیہ کلام بھی باعتبار مقدار و معیار توجہ کے لائق ہے۔ اس لیے ان کا مفصل جائزہ باب ششم میں لیا گیا ہے۔ ستر سے زاید ان نعت گو شعرا نے نعت گوئی کے ساتھ ساتھ حمد و مناجات کی سعادت بھی حاصل کی۔ شعرائے نعت، عشق رسولؐ سے تو سرشار ہیں، مگر ''محمد حامدِ حمدِ خدا بس'' کے مصداق اتباع رسولؐ میں 'حمد' کہنے کی بھی شعوری کوشش کرتے ہیں۔

شعرا کے ذوق و رجحانات علمی عموماً امتیاز کے حامل ہوتے ہیں۔ اس لیے ان کی حمدیہ شاعری سے ان کی معلومات دینی، قرآن و حدیث و سیرت فہمی کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔ شعرائے کرام حمد میں نعت اور نعت میں حمد کے موتی پروتے نظر آتے ہیں اور سچ تو یہ ہے کہ ان دونوں اصناف کے موضوعات باہم مربوط بھی ہیں۔ معروف شعرا میں راجہ عبداللہ نیاز، آغا صادق، احمد ندیم قاسمی، نعیم صدیقی، علیم ناصری، عارف عبدالمتین، عبدالعزیز خالد، عاصی کرنالی، حفیظ تائب، راز کاشمیری، ریاض حسین چودھری، ریاض مجید، راجا رشید محمود، حسن رضوی، جعفر بلوچ اور عاصم گیلانی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔

باب ہفتم میں ''اردو کے حمدیہ مجموعوں کا تنقیدی و تحقیقی جائزہ'' لیا گیا ہے۔ اردو حمد پر اب تک کی گئی تحقیق کے مطابق اردو کا اولین حمدیہ مجموعہ ۱۹۰۸ء میں شائع ہوا تھا۔ راقمہ نے اس امر کی تحقیق مزید کرتے ہوئے اردو کا پہلے مجموعہ ''مناجات ہندی'' کی بازیافت کی جو ۱۸۷۳ء میں شائع ہوا تھا اور معروف ہندو شاعر کنہیا لال ہندی کے قلم کا شہکار ہے۔ نیز ۱۹۰۳ء اور ۱۹۰۷ء میں شائع ہونے والے دو حمدیہ مجموعے 'مناجات دربارہ توحید' اور 'حمد نامہ' کو بھی بالترتیب دوسرے اور تیسرے نمبر پر جگہ دی ۔گزشتہ تحقیق کے مطابق حمد کے مجموعے چالیس سے بھی کم شمار کیے جاتے تھے مگر مقالہ نگار نے باب ہفتم میں ۵۳ مجموعہ ہائے حمد کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ اگرچہ قدیم ادوار میں حمد کے باقاعدہ 'مجموعے' بہت کم سامنے آئے تاہم گزشتہ دو دہائیوں سے اس کی رفتار میں خاطر خواہ اضافہ ہوا ہے اور اب نعت کی طرح حمدیہ مجموعوں کی طرف بھی شعرائے کرام کا رجحان بڑھ گیا ہے۔

باب ہشتم دو فصلوں پر مشتمل ہے۔فصل اول میں ''اردو شاعرات کی حمدیہ و مناجاتیہ شاعری'' پر بحث کی گئی ہے۔ شاعرات کی حمدیہ شاعری بھی انہی رنگ ہائے شوق سے معطر ہے جو حمد گو شعرا کا امتیاز ہے۔ مظاہر قدرت کی تعریف، اللہ تعالیٰ کی بے پایاں عطاؤں کا شکر، آیات قرآنی سے حمد کو مزین کرنے کی روش، اسلوب حمد میں تغزل وشعریت کا حسن، عاجزی و انکساری اور حمد میں اصناف کا تنوع غرض شاعرات نے ہر ہر پہلو سے اپنی حمد کو باوقار بنا دیا ہے۔

باب ہشتم کی دوسری فصل 'غیر مسلم شاعروں کے حمدیہ کلام' پر مبنی ہے۔ ان میں ہندو بھی ہیں، سکھ بھی اور پارسی اور عیسائی بھی۔ اس فصل میں اٹھارہ غیر مسلم شعرا کی حمد و مناجات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ غیر مسلم شعرا کی حمد گوئی، اوراس کی ہمہ پہلو صفات قاری کو ششدر کر دیتی ہیں اور ذات واحد پر اس کے ایقان کو فزوں تر کرنے کا

سب بھی بنتی ہیں۔ غیر مسلموں کی حمدیہ شاعری، اردو کی حمد و مناجات نگاری میں اہم، نمایاں اور ممتاز مقام کی حامل ہے۔

مصادر و مراجع

قرآن و کتبِ حدیث:

۱۔ القرآن الحکیم

۲۔ بخاری: الجامع الصحیح، (ترجمہ) ابو محمد حافظ عبدالستار حماد، لاہور: داالسّلام، س ن

۳۔ صحیح مسلم شریف: ج ۱، (ترجمہ) علامہ وحید الزمان، لاہور: نعمانی کتب خانہ، ۱۹۸۱ء

۴۔ عبداللہ الخطیب العمری: مشکوٰۃ شریف، ج ۱، لاہور: مکتبہ رحمانیہ، س ن

لغات/فرہنگیں:

۱۔ العلامۃ الراغب الاصفہانی (مولف): مفردات الألفاظ القرآن، جلد ۱، دمشق: دارالقلم، ۱۹۹۷ء

۲۔ تصدق حسین رضوی، سیّد، مولوی (مولف): لغات کشوری، لاہور: سنگِ میل، ۲۰۰۳ء

۳۔ حبیب اللہ آموز گار (مولف): فرہنگ آموز گار، تہران: چاپ اوّل، ۱۳۳۰ء

۴۔ سید احمد دہلوی (مولف): فرہنگ آصفیہ، ج ۲، لاہور: معارف پرنٹنگ پریس، ۱۹۴۷ء

۵۔ عبدالحفیظ بلیاوی، مولانا (مولف): مصباح اللغات، کراچی: دارالاشاعت، ۱۹۹۷ء

۶۔ عبدالحق وابواللیث صدیقی (مولفین): اردو لغت (تاریخی اصول پر)، ج ۸، کراچی: اردو لغت بورڈ، ۱۹۸۷ء

۷۔ عبدالحمید، خواجہ (مولف): جامع اللغات، ج ۱، لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۱۹۸۹ء

۸۔ عبداللہ خان خویشگی (مولف): فرہنگ عامرہ، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۸ء

۹۔ علی اکبر دہخدا (مولف): لغت نامہ دھخدا، جلد ۱۹ زیرنظر محمد معین، دکتر) تہران: چاپ سیروس، ۱۳۳۸ھ

۱۰۔ غلام سرور لاہوری، مفتی: لغاتِ سروری، لکھنؤ: مطبع نول کشور، ۱۸۹۸ء

۱۱۔ فرمان فتحپوری، ڈاکٹر (مولف): رافع اللغات، لاہور: الفیصل ناشران، ۲۰۰۵ء

۱۲۔ فیروز الدین، مولوی، الحاج (مؤلف): فیروز اللغات اردو جامع، لاہور: فیروز سنز، ۲۰۰۵ء

۱۳۔ مقبول بیگ بدخشانی، مرزا (مولف): اردو لغت، لاہور: مرکزی اردو بورڈ، بار دوم ۱۹۶۹ء

۱۴۔ مولوی محمد حسین: برھانِ قاطع، لکھنؤ: مطبع نول کشور، بار سوم، س ن

۱۵۔ نور الحسن، مولوی (مولف): نور اللغات، ج ۲، کراچی، جنرل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۵۹ء

۱۶۔ وارث سرہندی (مولف): علمی اردو لغت، لاہور: علمی کتاب خانہ، طبع سوم ۱۹۸۳ء

۱۷۔ ....: قاموس مترادفات، لاہور: اردو سائنس بورڈ، ۱۹۸۹ء

کتب اردو/فارسی/عربی:

۱۔ آتش، خواجہ حیدر علی: دیوانِ آتش، (مرتبہ) آغا اشرف، لاہور: بستان ادب، س ن

۲۔ آزاد، محمد حسین: آبِ حیات، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء

۳۔ ....: چشمۂ کوثر، لاہور: گورا پبلشرز، طبع دوم ۱۹۹۴ء

۴۔ ....: صبح صادق، لاہور: گلزارِ عالم پریس، س ن

۵۔ آغا صادق: نوا، کوئٹہ: اسلامیہ الیکٹرک پریس، س ن

۶۔ ....: دنیا کا قدیم ترین ادب، ملتان: کاروان ادب، ۱۹۸۶ء

۷۔ ابن حنیف: سات دریاؤں کی سرزمین، ملتان: کاروان ادب، ۱۹۸۰ء

۸۔ ....: مصر کا قدیم ادب، ج ۲، ملتان: بیکن بکس، ۱۹۹۲ء

۹۔ ابن نشاطی: پھول بن، (مرتبہ) عبدالقادر سروری، حیدر آباد: تاج پریس، ۱۳۵۷ھ

۱۰۔ ابو الاعلیٰ مودودی، مولانا: الاسماء الحسنی، لاہور: ادارہ معارف اسلامی، طبعِ چہارم ۲۰۰۷ء

۱۱۔ ....: تفہیم القرآن، جلد ۱، لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، بارہواں ایڈیشن ۱۹۷۴ء

۱۲۔ ابو الامتیاز، ع۔س۔ مسلم: حمد و نعت، لاہور: مقبول اکیڈمی، بار اوّل ۱۹۸۴ء

۱۳۔ ابو العتاہیہ: دیوان ابو العتاهیه، دار بیروت: دار صادر، ۱۹۶۴ء

۱۴۔ ابو اللیث صدیقی، ڈاکٹر: لکھنو کا دبستانِ شاعری، کراچی: غضنفر اکیڈمی، س ن

۱۵۔ ابوسعید ابوالخیر: سخنان منظوم، (مرتبہ) سعید نفسی، طہران: انتشارات کتب خانہ شمس، ۱۳۳۴ھ

۱۶۔ ابوسعید نور الدین: تاریخ ادبیات اردو، ج ۲، لاہور: مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، ۱۹۹۷ء

۱۷۔ اثر، امداد امام: دیوان اثر، کراچی: غزالی برادرز پرنٹرز، بار سوم ۱۹۹۸ء

۱۸۔ اثر زبیری لکھنوی: سلسبیل، کراچی: الحجاز پبلشرز، بار اوّل س ن

۱۹۔ احسان دانش: دارین، لاہور: دانش اکادمی، باراوّل ۱۹۷۴ء

۲۰۔ …………: زنجیر بہاراں، لاہور: خزینۂ ادب، ۲۰۰۰ء

۲۱۔ …………:نوائے کارگر، لاہور: مکتبہ دانش، س ن

۲۲۔ احمد حسن الزیّات: تاریخ ادب عربی (ترجمہ) عبدالرحمن طاہر سورتی، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۷۲ء

۲۳۔ احمد حسین صدیقی: دبستانوں کا دبستان، ج ۲، (مرتبہ) احمد حسین صدیقی، کراچی: فضلی سنز، ۲۰۰۵ء

۲۴۔ احمد رضا خان، مولانا: حدائق بخشش، لاہور: نوری کتب خانہ، بار اوّل ۱۹۹۷ء

۲۵۔ احمد فراز: شہرِ سخن آراستہ ہے، اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، باراوّل ۲۰۰۴ء

۲۶۔ احمد ندیم قاسمی: محیط، لاہور: التحریر، بار چہارم ۱۹۸۳ء

۲۷۔ اختر شیرازی: توحید و رسالت، لاہور: مکتبۂ ادب، ۱۹۹۷ء

۲۸۔ اسلم انصاری: نقش عہدِ وصال کا، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، بار اوّل ۱۹۹۶ء

۲۹۔ اسلم قریشی، محمد، ڈاکٹر: ڈرامے کا تاریخی و تنقیدی پس منظر، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۱ء

۳۰۔ اسمٰعیل میرٹھی، محمد: کلیات اسمٰعیل میرٹھی، (مرتب) محمد اسلام سیفی، دہلی: دیال پرنٹنگ پریس، ۱۹۳۹ء

۳۱۔ اصغر گونڈوی: کلیاتِ اصغر، لاہور: مکتبہ شعر و ادب، س ن

۳۲۔ اعجاز چشتی: ربِ کائنات، لاہور: انداز پبلی کیشنز، ۲۰۰۶ء

۳۳۔ اعظم چشتی: نیر اعظم، لاہور: مکتبہ نثار آرٹ پریس، ۱۹۷۰ء

۳۴۔ افسر ماہ پوری: طور سے حراتک، کراچی: افسر ماہ پوری میموریل اکیڈمی، ۱۹۹۶ء

۳۵۔ اکبر الٰہ آبادی: کلیات اکبر الٰہ آبادی، لاہور: مکتبہ شعر و ادب، س ن

۳۶۔ اقبال جاوید، محمد، پروفیسر: شعری التجائیں، لاہور: ندوۃ المعارف، بار اوّل ۲۰۱۰ء

۳۷۔ اقبال نجمی: حمدیہ ھائیکو، گوجرانوالہ: فروغ ادب اکادمی، ۲۰۰۹ء

۳۸۔ …………: ریاضِ حمد، گوجرانوالہ: فروغِ ادب اکادمی، ۲۰۰۹ء

۳۹۔ …………: نغمۂ حمد، گوجرانوالہ: فروغ ادب اکادمی، ۲۰۰۵ء

۴۰۔ الفرزدق: دیوان الفرزدق، بیروت: دارالکتب العلمیہ، ۱۹۸۷ء
۴۱۔ امجد حیدر آبادی: رباعیات امجد، ج ۱، حیدر آباد دکن: عماد پریس، س ن
۴۲۔ امراء القیس: دیوان امراءالقیس، تحقیق محمد ابوالفضل ابراہیم قاہرہ: دارالمعارف، ۱۹۵۸ء
۴۳۔ امیر خسرو: خالق باری (مشمولہ) لُألی عماّن موسوم بہ جواھرِ خسروی (مرتبہ) محمد امین عباسی چڑیا کوٹی، علی گڑھ: انسٹی ٹیوٹ علی گڑھ کالج، ۱۳۳۶ھ
۴۴۔ ....: کلیات قصائد خسرو، جلد ۱، (مرتبہ) اقبال صلاح الدین، لاہور: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۱۹۷۷ء
۴۵۔ امیر علی، سیّد: روح اسلام (مترجم) محمد ہادی حسین، لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۸۸ء
۴۶۔ امیر مینائی: محامد خاتم النبینؐ، حیدر آباد دکن: مطبع سیّدی، ۱۲۸۹ھ
۴۷۔ امیر مینائی: صنم خانۂ عشق، لاہور: پنجابی پریس، ۱۳۴۰ھ
۴۸۔ امیر مینائی: دیوانِ امیر ''معروف بہ مرأة الغیب''، لکھنؤ: مطبع منشی نول کشور، ۱۹۲۲ء
۴۹۔ امین حزیں: سرودِ سرمدی، لاہور: الفیصل ناشران، طبع اوّل ۲۰۰۶ء
۵۰۔ ....: گلبانگ حیات، لاہور الفیصل ناشران، بار دوم ۲۰۰۶ء
۵۱۔ امین گیلانی، سید: سرمایہ درویش، شیخوپورہ: ادارہ السادات، طبع اوّل ۱۹۹۴ء
۵۲۔ انجم رومانی: کوئے ملامت، لاہور: مکتبہ عالیہ، بار اوّل ۱۹۸۳ء
۵۳۔ انشاء اللہ خان انشا: کلیات انشا، ج ۱، (مرتبہ) خلیل الرحمن داؤدی، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۹ء
۵۴۔ انصار الحق قریشی: اللہ اکبر، کراچی: مطبع ندارد، ۱۹۹۹ء
۵۵۔ انوار ظہوری، سید: حرفِ منزہ، لاہور: ظہوری اکیڈمی، بار اوّل ۱۹۹۳ء
۵۶۔ انوار عزمی: نام بنام حمد و ثنا، کراچی: مرکزی انجمن سہروردیہ، ۱۹۹۸ء
۵۷ انوار فیروز پوری: مختارِ کل، لاہور: بزم عرفانِ مصطفیؐ، بار اول ۱۹۷۷ء
۵۸۔ انیس، میر ببر علی: منتخب مراثی انیس، (مرتبہ) مرتضیٰ حسین فاضل، لاہور: مجلس ترقی ادب، بار اوّل ۱۹۷۴ء

۵۹۔ ....: انیس کے مرثیے ،ج ۲،(مرتبہ) صالحہ عابد حسین، لاہور: مکتبہ عالیہ،۱۹۸۶ء

۶۰۔ ایچ ایچ امام اکبر آبادی: سبد گل، کراچی: فضل سنز، اشاعت دوم ۲۰۰۱ء

۶۱۔ باقر آگاہ، محمد: هشت بهشت، بمبئی: مطبع گلزارِ حسنی، ۱۳۱۹ھ

۶۲۔ بحری، قاضی محمود: من لگن، (مرتبہ) محمد سخاوت مرزا، کراچی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۵۵ء

۶۳۔ بہادر شاہ ظفر: کلیات ظفر ،لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۴ء

۶۴۔ ....: نوائے ظفر ،(مرتبہ)، خلیل الرحمن اعظمی، علی گڑھ: انجمن ترقی اردو ہند، س ن

۶۵۔ بیدل، عبدالقادر، مرزا: کلیات بیدل ،لاہور: الکتاب، ۱۹۷۸ء

۶۶۔ بیمار، جعفر علی: مثنوی زرِ جعفری، لاہور: مطبع علیمی، س ن

۶۷۔ بے نظیر شاہ قادری: الکلام، مطبع ندارد، ۱۹۰۴ء

۶۸۔ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و هند، ج ۱، لاہور: پنجاب یونیورسٹی، طبع دوم ۲۰۰۹ء

۶۹۔ ....، ج ۲، لاہور: پنجاب یونیورسٹی، طبع دوم ۲۰۰۹ء

۷۰۔ ....، ج ۳، لاہور: پنجاب یونیورسٹی، طبع دوم ۲۰۱۰ء

۷۱۔ تبسّم رضوانی، ڈاکٹر: حمدو ثنا، لاہور: مطبع ندارد، س ن

۷۲۔ تبسّم کاشمیری، ڈاکٹر: اردو ادب کی تاریخ ابتدا سے ۱۸۵۷ء تک، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، بار اوّل ۲۰۰۳ء

۷۳۔ تحسین فراقی، ڈاکٹر: جهات اقبال، لاہور: بزم اقبال، بار اوّل ۱۹۹۳ء

۷۴۔ ....: نقش اوّل، لاہور: مقبول اکیڈمی، بار اوّل ۱۹۹۲ء

۷۵۔ تراب: شاہ تراب علی: کلیات تراب، لکھنو: مطبع نول کشور، طبع چہارم ۱۸۸۰ء

۷۶۔ تقی عابدی، سید ڈاکٹر: غالب، دیوان نعت و منقبت، نئی دہلی: شاہد پبلی کیشنز، بار اوّل ۲۰۰۶ء

۷۷۔ تلوک چند محروم: رباعیاتِ محروم، نئی دہلی: محروم میموریل لٹریری سوسائٹی، بار چہارم ۲۰۰۲ء

۷۸۔ جابر علی سید: موج آهنگ، (مرتبہ) حمید اصغر فائق، ملتان: مطبع ندارد، ۱۹۹۸ء

۷۹۔ جرأت، قلندر بخش: کلیات جرأت، (مرتبہ)، اقتدا حسن، ڈاکٹر، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۸ء

۸۰۔ جعفر بلوچ، پروفیسر: اقلیم، لاہور: مکتبہ عالیہ، طبع اوّل ۱۹۸۶ء
۸۱۔ ....: اقبال شناسی اور سیارہ، لاہور: بزم اقبال، ۱۹۸۹ء
۸۲۔ ....: بر سبیل سخن، لاہور: مکتبہ تعمیر انسانیت، طبع اوّل ۲۰۰۶ء
۸۳۔ ....: بیعت، لاہور: الفیصل ناشران، طبع دوم ۲۰۰۱ء
۸۴۔ ....: مشارق، لاہور: دارالکتاب، بار اوّل ۲۰۰۵ء
۸۵۔ جگر بریلوی: پیام ساوتری، لکھنؤ: مکتبہ دانش محل امین آباد، ۱۹۵۴ء
۸۶۔ جگر مراد آبادی: دیوان جگر، لاہور: خیام پبلشرز، ۱۹۸۳ء
۸۷۔ جگن ناتھ آزاد: اقبال اور مغربی مفکرین، لاہور: مکتبہ عالیہ، بار پنجم ۱۹۹۴ء
۸۸۔ ....: بوئے رمیدہ، نئی دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند) بار اوّل ۱۹۹۰ء
۸۹۔ ....: بیکراں، نئی دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند)، بارِ ہفتم ۱۹۹۲ء
۹۰۔ ....: نسیم حجاز، نئی دہلی: انجمن ترقی اردو (ہند) بار اوّل ۱۹۹۹ء
۹۱۔ جلیل، نواب فصاحت جنگ: کائناتِ جلیل، (مرتبہ) علی احمد جلیلی، دہلی: سپر پرنٹرز، ۱۹۸۵ء
۹۲۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر: تاریخ ادب اردو، ج ۱، لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع اوّل ۱۹۷۵ء
۹۳۔ ....: تاریخ ادب اردو، ج ۲، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۸۷ء
۹۴۔ ....: تاریخ ادب اردو، ج ۴، لاہور: مجلس ترقی ادب، بار اوّل ۲۰۱۲ء
۹۵۔ جوش ملسیانی: جنون و ہوش، دہلی: منشی گلاب سنگھ اینڈ سنز، بار اوّل س ن
۹۶۔ جوش ملیح آبادی: روح ادب، لاہور: مکتبہ اردو، بار دوم ۱۹۴۲ء
۹۷۔ ....: سموم و صبا، کراچی: سلطان حسین اینڈ سنز، بار اوّل ۱۹۵۵ء
۹۸۔ ....: شعلہ و شبنم، دہلی: مکتبۂ جامعہ، ۱۹۳۶ء
۹۹۔ جوہر، مولانا محمد علی: کلام جوہر، (مرتبہ) عبدالماجد دریا بادی، لاہور: کلاسیک، ۲۰۱۱ء
۱۰۰۔ جویا آنولوی: سروِ چراغاں، لکھنو: نسیم بک ڈپو، س ن
۱۰۱۔ جے چند پریم: تلخئ حیات، دہلی: اعلیٰ پرنٹنگ پریس، طبع اوّل ۱۹۷۰ء

۱۰۲۔ چکبست لکھنوی: صبحِ وطن، الہ آباد: انڈین پریس لمیٹڈ، ۱۹۲۶ء
۱۰۳۔ حاتم، شیخ ظہور الدین: انتخاب حاتم (دیوانِ قدیم)، (مرتبہ) عبدالحق، مولوی، ڈاکٹر، دہلی: جمال پرنٹنگ پریس، ۱۹۷۷ء
۱۰۴۔ ....: دیوان حاتم، (مرتبہ) پروفیسر عبدالحق، لاہور: مغربی پاکستان اکیڈمی، ۲۰۱۰ء
۱۰۵۔ حافظ پیلی بھیتی، خلیل الدین حسن، نعتِ حافظ، (مرتبہ) راجا رشید محمود، لاہور: مقبول اکادمی، س ن
۱۰۶۔ حافظ لدھیانوی: سبحان اللہ العظیم، فیصل آباد: بیت الادب، ۱۹۹۰ء
۱۰۷۔ ....: سبحان اللہ وبحمدہٖ، فیصل آباد: بیت الادب، بار اوّل ۱۹۹۰ء
۱۰۸۔ حافظ محمد افضل فقیر: آب و رنگ، لاہور: تعمیر ادب، ۱۴۱۳ھ
۱۰۹۔ حافظ مظہر الدین: جلوہ گاہ، راولپنڈی: حریم ادب، ۱۹۷۵ء
۱۱۰۔ حالی، الطاف حسین، مولانا: حیاتِ سعدی، لاہور: مجلس ترقی ادب ۱۹۶۰ء
۱۱۱۔ ....: کلیات حالی، (مرتبہ) رانا خضر سلطان، لاہور: بک ٹاک، ۱۹۹۵ء
۱۱۲۔ ....: مسدس حالی، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، س ن
۱۱۳۔ ....: مقدمہ شعر و شاعری (مرتبہ) وحید قریشی، ڈاکٹر، لاہور: نیا ادارہ، ۱۹۵۳ء
۱۱۴۔ حبیب کنتوری: دیوان حبیب، حیدر آباد دکن: مطبع شمسی، س ن
۱۱۵۔ حزیں صدیقی: حرفِ ابد، ملتان: بزم ضیائے ادب، بار اوّل ۱۹۹۶ء
۱۱۶۔ ....: قفس رنگ، لاہور: مکتبہ جدید پریس، بار اوّل ۱۹۹۰ء
۱۱۷۔ حزیں کاشمیری: سلک لآلی: لاہور: معین الادب، ۱۹۸۵ء
۱۱۸۔ حسان بن ثابت الانصاری: دیوان الحسان بن ثابت (مرتبہ) عبدالرحمن البرقوقی، بیروت: دارالاندلس، ۱۹۶۶ء
۱۱۹۔ حسرت حسین حسرت: سموٰت، لاہور: حسرت اکیڈمی، اشاعت اوّل ۱۹۹۷ء
۱۲۰۔ حسرت موہانی: کلیاتِ حسرت موہانی، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، بار سوم ۱۹۶۴ء
۱۲۱۔ ....: کلیات حسرت، (مرتبہ) نورالحسن ہاشمی، ڈاکٹر، لکھنو: ادارہ فروغ اردو، ۱۹۶۶ء

۱۲۲۔ حسن اختر جلیل: مقتل میں چراغ، راولپنڈی: نیرنگِ خیال پبلی کیشنز، باراوّل۱۹۸۶ء

۱۲۳۔ ....: یقینِ سحر، راولپنڈی: بھٹی پریس، بار اوّل۲۰۰۵ء

۱۲۴۔ حسن رضوی، ڈاکٹر: عقیدتیں، لاہور: الحسن پبلی کیشنز، طبع اوّل ۲۰۰۳ء

۱۲۵۔ ....: مدینے کی ہوا، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء

۱۲۶۔ حفیظ تائب: کلیاتِ حفیظ تائب، لاہور: القمر انٹر پرائزز، طبع اوّل۲۰۰۵ء

۱۲۷۔ حفیظ جالندھری: شاہنامۂ اسلام، لاہور: کتب خانۂ حفیظ، مجلس اردو، س ن

۱۲۸۔ ....: کلیات حفیظ جالندھری، (مرتبہ) خواجہ محمد زکریا، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۵ء

۱۲۹۔ حفیظ صدیقی: لازوال، لاہور: صدیقی پبلشرز، ۱۹۹۲ء

۱۳۰۔ حمیر ہاشمی، محمد اسلم انصاری: لاھور میں دفن خزینے، لاہور: علم وعرفان پبلشرز، ۱۹۹۸ء

۱۳۱۔ حنیف اسعدی: خیر الانام، کراچی: مکتبہ اربابِ قلم، ۱۹۸۴ء

۱۳۲۔ خرم علی، مولوی: خدا کی قدرت، حیدر آباد دکن: دائرۃ المعارف النظامیہ، س ن

۱۳۳۔ خورشید انور رضوی، سید: روشنی ھی روشنی، راولپنڈی: نیرنگِ خیال پبلی کیشنز، ۲۰۰۱ء

۱۳۴۔ خورشید رضوی، ڈاکٹر: عربی شاعری ایک تعارف، از آغاز تا عھد بنو امیہ، لاہور: شیخ زاید اسلامک سنٹر، جامعہ پنجاب، ۲۰۰۱ء

۱۳۵۔ ....، ڈاکٹر: یکجا، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، باراوّل ۲۰۰۷ء

۱۳۶۔ داغ دہلوی، مرزا: دیوان داغ، (مرتبہ) محمد علی زیدی، ڈاکٹر، لاہور: خیام پبلشرز، بار اوّل ۱۹۸۲ء

۱۳۷۔ ....: مھتابِ داغ، (مرتبہ) کلب علی خان فائق، لاہور: مجلس ترقی ادب، بار دوم ۲۰۰۸ء

۱۳۸۔ درد کاکوروی: آہِ سرد، کان پور: انتظامی پریس۔ س ن

۱۳۹۔ دیوان چند گڈہوک (مرتب): ترانۂ توحید، لاہور: رام داس کوہلی بک سیلر اینڈ پبلشرز، س ن

۱۴۰۔ ذاکر نائیک، ڈاکٹر: خطبات ڈاکٹر ذاکر نائیک، لاہور: اسلام بک ڈپو، س ن

۱۴۱۔ ذوق: شیخ محمد ابراہیم: کلیات ذوق (اردو)، (مرتبہ)، تنویر احمد علوی، ڈاکٹر، لاہور: مکتبہ شعر و ادب، ۱۹۸۸ء

۱۴۲۔ ذوقی مظفر نگری: وسیم فردوس، لاہور: شفاف پرنٹرز، ۱۹۸۹ء
۱۴۳۔ راجہ محمد عبداللہ نیاز: ارمغانِ نیازِ، (مرتبہ) جعفر بلوچ، پروفیسر، لیّہ: دارالکتاب، بار اوّل ۱۹۸۸ء
۱۴۴۔ ....: صبحِ سخن، (مرتبہ) جعفر بلوچ، پروفیسر، لاہور: پاکستان بکس اینڈ لٹریری ساؤنڈز، بار اوّل ۱۹۹۳ء
۱۴۵۔ راحت، محمود بیگ: مثنوی ھشت عدل، (مرتبہ) گوہر نوشاہی، لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع اوّل ۱۹۷۱ء
۱۴۶۔ راز کاشمیری: لوح بھی تو قلم بھی تو، گوجرانوالہ: عثمان اکیڈمی، ۱۹۸۸ء
۱۴۷۔ راسخ عرفانی: کلیات راسخ عرفانی، گوجرانوالہ: فروغ ادب اکادمی، ۲۰۰۲ء
۱۴۸۔ راسخ عظیم آبادی: دیوان راسخ، پٹنہ: خدا بخش اورینٹل لائبریری، ۱۹۹۶ء
۱۴۹۔ رام لعل نابھوی: تلوک چند محروم، نئی دہلی: ساہتیہ اکادمی، بار دوم ۱۹۹۲ء
۱۵۰۔ رستمی بیجا پوری: خاور نامہ، (مرتبہ) شیخ چاند، کراچی: ترقی اردو بورڈ، ۱۹۶۸ء
۱۵۱۔ رشید احمد: تاریخ مذاھب، کوئٹہ: زمرد پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء
۱۵۲۔ رفیع الدین ذکی قریشی: ریاض نعت، لاہور: مکتبہ القریش، ۱۹۹۳ء
۱۵۳۔ رنگین: سعادت یار خان، مرزا: مثنوی مسدس رنگین، کراچی: ادارہ ترقی ادب، ۱۹۵۲ء
۱۵۴۔ ریاض حسین چودھری: زر معتبر، لاہور: عمیر پبلشرز، بار اوّل ۱۹۹۵ء
۱۵۵۔ ریاض حسین زیدی، سید: ریاضِ مدحت، ساہیوال: ادب سرائے، اشاعت اوّل ۲۰۰۰ء
۱۵۶۔ ریاض خیر آبادی: انتخاب ریاض خیر آبادی، (مرتبہ) مظفر حسین شمیم، کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، بار اوّل ۱۹۵۹ء
۱۵۷۔ ریاض مجید، ڈاکٹر: اردو میں نعت گوئی، لاہور: اقبال اکادمی، طبع اوّل ۱۹۹۰ء
۱۵۸۔ زوّار حسین، سید، (مرتب): اردو شاعروں کا البم، دہلی: غالب بک ڈپو، بار اوّل ۱۹۴۵ء
۱۵۹۔ زور: محی الدین قادری، ڈاکٹر: دکنی ادب کی تاریخ، علی گڑھ: ایجوکیشنل بک ہاؤس، ۱۹۸۹ء
۱۶۰۔ ساحر صدیقی: جامِ حیات، (مرتبہ) ارشد قریشی، لاہور: مکتبہ خیال، ۱۹۶۴ء
۱۶۱۔ سالک: قربان علی بیگ: کلیات سالک، (مرتبہ) کلب علی خاں فائق، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۶ء

۱۶۲۔ سائرہ حمید تشنہ: سرچشمۂ حمد، لاہور: اسلامک بک ویژن، س ن

۱۶۳۔ ....: کتناھے احترامِ خدا، لاہور: اظہار سنز، س ن

۱۶۴۔ سجاد سخن: رب العالمین، کراچی: دبستان وارثیہ، ۲۰۰۱ء

۱۶۵۔ سراج اورنگ آبادی: کلیات سراج، (مرتبہ) عبدالقادر سروری، نئی دہلی: ترقی اردو بیورو، ۱۹۸۲ء

۱۶۶۔ سرخوش: شیر علی خان: تذکرہ اعجاز سخن (حصہ اوّل)، مطبع ندارد، بار اوّل س ن

۱۶۷۔ سرور بجنوری: حمدو نعت، فیصل آباد: نعت اکادمی، ۱۴۰۱ھ

۱۶۸۔ سعد اللہ کلیم، ڈاکٹر: اردو غزل کی تہذیبی و فکری بنیادیں، ج ۱، ۲، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، بار اوّل ۲۰۰۵ء

۱۶۹۔ سعدی شیرازی: بوستان سعدی، کراچی: سعید کمپنی، ۱۹۷۵ء

۱۷۰۔ ....: گلستان سعدی (بہ کوشش) محمد علی فروغی، ایران: انتشارات ہنر و مردم ۱۳۵۴ شمسی

۱۷۱۔ سنائی غزنوی، حکیم: حدیقۂ سنائی، لکھنو: مطبع نول کشور، ۱۸۸۷ء

۱۷۲۔ سہیل غازی پوری: حمدو نعت، کراچی: شعری دائرہ، ۲۰۰۰ء

۱۷۳۔ سید عبداللہ، ڈاکٹر: فارسی زبان و ادب، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۷ء

۱۷۴۔ سودا، محمد رفیع: کلیات سودا، لکھنؤ: مطبع نول کشور، س ن

۱۷۵۔ ....: کلیات سودا، ج ۳، (مرتبہ) شمس الدین صدیقی، ڈاکٹر، لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع اوّل ۱۹۸۴ء

۱۷۶۔ شاد عظیم آبادی: رباعیات شاد مسمیٰ بہ گنجینۂ عرفان، (مرتبہ) حمید عظیم آبادی، پٹنہ: کرشنا پریس، س ن

۱۷۷۔ ....: کلام شاد (حصہ اوّل)، علی گڑھ: مطبع جامعہ ملیہ، س ن

۱۷۸۔ شاطر مدراسی: اعجاز عشق، مدراس: مطبع نافع الاسلام، ۱۹۱۹ء

۱۷۹۔ شاہد الوری: حمدو ثنا، لاہور: مکتبۂ عالیہ، ۱۹۸۴ء

۱۸۰۔ شبلی نعمانی، مولانا: شعر العجم، ج ۲، ۵، لاہور: شیخ مبارک علی، ۱۹۲۴ء

۱۸۱۔ شریف احسن، حکیم: عبدہٗ و رسولہٗ، لاہور: ادارہ مطبوعاتِ سلیمانی: طبع اوّل ۲۰۰۰ء

۱۸۲۔شفقت رضوی، پروفیسر: اردو میں حمد گوئی، کراچی: جہانِ حمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء
۱۸۳۔شمس الحسن شمس، مرزا: حمدو نعت، لاہور: ماورا پبلشرز، ۲۰۰۲ء
۱۸۴۔شوق قدوائی: گنجینۂ، (مرتبہ) منشی سعید اللہ خان عیش رام پوری، رام پور: مطبع سعیدی، س ن
۱۸۵۔شوق لکھنوی، مرزا، مثنویات شوق، (مرتبہ) رشید حسن خان، نئی دہلی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۹۸ء
۱۸۶۔ ....، مثنوی لذتِ عشق، لکھنؤ: ہندوستانی پریس، س ن
۱۸۷۔شوق، منشی احمد علی: ترانۂ شوق، لکھنو: نیر پریس، بار دوم ۱۹۲۱ء
۱۸۸۔شوکت ہاشمی: بہارِ طیب و طاہر، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، بار اوّل ۱۹۹۹ء
۱۸۹۔شہرت بخاری: دیوارِ گریہ، لاہور: مکتبہ عالیہ، ۱۹۸۳ء
۱۹۰۔شیبا حیدری: حمد نامہ، کراچی: ایس این پبلشرز، ۱۹۹۸ء
۱۹۱۔ شیخ احمد و شیخ مصطفی: تاریخ ادب عربی (ترجمہ) پروفیسر عبدالقیوم و محمد بشیر صدیقی، لاہور: پنجاب ایڈوائزری بورڈ فار بکس، بار اوّل ۱۹۵۷ء
۱۹۲۔ شیخ چاند: سودا، حیدر آباد دکن: انجمن ترقی اردو، ۱۹۳۶ء
۱۹۳۔شیخ محمد خان، خادم، قریشی: تحفۂ حقانی، گوجرانوالہ: میکی پریس، ۱۹۱۱ء
۱۹۴۔شیفتہ، نواب مصطفی خان: دیوانِ شیفتہ، (مرتبہ) فرحت صبا، لاہور: خیام پبلشرز، ۱۹۸۴ء
۱۹۵۔صبا اکبر آبادی: دست دعا، کراچی: جہانِ حمد پبلی کیشنز، بار دوم ۲۰۰۳ء
۱۹۶۔ صبا لکھنوی، میروزیر علی: صیدیہ، (مرتبہ)، مولانا ابو البلاغ علاء الدین خاوری، لاہور: مطبع کپور آرٹ پرنٹنگ ورکس، ۱۳۴۳ھ
۱۹۷۔صبیح رحمانی: جادۂ رحمت، کراچی: ممتاز پبلشرز، اشاعت اوّل ۱۹۹۳ء
۱۹۸۔صلاح الدین یوسف: حافظ، تفسیر احسن البیان، الریاض: دارالسلام، ۱۹۹۸ء
۱۹۹۔صوفی غلام مصطفی تبسم: سو بار چمن مہکا، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء
۲۰۰۔ضامن کنتوری: کلیات ضامن کنتوری، حیدر آباد دکن: گورنمنٹ سنٹرل پریس، س ن
۲۰۱۔ ضیا صدیقی: آثار ضیا، (مرتبہ) جعفر بلوچ، پروفیسر، لاہور: بزم ضیائے ادب، بار اوّل ۲۰۰۰ء

۲۰۲۔ ضیا محمد ضیا: موج زمزم،لاہور: ایوان ادب، بار اوّل ۱۹۹۵ء

۲۰۳۔ طاہر سلطانی (مرتب): اذان دیر، کراچی: چمنستانِ حمد ونعت، بار اوّل ۱۹۹۷ء

۲۰۴۔ ....: اردو حمد کا ارتقا، کراچی: جہان حمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۴ء

۲۰۵۔ ....: حریم ناز میں صدائے اللہ اکبر، کراچی: جہانِ حمد پبلی کیشنز،۱۹۹۹ء

۲۰۶۔ ....: حمد اللہ و مدحِ رسول، کراچی: حمد و نعت ریسرچ سنٹر،۲۰۱۱ء

۲۰۷۔ ....: حمد کردگار، کراچی: جہانِ حمد پبلی کیشنز، بار اوّل ۲۰۱۱ء

۲۰۸۔ ....: حمد میری بندگی، کراچی: جہانِ حمد پبلی کیشنز، بار اوّل ۲۰۰۰ء

۲۰۹۔ ....: خزینۂ حمد، کراچی: ادارہ چمنستان حمد ونعت ٹرسٹ،۱۹۹۶ء

۲۱۰۔ ....: خوشبوؤں کا سفر، کراچی: جہان حمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۷ء

۲۱۱۔ طاہر شادانی (مرتب): حمد و مناجات، لاہور: علمی کتاب خانہ، بار اوّل ۱۹۸۶ء

۲۱۲۔ طاہر عریاں: دو بیتی نامہ بابا طاہر، (مرتبہ) حضور احمد سلیم، سندھ: مکتبہ مسعود حیدر آباد، ۱۹۷۴ء

۲۱۳۔ طپش، مرزا جان: بہار دانش، (مرتبہ) خلیل الرحمن داؤدی، لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع اوّل ۱۹۶۳ء

۲۱۴۔ طفیل دارا: لاشریک، لاہور: آئینہ ادب، بار اوّل، س ن

۲۱۵۔ طفیل ہوشیار پوری: جامِ مہتاب، لاہور: احسان اکیڈمی، بار دوم ۱۹۷۵ء

۲۱۶۔ ....: رحمت یزداں، لاہور: احسان اکیڈمی، بار اوّل ۱۹۹۲ء

۲۱۷۔ ....: سوچ مالا، لاہور: احسان اکیڈمی، بار اوّل ۱۹۹۱ء

۲۱۸۔ ظفر علی خان، مولانا: کلیات مولانا ظفر علی خان، (مرتبہ) زاہد علی خان، لاہور: الفیصل ناشران، بار اوّل ۲۰۰۷ء

۲۱۹۔ عاجز، محمد عبدالصمد: تحفۃ العاشقین، کان پور: مطبع مجیدی، ۱۹۱۲ء

۲۲۰۔ عارف، عبدالمتین: بے مثال، ملتان: کاروان ادب، ۱۹۸۵ء

۲۲۱۔ عاصم گیلانی، سید: وسیلہ، لاہور: خزینہ علم و ادب، اشاعتِ ثانی ۲۰۰۱ء

۲۲۲۔ ....: وظیفہ، لاہور: خزینۂ علم و ادب، بار اوّل ۲۰۰۱ء

۲۲۳۔ عاصی کرنالی، ڈاکٹر: تمام و ناتمام، کراچی: ایجوکیشنل پریس، ۱۹۹۴ء

۲۲۴۔ ....: اردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کا اثر، کراچی: اقلیم نعت، ۲۰۰۱ء

۲۲۵۔ عبا داللہ اختر: بیدل، لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، ۱۹۵۲ء

۲۲۶۔ عبدالحق، مولوی، ڈاکٹر: اردو کی ابتدائی نشو و نما میں صوفیائے کرام کا حصہ، کراچی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۸۶ء

۲۲۷۔ ....: قدیم اردو، کراچی: انجمن ترقی اردو، اشاعت اوّل ۱۹۶۱ء

۲۲۸۔ عبدالسلام طور: پتھر میں آگ، لاہور: ٹیلنٹ کلب، طبعِ اوّل ۱۹۸۰ء

۲۲۹۔ عبدالعزیز خالد: فارقلیط، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، طبع چہارم ۱۹۸۵ء

۲۳۰۔ ....: منحمنا، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، طبعِ سوم ۱۹۸۵ء

۲۳۱۔ عبدالقادر سروری: جدید اردو شاعری، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، بار ششم ۱۹۶۷ء

۲۳۲۔ عبدالکریم ثمر: احسن تقویم، لاہور: مکتبہ عرفان، باراوّل ۱۹۸۳ء

۲۳۳۔ عبدالماجد دریا باری (شارح): مناجات مقبول، اشرف علی تھانوی، مولانا، لاہور: منشورات، ۲۰۰۹

۲۳۴۔ عبدالملک العتیق (مرتب): مناجات اولیا، لاہور: ادارہ اسلامیات، ۲۰۰۲ء

۲۳۵۔ عبداللہ خان عبدی، شیخ: حمد نامہ، گوجرانوالہ: مطبع میکی پریس، ۱۹۰۷ء

۲۳۶۔ عدم، عبدالحمید: آبِ رواں، لاہور: مکتبہ کارواں، س ن

۲۳۷۔ ....: جنس گراں، لاہور: مکتبہ کارواں، ۱۹۸۲ء

۲۳۸۔ عرفی شیرازی: دیوان عرفی شیرازی، کان پور: مطبع نول کشور، ۱۹۱۵ء

۲۳۹۔ عزیز الحسن غوری، مجذوب، خواجہ: کشکول، سہارن پور: امداد الغربا، ۱۳۲۹ھ

۲۴۰۔ عزیز الدین خاکی: الحمدللہ، کراچی: تنظیم استحکام پاکستان، ۲۰۰۲ء

۲۴۱۔ عزیز حاصل پوری: صحیفۂ نور، لاہور: المعارف، ۱۹۸۳ء

۲۴۲۔ عطا کلیانوی: وجود و شہود، حیدر آباد: سلسلہ مطبوعات ولا اکیڈمی عزیز باغ، بار اوّل ۱۹۷۳ء

۲۴۳۔ عطار، فرید الدین: اشتر نامہ (بکوشش) مہدی محقق، دکتر، تہران: انجمن آ ثار ملّی، ۱۳۳۹ھ

۲۴۴۔ ....: منطق الطیر، لاہور: فرمان علی اینڈ سنز، س ن

۲۴۵۔ علیؓ بن ابی طالب: دیوان حضرت علیؓ، کراچی: ایچ ایم سعید کمپنی، ۱۹۷۹ء

۲۴۶۔ علی عادل شاہ ثانی: شاہی، کلیات شاہی (مرتبہ) زینت ساجدہ، حیدر آباد دکن: اعجاز پرنٹنگ پریس، ۱۹۶۲ء

۲۴۷۔ علی محمد آقا محمدی، دکتر: گات ہاھفت ہات بہ شعر فارسی سرودہ، اقوام متحدہ امریکہ، ۱۹۸۷ء

۲۴۸۔ علی محمد خان، ڈاکٹر: لاہور کا دبستانِ شاعری، لاہور: مقبول اکیڈمی، بار اوّل ۱۹۹۲ء

۲۴۹۔ علیم النساء ثنا: تری ھی حمد و ثنا، کراچی: جہانِ حمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء

۲۵۰۔ علیم ناصری: طلع البدر علینا، لاہور: مکتبہ قدوسیہ، اشاعت اوّل ۱۹۹۹ء

۲۵۱۔ عندلیب شادانی، ڈاکٹر: نشاطِ رفتہ، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، بار اوّل ۱۹۵۱ء

۲۵۲۔ غالب، اسد اللہ خان، مرزا: خطوطِ غالب، (مرتبہ) غلام رسول مہر، لاہور: پنجاب یونیورسٹی، ۱۹۶۹ء

۲۵۳۔ ....: دیوانِ غالب، (مرتبہ) امتیاز علی خان عرشی، نئی دہلی: انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۸۳ء

۲۵۴۔ ....: دیوان غالب، (مرتبہ) حامد علی خان، مولانا، لاہور: الفیصل ناشران، بار اوّل ۱۹۹۵ء

۲۵۵۔ ....: کلیات غالب (جلد سوم) لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۷ء

۲۵۶۔ غلام سرور لاہوری: دیوانِ حمد ایزدی، کان پور: مطبع نامی منشی نول کشور، ۱۹۰۹ء

۲۵۷۔ غلام قادر شاہ: رمز العشق، (مرتبہ) گوہر نوشاہی، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۷۴ء

۲۵۸۔ غلام محی الدین، حکیم: مناجات در بارۂ توحید، لاہور: مطبع گلزارِ محمدیؐ، ۱۹۰۳ء

۲۵۹۔ غوث اعظم، حضرت: دیوان حضرت غوث اعظم، کان پور: مطبع نول کشور، ۱۸۷۲ء

۲۶۰۔ غوث متھراوی: بلاوا، کراچی: ایجوکیشنل پریس، ۱۹۹۲ء

۲۶۱۔ غوث میاں (مرتب): انتخابِ حمد، کراچی: حضرت حسان حمد و نعت بک بینک، بار اوّل ۱۹۹۸ء

۲۶۲۔ ....: خواتین کی حمدیہ شاعری، کراچی: حضرتِ حسان حمد و نعت بک بینک، ۲۰۰۲ء

۲۶۳۔ فاخر ہریانوی: موجِ صبا، لاہور: ایوان ادب، بار اوّل ۱۹۶۶ء

۲۶۴۔ فانی بدایونی: کلیاتِ فانی، (مرتبہ) ظہیر احمد صدیقی، ڈاکٹر، نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان،

بارِ دوم ۱۹۹۹ء

۲۶۵۔ فردوسی: شاہ نامہ، ج ۱، طہران: کتاب خانہ بروخیم، س ن

۲۶۶۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر: اردو کی نعتیہ شاعری، لاہور: آئینہ ادب، ۱۹۷۴ء

۲۶۷۔ .... : میر انیس، حیات اور شاعری، کراچی: اردو اکیڈمی، سندھ، ۱۹۷۶ء

۲۶۸۔ فضا، منشی گوبند پرشاد: گلزارِ فضا، لکھنو: منشی نول کشور، ۱۸۵۹ء

۲۶۹۔ فضل محمد فضل: گنجینۂ انوار، لاہور: نیو فائن پرنٹنگ پریس، ۲۰۰۰ء

۲۷۰۔ فلسفۂ اقبال (بہ اہتمام) بزم اقبال، لاہور: بار دوم ۱۹۸۴ء

۲۷۱۔ فہمیدہ بیگم، ڈاکٹر: قدیم اردو نظم، نئی دہلی: ترقی اردو بیورو، ۱۹۹۵ء

۲۷۲۔ فیضی: نل دمن، کانپور: مطبع نول کشور، ۱۸۷۳ء

۲۷۳۔ قاسم اورنگ آبادی: دیوان قاسم، (مرتبہ) محمد سخاوت مرزا، کراچی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۷۵ء

۲۷۴۔ قاضی فضل حق: سخن وران ایران، لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، ۱۹۹۰ء

۲۷۵۔ قائم چاند پوری: کلیات قائم، (مرتبہ) اقتدا حسن، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۵ء

۲۷۶۔ قلق، مولا بخش: کلیات قلق، (مرتبہ) کلب علی خان فائق، لاہور: مجلس ترقی ادب، بار اوّل ۱۹۶۶ء

۲۷۷۔ قلی قطب شاہ، سلطان محمد: کلیات سلطان محمد قلی شاہ، (مرتبہ) محی الدین قادری زور، ڈاکٹر، حیدر آباد دکن: مکتبہ ابراہیمیہ مشین پریس، ۱۹۴۰ء

۲۷۸۔ قمر الدین قمر میرٹھی: شمس و قمر، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، بار اوّل ۱۹۷۶ء

۲۷۹۔ قمر وارثی: شمس الضحیٰ، کراچی: بزم ارباب سخن، اشاعت اوّل ۱۴۰۷ھ

۲۸۰۔ قیصر نجفی: رب آشنا، کراچی: جہانِ حمد پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء

۲۸۱۔ کریم اللہ عباسی، خواجہ محمد: زمزمۂ حمد، گوجرانوالہ: عباسی پبلی کیشنز، ۱۹۹۶ء

۲۸۲۔ کنہیا لال ہندی: بندگی نامہ، کان پور: منشی نول کشور، ۱۸۷۳ء

۲۸۳۔ .... : تاریخ پنجاب، لاہور: وکٹوریہ پریس، ۱۸۸۱ء

۲۸۴۔ .... : تاریخ لاہور، لاہور: تخلیقات، س ن

۲۸۵۔ ....: دیوانِ مناجات ھندی، لاہور: وکٹوریہ پریس، بارِ ششم ۱۸۸۲ء

۲۸۶۔ ....: مخزن التوحید، لاہور: وکٹوریہ پریس، ۱۸۸۰ء

۲۸۷۔ گوہر رحمن، مولانا: حقیقت توحید و سنت، لاہور: ادارہ معارف اسلامی، طبع دوم ۱۹۸۹ء

۲۸۸۔ لالۂ صحرائی: قلم سجدے، کراچی: ادارہ مطبوعاتِ تکبیر، بار اوّل ۱۹۹۳ء

۲۸۹۔ لطیف اثر: صحیفۂ حمد، کراچی: وقاص اکیڈمی، طبعِ اوّل ۱۹۹۸ء

۲۹۰۔ ....: طلوعِ حمد، کراچی: جہانِ حمد پبلی کیشنز، باراوّل ۲۰۰۰ء

۲۹۱۔ مالک رام: تذکرۂ معاصرین، ج ۳، نئی دہلی: مکتبہ جامعہ، اشاعت اوّل ۱۹۷۸ء

۲۹۲۔ ماہر القادری: کلیات ماہر، (مرتبہ) عبدالغنی فاروق، ڈاکٹر، لاہور: القمر انٹر پرائزرز، بار اوّل ۱۹۹۴ء

۲۹۳۔ میر مہدی، مجروح: دیوان مجروح، لاہور: مطبع کریمی، س ن

۲۹۴۔ مجنوں گورکھ پوری: ادب اور زندگی، لاہور: مکتبہِ دانیال، ۱۹۶۹ء

۲۹۵۔ محسن احسان: اجملؐ و اکملؐ، اسلام آباد: القلم، بار اوّل ۱۹۹۶ء

۲۹۶۔ محشر رسول نگری: فخر کونینؐ، کوئٹہ: سجاد پبلی کیشنز، بار دوم ۱۹۸۱ء

۲۹۷۔ محمد اجمل، ڈاکٹر: مقالاتِ اجمل، لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، ۱۹۸۷ء

۲۹۸۔ محمد اقبال علامہ: فلسفۂ عجم (مترجم) میر حسن الدین احمد، لاہور: مکتبہ اردو ادب، بار اوّل ۲۰۱۰ء

۲۹۹۔ ....: کلیات اقبال (اردو)، لاہور: اقبال اکیڈمی، باردوم ۱۹۹۴ء

۳۰۰۔ ....: کلیات اقبال (فارسی)، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، اشاعت پنجم ۱۹۸۵ء

۳۰۱۔ ....: کلیات مکاتیب اقبال، ج ۴، (مرتبہ) مظفر حسین برنی، دہلی: اردو اکادمی، ۱۹۹۸ء

۳۰۲۔ محمد الیاس، جسٹس: ظہورِ مصطفیؐ، لاہور: المدینہ پبلی کیشنز، س ن

۳۰۳۔ ....: نوائے بے نوا، لاہور: جنگ پبلشرز، ۱۹۹۵ء

۳۰۴۔ محمد امین، ڈاکٹر: طاق ابد، لاہور: الحمد پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

۳۰۵۔ محمد رمضان زاہد (مرتب): حمد و نعت کہکشاں، کوٹ ادو: مطبع ندارد، س ن

۳۰۶۔ محمد نواز میاں، علی محمد، ڈاکٹر: حمد خالق کائنات، لاہور: علق پرنٹرز، ۲۰۱۰ء

۳۰۷۔ مرزا دبیر: جواہر دبیر، (مرتبہ)، مرتضٰی حسین فاضل لکھنوی، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، ۱۹۸۶ء

۳۰۸۔ ....: طالعِ مہر، کلام دبیر، ج ۳، (مرتبہ) سید تقی عابدی، ڈاکٹر، لاہور: چغتائی پبلشرز، س ن

۳۰۹۔ مسرور بدایونی: حمدیہ قطعات، فیصل آباد: نعت اکادمی، ۱۴۱۵ھ

۳۱۰۔ مسعود حسن رضوی، ادیب، سیّد: (مرتب) فائز دہلوی اور دیوانِ فائز، علی گڑھ: انجمن ترقی اردو، ۱۹۶۵ء

۳۱۱۔ مصحفی غلام ہمدانی: کلیات مصحفی، ج ۳، (مرتبہ) نور الحسن نقوی، ڈاکٹر، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۹ء

۳۱۲۔ مصطفٰی زیدی: قبائے ساز، راولپنڈی: ماورا پبلشرز، س ن

۳۱۳۔ مضطر خیر آبادی: نذرِ خدا، امیر احمد عثمانی، طبع دوم ۱۹۹۶ء

۳۱۴۔ مطیر، بلجیت سنگھ، اردو کا مکمل باغی شاعر۔ کبیر، رہتک (ہریانہ): کایا پبلی کیشنز، ۱۹۸۴ء

۳۱۵۔ مظفر وارثی: الحمد، لاہور: ماورا پبلشرز، بار اوّل ۱۹۸۴ء

۳۱۶۔ ....: لاشریک، لاہور: علم و عرفان پبلشرز، بار اوّل ۲۰۰۱ء

۳۱۷۔ مظہر جان جاناں، میرزا: دیوان میرزا مظہر جان جانان و خریطۂ جواہر، کان پور: مطبع مصطفائی، ۱۲۷۱ھ

۳۱۸۔ معروف الٰہی بخش: دیوان معروف، نظامی پریس، بار اوّل ۱۹۳۵ء

۳۱۹۔ مقبول احمد قادری: کیف و سرور، راولپنڈی: زیڈ این پرنٹرز، ۱۹۹۱ء

۳۲۰۔ مقبول بیگ بدخشانی: ادب نامۂ ایران، لاہور: یونیورسٹی بک شاپ، س ن

۳۲۱۔ ملک الشعرا بہار، مرتب: تاریخ سیستان، طہران: ۱۳۱۴ شمسی

۳۲۲۔ ملک حسن اختر، ڈاکٹر: تاریخ ادب اردو، لاہور: ابلاغ، بار دوم ۱۹۹۶ء

۳۲۳۔ ملک ہیم راج: نعمۂ توحید، لاہور: مفید عام پریس، ۱۹۰۹ء

۳۲۴۔ ممنون، میر نظام الدین دہلوی: کلیاتِ ممنون، (مرتبہ) صدیقہ ارمان، ڈاکٹر، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۱۹۹۶ء

۳۲۵۔ منصور ملتانی: مرسل و مرسل، کراچی: ڈائیلاگ پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء

۳۲۶۔ منیر سیفی: حرفِ ناتمام، کراچی: ادبی دائرہ، باراوّل ۲۰۱۰ء

۳۲۷۔ منیر قصوری: چادرِ رحمت، لاہور، مجلس سخن، باراوّل ۱۹۸۳ء

۳۲۸۔ منیر نیازی: ماہ منیر، لاہور: گورا پبلشرز، ۱۹۹۴ء

۳۲۹۔ مولانا روم: مثنوی مولوی معنوی، ج۱، لاہور: الفیصل ناشران، س ن

۳۳۰۔ مومن خان مومن: کلیاتِ مومن، لاہور: مکتبہ شعر و ادب، س ن

۳۳۱۔ مہجور محمد بخش: نور تن، (مرتبہ)، خلیل الرحمن داؤدی، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۲ء

۳۳۲۔ میر اثر: دیوان اثر، (مرتبہ) کامل قریشی، ڈاکٹر، نئی دہلی، انجمن ترقی اردو، ۱۹۷۸ء

۳۳۳۔ میر تقی میر: کلیات میر، ج۱، ۲، ۳، ۴، (مرتبہ) کلب علی خاں فائق، لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع دوم ۱۹۹۱ء

۳۳۴۔ میر حسن دہلوی: مثنوی سحر البیان، (مرتبہ) سلیم عبداللہ، کراچی: اردو اکیڈمی سندھ، ۱۹۵۵ء

۳۳۵۔ ....: مثنویات میر حسن، (مرتبہ)، وحید قریشی، ڈاکٹر، لاہور: مجلس ترقی ادب، طبع اوّل ۱۹۶۶ء

۳۳۶۔ میر درد، خواجہ: دیوان میر درد، (مرتبہ) کلب علی خان فائق، لاہور: آئینہ ادب، طبع اوّل ۱۹۸۸ء

۳۳۷۔ میر سوز: کلیات میر سوز، ج۱، (مرتبہ) زاہد منیر عامر، ڈاکٹر، لاہور: مجلس ترقی ادب، باراوّل ۲۰۰۷ء

۳۳۸۔ ناصر خسرو: دیوان اشعار حکیم ابو معین حمید الدین ناصر بن خسرو قبادیانی، تہران: کتاب فروشی ابنِ سینا، ۱۳۳۵ھ

۳۳۹۔ ناصر کاظمی: کلیاتِ ناصر، لاہور: جہانگیر بکس، س ن

۳۴۰۔ ناظر، خوشی محمد: نغمۂ فردوس: لاہور: جدید اردو ٹائپ پریس، بار دوم ۱۹۷۱ء

۳۴۱۔ ناظم، ناظر حسین: نغمۂ توحید، لاہور: مرغوب ایجنسی، ۱۳۳۷ھ

۳۴۲۔ نائب حسین نقوی، (مرتب): اردو کی دو قدیم مثنویاں، لاہور: مجلس ترقی ادب، بار اوّل ۱۹۷۰ء

۳۴۳۔ نجمہ یاسمین یوسف: دستِ دعا، لاہور: فرحان پبلشرز، ۲۰۰۰ء

۳۴۴۔ نذیر احمد، ڈپٹی: کلیات نظم نذیر احمد، (مرتب) محمد ہارون قادر، ڈاکٹر، لاہور: الوقار پبلی کیشنز، ۲۰۱۲ء

۳۴۵۔ نسیم لکھنوی، پنڈت دیا شنکر: مثنوی گلزار نسیم، (مرتبہ) رفیق حسین، ڈاکٹر، الٰہ آباد: رام نرائن لعل بھینی

مادھو بک سیلر و پبلشرز، طبع دوم ۱۹۶۹ء

۳۴۶۔ نصرتی: دیوانِ نصرتی، (مرتبہ) جمیل جالبی، ڈاکٹر، لاہور: قوسین، ۱۹۷۲ء

۳۴۷۔ ....: گلشن عشق، (مرتبہ) مولوی عبدالحق کراچی: انجمن ترقی اردو ۱۹۵۲ء

۳۴۸۔ نصیر الدین نصیر شاہ: کلیات نصیر، (مرتبہ) تنویر احمد علوی، ڈاکٹر، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۸۸ء

۳۴۹۔ نصیر الدین ہاشمی: دکن میں اُردو، لاہور: مکتبہ معین الادب، ۱۹۵۲ء

۳۵۰۔ نظام رام پوری: کلیات نظام، (مرتبہ)، کلب علی خان فائق، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۵ء

۳۵۱۔ نظامی دکنی: کدم راؤ پدم راؤ، (مرتبہ) جمیل جالبی، ڈاکٹر، کراچی: انجمن ترقی اردو، بار اوّل ۱۹۷۳ء

۳۵۲۔ نظر زیدی، سید: نورٌ علی نور: لاہور: طیبہ پرنٹرز، ۱۹۹۶ء

۳۵۳۔ نظم طباطبائی: دیوان نظم طباطبائی، حیدر آباد دکن: انجمن امداد باہمی مکتبہ ابراہیمیہ، بار اوّل ۱۹۳۳ء

۳۵۴۔ نظیر لدھیانوی، اصغر حسین خان: صبحِ بہار، لاہور: مکتبہ کارواں، ۱۹۷۱ء

۳۵۵۔ نعیم صدیقی: نور کی ندیاں رواں، لاہور: میٹرو پرنٹرز، بار اوّل ۱۹۸۷ء

۳۵۶۔ نفیس اقبال، ڈاکٹر: اردو شاعری میں تصوف، میر، سودا اور درد کے عہد میں، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، بار اوّل ۲۰۰۷ء

۳۵۷۔ نفیس الحسینی، سید: برگِ گل، لاہور: نفیس منزل، ۲۰۰۶ء

۳۵۸۔ نفیس، الف۔ دین: مثنوی معارفِ اسلام، لاہور: حمایت اسلام پریس، بار دوم ۱۳۵۳ھ

۳۵۹۔ نور الحسن ہاشمی، ڈاکٹر: دھلی کا دبستان شاعری، لاہور: بک ٹاک، بار اوّل ۱۹۹۱ء

۳۶۰۔ نیرنگ، میر غلام بھیک: کلام نیرنگ، (مرتبہ) معین الدین عقیل، ڈاکٹر، کراچی: مکتبہ اسلوب، بار سوم ۱۹۸۳ء

۳۶۱۔ وجہی، اسد اللہ، ملا: قطب مشتری، (مرتبہ) عبدالحق، مولوی، ڈاکٹر، نئی دہلی: انجمن ترقی اردو، ۱۹۳۹ء

۳۶۲۔ وحید قریشی، ڈاکٹر: الواح، فیصل آباد: قرطاس، بار اوّل ۱۹۸۴ء

۳۶۳۔ ول ڈیورانٹ: داستان فلسفہ، ج ۲، (ترجمہ) عابد علی عابد، سید، لاہور: مکتبہ اردو، بار اوّل ۱۹۵۹ء

۳۶۴۔ ولی اللہ محب: دیوان ولی اللہ محب، (مرتبہ) شگفتہ زکریا، ڈاکٹر، لاہور: سنگت پبلشرز، ۱۹۹۹ء

۳۶۵۔ ولی دکنی: کلیات ولی،(مرتبہ) نور الحسن ہاشمی، لاہور: الوقار پبلی کیشنز،۱۹۹۶ء

۳۶۶۔ ہارون الرشید، پروفیسر: طوبیٰ، کراچی: ہارون اکیڈمی، طبع اوّل ۱۹۹۵ء

۳۶۷۔ ہری اودھ: بھگت کبیر، فلسفہ و شاعری(ترجمہ) سرسوتی سرن کیف، لاہور: فکشن ہاؤس، اشاعت اوّل ۲۰۰۲ء

۳۶۸۔ ہمدم اکبر آبادی:غنچۂ طرب، آگرہ: ابو العلائی اسٹیم پریس، س ن

۳۶۹۔ یحییٰ نشیط، سید، ڈاکٹر: اردو میں حمد و مناجات، کراچی: فضلی سنز، بار اوّل ۲۰۰۰ء

۳۷۰۔ یقین: انعام اللہ خان: انتخاب کلام انعام اللہ خان یقین،(مرتبہ) ابو الکلام قاسمی، لکھنؤ: اتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۹۳ء

۳۷۱۔ یگانہ چنگیزی، لکھنوی: کلیات یگانہ،(مرتبہ) مشفق خواجہ، ڈاکٹر، کراچی: اکادمی بازیافت، بار اوّل ۲۰۰۳ء

۳۷۲۔ یوسف ظفر: عشق پیچاں، لاہور: فیروز سنز، بار اوّل ۱۹۷۳ء

۳۷۳۔ یونس خالدی، محمد، (مرتب): مطالعہ حضرت غمگین دھلوی، علی گڑھ: انجمن ترقی اردو، ۱۹۶۳ء

انسائیکلوپیڈیا:

۱۔ اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ج ۸، ۹، لاہور: دانش گاہ پنجاب، ۱۹۷۳ء

۲۔ محبوب عالم، مولوی (مرتب): اسلامی انسائیکلو پیڈیا، لاہور: الفیصل ناشران، ۲۰۰۳ء

3- *Colliers Encyclopedia* Vol II PF collier Inc London: Newyork.

-4 Mircea Eliade: *The Encyclopedia of Religions*, Vol II, Macmillan Library Reference, Simon & Schusster macmillan, NewYork 1993.

مقالات:

۱۔ فوزیہ رانی: لالۂ صحرائی۔ حیات اور ادبی خدمات، تحقیقی مقالہ برائے ایم۔ فل اردو، مخزونہ علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد، ۲۰۰۲ء

۲۔ مسرت یاسمین: کنھیا لال ھندی، لاھوری، شخصیت و شاعری، مقالہ برائے ایم ۔اے

فارسی، لاہور: مخزونہ پنجاب یونیورسٹی، (۱۹۹۰ء۔ ۱۹۹۲ء)

مکتوب:

۱۔ مکتوبِ رئیس وارثی بنام پروفیسر جعفر بلوچ مرحوم مرقومہ۔۹۹۔۷۔۲۷

English Books:

1- Bashir Ahmed Dar (Ed) *Letters of Iqbal*, Lhr; Iqbal Academy, Ist Ed 1975.

2- Editor unknown: *Iqbal As a thinker*, Lhr: Ashraf press, 5th Ed, 1973.

3- Hafiz Ghulam Mustafa: *Religious trands in Pre-Islamic Arabic poetry*, Aligarh: Aligarh Muslim University press, Ist Ed, 1968.

4- Karen Armstrong: *A history of God*, Cox & Wyman LTD, Reading Berkshire: Great Britain, 1995.

5- Khalil Ahmed Hamidi: *A handbook of Islamic Prayers* LHR: Islamic Publications, 2nd Ed, 1978.

6- Muhammad Iqbal: *The Reconsturction of Religious thought in Islam*, London, Oxford university press, Ist Ed, 1934.

7- Radha Karishnan, Dr: *Indian Philosophy* 'vol I' George Allen 8 Unwin London: 1923.

8- Ram Babu Saksena: *European & Indo European poets of urdu and persian* Lhr: Book Traders.

9- T.Grahamae Bailey: *A history of Urdu literature*, Calcutta: Association Press, 1932.

رسائل و جراید:

۱۔ سہ ماہی، اردو نامہ، جولائی تا ستمبر ۱۹۶۱ء، کراچی

۲۔ ارمغانِ حمد، شاہ انصار الٰہ آبادی، حمد و نعت نمبر، جلد نمبر ۸، شمارہ نمبر ۸۸۔۸۷، اپریل مئی ۲۰۱۱ء کراچی

۳۔ الناظر، ستمبر، اکتوبر ۱۹۳۷ء لکھنؤ

۴۔ جہانِ حمد، صبا اکبر آبادی، حمد و نعت نمبر، شمارہ نمبر ۲، مارچ، ۲۰۰۲ء، کراچی

۵۔ ....، مناجات نمبر، شمارہ نمبر ۱۱، مئی، ۲۰۰۳ء، کراچی

۶۔ سہ ماہی 'سیارہ'، اشاعت خاص ۲۸ جون، ۱۹۸۹ء، لاہور

۷۔ سیارہ ڈائجسٹ، دعا نمبر، دسمبر ۱۹۹۶ء، لاہور

۸۔ سہ ماہی: کاروان ادب، اپریل، مئی، جون شمارہ ۱، ندوۃ العلما لکھنؤ

۹۔ مفیض، حمد نمبر، جلد ۷، شمارہ ۲۳، ۱۹۹۷ء، گوجرانوالہ

۱۰۔ نعت رنگ: شمارہ نمبر ۲، ستمبر ۱۹۹۸ء، کراچی

۱۱۔ ....، کتاب نمبر ۴، اشاعت اوّل، مئی ۱۹۹۷ء، کراچی

۱۲۔ ....، حمد نمبر، شمارہ نمبر ۷ اگست ۱۹۹۹ء، کراچی

۱۳۔ ....، شمارہ نمبر ۲۳، اگست ۲۰۱۲ء کراچی

۱۴۔ نقوش، لاہور نمبر ۲، شمارہ نمبر ۹۲، فروری، ۱۹۶۲ء

۱۵۔ ....، قرآن نمبر، جلد دوم، لاہور: ادارہ فروغ اردو، ۱۹۹۸ء

۱۶۔ ....، قرآن نمبر، جلد چہارم، لاہور: ادارہ فروغ اردو، ۱۹۹۸ء

۱۷۔ نگار: ہندی شاعری نمبر، فروری، مارچ، ۱۹۸۴ء

Urdu Shairee Mein Hamd o Munajat Ki Riwayat

A Thesis for the Degree of Ph.d in Urdu

Scholar	Supervisor
Sadia Hassan	Dr. Nafees Iqbal
AP Urdu GCW-Wahdat	Ex Head of Urdu
Colony Lahore	Department LCWU

Department of Urdu

Lahore College For Women University

Lahore.

Abstract

The thesis under consideration is divided into eight chapters. First chapter consists of introductory debates, in which the Origion of Hamad, Development of Thought & Art and its Tradition in Arabic, Persian Poetry has been studied. In 2nd chapter Research is conducted about Hamad o Munajat in Southern India. 3rd Chapter emcapasses the poetic efforts of the poets of Delhi and

Lakhnaw. 4th chapter includes long period of poetry i.e., from 1857 to 1947. 5th chapter about the topic of Hamad o Munajat in Pakistan. In 6th chapter Hamdia-o-Munajatia poetry of authors of Naat and Hamad has been critically viewed. 7th chapter include the view of presentation of volumes of Hamad. Urdu poetess and non Muslim poet's works in Hamad is described in 8th chapter. In this way from the origion 2013 a collective represenatation of Hamad o Munajat in Urdu Poetry is represented.